TAMERLANE: THE EARTH SHAKER BY HAROLD LAMB

امیر تیمور

جس نے دُنیا ہلا ڈالی
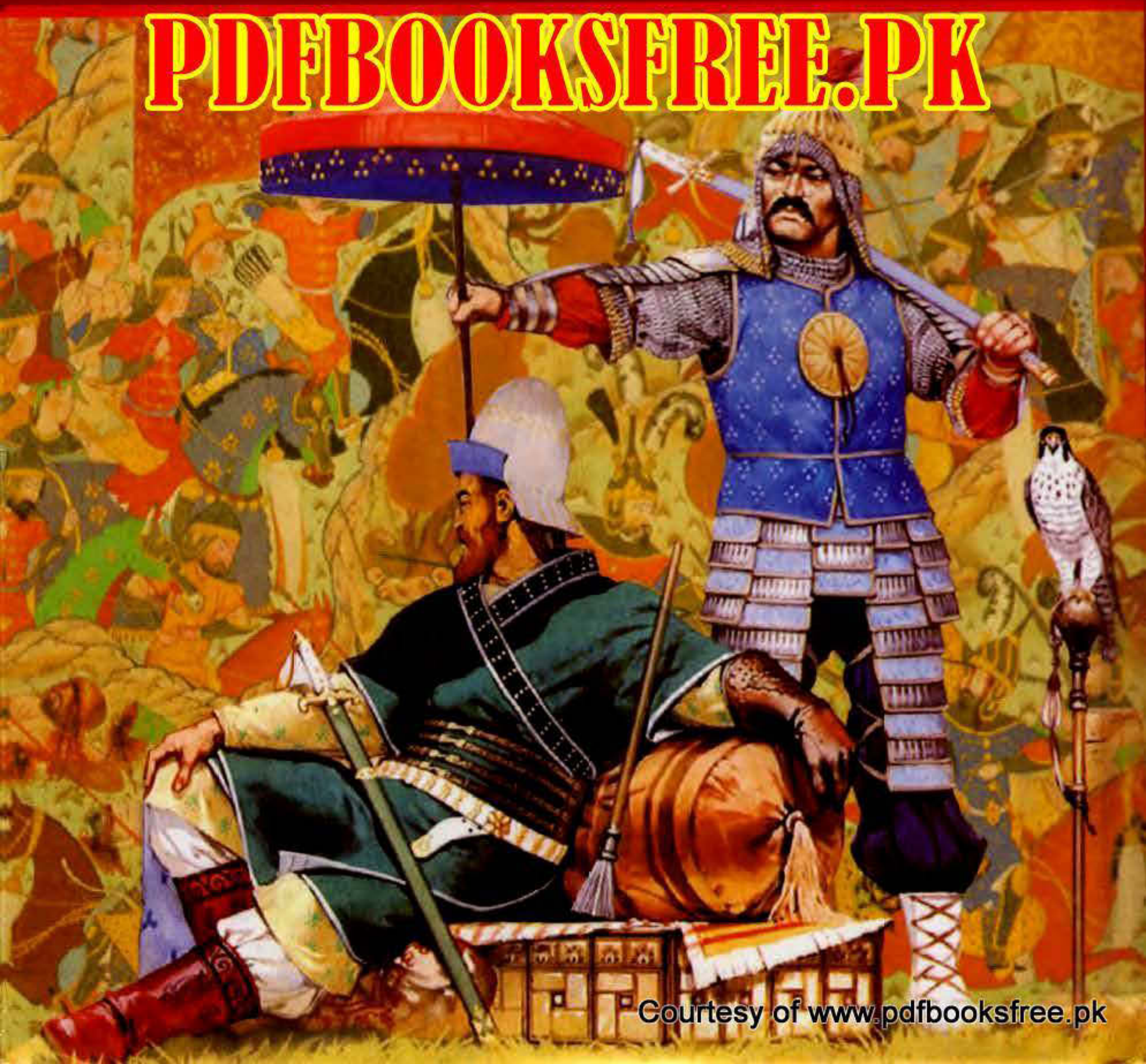
مصنف: ہیرلڈ لیم

مترجم: محمد عنایت اللہ

امیر تیمور

جس نے دُنیا ہلا ڈالی!

مصنف

ہیرلڈ لیم

مترجم

محمد عنایت اللہ دہلوی

ترتیب وتدوین

شاہد حمید

پکچرز ایڈیٹنگ

امر شاہد

ناشران:

بُک کارنر شوروم

بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان

رابطہ: 0544-621953, 614977 - 0323-5777931

WWW.BOOKCORNER.COM.PK

مشہور امریکی مؤرخ، فلمی منظر نگار، افسانہ نگار اور ناول نگار

ہیرلڈ لیم

کی اَصل انگریزی کتاب

''تمرلین، دِی اَرتھ شیکر''

کے چند ایڈیشنز کے سرورق

HAROLD LAMB
TAMERLANE

EMIR TIMUR
HAROLD LAMB

HAROLD LAMB
Tamerlane
CONQUEROR OF THE EARTH

TAMERLANE
The Earth Shaker
by HAROLD LAMB

This Book is an authorized Urdu translation of
TAMERLANE; *The Earth Shaker*
by Harold Lamb

نام کتاب : **امیر تیمور**
جس نے دُنیا ہلا ڈالی!
مصنف : ہیرلڈ لیم
مترجم : محمد عنایت اللہ دہلوی
ترتیب و تدوین : شاہد حمید
پروف ریڈنگ : حافظ ناصر محمود
اہتمام : گگن شاہد
پکچرز ایڈیٹنگ : امر شاہد
سرورق : ابو امامہ
کمپوزنگ : زیر اہتمام بک کارنر شوروم جہلم
قیمت : -/380 روپے

ناشران:
بُک کارنر شورُوم
بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان
رابطہ: 0544-621953, 614977 - 0323-5777931
WWW.BOOKCORNER.COM.PK

ثمرقند میں نصب کیا گیا امیر تیمور کا شاندار مجسمہ

میں نے عرض کیا ''تمہیں معلوم ہے امیر تیمور کو امیر تیمور کس نے بنایا تھا؟'' اس نے انکار میں سر ہلا دیا، میں نے عرض کیا ''امیر تیمور ایک عام اور غریب شخص تھا لیکن پھر اس نے سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فقرہ پڑھا، سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا انسان کو دُنیا میں بے تحاشہ علم حاصل کرنا چاہئے اور بے تحاشا دولت کمانی چاہئے، سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا تھا، انسان کو دولت اس لئے جمع کرنی چاہئے کہ دُنیا پرست لوگ آپ کو حقیر سمجھ کر مسترد نہ کر سکیں اور علم اس لئے حاصل کرنا چاہئے کہ آپ خود کو عالموں میں کمتر محسوس نہ کریں، امیر تیمور نے یہ فقرہ پڑھا اور علم اور دولت کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، اس نے زندگی میں 54 ملک فتح کئے اور تیمور دی گریٹ کہلایا، اس نے جو ملک، جو شہر فتح کیا اس نے اس کی ساری آبادی کو قتل کر دیا اور شہر کو جلا کر راکھ کر دیا لیکن جب وہ شیراز پہنچا تو اس نے سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فقرے کے صدقے پورے شہر کو امان دے دی''۔

(جاوید چوہدری کے ایک کالم سے اقتباس)

گورِ امیر

تیمور کی زندگی سے پہلے ایرانی طرزِ تعمیر کے گنبد نوکدار قسم کے ہوتے تھے مگر وہ اپنے قاعدے سے اوپر کو خوبصورت گولائی لیتے ہوئے نہیں اٹھتے تھے، شروع زمانے میں جو عمارتیں تیمور نے بنوائیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرز میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی گئی تھی لیکن ''بی بی خانم'' اور خود تیمور کے مقبرے میں جسے ''گورِ امیر'' کہتے ہیں خوبصورت گولائی لئے ہوئے گنبد بنائے گئے۔ اسی طرز پر دوسرے ملکوں میں تیمور کی اولاد نے اپنی عالی شان عمارتوں میں گنبد تعمیر کرائے ہندوستان کے مغل بادشاہ جو تیمور کی اولاد تھے، اس گنبد کو ہندوستان میں لے آئے، اور یہاں سب سے پہلے اس کی شکل مقبرۂ ہمایوں بادشاہ کے گنبد میں نظر آئی اور اس کا آخری جلوہ سب سے زیادہ حسین صورت میں ''تاج محل'' کے روضے میں آج تک نظر آ رہا ہے۔

''گورِ امیر'' بمقام اُزبکستان (سابقہ سمرقند)

سمرقند بالکل اسی نقشہ پر تیار ہوا جو تیمور نے اپنے ذہن میں کھینچا تھا، لڑائیوں میں بے حد سرگرم رہتا تھا مگر یہ سرگرمی اتنی نہ تھی کہ عمارت کا کوئی سامان جو سمرقند کی زیبائش کا باعث ہو سکے نظر سے بچ جاتا تبریز کا برف سا اجلا سنگ مرمر، ہرات کی رنگین روغنی پٹڑیاں، بغداد کا نازک نقرئی کام، ختن کا پاکیزہ یشب یہ سب چیزیں سمرقند میں موجود تھیں کسی کو خبر نہ ہوتی تھی کہ آگے کون سی عمارت بننے والی ہے، اور خبر کیونکر ہوتی کیونکہ سمرقند کا پورا نقشہ سوائے تیمور کے اور کسی کے دماغ میں تھا نہیں، اس شہر سے اس کو ایسی محبت تھی جیسے بوڑھے شوہر کو جوان بیوی سے ہو۔

گورِ امیر کا اندرونی منظر

دس برس تک سمرقند لڑائیوں سے بالکل محفوظ
رہا اور اس زمانے میں تیمور کے عزم اور
ارادے سے اس شہر کی ترقی میں بہت کچھ کر
دکھایا۔ جس وقت سمرقند پر تسلط ہوا تھا وہاں
سوائے کچی اینٹوں اور لکڑی کے مکانوں
کے اور کچھ نہ تھا مگر پکی اینٹوں اور لکڑی
کا شہر تیمور کے ہاتھوں میں آ کر ایشیا کا
روم بن گیا، غیر ملکوں میں جس قدر نفیس
چیزیں پسند خاطر ہوتیں، انھیں لا کر شہر کو
زیب و زینت بخشی، مال غنیمت میں بڑے
بڑے عالم اور فاضل آ گئے، ہر فتح کی
یادگار میں ایک نئی عمارت تعمیر ہوئی، ارباب
علم و فضل کے لیے بڑے بڑے مدرسے اور
کتب خانے تیار ہوئے اور اہل صنعت و
حرفت کے لیے ان کی باضابطہ جماعتیں
تجارت کے بڑے مقامات پر قائم کیں،
علمائے ہیئت کے لیے رصد خانے بن گئے
اور تماشائیوں کے لیے ایک باغ و حوض تیار
ہوا، جس میں درندے اور پرندے قدرتی
حالت میں نظر آتے تھے

سمرقند کا شہر اور اس کی عمارتیں تیمور کے طرزِ خیال کے مطابق تیار ہوئی تھیں، اپنی قوم کے دیگر
فاتحین کی طرح تیمور نے ایران کے طرزِ تعمیر کی جیسا کچھ بھی وہ اس وقت تھا نقل نہیں اتاری تھی،
ایران کی عمارتوں کو دیکھا ضرور تھا، اور جنوب کے ملکوں سے معمار اور مہندس بھی بہت سے سمرقند
میں لا کر بسائے تھے، لیکن سمرقند کی یادگار عمارتیں اپنے طرز میں تاتاری تخیل و تصور ہی کا نتیجہ تھیں،
ایرانی وضع کی نقل نہ تھیں، ان کے شکستہ آثار اور تیمور کی اور
عمارتوں کے شکستہ آثار جو اس نے اپنے زمانے میں سمرقند
کے علاوہ اور شہروں میں تیار کرائی تھیں آج تک تاتاری
فنِ تعمیر کا بہترین نقش دنیا کی نظروں کے سامنے
پیش کر رہی ہیں، ان کھنڈروں میں ایک
حسن لازوال کی شان پیدا ہے۔

تیمور کی عمارتیں اگر ان کو تفصیل سے دیکھئے تو بھدی اور بے ڈھنگی معلوم ہوتی ہیں لیکن محرابوں کے روکار ایسے نظر آتے ہیں جیسے چمن میں پھولوں نے آگ لگا دی ہو، کہیں کہیں استرکاری ناتمام رہی ہے، خالی اینٹیں اور ان کی ریخیں دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ سب کچھ سہی عمارت میں جس چیز کو سادگی کہتے ہیں وہ درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے، تعمیر میں تیمور حجم واستحکام پر فریفتہ تھا۔

انتہا درجے کی نفرت اور انتہا درجے کی محبت جیسی تیمور کے ساتھ ظاہر کی گئی ایسی کسی دوسرے بادشاہ کے ساتھ ظاہر نہیں ہوئی۔ تیمور کے دربار کے دو بڑے مؤرخ گزرے ہیں، ایک نے اس کو شیطان بتایا ہے دوسرے نے لکھا ہے کہ اس کی مثل کوئی عالی مقام اور عالی ظرف کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ ابن عرب شاہ لکھتا ہے کہ ''وہ ایک بے رحم قاتل، مکر وفریب میں استادِ کامل اور عداوت وانتقام میں خدا کا قہر تھا''۔ مولانا شرف الدین لکھتے ہیں کہ ''ہمت و شجاعت نے اس کو تمام تاتار کی شہنشاہی پر ممتاز کیا اور تمام ایشیا کو اس کے زیرنگیں کر دیا''۔

جائے پیدائش امیر تیمور

''شہرِ سبز'' اُزبکستان کا ایک شہر ہے جو سمرقند سے 80 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ کسی زمانے میں یہ وسط ایشیا کا ایک اہم شہر تھا اور آجکل امیر تیمور کی جائے پیدائش کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس شہر کا پرانا نام ''کش'' تھا۔ یہاں 9 اپریل 1346ء کو امیر تیمور پیدا ہوا۔ اپنے دَورِ حکومت میں تیمور نے شہر پر خصوصی توجہ دی تاہم دارالحکومت سمرقند کو قرار دیا۔ 16ویں صدی میں امیر بخارا عبداللہ خان دوم نے شیبانی حکومت کے خاتمے کیلئے اس شہر کو تہہ و بالا کر دیا۔ 1870ء میں روس نے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ شہر کی قدیم عمارات کے باعث یہ اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسکو کے عالمی ثقافتی ورثے میں شامل ہے۔

امیر تیمور کی آخری آرام گاہ

اَکسرائے پیلس

Ak-Saray Palace

1379ء میں امیر تیمور نے ایک عمارت تیار کروائی جسے "اَکسرائے پیلس" کہا جاتا ہے جو اُزبکستان کے شہر "شہرِ سبز" میں واقع ہے۔ اس تعمیر میں اِسلامی خطاطی کے شاندار نمونے ہیں جس میں لفظ "اللہ"، "محمد"، اور "علی" واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس کے نزدیک امیر تیمور کا شاندار مجسمہ بھی موجود ہے جو دُنیا بھر سے آنے والوں کی توجہ کا مرکز ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ تیمور متقی و پرہیزگار مسلمان نہ تھا، بلکہ ایسے لوگوں میں اس کا شمار تھا جو مذہب میں اپنے ہی خیال کے پیرو ہوتے ہیں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ مذہب کی نسبت حقیقت میں اس کا کیا خیال تھا، لیکن یہ امر کہ وہ مسلمان تھا اور اسلامی حمیت اور اسلام کی ترقی کا جوش اس کی طبیعت میں بھرا تھا اس قدر بار بار بیان ہوا ہے کہ ہمیں اس بیان کی تصدیق کے لئے شہادت تلاش کرنی ضروری ہے، خود تیمور کے کام سب سے بڑی شہادت ہیں۔

عہدِ امیر تیمور

Ottoman Sultan Beyazid imprisoned by Amir Timur, painted by Stanislaw Chlebowski.
Timur is the standing figure. He was lame, and is seen walking with a cane. He is also armed with a sword.
Bayazid appears to have an affect of depression. Bayazid is unarmed.
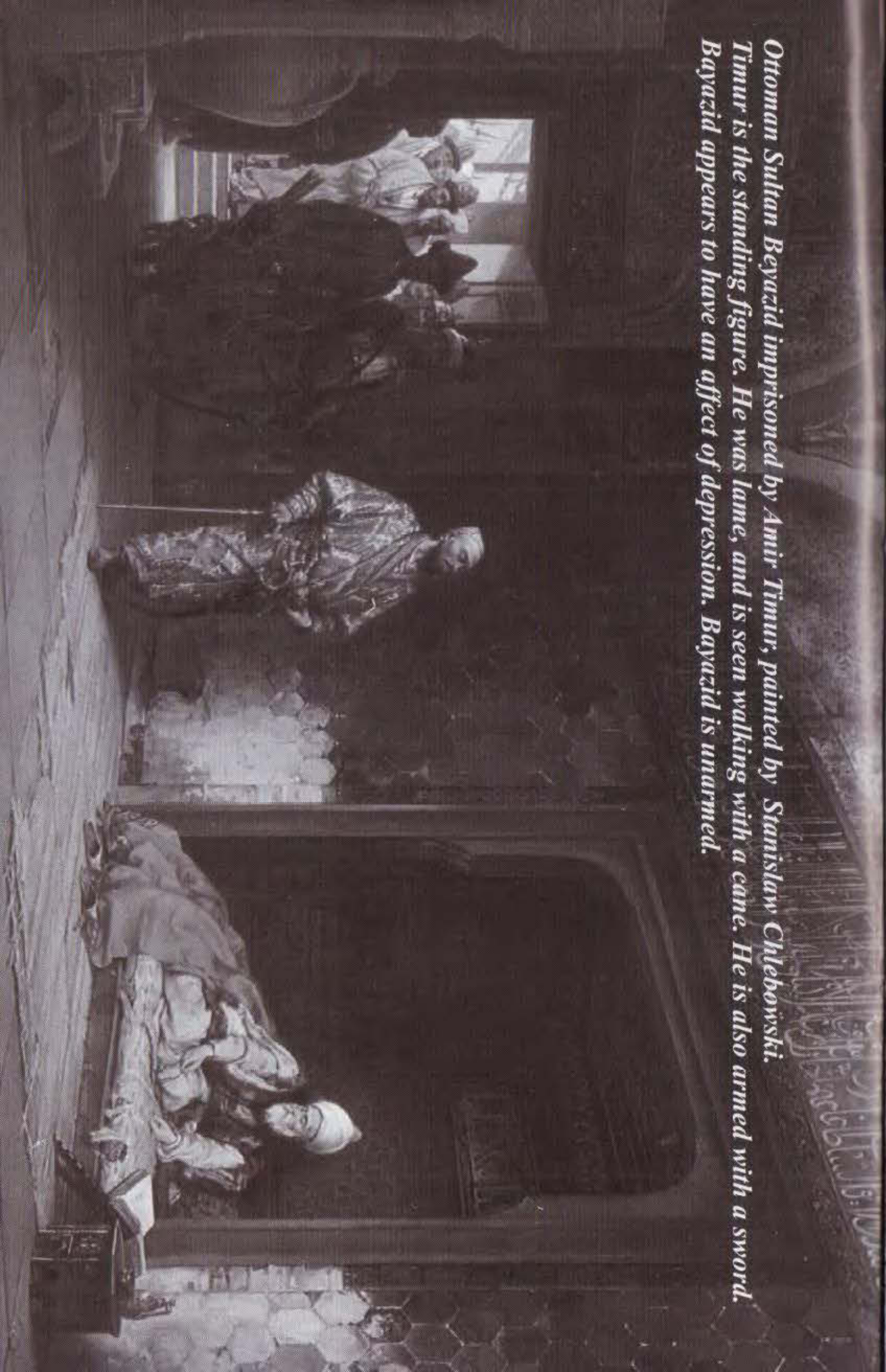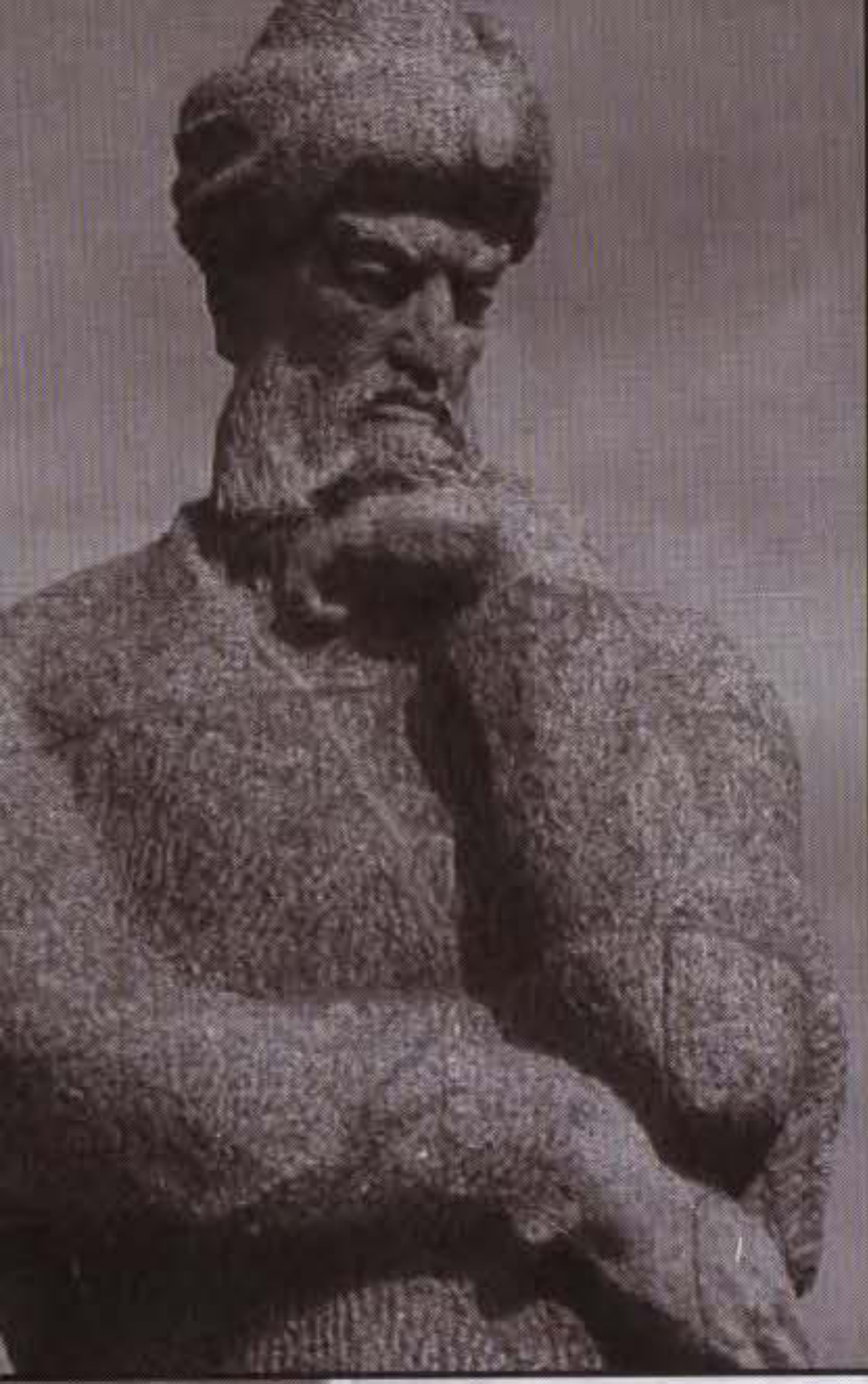
اُلغ بیگ

امیر تیمور کا علم دوست پوتا جس کو شاہ رُخ نے 1409ء میں ماوراء النہر اور سمرقند کا گورنر مقرر کیا تھا۔ علم نجوم کا بہت شوقین تھا۔ سمرقند میں ایک عظیم الشان رصدگاہ تعمیر کی۔ نجوم کے جو نقشے اس نے تیار کئے وہ نہایت درست تھے۔ 1650ء میں یہ نقشے لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئے اور آکسفورڈ سے شائع کئے گئے۔ ایران کا موجودہ کیلنڈر بھی اُسی کا مرتب کردہ ہے اور بروج کے نام اور اُن کے مقام بھی اُسی کے دیئے ہوئے ہیں۔ اس کے عہد میں سمرقند کا شمار دُنیا کے حسین ترین شہروں میں ہوتا تھا۔ اپنے باغی بیٹے لطیف کے ہاتھوں قتل ہوا۔

The Doors of Tamerlane (Tretyakov Gallery)

فہرست

دیباچہ

اصل انگریزی کتاب کی طرح اس کا یہ اُردو ترجمہ بھی دیباچہ کا محتاج نہیں ہے البتہ چند ضروری باتیں عرض کرنی ہیں۔

پہلی بات تو ایک قسم کی معذرت ہے جسے اُمید ہے کہ ناظرین قبول فرمائیں گے، ایشیائی تاریخ نویسی اور یورپین تاریخ نویسی کا طرز جدا ہے، ہمارے پرانے مؤرخ بادشاہ کو خدا بنا دیتے ہیں اور یورپ کے مؤرخ اگر خدا بھی اتفاق سے مل جائے تو اُسے انسان بنا دیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں (گو چراغ سحری ہیں) جن کے دل میں تیمور اور تیمور کے خاندان کی بے حد عزت ہے۔ یہ لوگ اُن کے علاوہ ہیں جو حضرت صاحبقران کی اولاد سے ہندوستان میں اب تک موجود ہیں اور جن کی عزت کرنے پر ہر نیک اور شریف دل مجبور ہے۔ یہ جس قدر اپنے مورثِ اعلیٰ کی تعظیم و تکریم کریں وہ کم ہے۔ مغربی طرز میں بادشاہوں کا نام لینے اور ان کا ذکر کرنے میں پاسِ ادب بہت کم ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جس نام کو ہم اپنی کتابوں کی سرخیوں میں ''شہنشاہ اعظم حضرت ابوالمنصو محمد قطب الدین امیر تیمور گورگان صاحبقران غازی نور اللہ مرقدہ و جعل الجنۃ مثواہ'' لکھا دیکھتے ہیں، مغربی مؤرخ وہاں ''تیمور'' یا ''تمرلین'' لکھتا ہے۔ افسوس ہے کہ مجھے اس بارے میں پوری احتیاط کرتے بن نہ پڑا اور زیادہ تر مصنف ہی کی تقلید پر مجبور رہا۔ اس لئے عجب نہیں کہ قدامت پرست بزرگ ترجمے کے بعض مقامات کو بے ادبی پر محمول کریں۔ مگر اُن کی خدمت میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ مصنف کی کتاب کا ہیرو بجز حضرت

امیر تیمور گورگان کے دوسرا کوئی نہیں ہے اور مصنف کی نیت مخالفت یا تعصب سے پاک ہے۔ ایسی صورت میں طرزِ بیان کا چنداں خیال نہ کرنا چاہیے، جب کوئی ایسا بڑا انسان ہو کہ کشور کشائی اور گیتی ستانی کے درجہ کو پہنچا ہوا ور اس کی قدرتی تصویر کھینچنی اس طرح مقصود ہو کہ وہ ہر دل کے قریب آ جائے تو قلم کا بے تکلف ہو جانا مقتضائے فطرت ہو جاتا ہے۔

دوسری بات خاص ترجمے کے متعلق عرض کرنی ہے اور وہ یہ ہے کہ ادبی محاسن جو اصل انگریزی کتاب میں ہیں وہ ترجمے میں ادا نہیں ہو سکے۔ پیچیدہ اور طولانی مضامین کو مختصر عبارتوں میں جو اپنے جثے سے کہیں زیادہ حاملِ خیالات ہیں سرعت روا روی کے انداز میں بیان کر جانا اور وہ بھی اس طرح کہ رفتار کی تیزی میں ادبی خوبیاں برابر جھلکتی رہیں، خفیف اشاروں سے خیال کے لئے وسیع میدان پیدا کر دینے، مناظر قدرت کا بیان واقعی، لشکروں کی نقل و حرکت، میدانِ جنگ کے کارنامے، پھر ایسی چیزیں جن کی طرف نظر تک نہ جائے اُن کے حسین پہلو سامنے لے آنے، غیروں کی صورت شکل وضع قطع کو اس طرح بیان کرنا کہ اپنوں کے لئے ظرافت کا سرمایہ بھی بہم پہنچتا رہے، بعض جگہ بے تکے پن میں بھی حسن گفتار کا سلسلہ ہاتھ سے نہ جانے دینا، حسب ضرورت ہر اسم و فعل کی صفت میں ایک ہی موزوں اور پرکیف لفظ سے کام لینا جہاں غیر منہ تکتے رہ جائیں، بہت سے غیر متعلق واقعات کو ایک ہی سلسلے میں اس طرح کہہ جانا کہ بظاہر ان میں تعلق معلوم ہونے لگے، نہ نظر اٹکے، نہ خیال رُکے، تصویر کے بہت سے خطوط ندارد کر دینا پھر بھی صورت کا پورا نقش پردۂ نظر پر مکمل رکھنا، انگریزی مصنف کے طرزِ بیان کی وہ دلفریب ادائیں ہیں جو ایک اردو زبان رکھنے والے کو خاص طور پر متاثر کرتی ہیں اور اس کی قوت سے باہر ہو جاتا ہے کہ ان ادبی خوبیوں کی نقل وہ اپنی زبان میں پوری پوری اُتار سکے۔

انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کرنے کی خدمت کسی کو بھی ملے اکثر یہی دیکھا ہے کہ اُردو کی کم مائیگی کی شکایت زبان پر بار بار آنے لگتی ہے، مگر کوئی چارہ نہیں، کیونکہ دونوں زبانوں کی قوت کا فرق ایک لاعلاج مجبوری ہے۔ اگر زیادہ جرأت کیجئے اور غیروں کے حسنِ بیان کو اپنے باغوں سے ڈالیاں لگا کر پیش کیجئے تو پھر وہ ترجمہ نہیں رہتا، نہ اُردو کا مذاق اسے قبول کرتا ہے نہ انگریزی کا، کیونکہ اصلی ہیئت بدل جاتی ہے، واقعہ نگاری کا نقش ایک

زبان سے دوسری زبان میں اُتارنا ممکن ہوتا ہے لیکن جہاں تخیل کی نزاکتیں اور قوتِ ادا کی خصوصیات ہوں وہاں غیر زباں وہ بھی ہم انگریزی دان مفلسوں کی مفلس اُردو بالکل مجبور و معذور ہو جاتی ہے۔

بہرکیف ترجمے کی مشکلات کچھ ایسی ہیں کہ کتنی ہی محنت اور دماغ سوزی کیجئے نہ مترجم کو اطمینان ہوتا ہے اور نہ پڑھنے والا خوش ہو کر آسانی سے مطلب سمجھتا چلا جاتا ہے، مگر اس محنت بلا مزد سے بھی کسی طرح چارہ نہیں، دل نہیں مانتا کہ کوئی اچھی کتاب ہو خواہ کسی کی ہو اور وہ اپنی زبان میں نہ ہو۔

کوئی اچھی کتاب!...... یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سی کتاب اتنی اچھی ہے کہ ترجمے کیلئے اُسے منتخب کیا جائے۔ اس خصوص میں مَیں بہت خوش قسمت رہا، عالی جناب نواب سر امین جنگ بہادر نے مسٹر ہیرلڈلیم کی دونوں کتابوں یعنی ''تمرلین'' اور ''چنگیز خان'' کو اُردو میں ترجمہ کرنے کے لئے عالی جناب نواب حیدر نواز جنگ سر اکبر حیدری سے تحریک فرمائی۔ سر اکبر حیدری نے مجھے لکھا کہ ان کتابوں کے ترجمے کا کیا بندوبست ہو سکتا ہے، کتابوں کو پڑھنے کے بعد اور ایسے جوہر شناسانِ علوم و معارف کی تحریک پر مجھے خود دونوں کتابوں کے ترجمہ کرنے کا شوق ہوا چنانچہ ان دو میں سے ''تمرلین (Tamerlane)'' کا ترجمہ نذرِ ناظرین کرتا ہوں، دوسری کتاب یعنی ''چنگیز خان'' کا ترجمہ بھی ختم کر لیا ہے اور اُمید ہے کہ وہ بھی جلد ناظرین کے سامنے پیش ہوگا۔

ہیرلڈلیم کی دونوں کتابیں نہایت دلچسپ اور پُرلطف ہیں، مگر تاریخ کے مبصروں میں ایک معزز گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو مؤرخ کو صرف اتنی اجازت دیتے ہیں کہ وہ محض خشک و خالص واقعات اُن کے سامنے پیش کرے تاکہ واقعات سے وہ خود ہی نتائج مستنبط کر سکیں، اس قسم کے مبصروں کو مسٹر لیم کی کتاب صرف ایک ''افسانہ'' معلوم ہوگی، لیکن واقعہ یہ نہیں ہے، مصنف نے علاوہ ایسے کارناموں کی صراحت کے جو یورپ کے براعظم پر تیمور سے عمل میں آئے اور جن کا اندازہ فارسی تاریخوں سے بہت کم ہوتا ہے، حضرت صاحبقراں کے زیادہ تر سوانح وہی لکھے ہیں جو مولانا شرف الدین علی یزدی کے ظفرنامے میں بھی بیان ہوئے ہیں، اور مولانا شرف الدین کا ظفرنامہ تیمور کے حالات میں ایک مانی ہوئی کتاب

ہے۔ البتہ انگریزی مصنف نے صرف ایسے حالات کو جو اپنے منظر و ماحول کے اعتبار سے چشم خیال کیلئے زیادہ دلکش تھے منتخب کر کے حسن و خوبی سے لکھا ہے باقی حالات پر سرسری نظر ڈالی ہے۔ غالباً اسی انتخاب نے معترض کی نظر میں کتاب کو محض ایک افسانہ بنا دیا، مگر یہ اعتراض بھی حسین ہے، ہر چیز کی قدر و قیمت پرکھنے کیلئے نظر چاہیے۔ کون سا افسانہ ہے جس کی بنا حقیقت پر نہیں اور کون سی حقیقت ہے جس نے افسانہ بن کر دل پر قابو نہ پایا ہو، مگر جب نظر ہو نہ دل تو پھر شکایت کیا، خشک تاریخی واقعات کو پڑھنا بھی کڑوی دوا کا حلق سے اُتارنا ہوتا ہے۔ مگر ہمارے مصنف نے اس تلخ معجون میں بھی ایسے جواہرات حل کر دیئے ہیں کہ واقعات کی حقیقت اور ان کے اثر میں بغیر فرق آئے ایک نیا لطف اور ذائقہ پیدا ہو گیا ہے اور امیر تیمور گورگان کا ایک ایسا مرقع تیار کر دیا ہے جس میں وہ چلتا پھرتا زندہ نظر آتا ہے اور یہ زندہ تصویر وہ ہے جو ناظر کتاب کو اصلی ماخذوں کی طرف بے اختیار رُجوع کر کے تاریخ بینی کا شوق بڑھاتی ہے اور افسوس ہوتا ہے کہ ہم کہاں تھے جبکہ ہمارے ہی باغوں سے جن کی طرف سے ہماری نظریں پھر چکی ہیں دوسروں نے پھول اور پتے چن کر ایسے گلدستے تیار کر دیئے جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

مجھے یہاں یہ لکھنا بہت ضروری ہے کہ فارسی تاریخوں کے حوالے جو ترجمے کے حواشی میں اکثر لکھے گئے ہیں وہ مصنف کتاب کی طرف سے نہیں ہیں، یہ قصور میرا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ترجمہ کرتے وقت میں فارسی تاریخیں بالخصوص ظفرنامہ اور تزک تیمور برابر پڑھتا گیا، جہاں جہاں مجھے معلوم ہوا کہ انگریزی مصنف کا لکھا ہوا مضمون فارسی کتابوں میں زیادہ صراحت اور دل بستگی سے اپنے اصلی رنگ میں پڑھا جا سکتا ہے وہاں میں نے فارسی کتاب کی جلد اور صفحات کا حوالہ دے دیا، اور کہیں کہیں فارسی عبارتیں یا ان کے ترجمے مختصر طور پر نقل کر دیئے، اسی طرح کہیں کہیں عبارت کو کھولنے کیلئے مختصر سا حاشیہ بھی لکھا ہے۔ افسوس ہے کہ مجھے اتنا وقت نہ مل سکا کہ میں ایک مرتبہ پورے غور سے ترجمہ کا اصل سے مقابلہ کر لیتا۔ ممکن ہے کہ ترجمہ یا متن میں کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں جس کا افسوس تو ہوگا مگر اُمید ہے آپ اُس کی نشاندہی کروا کر اپنا فرض پورا کریں گے تاکہ آئندہ ایڈیشن میں دُرستگی کی جائے۔

ناشران کا میں بہت ممنون ہوں کہ جہاں تک صحت ممکن تھی اس صحت اور خوشنمائی کے ساتھ یہ ترجمہ وہاں طبع ہو گیا اور مجھے کاپیاں اور پروف دیکھنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑی۔

آخر میں، مگر سب سے زیادہ میں مسٹر ہیرلڈلیم کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مہربانی فرما کر اپنی نہایت دلچسپ اور شیریں کتاب کا ترجمہ شائع کرنے کی مجھے تحریری اجازت دی اور مجھے اُمید ہے کہ درخواست پر وہ مجھے اپنی دوسری کتاب ''چنگیز خان'' کے ترجمہ کو شائع کرنے کی بھی اجازت دے دیں گے۔

محمد عنایت اللہ

ناظم شعبۂ تالیف وتراجم

حیدرآباد دکن
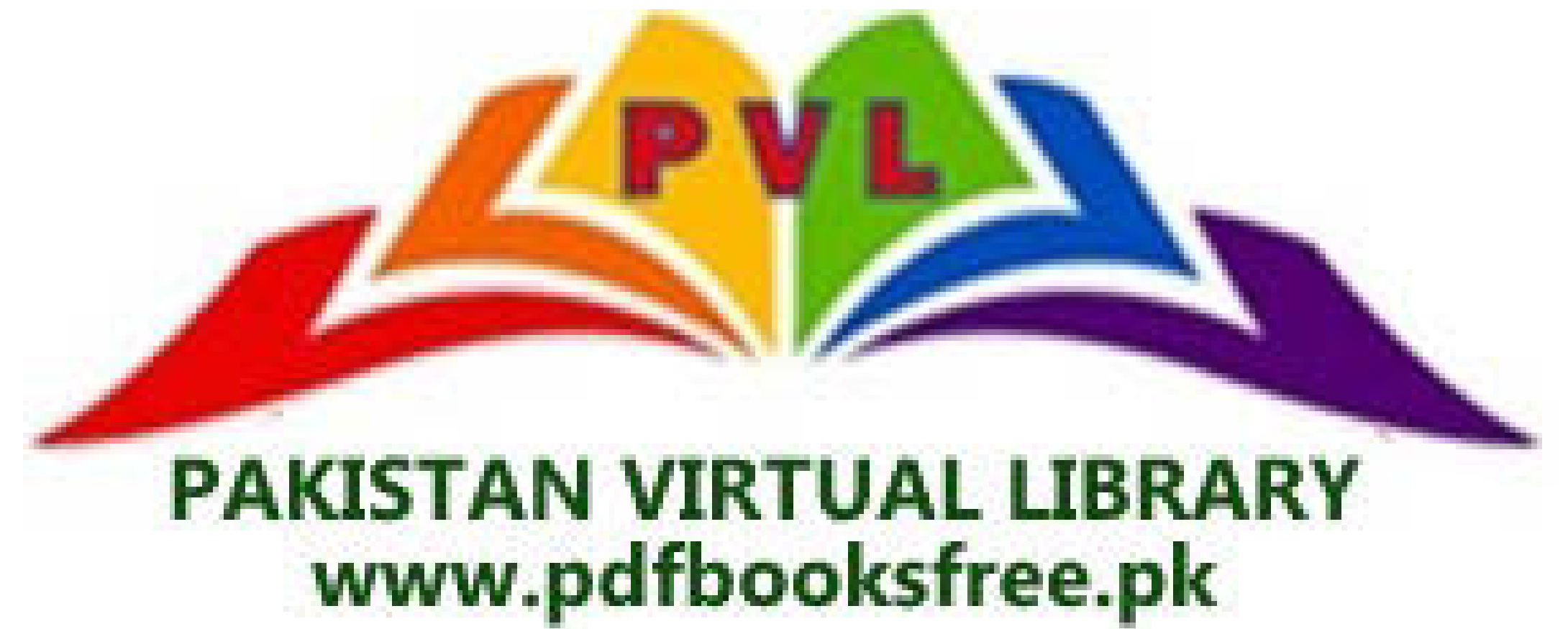
تیمور

تمہید

عزم

پانچ سو پچاس برس منقضی ہوتے ہیں کہ ایک شخص نے دُنیا کا مالک بننا چاہا۔ جس کام میں ہاتھ ڈالا کامیاب ہوا، اسی شخص کو ہم ''تمرلین'' (تیمورلنگ) کہتے ہیں۔

ابتدا میں وہ ایک شریف زادہ قلیل مقدرت کا آدمی تھا، ایشیا وسطی میں جسے فاتحوں کا مولد کہنا زیبا ہے کچھ زمین اور چند مویشیوں کے سوا اور کچھ نہ رکھتا تھا، سکندر کی طرح کسی بادشاہ کا فرزند نہ تھا اور نہ چنگیز خان کی طرح کسی سرخیل کا وارث، فتح مند سکندر کے پاس مقدونیہ کے لوگ اور چنگیز خان کے پاس مغلوں کے گروہ شروع ہی سے موجود تھے، مگر تیمور نے خود اپنے لئے ایک قوم فراہم کی۔

نصف دُنیا سے زیادہ کے لشکروں کو یکے بعد دیگرے مغلوب کیا، شہروں کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑ پھینکا، اور پھر جس طرح چاہا اُنہیں از سرِ نو تعمیر کیا، سڑکیں اور راستے ایسے بنائے کہ دو براعظموں کی تجارت کا مال اُن پر سے گزرنے لگا، اقلیموں اور سلطنتوں کی دولت اپنے قبضے میں لایا اور جس طرح دل چاہا اسے صرف کیا، پہاڑوں کی چوٹیوں کو درست کر کے اُن پر نزہت گاہ تعمیر کئے اور یہ صرف ایک ماہ کے عرصے میں، کسی متنفس نے تیمور سے زیادہ غالباً اس بات کی کوشش نہیں کی کہ ''ایک بگڑے ہوئے نظام اشیا کو قابو میں لا کر اسے ایسے قالب میں ڈھال دے جو اپنے دلی منشاء سے قریب تر ہو''۔

پہلے بھی اہل یورپ اسے ''تمرلین'' (تیمورلنگ) کہتے تھے اور اب بھی اسی نام

سے وہ اُن میں مشہور ہے، ہماری عام تاریخوں میں جو ملک اس کے زیر نگیں تھے انہیں ''سلطنت تیمور'' لکھا جاتا ہے لیکن پانچ سو برس پہلے ہمارے بزرگ تیمور کی قلمرو کو ''تاتاری'' کہتے تھے، دھندلی سی ایک صورت کسی بڑے جابر وسفاک کی اُن کے ذہن میں تھی جو یورپ کے دروازے سے باہر زریں خیموں اور مناروں میں گشت لگاتی نظر آتی تھی اور یہ منارے آدمیوں کے کٹے ہوئے سروں سے چنے ہوتے تھے جن پر رات کے وقت غیبی شعلوں کی روشنی چمکا کرتی تھی۔

ایشیا اُس سے خوب واقف تھا، اُس پر ناز بھی کرتا تھا اور افسوس بھی، وہاں ایسے دشمن بھی تھے جو اسے ایک بڑا گرگ سیاہ کہتے تھے، مگر اس کے ہمراہی و خیر خواہ اسے شیر ژیاں اور گیتی ستاں کے لقب سے یاد کرتے۔ نابینا ملٹن نے عزازیل کی پر شکوہ تصویر میں جو مہیب رنگ بھرے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ تیمور لنگ کے قصوں پر غور کرنے کے بعد قلم میں یہ زور آیا تھا۔

شعراء نے خیال آفرینیاں کیں اور مؤرخین پر سکوت کا عالم رہا کہ تیمور کو کس زمرہ میں تصور کریں، اس کا جواب آسان نہ تھا، کسی شاہی خاندان کا وہ رکن نہ تھا، اپنی ذات سے البتہ ایک شاہی خاندان کی بنا ڈال گیا، وحشیوں میں اٹیلا کی مثل نہ تھا، جس نے روما کو غارت کیا تھا، بلکہ باوجود عالمگیر ابتری کے خود اپنا ایک روما صحرا میں آباد کر گیا، تخت شاہی اپنے لئے آراستہ کیا، لیکن عمر کا بیشتر حصہ گھوڑے کی پیٹھ پر گزرا، تعمیر کی طرف متوجہ ہوا تو سابق کی کسی عمارت کو پیش نظر نہ رکھا، چٹانوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں اور صرف ایک گنبد کو دیکھ کر جسے دمشق میں اس شہر کو جلانے سے پہلے دیکھا تھا اپنی طبیعت کے موافق فن تعمیر میں ایک طرزِ نو پیدا کیا، تیمور کے ذہن کا یہ خوشنما گول گنبد روسی عمارتوں کے لئے نمونہ ہو گیا، ہندوستان میں ''تاج محل'' کے سر کا تاج بنا، اور ''تاج محل'' کا بانی تیمور ہی کے پڑپوتوں میں سے ایک مغل بادشاہ تھا، تاریخ نے اس کے زمانے کے یورپ کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے ہمیں معلوم ہے کہ ریاست وینس پر مجلس [1] ارکانِ عشر کو کیا اقتدار

[1] ۱۳۱۰ء میں جب وینس کی ریاست میں ایک بغاوت ہوئی تو ریاست کی مجلس عظمیٰ نے اپنے ارکان میں سے دس آدمیوں کو منتخب کر کے ان کی ایک مجلس ''ارکان عشر'' کے نام سے مقرر کی تاکہ رعایا کی جان و مال کی حفاظت ہو، (دیکھولاج کی کتاب ''عہد وسطیٰ کا اختتام''۔ صفحہ ۳۹) مترجم

حاصل تھا، رینزی [1] (شاعر [2] ڈانٹی کی وفات کے ایک پشت بعد) کیونکر اپنے وقت کا موسیٰ لونی ہو گیا یہ زمانہ وہ ہے کہ پٹرارک [3] تصنیف میں مصروف ہے اور فرانس میں جنگ صد سالہ [4] بہ ہزار دشواری اپنا دور بے سود پورا کر رہی ہے اور لیان اور برگنڈی کے لوگ نیم مجنون بادشاہِ فرانس چارلس [5] ششم کی بے پرواہ نگاہوں کے سامنے پیرس کے قصائیوں [6] سے بحث میں سرگرم ہیں۔ یورپ اس وقت نوعمر تھا۔ بیدار ہو کر عہد وسطیٰ کی ظلمت سے ابھی باہر آیا تھا۔ نشاۃ جدیدہ [7] کی روشنی نے ابھی تک اس میں چمک پیدا نہ کی تھی۔

تہذیب و تمدن کی نعمتیں، کپڑا، کتان، گرم مصالحہ، ریشم، لوہا، فولاد، چینی ظروف ان سب کیلئے یورپ کی نظریں مشرق کی طرف لگی رہتی تھیں، چاندی، سونا، جواہرات سب مشرق ہی سے آتے تھے، اس خشکی کی تجارت سے وینس اور جنیوا کی ریاستوں کو بڑا عروج حاصل ہو گیا تھا۔ قرطبہ اور اشبیلیہ کی عمارتیں، غرناطہ کے محلات اور قصور عربوں نے بنائے تھے، قسطنطنیہ کا طرز آدھا مشرقی تھا۔

[1] رستری (کولادی رینزی) اٹلی کا بڑا سیاسی مصلح تھا، (۱۳۱۳ء، ۱۳۵۴ء) ۲۰ مئی ۱۳۴۷ء کو ایک بڑے گروہ کا پیشوا بنا اور ٹرائیبیون کا لقب اختیار کر کے دارالحکومت پر چڑھائی کی اور اپنے بنائے ہوئے قوانین جنہیں رعایا کی زیادہ بھلائی مدنظر تھی جاری کئے (دیکھولاج کی کتاب ''عہد وسطیٰ کا اختتام''۔ صفحہ ۱۵۶، ۱۶۱) مترجم

[2] اٹلی کا شاعر بے بدل تھا، ولادت ۱۲۶۵ء وفات ۱۳۲۱ء مترجم

[3] یہ بھی اٹلی کا مشہور شاعر تھا، ولادت ۱۳۰۴ء وفات ۱۳۷۴ء مترجم

[4] ''جنگ صد سالہ'' یہ نام ایک بڑی طول وطویل لڑائی کا ہے جو فرانس اور انگلستان میں ۱۳۳۷ء سے ۱۴۵۳ء تک پانچ فرانس کے اور پانچ ہی انگلستان کے بادشاہوں کے زمانے میں جاری رہی، بنائے مخاصمت فرانس کے کچھ حصے تھے جن کا مالک انگلستان تھا۔ مترجم

[5] ولادت ۱۳۶۸ء وفات ۱۴۲۲ء۔ مترجم

[6] چودھویں صدی میں جبکہ چارلس ششم فرانس میں بادشاہ تھا، تو پیرس کے قصاب رعایا کے لیڈر بن گئے اور دو برس تک حکومت کرتے رہے، (دیکھولاج کی کتاب ''عہد وسطیٰ کا اختتام'' صفحہ ۱۵۶۔ ۱۶۱) مترجم

[7] عہد وسطیٰ کے ختم ہونے پر جو تغیر یورپ میں پیش آیا یا یہ سمجھئے کہ یورپ میں علوم و فنون نے جس طرح دوبارہ زندگی اختیار کی اسے نشاۃ جدیدہ کہتے ہیں۔

یورپ سے سائبیریا والی ریل کے ایک جنکشن سے قریب پتھر کا ایک ستون لگا ہے، اس ستون کے ایک رُخ ''یورپا'' اور دوسرے رُخ ''ایشیا'' لکھا ہے، تیمور کے زمانہ میں یہ ستون ہوتا تو طول بلد کے پچاس درجے ہٹا ہوا مغرب میں وینس کے قریب کہیں نصب ہوتا، اُس وقت یورپ وسعت میں ایشیا کے ایک صوبے سے زیادہ نہ ہوتا اور یہ صوبہ بھی ادنیٰ درجے کے امراء اور کاشتکار غلاموں کا ہوتا، جہاں کے شہر گاؤں سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے اور زندگی بقول ایک مؤرخ کے شکایتوں اور مصیبتوں کی ایک داستان ہوتی۔

یورپ کی حالت سے جو اس صدی میں اس کی تھی ہم خوب واقف ہیں لیکن اس منظر میں اس انسان سے آشنا نہیں جو دنیا پر حکومت کرنے اٹھا تھا، اُس زمانے کے اہل یورپ تیمور کی شان وشوکت کو ایک آسیب اور اس کی سطوت کو شیطان کی قوت سمجھتے تھے، جس وقت یورپ کی دہلیز پر قدم رکھنے کو ہوا تو یورپ کے تاجداروں نے اُسے نامے لکھے اور سفارتیں ''تیمور اعظم سلطان تاتاری'' کی خدمت میں روانہ کیں۔

انگلستان کے بادشاہ ہنری چہارم نے جو سرحد پار پروشا کے شہ سواروں سے لڑ چکا تھا اس نامعلوم فاتح کو اس کی فتوحات پر مبارک باد دی، چارلس چہارم بادشاہِ فرانس نے ''فاتح ذی وقار شاہ تیمور'' کی تعریف لکھ کر بھیجی، ہوشیار اور عقلمند اہل جنیوا نے قسطنطنیہ سے باہر تیمور کا علم بلند کیا، مانیول قیصر قسطنطنیہ نے مدد کے لئے تیمور سے درخواست کی، لرد دون ہنری ''بادشاہ قشتالیہ بہ افضال الٰہی'' نے روے دی گونزالیز کلاویجو کو بطور سفیر تیمور کی خدمت میں بھیجا، اور کلاویجو تیمور کے پیچھے پیچھے سمرقند تک گیا اور وہاں سے واپس آ کر تیمور کے حالات جو خود لکھے تھے اپنے بادشاہ کو پیش کئے۔

''تیمور لنگ بادشاہ سمرقند'' مغلوں کی تمام زمینوں اور ہندوستان کو فتح کر کے اور ''ارض خورشید'' (خراسان) کو جو بہت بڑی قلمرو ہے مسخر اور ملک خوارزم کو مطیع اور منقاد فرما کر اور تمام فارس اور مغربی ایران کو مع تبریز اور سلطانیہ اپنے تصرف میں لا کر اور 'ارض حریر' اور 'ارض ابواب' پر قبضہ کر کے، نیز آرمینیہ کوچک اور ارض روم اور کردستان پر مستولی ہو کر اور شہریار ہند کو جنگ میں مغلوب اور اس کی قلمرو کے ایک حصہ پر مسلط ہو کر اور شہر دمشق کو

غارت اور بلاد حلب، بابل و بغداد فتح و تاراج کر کے اور ان کے علاوہ اور بہت سے ممالک و دیار اور بادشاہوں کو زیر کر کے اور بہت سی لڑائیوں میں فتح پا کر بایزید ترک کے مقابلے میں آیا جو دنیا کے عظیم الشان بادشاہوں میں تھا، بایزید سے لڑا اور فتح پا کر اسے قید کر لیا''۔

یہ بیان کلاویجو کا ہے جو تیمور کی حضور میں پیش ہوا، دربار سمرقند میں حاضر ہو کر اس سفیر نے دنیا کے اکثر فرمانروا خاندانوں کی شہزادیوں اور چین و مصر کے سفیروں کو دیکھا، افرنگیوں کے سفیر ہونے کی وجہ سے اس کی خاطر ومدارت دربار میں اس بنا پر بھی ہوئی کہ ''سمندر میں چھوٹی سے چھوٹی مچھلی کو بھی جگہ مل جاتی ہے''۔[1]

شاہانِ یورپ کی بزم محتشم میں تیمور کو کرسی نہیں دی گئی، تاریخ کے صفحات میں ایک اُڑا ہوا سا نقش اس خوف و ہراس کا جو یورپ کے دل پر تیمور نے پیدا کیا تھا ملتا ہے، مگر باشندگان ایشیا کی نظر میں تیمور اب تک حضرت صاحبقران ''امیر تیمور گورگان اعظم'' ہے۔

پانچ صدیوں کے بعد آج بھی یہ واقعہ اظہر من الشمس ہے کہ دنیا کے بڑے فاتحوں میں تیمور سب سے آخری فاتح تھا، نپولین اور بسمارک اپنی اپنی جگہ پر ہیں، ایک ناکام مرا، دوسرا صرف ایک سلطنت کی سیاسی راہنمائی میں ممتاز ہوا۔ مگر تیمور نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کی جتنی لڑائیاں لڑا سب میں جیتا، صرف ایک بڑی سلطنت جو اس سے مقابلہ کی طاقت رکھتی تھی باقی رہ گئی تھی اور اب اُسی سلطنت سے دست وگریباں ہونے کو چلا تھا کہ پیغام اجل آ پہنچا۔

تیمور کے عزم کو سمجھنے کیلئے اس انسان کی زندگی پر غور کرنا چاہیے جس نے فی نفسہٖ عزم کیا تھا، اس غور کے لئے ضروری ہے کہ یورپ کی تاریخوں کو بالائے طاق رکھا جائے موجودہ تہذیب وتمدن اور اس کے تعصبات کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں اور تیمور کو ان لوگوں کی نظر سے دیکھا جائے جو گھوڑوں پر سوار اسکے ساتھ چلتے تھے۔

---

[1] ''در آں طوئ ایلچیاں افرنج حاضر بودند و بہرور، مصرع۔
کہ ''خس نیز در بحر باید گذر''۔ ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۶۰۰۔

جس طرح کلاویجو سفیر قشتالیہ سے عمل میں آیا اسی طرح ہمارا بھی فرض ہے کہ خوف کے پردوں سے نکل کر اور کٹے ہوئے سروں کے میناروں سے آگے بڑھ کر اور قسطنطنیہ سے گذر کر سامنے کے سمندر کو عبور کر کے ایشیا میں قدم رکھیں اور خراساں کی سڑک پر سمرقند کے قصد سے رہ نورد ہو جائیں، زمانہ سنہ ہجری کے اعتبار سے ۷۲۷ اور سنہ عیسوی کے لحاظ سے ۱۳۲۵ ہے۔

مقام ایک دریا ہے۔

ہیرلڈ لیم

باب ۱

ماوراء النہر

بادشاہ قشتالیہ کا سفیر کلاویجو کہتا ہے کہ ''یہاں کا دریا ان چار دریاؤں میں سے ایک ہے جو جنت سے نکلے ہیں، ملک روشن، فرحت انگیز، دلکش اور خوشنما ہے''۔

سر پر مطلع صاف ہے، دور پہاڑوں کے نیلگوں سلسلے اونچے ہوتے ہوتے اُس برفانی چوٹی تک پہنچے ہیں جسے تخت سلیمان کہتے ہیں، ہر دامنِ کوہ پر سبزہ زار ہیں، چشمے اوپر سے نیچے اُترنے میں بازی لگا کر دوڑتے نظر آتے ہیں۔ ان کا پانی ان بلندیوں کی خنکی سے جہاں سے یہ اُترے ہیں اب تک سرد ہے، میدانوں میں بھیڑیں چرتی ہیں اور چرواہے جھبرے ٹٹوؤں پر بیٹھے ان کی گلہ بانی کرتے ہیں، نیچے گھاٹیوں میں گاؤں کے قریب اونچی اونچی گھاس میں مویشی چر رہے ہیں۔

دریا چونے کے بڑے بڑے چٹانوں میں سے پیچ وخم کھاتا ایک لمبی گھاٹی میں آہستہ آہستہ بہتا ہے، یہاں شہتوت کے گھنے درختوں اور تاکستانوں کی کثرت سے اندھیرا سا رہتا ہے، دریا سے نالیاں اور نہریں کاٹ کر جَو اور دھان کے کھیتوں اور خربوزوں کی کیاریوں میں پانی پہنچایا ہے، آب رسانی کے لئے تالاب جابجا پانی سے بھرے ہیں اور ان کے کنارے رہٹ چلا کر آہستہ آہستہ پانی اوپر چڑھاتے ہیں۔ پہیوں کی چر چر چوں چوں دور تک سنائی دیتی ہے۔

اس دریا کو آمو کہتے ہیں۔ ایران اور توران یا شمال اور جنوب کے درمیان یہ دریا ایک از یاد رفتہ زمانہ سے حدِ فاصل سمجھا گیا ہے دریا سے جنوب میں خراساں کا ملک ہے جہاں ایرانی فارسی بولتے اور زراعت کرتے ہیں، یہ دستار پوش عافیت پسند ایشیائے عظمیٰ

کے شریف اور فقیر ہیں۔

دریا پار شمال میں توران کا ملک تھا جس سے خانہ بدوش قومیں برآمد ہوئی تھیں، ان کا کام مویشی اور گھوڑے پالنا تھا، یہاں کے لوگ دستار کی جگہ سر پر خود نما ٹوپی پہنتے تھے، سوائے دریا کے کوئی سرحد ملکوں کے درمیان نہ تھی، دریا سے شمال ہی میں وہ ملک تھا جسے ماوراءالنہر کہتے تھے۔

یہاں مسافر سمرقند جانے کے لئے دریا اترتا تھا۔ خشک نالوں اور شاہ بلوط کے گھنے جنگلوں سے گزرتا ہوا ایک درے میں پہنچتا تھا جس کے دونوں پہلوؤں پر سنگ آہک کے پہاڑ سر سے چھ سو فٹ بلند دیواروں کی طرح سیدھے کھڑے تھے، یہاں معلوم ہوتا تھا کہ آواز کی گونج بولنے والے کو منہ چڑھا چڑھا کر بُرا بھلا کہتی ہے، اس سرخ رنگ درے کا نام دربند آہنیں (یا باب الحدید) تھا، یہاں تاریکی میں جہاں راستہ اتنا تنگ تھا کہ دو اونٹوں سے زیادہ دوش بدوش نہ گزر سکتے تھے کچھ لوگ سانولی صورتوں کے برچھوں پر سہارا لئے کھڑے تھے اور ہر مسافر کو جو ادھر سے نکلتا غور سے دیکھتے تھے۔

یہ بھاری بھرکم آدمی ہوتے تھے، موچھیں پتلی لکیر سی ہونٹ پر سے ہوتی ہوئی باچھوں کے پاس آتے ہی ٹھوڑی پر جھک پڑی تھیں، بات آہستہ اور بول کھینچ کر نکالتے تھے۔ باریک لوہے کی کڑیوں کی زرہ پہنتے اور سر کے خود میں گھوڑے کی دم کا طرّہ لگاتے، یہ ملک ''تاتار'' کے محافظ تھے۔ [1]

باب الحدید کے بعد پہلی کاروان سرائے جو آتی تھی وہ ایک پر فضا مقام میں جو ہر طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا واقع تھی، اور بیچ میں اس کا دریا اپنا الگ تھا، اس کارواں سرائے کا نام لوگوں نے شہر سبز رکھ دیا تھا، شہر کے گرد ایک خندق پانی سے بھری تھی، زرد آلو اور خوبانی کے سفید اور گلابی پھولوں بھرے درختوں سے اوپر مقبروں کے اجلے اجلے گنبد اور مسجدوں کے مینار جیسے نیزے علم ہوں نظر آتے تھے، یہ گنبد اور مینار اتنے بلند تھے کہ ان پر سے شہر کی نگہبانی ہو سکتی تھی۔

یہی شہر سبز تیمور کا مولد تھا[1] اور اس شہر سے اُسے بہت محبت تھی، رہنے کا گھر لکڑی

---

[1] دیکھو تعلیقہ نمبر ۹۔

اور کچی اینٹوں کا تھا، صحن کے گرد چار دیواری تھی اور اسی میں ایک باغیچہ بھی تھا، چھت مسطح تھی اور اس کی منڈیریں ایسی تھیں جہاں سے ایک لڑکا سب کی آنکھوں سے اوجھل چپکا بیٹھا موذن کی آواز سنا کرے اور یہ وہ وقت ہو جب کھیتوں سے بھیڑیں اور مویشی اپنے اپنے گھروں کو آتے ہوں۔ اس شہر میں ایسے لوگ بھی آمدورفت رکھتے تھے جن کی ڈاڑھیاں لمبی اور جبے ریشمی ہوتے تھے، غالیچے بچھا کر بیٹھ جاتے اور قافلوں کا ذکر کرتے یا جو کچھ سفر میں پیش آیا اسے بیان کرتے مگر لڑائی کا ذکر ضرور ہوتا، کیونکہ جنگ کا تاریک بادل شہر سبز کی وادی پر چھایا ہوا تھا۔ ''انسان کیلئے راستہ یا طریقہ ایک ہی ہوا کرتا ہے''۔ یہ جملہ تیمور اکثر لوگوں کی زبان سے سنا کرتا تھا۔

لیکن وہ ایسی باتوں کو سمجھنے کے لئے اپنا دماغ پریشان نہ کرتا تھا، کلام مجید پڑھتا تھا لیکن اس کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے پورا اثر نہ تھا، البتہ بڑے بوڑھوں کا کہنا اس کے لئے سب سے بڑا قانون تھا۔ لڑکوں کو اپنے ہتھیاروں کی حفاظت اور دیکھ بھال کا بڑا خیال ہوا کرتا تھا۔ بڑے غور طلب سوال ان کے لئے یہی ہوتے ہیں کہ نیام میں جو تلوار ہے وہ معلوم نہیں اندر سے کیسی ہے یا برچھی کی انی ٹوٹ جانے کے کیا معنی ہوئے۔

یہ لڑکے گھوڑوں میں پل کر بڑے ہوئے تھے، سمرقند کی سڑک کے کنارے میدانوں میں گھوڑ دوڑ کیا کرتے، تیر کمان سے بٹیروں اور لومڑیوں کا شکار کرتے، لڑائی اور شکار کی چیزوں کو جو بھلی معلوم ہوئیں یادگار کے طور پر پہاڑ کے ایک غار میں جمع کرتے، یہ مقام جو پہاڑوں میں ایک باہر کو نکلے ہوئے چٹان کی جڑ میں تھا ان لوگوں کا گویا قلعہ تھا۔ ادھر میدان میں کتے سوتے اور گھوڑے چرتے رہتے اُدھر یہ لڑکے ٹولیاں بنا کر اس فرضی قلعہ کا محاصرہ کرتے، تیمور ان جھوٹ موٹ کی لڑائیوں میں سب کا سردار بنتا[2] ان نو عمر سپاہیوں میں تین چار سے زیادہ اس کے ساتھی نہ تھے۔

تیمور بڑی متانت اور تن دہی سے ہر کھیل میں مصروف ہوتا، کبھی ہنستا نہ تھا، گھوڑے بھی اس کے دوسروں سے کچھ اچھے نہ ہوتے تھے لیکن اپنے ساتھیوں میں وہ سب

---

[1] تیمور شب سہ شنبہ ۲۵ شعبان ۷۳۶ ہجری شہر سبز میں پیدا ہوا تھا، ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۱۰)

[2] دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۱۴-۱۵۔

سے بہتر سوار تھا اور جب یہ لڑکے اتنی عمر کے ہوئے کہ شکار کھیلنے کے لئے ان کو سچ مچ کی تلواریں ملیں تو ہتھیار چلانے میں تیمور سب کا استاد نکلا۔

تیمور میں یہ متانت غالباً تنہا بسری نے پیدا کی تھی، ابھی بچہ ہی تھا کہ ماں کا انتقال ہوگیا اور باپ جو تاتاری قبیلہ برلاس کا سرخیل تھا اپنا وقت اکثر سبز پوش درویشوں کی صحبت میں بسر کرتا تھا، یہ بزرگ وہ تھے جو حج اور زیارت کا شرف حاصل کر کے لوگوں میں تقدس حاصل کر چکے تھے، تیمور کے ہر وقت کے یاروں میں شکرے، کتے اور اس کے ہمجولی تھے، گھر میں صرف دو نوکر تھے اور گھوڑے اتنے بھی نہ تھے کہ آدھا اصطبل بھر جاتا، باپ سردار تھا مگر کسی قسم کی حکومت نہ رکھتا تھا لیکن ایسے بزرگوں کا نام لیوا تھا جنہوں نے لڑائیوں میں بڑا نام پیدا کیا تھا بہر کیف مفلس و تنگدست تھا۔

لڑکا گھوڑے پر سوار کھیتوں میں چکر لگایا کرتا، اکثر اپنے جھوٹ موٹ کے قلعہ میں جو پہاڑ کی چوٹی پر تھا اکیلا بیٹھا سمرقند کی سڑک کو دیکھا کرتا، یہاں ایران کے دولت مند تاجر گھوڑوں پر سوار نظر آتے، ایرانی عورتیں بھی ساتھ ہوتیں، ان کے گرد مسلح سپاہی حفاظت کیلئے ہوتے مگر تاتاری عورتیں منہ پر نقاب نہ ڈالتی تھیں، دبلے سوکھے عرب سوداگر گھوڑوں کی قطاروں کیساتھ پیدل ہوتے، ولایت خطا کی زری و زربفت اور بلاد شمال کے کارگاہوں کے ابریشم اور غالیچے ان کے ساتھ ہوتے، زرد زرد غبار سے کبھی کبھی بردہ فروشوں اور فقیروں کا قافلہ بھی نکلتا نظر آتا، ان کے ساتھ غلام ہوتے، فقیروں کے ہاتھ میں عصا اور کشکول ہوتا، ان میں کچھ پیر درویش بھی ہیں جو لوگوں کو مرید بنانے کی تلاش میں نکلے ہیں۔

کبھی کبھی کوئی یہودی خچر پر سوار یا کوئی دبلا سوکھا ہندو افغانی رہزنوں کے قصے سناتا آنکلتا، شام ہوتے ہی قافلے والے اپنے خیمے نصب کرتے، وہیں جانوروں کو باندھتے، کھانا پکانے کیلئے آگ جلاتے اور اس آگ کے دھوئیں سے گوبر اور لید کی بو آتی تیمور ان مسافروں کے حلقے سے باہر کہیں زمین پر آرام سے بیٹھ جاتا اور چیزوں کے مول تول کی باتیں اور سمرقند کے حالات جو کچھ ان کی زبان سے نکلتے انہیں سنا کرتا اور جب باپ خفا ہوتا کہ کیوں قافلے والوں میں جا کر بیٹھا تھا تو یہی جواب دیتا کہ ”انسان کے لئے راستہ یا طریقہ ایک ہی ہوا کرتا ہے“۔

باب ۲

سر پر خود رکھنے والے

شہر سبز کی وادی اور جو کچھ اس وادی میں تھا سب قبیلہ برلاس کی میراث تھا۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو کچھ وہاں تھا قبیلہ برلاس اس کا مالک بھی تھا، کھیتی باڑی کرنے اور چوپائے چرانے کے حقوق، فربہ مویشی، علف زار اور تاکستان جب تک ان پر قبضہ رکھ سکیں سب انہیں کا مال تھے اور یہ چیزیں خان نے جس کی حکومت پہاڑوں کے دوسری طرف تھی برلاس کے بزرگوں کو مدت سے دے رکھی تھیں، برلاس کا حال اسکاٹ لینڈ کے جرگوں کا سا تھا کہ محض اپنے سردار کی لیاقت اور مرتبے کی وجہ سے زمین پر قبضہ رکھتے تھے، برلاس تاتاری تھے، لمبے لمبے ہاتھ پاؤں، چکلا چوڑا ہاڑ، منہ پر ڈاڑھیاں، چہرے دھوپ سے جھلسے ہوئے، گھوڑے کی پیٹھ چھوڑ کبھی پیدل چلنا ہوتا تو بہت تنتے اکڑتے گردن سیدھی کئے چلتے اور مڑ کر جب ہی دیکھتے کہ اپنے سے بڑھ کر کوئی تاتاری قریب سے گزرتا۔

سب لوگوں کے پاس کثرت سے مضبوط و جفاکش گھوڑے، پہاڑی راستوں میں چلنے کے مشاق رہا کرتے تھے، ایسے قسمت ور ان میں کم تھے جن کے پاس تیز رفتار نسل کے جانور یا چوگان میں دوڑنے کی مہارت رکھنے والے خچر اور گھوڑے موجود ہوں، گھوڑوں کی راسوں پر چاندی کا بھاری کام ہوتا تھا اور کاٹھیوں پر ریشم کے کڑھے ہوئے زین پوش ڈالنے کا انہیں شوق تھا۔ ان تاتاریوں[1] میں غریب آدمی کو بھی یہ گوارا نہ تھا کہ بغیر گھوڑے پر

---

[1] تیمور کے قبیلہ برلاس کو عجیب عجیب ناموں سے پکارا گیا ہے، کبھی انھیں دیو و عفریت اور کبھی قوی ہیکل مردانِ کارزار لکھا ہے، لیکن کثرت رائے اسی پر ہے کہ ان کو تاتاری کہا جائے، ان کے پرانے مؤرخوں نے بھی انھیں تاتاری لکھا ہے۔ برلاس کا قبیلہ شمالی ایشیا کے ان قبائل میں سے تھا جن کو قدیم زمانہ میں یورپ کے مؤرخوں نے ”سیتھین“ کے نام سے اور کبھی ”ترک“ کے نام سے منسوب کیا تھا۔ یہ لوگ شمال کے ملکوں سے یہاں کی سرسبز و شاداب زمینوں میں مغلوں کے گروہوں کے ساتھ آئے تھے۔ (مصنف)

سوار ہوئے اپنے خیمہ سے مسجد تک آئے۔

خیموں میں رہنا وہ پسند ہی نہ کرتے تھے بلکہ سکونت کا یہ طریقہ ان کا قدیم تھا، ان کا قول تھا کہ ”برج اور گنبد بزدل بنایا کرتے ہیں تا کہ ان میں چھپے بیٹھے رہیں تاتاریوں کے برج اور گنبد نمدے کے ہوتے تھے یا تنبو اور شامیانے ہوتے تھے جن میں قالینوں کا فرش ہوتا تھا۔ برلاس میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے پاس شہر میں ایسے مکانات تھے جہاں وہ مسلمان بھائیوں کو دعوت دے سکیں اور جہاں اُن کے اہل وعیال خطرے کے وقت حفاظت سے رہ سکیں اس زمانے سے سو برس پہلے یہ تاتاری خانہ بدوش رہتے تھے، چراگاہوں کی تلاش میں سر بصحرا پھرا کرتے تھے، جنگ و پیکار نے ان کے بزرگوں کو ایشیا کے زیادہ ترحصوں کا مالک بنا دیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ لڑائی کے دھنی بلکہ جنمی لڑنے والے تھے، کسی کا قول ان میں چلا آتا تھا کہ ”ریت کے ذرے پھونک سے اتنی آسانی سے نہیں اُڑتے جتنی آسانی سے انسان کی دولت اڑ جاتی ہے“ اس قول کی سچائی سے برلاس بخوبی واقف تھے۔

خوب سیر ہو کر کھاتے تھے اور بہت کھاتے تھے، شراب پینے کے وقت آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہوں تو آ جاتے ہوں مگر لڑائی میں وہ ہمیشہ ہنستے ہی رہتے تھے، شاید ہی کوئی ان میں ایسا تھا جس کے جسم پر زخموں کے سفید سفید داغ نہ ہوتے ہوں اور بہت کم ایسے لوگ تھے جو گھر کی چھت کے نیچے مرتے ہوں۔ اکثر لوگ ہلکی سی زرہ فولاد کی کڑیوں کی اور اس پر ایک ڈھیلا ڈھالا جبہ دھاریدار ریشمی کپڑے کا پہنے پھرا کرتے تھے، صحرا کی لڑائیوں میں کمال دکھانا اب تک ان کی طبیعت کا سب سے بڑا جوہر تھا۔

شکار کھیلنے کا شوق جنون کے درجے کو پہنچا ہوا تھا، لڑائی اور لڑائی کے درمیان جو زمانہ امن کا آتا تھا اس میں بھیڑوں اور مویشیوں کی گلہ بانی چھوڑ کر ہاتھوں پر باز اور شکرے بٹھا خیموں سے باہر نکل پڑتے تھے، شکرے وہ پہاڑی لوگوں سے خریدا کرتے تھے، اچھا شکرہ جس کے پاس ہوا وہ درجہ میں بڑا اور زرین پروں کا عقاب جو بارہ سنگھے پر چھوڑا جائے کسی کے پاس نکلا تو اس کا کل خاندان نہایت واجب التعظیم مانا جاتا تھا، بعض لوگ چیتوں سے شکار کھیلتے تھے جن کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر گھوڑے پر سامنے بٹھا لیتے تھے، اور

انہیں ہرنوں پر چھوڑ کر خود تماشا دیکھتے تھے۔

لمبی اور بھاری کمان سے تیر چلانے میں کمال رکھتے تھے[1] دوہرے پھل کے تیروں سے پرندوں کا شکار کرتے اور شیر کے شکار کو پیدل نکل جاتے، جس وقت دسترخوان پر کھانے بیٹھتے تو ایک ہی قاب سے سب جھک جھک کر نوالے اُٹھاتے، کتے ان کے پیچھے پاس ہی بیٹھے ہوتے، باز اور شکرے الگنیوں پر بیٹھے چیخا کرتے، شکار کا گوشت اور گھوڑے کا گوشت ان کی بڑی پسندیدہ غذا تھی اور عربوں کی طرح اونٹ کے پٹھے کا گوشت بھی بڑی رغبت سے کھاتے تھے۔

عربوں کی شجاعت و مروت کی تعریف میں زبان خشک رہتی اور انھی ریگستانی خانہ بدوشوں کی طرح وہ بھی جب تک گھوڑوں پر سوار ہو کر شکار یا لڑائی کو نہ نکلتے دل تنگ و بے قرار رہتے، زیادہ تر اپنا وقت ”شاہ ساز“ کے دربار میں گزارتے تھے۔

برلاس کو بھی اپنے اوپر وہی فخر و ناز تھا جو عام جنگجو قوموں کو ہوا کرتا ہے، یہ درحقیقت اہل سیف تھے، ایرانی تاجروں اور زمینداروں میں شادی بیاہ کرنے کو نسل کا غارت کرنا سمجھتے تھے، چونکہ کاروبار بنج بیوپار جانتے نہ تھے اس لئے جلد تباہ ہو جانے کی راہیں اُن کے لئے کھلی ہوئی تھیں۔

فیاضی و سخاوت میں جس طرح عقل سے دور تھے اسی طرح ان کی سرکشی و جفا کاری بھی عقل کے خلاف تھی، ضیافتوں میں مال اور جائداد سب اُڑا دیتے تھے، یا سب رہن رکھ دیتے تھے۔ مہمان نوازی کو وہ سب سے بڑا فرض جانتے تھے، ان کے گھروں کے صحن میں مسافر بھرے رہتے تھے اور گھر کی بھیڑیں ایک ایک کر کے دیگ میں پہنچ جاتی تھیں۔

شہر سبز کی وادی میں جو لوگ اور آباد تھے ان کی حالت تاتاریوں سے بہتر تھی، ایرانی کاشتکار تالابوں کی درمیانی زمینوں میں اپنے کھیتوں کے انتظام میں بہت اطمینان سے مصروف رہتے، سرت لوگ یعنی شہروں کے رہنے والے بازاروں میں اپنی دکانوں میں بیٹھے ہوتے۔ ایرانی امراء قمار بازی کرتے یا عیش باغ بناتے۔ کوئی دین کی باتوں میں وقت صرف کرتا، کوئی قاریوں کو بلا کر قرآن سنتا۔ یہ دستار پوش بزرگ بڑے پابند شرع ہوتے،

[1] دیکھو تعلیقہ نمبر ۲۔

لیکن سر پر خود رکھنے والے اب تک چنگیز خانی قوانین کے پابند تھے۔

قبیلہ برلاس کی حالت اس وجہ سے اور بھی خراب تھی کہ اس وقت کوئی ان کا سردار نہ تھا، طراغائی کچھ زمانہ ہوا کہ ان کی سرداری کرتا تھا یہ بہت نرم دل مگر خوددار شخص تھا، اپنے زمانہ کے مشائخ کی پند و نصیحت سے ایک خانقاہ میں گوشہ نشینی اختیار کر کے یادِ الٰہی میں مصروف ہو گیا تھا، یہی طراغائی تیمور کا باپ تھا، شہر سے باہر مٹی کا قصر سپید جس میں طراغائی رہا کرتا تھا، اب خالی پڑا تھا۔

طراغائی نے ایک دن اپنے فرزند سے کہا کہ "دنیا سونے کا ایک برتن ہے جس میں سانپ اور بچھو بھرے ہیں میں دنیا سے بیزار ہو چکا ہوں"۔

جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو نصیحتیں کیا کرتے ہیں طراغائی بھی تیمور کے سامنے اپنے بزرگوں کی ذہانت و لیاقت، شان و عظمت کا ذکر کیا کرتا تھا کہ کس طرح یہ لوگ یہاں سے بہت دور شمال میں پہاڑی زمینوں کے جو دشت گوبی سے بھی شمال میں واقع ہیں مالک تھے، طراغائی کی باتیں زمانہ بت پرستی کی دلچسپ کہانیاں ہوتی تھیں، گو دنیا سے ہاتھ کھینچ چکا تھا مگر ان باتوں کو دہرانے میں ایک خاص لطف اُسے حاصل ہوتا تھا، کبھی اپنے قبیلہ کے فوجی امیروں کا ذکر کرتا کہ کس طرح مویشیوں اور لشکروں کو ساتھ لئے گشت کیا کرتے تھے پہاڑوں پر جب برف گرتی تو نیچے اُتر آتے اور جب برف پگھلتی تو پھر پہاڑوں پر پہنچ جاتے کارواں کی سڑکوں پر کمین گاہوں میں بیٹھ جاتے اور اپنے علم کے سایہ میں جس پر سینگ بنے تھے چلتے چلتے ملک خطا تک پہنچ جاتے، پورا قبیلہ پانچ سو میل کی کوہستانی زمین پر دو دو مہینے تک سیر و شکار میں مصروف رہتا، کبھی سفید رنگ گھوڑوں کی قربانی کا ذکر کرتا جو قبیلے کے سردار کی قبر پر ذبح کئے جاتے تھے اور پھر کہتا کہ آسمان کے دروازے میں جہاں شمال کے ستارے روشن ہوتے ہیں یہ گھوڑے داخل ہو جاتے تھے تاکہ ان روحوں کی خدمت کریں جو آسمانوں سے بھی اوپر کسی طبقہ میں رہتی ہیں۔

کبھی ملک خطا کی اُن شہزادیوں کے نام لیتا جو اپنے ملک سے خانانِ تاتار کے پاس بیاہی آئیں، اور جہیز میں حریر و کتان و عاج کی نقشیں چیزیں گاڑیوں میں بھر کر ساتھ لائیں اور کبھی بتاتا کہ ظفر مند خانانِ تاتار جس پیالہ سے منہ لگا کر گھوڑی کا دودھ پیتے تھے وہ

دشمن کے کاسۂ سر کا ہوتا تھا اور اس پر سونا منڈھا ہوتا تھا۔

طراغائی تیمور سے کہتا کہ "بس، بیٹا یہ حالت اس وقت تک رہی کہ چنگیز خان اپنے مغلوں کو لے کر دنیا کی تسخیر کو اٹھا اور تقدیر میں یونہی اُترا تھا اور جب موت کا فرشتہ سرہانے آیا تو چنگیز نے اس عالم کو الوداع کہا اور دنیا کو چار سلطنتوں میں تقسیم کر کے اپنے تینوں پس ماندہ فرزندوں اور بڑے فرزند کی اولاد میں جو باپ کی زندگی ہی میں مر گیا تھا بانٹ گیا۔

چغتائی کو اپنی سلطنت کا وہ ٹکڑا دے گیا جس میں ہم آباد ہیں، لیکن چغتائی کی اولاد شراب و شکار میں مصروف ہو کر تباہ ہونی شروع ہوئی، مگر بالکل تباہ نہ ہونے پائی تھی کہ نقل مکانی کر کے شمال کے پہاڑوں میں چلی گئی اور اب انہی پہاڑوں میں خانِ اعظم جو نسل چنگیز کی یادگار ہونے کی وجہ سے "ترا" کہلاتا ہے عیش و عشرت اور لہو و لعب میں زندگی بسر کر رہا ہے، اور ماوراء النہر کی حکومت اس نے امیر قزغن کو جس کا لقب "شاہ ساز" ہے سپرد کر دی ہے، آگے کا حال تم جانتے ہی ہو۔

طراغائی نے اپنی گفتگو بہت دل گیر ہو کر اس جملے پر ختم کی کہ

"اے نورِ بصر میں کبھی گوارا نہ کروں گا کہ تم اللہ کے حکموں سے جس کے رسول پاک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں کبھی روگردانی کرو، درویشوں سے اپنے حق میں دعائے خیر طلب کرو، دین کے چاروں ارکان یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے پابند رہو"۔

طراغائی نے تیمور[1] کو اس کے حال پر چھوڑا، لیکن خانقاہ کے لوگوں نے اس لڑکے کی طرف توجہ کی اور ایک پیرانہ سال سیّد نے دیکھ کر کہ یہ معصوم ایک گوشہ میں بیٹھا کلام مجید پڑھتا ہے اس کا نام پوچھا۔ جواب دیا "میرا نام تیمور ہے"

---

1. یورپین زبانوں میں تیمور کو "تمرلین" کہتے اور لکھتے ہیں، تمرلین دراصل تیمور لنگ کی خرابی ہے۔ تیمور کے معنی لوہے کے ہیں جب تک لنگ نہیں کرتا تھا نام تیمور رہا، لیکن جب پاؤں میں ایک تیر کے لگنے سے لنگڑا ہوا تو اس کا نام تیمور لنگ مشہور ہوا، ایشیا کے لوگ تیمور کو ہمیشہ امیر تیمور گورگان لکھتے ہیں، البتہ جہاں اس پر غصہ ظاہر کر کے سخت الفاظ سے یاد کرنا چاہتے ہیں تو تیمور لنگ لکھنے لگتے ہیں۔

(مصنف)

بڈھے سید نے جھک کر قرآن شریف میں وہ مقام دیکھا جہاں تیمور پڑھ رہا تھا اور اس آیت کریمہ کو دیکھ کر آواز سے پڑھا!

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ

''تم اللہ کی مدد کرو، تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔''

اس آیت کا تیمور نے بے حد خیال کیا، اسے چوگان اور شطرنج کھیلنے کا بہت شوق تھا لیکن اس حکم سے خبردار ہونے کے بعد مدت تک ان کھیلوں سے پرہیز کیا اور جب راہ میں ایک درویش کو بیٹھے دیکھا تو گھوڑے سے اُتر پڑا اور درویش کی خدمت میں حاضر ہو کر دُعائے خیر کا متمنی ہوا، تیمور حافظِ قرآن نہ تھا، مگر یہ آیت کریمہ اتنی مرتبہ پڑھی کہ برزبان ہوگئی۔

اس زمانہ میں اس کی عمر سترہ برس کی تھی، مسجد میں اکثر حاضر ہوتا جہاں علماء وفقہا کا مجمع رہتا لوگ ان کا درس سننے حاضر ہوتے تیمور سب کے پیچھے جا بیٹھتا، بیان ہوا ہے کہ ایک بزرگ نے جن کا نام زین الدین تھا تیمور کو اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا، لڑکے کو قریب بلایا اور اپنی ٹوپی اور چادر اور ایک انگوٹھی جس میں فیروزہ جڑا تھا اسے عطا کی، مولانا زین الدین بڑے دانشمند تھے، دنیا کی عقل اُن میں بہت تھی اور قوم کی سرداری کرنی خوب جانتے تھے، تیمور نے ان کی متوجہ نظر اور بھاری آواز کو ہمیشہ یاد رکھا اور جو چیزیں انہوں نے عنایت فرمائی تھیں وہ بھی اسے ہمیشہ یاد رہیں۔

اس وقت برلاس کا سردار اگر کوئی تھا تو وہ حاجی برلاس، تیمور کا حقیقی چچا تھا، شہر سبز میں سکونت کم رکھتا تھا۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکا تھا، تیمور سے اُسے کچھ محبت نہ تھی، حاجی برلاس آتش مزاج، شکی اور افسردہ طبیعت کا آدمی تھا اس کے زمانے میں برلاس کی حالت اور بھی ردی ہوگئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ برلاس کے بہت سے بہادر اور امراء امیر قزغن ''شاہ ساز'' کے دربار میں حاضر ہوگئے، تیمور بھی اپنے والد کے کہنے سے وہیں چلا گیا۔

باب ۳

شاہ ساز سالی سرائے

اس وقت تیمور (ہم ابھی اسے ''تمرلین'' نہیں کہہ سکتے) ایک نوجوان امیرزادہ بیکار و بے روزگار تھا، لیکن تیمور کی بیکاری بھی چستی و باکاری سے کم نہ تھی، قوی الجثہ، توانا و تندرست، چوڑا سینہ لمبے ہاتھ پاؤں تھے، بڑا سر تھا جو گردن پر خوبصورتی سے رکھا تھا، کشادہ پیشانی تھا، آنکھیں بڑی تھیں، سیاہ پتلیاں حلقۂ چشم میں آہستہ آہستہ گردش کرتی تھیں، جس کو دیکھتیں براہ راست دیکھتیں رخساروں کی ہڈیاں دور دور اور اُبھری ہوئی تھیں، دہن اپنی قوم والوں کی طرح چوڑا تھا جو علامت تھی کہ طبیعت ہر چیز سے جلد متاثر ہوتی ہے، کم گو، آواز بھاری اور اور تیز تمسخر یا مزاح طبیعت میں مطلق نہ تھا، تمام عمر کسی لطیفے کی داد نہ دی تھی۔

تیمور کی ایک اڑتی سی جھلک اس طرح دیکھنے میں آتی ہے کہ ایک وسیع میدان ہے، تیمور اپنے دوستوں کے ساتھ ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا سرپٹ ڈالے جا رہا ہے، یکایک راہ میں ایک خشک نالہ آتا ہے جو عریض بھی ہے اور عمیق بھی، اتنا دیکھتے ہی راسیں کھینچ گھوڑے کو روکنا چاہا، مگر بن نہ پڑا، فوراً کاٹھی پر سنبھل نالہ کودنا چاہا، گھوڑے نے جست کی مگر پورا نالا نہ کود سکا، دوسرے کنارے پر پہنچا تھا کہ پچھلے پاؤں پھسلا، تیمور فوراً رکابوں سے پاؤں نکال اچھل کر دور جا کھڑا ہوا۔ مگر گھوڑا گرتے ہی بیکار ہوگیا، تیمور نالے میں سے چکر کاٹتا ہوا باہر نکلا دوستوں سے جاملا، اور ایک نئے مرکب پر سوار ہوا۔

اب روشنی کم ہونی شروع ہوئی، سواروں نے گھر کا رُخ کیا، مگر تاریکی اور بارش کا زور ایسا بڑھا کہ اس پتھریلے میدان میں سب رستہ بھول گئے، سردی سے بُرا حال تھا کہ اتنے میں دو تین کالے کالے ڈھیر سے نظر آئے جو دور سے قبے دار خیمے معلوم ہوتے تھے،

ساتھیوں نے کہا کہ ''یہ ریت کے ٹیلے ہیں'' تیمور نے راسیں گھوڑے کی گردن پر ڈال کر اس کی ایال زور سے پکڑ لی، گھوڑا فوراً گردن سیدھی کر کے ہنہنانے لگا، اس کے بعد تیمور اُن ٹیلوں کی طرف بڑھا کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک روشنی نظر آئی اور اب تک جو کالے کالے ڈھیر بارش میں اچھی طرح نظر نہ آتے تھے وہ سیاہ نمدے کے خیمے نکلے آگے چلے تو کتے جھپٹ جھپٹ کر آئے اور خیمے والوں نے یہ سمجھ کر کہ لٹیرے آگئے فوراً ہتھیار سنبھالے۔

تیمور نے زور سے کہا ''خیمے والو گھبراؤ نہیں میں امیر طراغائی کا فرزند ہوں''۔

اتنا سنتے ہی ہتھیار ایک طرف کو پھینک کر خیمہ والوں نے مہمان نوازی شروع کی، دیگچیوں میں شوربا آگ پر گرم ہونے لگا، خشک سی جگہ دیکھ کر مہمانوں کے آرام کرنے کے لئے گدے بچھائے گئے مگر اُن میں کھٹمل اتنے تھے کہ تیمور کو نیند نہ آئی، ناچار اٹھ کر آگ کے پاس جا بیٹھا اور آگ تیز کر کے قصے کہانیاں سنانے لگا، ڈیروں میں سے میزبان نکل کر اس کے پاس کہانیاں سننے آن بیٹھے اور اسی شغل میں صبح ہوگئی اور بارش کا طوفان بھی بند ہوا، اس واقعہ کے برسوں بعد تیمور نے ان سیاہ خیمے والے خاندانوں کو بہت کچھ انعام و اکرام بھیجا۔

اسلام کے اس ابتدائی زمانہ میں مہمان نوازی ایک وجوب کے طور پر تسلیم کی گئی تھی اور اس کا بدل بھی سوائے مہمان نوازی کے اور کسی چیز سے ممکن نہ تھا، تا تاری بڑے بادیہ گرد تھے، اور تیمور کا حال یہ تھا کہ سمرقند سے خراسان تک ہر خیمے اور مکان کے صحن میں اس کو داخل ہونے کی اجازت ملی ہوئی تھی، معدودے چند دوستوں کو ساتھ لئے پہاڑوں کے پُر خطر راستوں میں یا صحرا کے کنارے کنارے پندرہ پندرہ دن میں ایک ایک ہزار میل کا سفر کر لیتا تھا اور سامان سفر میں سوائے تلوار اور ہلکی سی کمان کے اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ منزل گاہوں میں جہاں قافلے ٹھہرا کرتے تھے گزر ہوتا تو عرب اس سے باتیں کرتے اور یہ معلوم کر کے کہ وہ ایک بڑے سردار کا فرزند ہے اس کے آنے کو باعث عزت سمجھتے پہاڑی لوگ جو سونے کے ذرے نکالنے کے لئے دریا کا ریت دھویا کرتے تھے تیمور کو طرح طرح کے حالات اپنے گھوڑوں اور غیر قبیلوں کی عورتوں کے سناتے، راہ میں تا تاری جرگوں کے سرداروں سے ان کے قلعوں میں ملاقات کر کے شطرنج کھیلتا۔

انہی سرداروں نے ایک دن تیمور سے کہا کہ ''امیر قزغن نے تمہیں سالی سرائے

میں طلب کیا ہے''۔

تیمور کو اپنے باپ کی جائداد کا جو کچھ بھی وہ باقی تھی بہت خیال رہتا تھا، بھیڑوں کو کئی گلوں میں تقسیم کر کے چرواہوں کے سپرد کیا، ان کے دودھ مکھن اور دن کا چوتھائی حصہ رکھوالی کی اجرت قرار دی، بکریوں، گھوڑوں اور اونٹوں کی حفاظت کا بندوبست بھی اسی طریقہ سے کیا، ان چیزوں کے سوا اور کسی مال یا جائداد کا ذکر پڑھنے میں نہیں آیا۔

گھوڑوں میں جو سب سے تیز رفتار تھے، تیمور نے اب انہیں اپنے ساتھ لیا ایک لڑکا بھی خدمت کے لئے تھا، یہ خانہ زاد تھا، غرض اس سامان کے ساتھ تیمور پہاڑوں میں سے ہوتا ہوا جنوب میں دریائے آمو کی طرف چل پڑا شاید نارمن کی حکومت کے زمانہ میں انگلستان کا کوئی ہتھیار بند نوعمر اسکوائر (شریف) بھی اتنے ہی سامان کیساتھ اپنے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتا ہوگا مگر اتنا فرق ضرور ہوتا ہوگا کہ انگلستان کا شریف زادہ نہ تو پاؤں پر موٹے دانے دار کیمخت کے موزے چڑھائے ہوگا اور نہ اس کے سر پر سفید نمدے کی قاقم کی گوٹ لگی اونچی ٹوپی ہوگی اور نہ گلے میں گھوڑے کی کھال کے مداخلوں کا نیمہ آستین ہوگا اور نہ چمڑے کی پٹی چاندی اور فیروزوں کے بھاری کام کی کمر میں لگی ہوگی اور تیمور کی طرح وہ کسمپرسی کے عالم میں بھی نہ ہوگا، کیونکہ اس وقت تیمور کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا اور باپ ایک مدت سے خانقاہ نشین تھا، عزیز و اقارب ایسے تھے کہ ہر وقت دشمنی پر کمر باندھے تھے، غرض تیمور وطن سے نکل کر ایک آوارہ گرد آفاقی کی طرح ایسے سربکف لڑائیوں میں شامل ہو گیا جن کا کوئی بادشاہ نہ تھا۔

امیر قزغن نے ایک دن بہ آواز بلند کہا ''دین سے قطع نظر کر کے سب بھائی بھائی ہیں''۔

بہت سی نگاہیں تیمور کی طرف تھیں، کوئی اس کی شہسواری کا اندازہ کرتا تھا، کوئی یہ دیکھتا تھا کہ تیغ آزمائی کے معرکوں میں جہاں ذرا سی چوک میں کام تمام ہوتا تھا، تلوار کیسی چلاتا ہے، طراغائی قبیلہ برلاس کا امیر تھا اور اسی امیر کا بیٹا تیمور تھا۔

لیکن اس وقت سالی سرائے میں دو ہزار تا تاری جن میں بڑے بڑے جنگ آزما قوم کے امراء اور نوعمر شریف زادے موجود تھے جنگلوں میں ڈیرے ڈالے پڑے تھے ان دو

ہزار میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو تیمور کو کسی بات کا سبق دے سکے تیمور کسی کے سکھانے بتانے کا محتاج نہ تھا، اسے جو کچھ کرنا ہوتا خود ہی کرتا اور خود ہی سوچتا کہ کیا کرنا ہے۔

ایک سوار گھوڑا دوڑائے لشکر گاہ میں آیا اور خبر دی کہ دھاوا کرنے والے سرحد پر آ گئے ہیں اور دوسروں کے گھوڑے پکڑ کر ہنکائے لئے جاتے ہیں، قزغن نے اتنا سنتے ہی تیمور کو طلب کیا اور خاندان برلاس کی اس زندہ نشانی سے کہا کہ ایک جماعت اپنے سے بھی کم عمر بہادروں کی ساتھ لے کر جاؤ اور ان لٹیروں سے گھوڑے واپس لاؤ، تیمور جو قزغن کے درباریوں میں شامل ہو چکا تھا حکم سنتے ہی اٹھا اور روانہ ہوا یہ کام امیر نے تیمور کو ایسا بتایا تھا کہ اس کا دل باغ باغ ہو گیا تھا، گھوڑوں کی سواری اور لٹیروں کے تعاقب میں صبح سے دوپہر تک آندھی بن کر چلنا، اس سے بہتر تیمور کے لئے اور کیا مشغلہ ہو سکتا تھا۔

یہ ڈاکہ ڈالنے والے ایرانی نکلے جو مغرب سے ادھر آئے تھے، انہوں نے رستہ چلنے والوں کا بہت سا مال لوٹ کر جمع کر رکھا تھا اور مسافروں کے گھوڑے پکڑ کر اس مال کو ان پر لادا تھا، تاتاریوں کو دیکھتے ہی یہ لٹیرے دو گرہوں میں بٹ گئے ایک ان گھوڑوں کے ساتھ ہوا جن پر مال لدا ہوا تھا اور دوسرا گروہ تیمور کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا، تیمور کے ساتھیوں میں سے ایک نے صلاح دی کہ پہلے مال والے گروہ پر حملہ کیا جائے۔

تیمور نے کہا ”نہیں جو گروہ لڑنے آ رہا ہے اگر اسے ہم نے مار لیا تو دوسرا گروہ مال چھوڑ کر جان بچانے کو آپ سے آپ بھاگ جائے گا آخر کار مقابلہ ہوا اور رہزن اتنے جے کہ دو دو ہاتھ تلوار کے چل گئے مگر ان ایرانی لٹیروں نے یہ بات پہلے ہی سے سمجھ رکھی تھی کہ تاتاریوں سے بازی لے جانا ممکن نہیں ہے، غرض وہ جلد پراگندہ ہو کر بھاگے۔

تیمور نے گھوڑے اور گھوڑوں کے ساتھ اور جس قدر مال ان لٹیروں نے جمع کیا تھا وہ سب امیر قزغن کے سامنے لا کر حاضر دیا، قزغن نے تیمور کی اس کارکردگی کی تعریف کی اور اس نوجوان برلاس کو اپنی کمان انعام میں دی۔

اس واقعہ کے بعد سے امیر قزغن طراغائی کے فرزند کو بہت پسند کرنے لگا اور اس پر لطف و کرم ظاہر کرتا رہا، ایک دن اس نے تیمور سے کہا:

”تم گورگانِ عالی کے خاندان سے ہو لیکن ”ترا“ یعنی ”چنگیز خانی“

نہیں ہو، تمہاری پیدائش سے بہت پہلے کی بات ہے کہ تمہارے جد قاجولی خان اور چنگیز کے جد قبل خان میں ایک معاہدہ اس مضمون کا ہوا تھا کہ قاجولی خان کی اولاد میں سپہ سالاری اور قبل خان کی اولاد میں خانی رہے، یہ عہد نامہ فولاد کی ایک لوح پر کندہ کر کے خانان چنگیزی کے دفتر خانے میں محفوظ کر دیا گیا تھا[1]، یہ کل واقعہ تمہارے باپ طراغائی نے مجھ سے بیان کیا تھا، اور جو کچھ اس نے بیان کیا تھا وہ سب سچ تھا“۔

اس گفتگو کے بعد امیر قزغن نے کسی قدر تامل کے بعد کہا ”یقیناً میرا طریقہ ایک ہی رہا ہے، یعنی جادۂ رزم و پیکار میں اپنا مرکب ڈال کر جدوجہد سے کبھی منہ نہیں پھیرا ہے، پس لوگو! ہمارا ساتھ دو، ہمارا نام بڑا ہے، اور صرف یہی ایک راہ ہے دوسری کوئی راہ نہیں“۔

تیمور بھی اس حال سے واقف تھا، اسے بھی معلوم تھا، کہ چنگیز خان کے فرزند چغتائی خان نے روئے زمین کے اس وسیع شمالی قطعہ پر حکومت کی تھی اور اس سے جنوب میں افغانوں کا ملک اور پہاڑوں کا وہ وسیع سلسلہ جو تخت سلیمان کی پشت پر واقع ہے چغتائی خان کی قلمرو میں شامل تھا، لیکن سو برس کے بعد بزرگوں کے ان ملکوں پر آل چغتائی کی گرفت کمزور ہو گئی، مختلف تاتاری الوس اپنے اپنے صوبوں میں خود مختار بن بیٹھے اور خانانِ چغتائیہ اور رہٹ کر شمال کی طرف چلے گئے تاکہ وہاں صید و شکار اور مستانہ نوشی میں مصروف رہیں اور اب وہ اس نوبت کو پہنچے ہیں کہ شہر سبز کے قریب ملک کو لوٹنے آئے ہیں اور حیلہ یہ کیا ہے کہ ایک بغاوت فرو کرنی چاہتے ہیں۔

انہی خانانِ چغتائیہ میں سے کسی خان نے قزغن کو امیر اور سپہ سالار مقرر کیا تھا[2] قزغن نے سمرقند کو مستقر حکومت قرار دیا۔ مگر ان چغتائیوں کی ترک و تاز سے وہ ایسا تنگ آیا

---

[1] ترک تیمور صفحہ ۱۲ (مترجم)

[2] قیاس یہ ہے صحیح پتہ نہیں چلتا کہ قزغن کو غزان خان نے اپنا سپہ سالار مقرر کیا تھا، ظفر نامہ میں صرف اتنا بیان ہوا ہے کہ غزان خان کے عہد میں قزغن عظمائے امراء میں سے تھا، ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۸ (مترجم)

کہ آخر کار خانِ وقت (غزان خان) سے بغاوت کرنے کی اُسے جرأت ہوگئی[1] چنانچہ سخت لڑائی ہوئی جو بہت دنوں جاری رہی، آخر کار خان مارا گیا اور قزغن ولایت سمرقند اور قبیلہ برلاس دیگر الوسات تاتار کے صوبوں اور علاقوں کا مالک ہوگیا چنگیز خانی قانون پر عمل کر کے اور سپاہ کے اطمینان کے لئے جو پہلے ہی سے متوقع تھی کہ قزغن ان کی سرداری اختیار کرے گا ایک قورلتائی منعقد کی اور چنگیز خان کی اولاد سے ایک شخص کو منتخب کر کے سمرقند کی خانی پر ممتاز کیا، مگر یہ خان قزغن کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی تھا، اس کی سلامتی اور گزر اوقات کا دار و مدار بالکل قزغن پر تھا، یہ خان طبیعت کا نیک مگر معاملاتِ ملی کی طرف سے بے پرواہ تھا غرض اس کارروائی سے قزغن کا لقب ''شاہ ساز ہوگیا''۔[2]

تیمور کی طرح قزغن بھی کسی اعلیٰ منزلت یا متمول خاندان کا آدمی نہ تھا اور نہ وہ چنگیز خان کی اولاد سے تھا، مگر طبیعت میں جسارت تھی، بڑے بڑے امراء الوسات سے اتحاد پیدا کر لیا تھا، منصف مزاج اور عادل تھا، تاتاریوں کے قبیلے جنہیں کبھی سکون و قرار نہ تھا اس کی عزت کرنے لگے، قزغن کی آنکھ میں تیر لگا تھا اور ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی تھی، بغاوت میں کامیابی کے بعد وہ صید و شکار کی طرف متوجہ ہوا اور اب کہیں ایسی ہی ضرورت

[1] مصنف نے یہاں بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے، تاریخی واقعات یہ ہیں کہ چغتائی پسر چنگیز کی نسل میں غزان خان ۷۳۳ ہجری میں سریرِ خانی پر بیٹھا، رعایا پر ظلم کرنے لگا۔ قزغن نے جو سمرقند میں تھا چند الوسات چغتائیہ کو ملا کر بغاوت کر دی، غزان خان فوج لے کر بغاوت فرد کرنے آیا ۷۴۶ ہجری میں درہ رنگی کے صحرا میں لڑائی ہوئی، قزغن کی آنکھ میں تیر لگا اور اس کو شکست ہوگئی، شکست دینے کے بعد غزان خان قرشی چلا گیا، وہاں جاڑا ایسا سخت پڑا کہ اس کی فوج کے بہت سے گھوڑے مر گئے، قزغن کو جب یہ حال معلوم ہوا تو فوجیں لے کر قرشی کی طرف بڑھا اور سن ۷۴۷ ہجری میں غزان خان سے پھر لڑا، اس مرتبہ غزان خان کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا، اس کے مرنے پر قزغن اس کے ملکوں کا مالک ہوگیا، لیکن قاعدہ کے مطابق چنگیز خان کی اولاد سے کسی کا خان مقرر ہونا لازمی تھا چنانچہ قزغن نے اوگدائی خان پسر چنگیز کی نسل سے ایک شخص کو جس کا نام دانشمند اوغلن تھا خان مقرر کیا، مگر دو برس کے بعد اسے قتل کر کے بیان قلی خان کو سریرِ خانی پر متمکن کیا، بیان قلی خان دس برس تک تختِ خانی پر رہا

(ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۷، ۲۹) مترجم

[2] قزغن اس کارروائی کی وجہ سے کہ چنگیز خان کی اولاد سے کبھی کسی کو خان بنا کر تخت پر بٹھایا کرتا ''شاہ ساز'' مشہور ہوا (مترجم)

پڑتی تھی تو لڑائی کو نکلتا تھا، تاتاری قبیلوں پر اسے اعتماد نہ تھا کہ وہ ہمیشہ اس کے معاون رہیں گے۔ تیمور سے البتہ متوقع رہتا تھا کہ بُرے وقت میں پہلو تہی نہ کرے گا۔

تیمور کے علاوہ قزغن کے جتنے امراء دربار تھے وہ سب اپنے ہی نفع نقصان کے خیال میں رہتے تھے جس چنگیز خانی کو سریرِ خانی پر بٹھایا گیا تھا اُسے خراج ادا کر دیتے تھے اور بظاہر اس کے خیر خواہ بھی تھے مگر قزغن کی بغاوت کے وقت یہ سب شریک رہے تھے ان میں بعض امیر ایسے تھے کہ وقت پر دس ہزار سپاہ اپنے علَم کے نیچے جمع کر سکتے تھے، یہ صرف قزغن کی لیاقت اور فراست تھی کہ عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں رکھ سکا۔

امیر قزغن نے دیکھا کہ تاتاری بہادر تیمور کو بہت عزیز رکھتے ہیں، قبائل تاتار میں ''بہادر'' وہ لوگ کہلائے جاتے تھے جو خاص طور پر دلاوری اور شجاعت میں نام پیدا کر چکے تھے، یہ قبیلوں کے وہ خونخوار اور دیوہیکل لوگ تھے جو لڑائی پر ایسے خوش ہو کر جاتے تھے جیسے کہیں ضیافت کھانے جاتے ہوں، تیمور پسر طراغائی کو ان ''بہادروں'' میں وہ رتبہ حاصل ہو گیا جس کا وہ فی الواقع مستحق تھا اور تیمور انہی بہادروں کو ساتھ لے کر دوسروں پر دھاوا کرنے جایا کرتا تھا، یہ دلیر اور شجاع امیر قزغن کے حاشیہ نشین تھے اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے اپنی ہمت و مردانگی کے قصے سنایا کرتے تھے۔

تیمور کی طبیعت میں ایک قدرتی مادہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بے حد خوش ہونے کا تھا، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ تھا کہ سخت سے سخت خطرے اور اندیشے کی حالت میں بھی وہ بالکل خاموش رہتا تھا اور صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی مشکل مسئلہ پر بے حد غور کر رہا ہے، قوم کے ''بہادر'' تیمور کی طبیعت کو ''معرکہ آفرین'' کہا کرتے تھے، جسم ایسا قوی اور توانا تھا کہ گھوڑے کی پیٹھ پر بڑی بڑی مسافتیں طے کرنی اور راتیں جاگ جاگ کر گزار دینی اس کے نزدیک کوئی بات نہ تھی، کار فرمائی اور حکمرانی کے اوصاف موجود تھے، سردار اور ہادی بننے کو بہت پسند کرتا تھا، بدن میں طاقت ایسی کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ ہر کام میں اپنے اوپر بے حد بھروسہ کرتا تھا، ایک دن امیر قزغن سے درخواست کی کہ قبیلہ برلاس کے لوگ جو ملک میں متفرق ہیں ان سب کی سرداری مجھے تفویض فرمائی جائے۔

قزغن کو یہ درخواست کچھ پسند نہ آئی مگر جواب نرمی سے دیا کہ ''کیوں گھبراتے ہو

ایک دن تم ہی برلاس کے سردار ہو جاؤ گے"۔

اس کے کچھ عرصہ بعد قزغن کو خیال ہوا کہ تیمور کی شادی کر دینی مناسب ہوگی، چنانچہ اس نے اپنی ایک پوتی سے اس کی شادی کر دی جو ایک دوسرے صاحب حکومت الوس سے خاندانی واسطہ رکھتی تھی۔

باب ۴

خاتون آغا

تاریخ میں بیان ہوا ہے کہ تیمور کی عروس، حسن میں ماہ نو اور قامت میں سرو بستان تھی، سن اس وقت غالباً پندرہ برس کا ہوگا کیونکہ ابھی تک باپ کیساتھ شکار میں جانے کی اسے اجازت ملی ہوئی تھی، شادی کے بعد اس کا نام الجائی خاتون آغا (یعنی آقا کی بیوی الجائی) ہوا۔

اس زمانہ میں تاتاریوں کی عورتیں بے نقاب رہتی تھیں، ابھی تک پردے کی رسم سے واقف نہ تھیں، شوہروں کیساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر سفر کرتیں، لڑائیوں میں شریک ہوتیں اور زیارات کے لے جاتیں، چونکہ فاتحوں کی بیٹیاں تھیں اس لئے اپنے بزرگوں کے مفاخر میں حصہ رکھتی تھیں، تازگی اور قوت حیات ان میں وہی موجود تھی جو کھلے میدانوں میں زندگی بسر کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے، گھر کے مال و اسباب کی نگہداشت بچوں کی دادیوں نانیوں کے سپرد ہوتی تھی اور یہ بڑی بوڑھیاں اونٹنیوں کا دودھ دوہنے سے لے کر چمڑے کے موزے تک سیا کرتی تھیں۔

تیمور کے زمانے میں تاتاری عورتوں کا مال شوہر کے مال سے جدا ہوتا تھا، اس مال میں شادی کے وقت ماں باپ کی دی ہوئی چیزیں اور شادی کے بعد شوہر کے دیئے ہوئے تحفے شامل ہوتے تھے، امرائے عظام کی بیویاں اپنا ساز و سامان نوکر چاکر سب علیحدہ رکھتی تھیں، محلوں میں ان کے رہنے کا مقام اور سفر میں ان کے خیمے و خرگاہ جدا ہوتے تھے، یورپ کی بہنوں کی طرح تاتاری عورتیں کار چوب پر گل دوزی یا کارگاہ پر گلیم بافی یا دیوار پوشوں پر گل بوٹے کاڑھنے میں اپنا وقت صرف نہ کرتی تھیں بلکہ وہ مردوں کیساتھ لڑائیوں

میں جاتیں اور یہاں اُن کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوتی کہ مبازوں کے بچوں کو پرورش کریں، جشن فتح میں بیٹھ کر خوش ہوتیں لیکن اگر ان کے مردوں پر دشمن غالب آ جاتا تو فاتح کا مال غنیمت بن جاتیں۔

شہزادی الجائی سرحد شمال سے جہاں اس کا وطن تھا چند اقرباء اور غلاموں کے ہمراہ اپنے دادا قزغن کے پاس سمرقند میں آئی، اور یہاں پہلی مرتبہ اس نے اُس مرد کی صورت دیکھی جو اس کا شوہر ہونیوالا تھا، یہ چھریرے جسم کا ٹھوڑی پر داڑھی رکھنے والا نوجوان تیمور تھا جو اپنے بہادروں کیساتھ کسی مہم پر گیا ہوا تھا مگر اب شادی کی غرض سے واپس چلا آیا تھا۔

قیافہ شناسوں نے الجائی کی صورت دیکھ کر کہا تھا ''تیری تقدیر تیری جبین پر لکھی ہے اسے بدلنا چاہے گی بھی تو نہ بدل سکے گی''۔

امیر قزغن اور اس کے اہل دربار کے لئے اس شادی کے معنی سوائے اس کے کچھ نہ تھے کہ بڑی بڑی ضیافتیں جلوس اور سامان ہوں گے، لیکن قبیلہ جلیر کی اس بیٹی کے لئے آج کے دن سے اس کے مقدر کی ابتدا ہوتی تھی، قاضی نے عروس کی عدم موجودگی میں نکاح پڑھایا، ایجاب وقبول کے گواہوں کے نام لکھ لیے گئے۔

عروس نے بھی اس موقع کے لئے تیاریاں کیں مگر وہ اور قسم کی تھیں، عرق گلاب میں نہائی، لمبے لمبے سیاہ بالوں میں پہلے روغن سمسم ملا گیا، پھر گرم دودھ سے بال دھوئے گئے، یہاں تک کہ ریشم کے لچھوں کی طرح نرم ہو کر ان میں اور بھی چمک پیدا ہو گئی، پھر ایک سرخ قبا جس پر سنہرے گل بوٹے تھے اسے پہنائی گئی، یہ قبا بغیر آستینوں کی تھی، اس پر ایک لمبا جامہ جس کے کناروں پر بہت بھاری رو پہلی کام تھا پہنایا گیا، جامے کے لمبے دامن خواصیں اٹھائے ہوئے تھیں۔

نازک شانوں پر سیاہ زلفوں کی ڈھیریاں رکھی تھیں اور کانوں کے پاس سے کاکل نیچے کو گرے ہوئے تھے، پیشانی کو حسین بنانے کے لئے سر پر کلاہ زربفت اور اس کے چندوے سے ریشمی پھولوں کے طرّے لٹکے تھے اور انہی طرّوں کیساتھ بڑے بڑے پَر خوب پھیلے ہوئے زلفوں پر سایہ کئے تھے۔

اس لباس میں الجائی قالینوں پر چلتی ہوئی جہاں تاتاری بیٹھے تھے، گئی، ایک لمحے

کے لئے سب کی نگاہیں اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور جب اٹھ کر دوسرے رنگ کا لباس پہن کر آ گئی تو پھر وہی نگاہیں دوسری مرتبہ اس پر پڑیں، صاف گندم گوں چہرہ چاولوں کے میدے اور سفیدے سے بہت گورا بنا ہوا تھا، دونوں بھنوؤں کے اوپر اور بیچ میں ایک سیاہی مائل نیلا خط کسی درخت کے پتوں کے عرق سے کھچا ہوا تھا۔

مرد، ہلکی شرابوں میں تیز شرابیں ملا کر پیتے تھے کہ نشہ جلد ہو، الجائی ان مردوں کی صفوں میں سروقد چہرہ پر سکوت کا عالم مگر خوف کھاتی ہوئی گزری، امیر قزغن نے مٹھیاں بھر بھر کر موتی لٹائے حکم سنتے ہی نقارچیوں نے طبل اور طاشے جو گھوڑوں کی پیٹھ پر رکھے تھے بجانے شروع کئے شادی ہو یا لڑائی کوس وطبل ضرور بجائے جاتے تھے۔

مولانا زین الدین نے نوشہ اور عروس کے حق میں دعا کی۔

اب تحائف تقسیم کرنے کا وقت آیا، عروس کو نہیں بلکہ ان تاتاریوں کو جو تقریب میں شریک ہوئے تھے، قزغن اٹھا اور تاتاریوں کی ایک صف میں گیا، غلام قیمتی خلعت اور پارچے ہاتھوں پر لئے ہوئے ساتھ ساتھ تھے، امیر نے کسی کو تلوار دی، کسی کو کمر بند زرین، قزغن کی طبیعت میں بخل نہ تھا کیونکہ وہ ایک پرانے تاتاری خاندان کی یادگار تھا، اس کے علاوہ جانتا تھا کہ اس قسم کی نوازشیں کس طرح لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف سے خوش رکھ سکتی ہیں، مجمع سے قریب ہی درختوں کی چھاؤں میں جہاں دھوپ پتوں میں سے چھن چھن کر آتی تھی کچھ داستان گو آنکھوں میں ہلکا سا نشہ دل میں خوش بیٹھے تھے، دوتارے چھیڑ کر ایسے قصے بتا بتا کر سنانے لگے جو سننے والوں کو پہلے سے یاد تھے، قدردان ان کی آواز کے زیر و بم اور چہروں کی خاص خاص حرکتوں کی داد دیتے تھے، قصوں کا مضمون جتنا کہنے والوں کو معلوم تھا اتنا ہی سننے والوں کو بھی معلوم تھا، اگر قصے کے لئے دار سلسلے میں کہیں کوئی جملہ چھوٹ جاتا یا اس کو بدل کر کہا جاتا تو سننے والے ناک بھوں چڑھانے لگتے، داستان گو تھوڑی تھوڑی دیر بعد بڑی بے صبری سے شراب کے بڑے بڑے گھونٹ پیتے اور آدابِ محفل کے خیال سے چٹخارے بھی لیتے جاتے تاکہ میزبانوں کو یہ گمان نہ ہو کہ ضیافت کی قدر کرنے میں ان کی طرف سے کچھ کمی ہوئی ہے۔

انہی جلسوں میں شام ہو گئی، دن چھپنے کو ہوا تو غلام مشعلیں لے کر آئے، دریا کے

کنارے دور تک قندیلیں روشن کی گئیں، سینیوں میں کھانے چن کر مہمانوں کے سامنے رکھے گئے، بھیڑ کے بچے سالم بھنے ہوئے اور گھوڑوں کے پٹھوں کے گرم گرم کباب جن سے بھاپ اٹھ رہی تھی اور شہد میں بھیگی ہوئی جو کی موٹی موٹی روٹیاں دیکھ کر مہمانوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور تعریف کر کے سب نے کھانا شروع کیا۔

ایک مرتبہ پھر الجائی مہمانوں کی صفوں میں سے گزری، مگر اب پھر وہ مہمانوں کے سامنے نہ آئے گی، تیمور ایک عربی گھوڑا سبزہ رنگ بڑا سبک رو اور عمدہ نسل کا باہر سے اندر قالین کے فرش تک لایا، گھوڑے پر ایک نہایت پُر تکلف ریشمی پوشش گردن اور پشت کو ڈھکتی ہوئی قدموں تک آئی تھی، تیمور نے الجائی کو اٹھا کر گھوڑے پر سوار کیا اور راسیں اپنے ہاتھ میں لئے عروس کو اس کے خوشنما خیمے تک پہنچانے گیا۔

یہاں مہمانوں سے بچتی بچاتی الجائی کی خواصیں حاضر ہوئیں تا کہ سر کی آرائشی چیزیں اور اوپر کا لباس اُتارنے میں خاتون کی مدد کریں، ان خواصوں کے ساتھ وہ صندوق بھی آئے جو دُلہن کے جہیز کے تھے، خواصوں نے الجائی کو ہاتھ لگایا تو معلوم ہوا کہ تمام جسم پر رعشہ ہے مسکرا کر اس کا اوپر کا لباس اُتارنے لگیں اور اب عروس پاؤں میں زریں کفش اور گلے میں بے آستین قبا اور چہرہ پر زلفوں کی نقاب میں نظر آئی۔

جس وقت نوجوان نوشہ خاموشی سے عروس کے خیمے میں آیا تو خواصوں نے اسے سلام کیا، مگر تیمور کی نگاہیں اپنی دُلہن کے سوا اور کس طرف جا سکتی تھیں؟ خواصیں دبے پاؤں خیمے سے باہر نکل آئیں تیمور کے چند ہمراہی جو خیمے کے دروازے تک اپنے امیر کی بیوی کو سلام کرنے حاضر ہوئے تھے دروازے کا پردہ گرا کر اپنے اپنے خیموں کو چلے گئے۔

اس شب کو الجائی اپنے جوان شوہر کے پہلو میں لیٹی دریا کے زور سے بہنے اور لوگوں کی آوازیں اور طبل وبوق کا شور سنتی رہی۔

تیمور کے سرمایہ عمر کی یہ پہلی دولت تھی جو اسے ملی تھی، الجائی خاتون آغا زیادہ زندہ نہ رہی، لیکن جب تک زندہ رہی تیمور کے پہلو میں کوئی دوسری عورت نہ بیٹھ سکی۔

اس میں مطلق شبہ نہیں کہ بیس برس کی عمر سے پچیس برس کے سن تک تیمور کو اپنی زندگی بہت ہی پُر لطف معلوم ہوتی رہی، شہر سبز میں مٹی کا قصر سپید بزرگوں کی نشانی اب تک

چلا آتا تھا، مگر مدت سے خالی پڑا تھا، اب اس کے ایک حصہ کو درست کر کے الجائی کے لئے اسے آراستہ کیا، یہ آراستگی بھی تیمور نے اپنے مذاق کے مطابق کی تھی، اچھے اچھے قالینوں کا فرش کیا، چاندی کے ظروف اور نقشیں دیوار پوش سجائے اور یہ سب چیزیں اس نے اپنی شجاعت وسپہ گری سے کبھی حاصل کی تھیں گھر کے مویشی اور چراگاہوں میں چوپائے چرانے کے حقوق باپ کی طرف سے بیٹے کو پہلے ہی مل چکے تھے۔

امیر قزغن نے تیمور کو مینگ باشی یعنی، ایک ہزار سواروں کا سردار گویا ہمارے زمانے کا ایک پوری رجمنٹ کا کرنیل مقرر کیا، تیمور اپنے ان ہزار سواروں میں بہت خوش رہتا تھا، ان کو خوراک بہت اچھی دیتا اور جب تک ان میں سے دس پانچ سوار دستر خوان پر اس کے ساتھ نہ ہوں کھانا نہ کھاتا، ان ہزار سواروں کے ناموں کی فہرست تیمور کی کمر پیٹی میں ہر وقت موجود رہتی تھی، قزغن نے جو لڑنے والے جوانوں کو پرکھنا خوب جانتا تھا تیمور اور اس کے ہزار سواروں کو اجازت دی کہ وہ اس کے لشکر میں فوج قراول (آگے والی فوج) کا کام دیں۔

اس زمانے میں جب کبھی تیمور کسی مہم پر جاتا تو ایک دن پہلے سمرقند کی سڑک سے گھوڑے پر سوار لشکر سے آگے بڑھا ہوا چاندنی رات میں ریگ کے سفید سفید ذروں کے غبار میں الجائی سے ملنے چلا آتا، اور آتے ہی بیوی سے فرمائش ہوتی کہ ساتھ کے سردار جو پیچھے آرہے ہیں، ان کے لئے کھانے کا بندوبست کیا جائے، الجائی کھانے کا انتظام کرتی اور شہر سبز کے پر فضا باغ میں تیمور ان صحبتوں اور ضیافتوں کا لطف اٹھاتا، جب الجائی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو تیمور نے اس کا نام جہانگیر رکھا اور امیر قزغن کے امرائے دربار کی بڑی دھوم سے دعوت کی، جس قدر لوگوں کو مدعو کیا تھا سب گھوڑوں پر سوار دعوت میں شریک ہونے اور تیمور کو مبارک باد دینے آئے مگر تیمور کا چچا حاجی برلاس اور اس کی بیوی کے قبیلے جلیر کا امیر بایزید دعوت میں شریک نہیں ہوا۔

اس موقع پر جو مہمان جمع ہوئے سب کہتے تھے کہ ''تیمور حقیقت میں گورگان اعظم کا فرزند ہے''۔ اور الجائی کے بزرگوں کی خدمت میں جو وحشی پہاڑی قبیلے رہتے تھے انہوں نے تیمور اور اس کی خاتون کی تعریف میں گیت کہہ کر گانے شروع کئے۔

تیمور کی دلیری و جوانمردی کی بدولت امیر قزغن نے مغربی صحرا اور جنوب کی وادیوں میں نئی نئی فتوحات حاصل کیں اور ہرات کا بادشاہ (ملک معزالدین حسین) قید ہو کر سالی سرائے میں آیا[1] غرض امیر قزغن اس نوجوان برلاس یعنی تیمور کی بے غرض خدمات سے بہت کچھ مستفید ہوا، دونوں اپنی قوت بڑھاتے جاتے تھے حتیٰ کہ قزغن کے امرائے دربار میں ایک نیا نزاع برپا ہوا۔

ان امراء نے قزغن سے درخواست کی کہ ہرات کا بادشاہ (ملک معزالدین حسین) جو قید ہو کر آیا ہے اسے ہلاک کر دیا جائے، اور اس کا تمام مال و متاع ضبط کر کے ان میں تقسیم کر دیا جائے، لیکن قزغن بادشاہِ ہرات کو قول دے چکا تھا کہ اس کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچایا جائے گا، ملک حسین بڑا متمول تھا اور ان امیروں کا پرانا دشمن بھی تھا، امراء نے جب اس کے قتل پر اصرار کیا تو قزغن نے ان کے ارادے سے ملک حسین کو آگاہ کر دیا اور ایک دن دریائے آمو کے جنوب میں ہرات کی سڑک پر ملک حسین کو ساتھ لئے شکار کھیل رہا تھا کہ اس کو قید سے آزاد کر دیا[2]، گو یہ امر صاف نہیں ہے۔

مگر ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ اس موقع پر قزغن نے تیمور کو بادشاہِ ہرات کے ساتھ کر دیا تھا کہ اس کو ہرات تک حفاظت سے پہنچا دے۔

بہرکیف جب قزغن کا وقت آیا اور وہ مارا گیا تو تیمور اس کے ساتھ نہ تھا، قزغن شکار میں مصروف ابھی تک دریائے آمو کے جنوب میں تھا، ہمراہی معدودے چند تھے اور بخوبی مسلح بھی نہ تھا، کہ دو سرداروں نے جن کو مدت سے عداوت تھی اس پر حملہ کیا اور تیروں کا نشانہ بنا کر اسے ہلاک کر دیا۔ [3]

تیمور قزغن کے مرنے کی خبر پاتے ہی موقع پر فوراً پہنچ گیا، اور امیر کے جنازے کو دریا پار پہنچانے اور سالی سرائے کے صحرا میں اسے دفن کرنے میں شریک ہوا۔ [4]

---

1. ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۳۲۔۳۷۔
2. ظفر نامہ صفحہ ۳۸۔
3. ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۳۹۔
4. ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۳۹۔

اپنے مال کی حفاظت کا مطلق خیال نہ کیا اور پھر جنوب کی سمت میں روانہ ہو کر آمو دریا میں گھوڑا، ڈال اور پار اُتر ان سرداروں کے ہمراہ ہو گیا جو امیر کے قاتلوں کا پہاڑوں میں تعاقب کر رہے تھے، تاتاریوں کی قدیم روایات میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ''انسان کو اس آسمان کے نیچے نہ رہنا چاہیے جس کے نیچے اس کے عزیز کا قاتل موجود ہو۔'' جن دو سرداروں نے قزغن کو ہلاک کیا تھا وہ بہت دن زندہ نہ رہ سکے۔

پہاڑوں سے نشیب میں اور نشیب سے بلندیوں پر گاؤں گاؤں گھوڑے بدلتے ہوئے تعاقب کرنے والوں کے خوف سے قزغن کے قاتل بھاگتے رہے، مگر تاتاری ان کا کھوج لینے اور بھاگنے کے راستے بند کرنے سے کب باز آتے تھے، یہاں تک کہ پہاڑوں کے بالائی دامنوں پر ان قاتلوں کو انہوں نے جا پکڑا، کچھ دیر تلواریں چمکیں اور پھر وہ دونوں مردہ نظر آئے[1]، اس کام سے فارغ ہوتے ہی تیمور شہر سبز میں فوراً واپس آیا یہاں آ کر دیکھا تو معاملات کی کچھ اور ہی صورت تھی۔

وسط ایشیا میں جب کوئی فرمانروا مرتا ہے تو اس کا فرزند صرف اسی حالت میں صاحب تخت ہو سکتا ہے کہ باپ نے ایک مستقل اور مستحکم سلطنت چھوڑی ہو اور خود فرزند میں اتنی قابلیت ہو کہ سلطنت پر قبضہ رکھ سکے، ورنہ ہوتا یہ تھا کہ زبردست سرداروں کی ایک مجلس منعقد کی جاتی تھی اور یہ مجلس اپنی رائے سے ایک نیا فرمانروا منتخب کر لیتی تھی، یہ صورت بہترین ہوتی تھی، بدترین شکل یہ ہوتی اور اکثر یہی شکل پیش بھی آتی تھی کہ تخت کے لئے ایک عام جنگ برپا ہو کر جو سب میں زبردست ثابت ہوتا وہ سلطنت پر قابض ہو جاتا، ان خود پوش تاتاریوں میں ایک مثل مشہور تھی کہ ''جو ہاتھ تلوار پکڑنا جانتا ہے وہی عصائے سلطنت کو بھی اپنی گرفت میں رکھ سکتا ہے''۔

قزغن کے فرزند (عبداللہ) نے کچھ مدت تک اس بات کی کوشش کی کہ باپ کی جگہ سمرقند میں حکومت کرے، لیکن اس خیال کو جلد چھوڑ کر وہ فرار ہو گیا[2] حکومت سے جان زیادہ پیاری معلوم ہوئی، اس پر حاجی برلاس اور قبیلہ جلائر کا امیر (بایزید) دونوں سمرقند میں

---

1. ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۳۹۔
2. ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۴۰۔۴۱۔

داخل ہوئے اور تاتاریوں پر سرداری کرنے کے دعویدار ہو گئے۔

اس زمانے میں قزغن کے اور امراء اپنے اپنے شہروں کو چلے گئے اور اپنے اپنے علَم کے نیچے لشکر جمع کرنے لگے جس کی غرض یہ تھی کہ اپنے علاقے کی حفاظت اور دوسرے کے علاقے کو تاخت و تاراج کرنے کا موقع حاصل رہے۔ تاتاریوں کی یہ بڑی کمزوری تھی کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر غالب آنے کے لئے باہمی جنگ و جدال میں مصروف رہتا تھا، اگر ایک سردار بھی ان کو ایسا مل جاتا جو سب کو اپنے تخت میں لا سکتا تو یقیناً کل تاتاری برضا و رغبت ایسے سردار کو اپنا امیر مان لیتے لیکن قزغن کی اولاد قزغن کی مثل نہ تھی اور حاجی برلاس اور بایزید جلائر ایسے لوگ نہ تھے جو تاتاریوں کی مثل ایک بے چین و بے قرار قوم کو اپنے قابو میں لا سکتے۔

ادھر یہ آفات برپا تھیں ادھر تیمور کے باپ طراغائی نے جس خانقاہ میں وہ عزلت گزیں ہوئے تھے وہیں انتقال کیا، الوس برلاس کے اکثر لوگ اس زمانہ میں حاجی برلاس کے ساتھ سمرقند پہنچ چکے تھے اور تیمور ہزار سے بھی کم سپاہ کیساتھ شہر سبز میں تنہا رہ گیا تھا۔

اور اب پھر بلا دشمال کے خان اعظم[۲] نے پہاڑوں کی پشت سے یہ حالات دیکھے اور وہ فوراً موقع پر ظاہر ہو گیا۔

---

[۱] ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۴۶

[۲] تغلق تیمور خان

باب ۵

تیمور اور تدبیرِ اُمور

خان[۱] کے وارد ہوتے ہی تاتاری امراء خطرے کو سمجھ گئے جوان سب کے لئے یکساں تھا تمام امراء سوائے بایزید جلائر کے پیچھے ہٹے، بایزید کا مستقر حکومت خجند[۲] تھا، شمال والوں کے لئے یہ مقام تاتاریوں کے ملک میں داخل ہونے کا تھا اور خجند کا شہر خان کی فوجوں کے بالکل راستے میں پڑتا تھا، بایزید جلائر فوراً اپنے الوس میں آیا اور خان کو تحائف پیش کر کے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

حاجی برلاس جیسا پہلے ہر بات میں بے باک تھا اب ہر بات میں مذبذب ہو گیا، طراغائی کی وفات پر سرداری کا دعویٰ کر کے جس میں کسی کو عذر نہ ہوا وہ قبیلہ برلاس کا سردار ہو گیا تھا اب خان سے لڑنے کے لئے اس نے اپنی فوج کو شہر سبز اور قرشی میں جمع ہونے کا حکم دیا، لیکن پھر یہ ارادہ بدل دیا اور تیمور کو کہلا بھیجا کہ میں اپنی قوم اور مویشیوں کے

---

[۱] تغلق تیمور خان، ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۴۳۔

[۲] اس زمانہ میں ماوراء النہر کے مختلف حصوں پر مختلف امراء حکومت کرتے تھے، شہر سبز اور اس کے توابع مدت سے تیمور اور اس کے چچا حاجی برلاس سے متعلق تھے، خجند امیر بایزید جلائر کے تصرف میں تھا، بعض حصے ماوراء النہر کے امیر حسین بن مسلا بن قزغن کے قبضہ میں تھے جو دادا کی جگہ حاصل کرنے کی فکر میں تھا، بلخ میں اولجائی بوغائی سلدوز حکمران تھا، شبرغان محمد خواجہ اپردی کے سپرد تھا، بدخشاں کے پہاڑوں میں وہاں کے بادشاہ، ختلان اور ارہنگ میں کیخسرو اولجائیو اپردی اور نواح سمرقند کے علاقہ جات سرپول اور تانکنت میں امیر خضر یسوری حکومت کرتے تھے، ان سب میں آپس میں رات دن لڑائیاں رہتی تھیں، ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۴۲ اوپر کے کل مقامات کے نام لی اسٹرینج کے جغرافیہ خلافت مشرقی میں (سوائے سرپول ارہنگ اور تانکنت کے) نقشہ نمبر ۸ اور ۹ میں ملیں گے (مترجم)

ساتھ جنوب میں ہرات کی طرف جانا چاہتا ہوں۔

تیمور کو منظور نہ ہوا کہ شہر سبز کو بالکل لاوارث چھوڑ کر خود بھی وہاں سے چلا جائے بالخصوص ایسی حالت میں کہ فوج کشوں کا راستہ اسی طرف سے تھا، تیمور نے چچا کو جواب دیا کہ ”آپ کا جہاں جی چاہے جائیں بندہ تو خان کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد رکھتا ہے[1]“

تیمور کو معلوم تھا کہ بلاد شمال کا یہ خان جو مغول جتہ یعنی سرحد والے مغلوں کا امیر ہے سمرقند کے شاداب علاقے پر اپنے سابقہ حقوق کو سرسبز کرنے کا حیلہ کر کے واقعی اُسے لوٹنے آیا ہے، بہرکیف تیمور نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی ہوگا ان لیٹروں کو شہر سبز میں داخل نہ ہونے دے گا، اپنی بیوی الجائی اور چھوٹے بچے کو اپنے نسبتی بھائی کے پاس روانہ کیا جو اس زمانہ میں کوہستان کابل سے شمال کی طرف کوچ کر چکا تھا، تیمور اگر چاہتا تو خود بھی اپنے اہل وعیال کیساتھ جا کر اس خطرے سے محفوظ ہو جاتا لڑنے والے اس کے ساتھ ہزار سے بھی کم تھے ایسی حالت میں جتہ مغلوں کی بارہ ہزار فوج کے مقابلے میں آنا سخت نادانی کی بات ہوتی، اس کا باپ طراغائی اور قزغن اُسے تاکید کر چکے تھے کہ خان کی اطاعت کبھی قبول نہ کرنا کیونکہ گمان یہ ہے کہ تاتاری امراء کو قتل کر کے یہ خان اپنے سرداروں کو ان کی جگہ مقرر کر دے گا، مگر تیمور نے اس نصیحت کو نہ مانا۔ اُسے خیال ہوا کہ خان بہرکیف اس کا بادشاہ ہے جو اس کے بزرگوں پر بھی حکومت کر چکا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تیمور کے کرنے کی کوئی بات اس وقت نہ تھی، بقول مؤرخ اس کا قبیلہ ایک عقاب بے پر کی مثل ہو رہا[2] تھا، شہر سبز میں تردد اور خوف پھیلا ہوا تھا، کچھ دنوں سے لوگ اپنے اہل وعیال اور اچھے اچھے گھوڑوں کو لئے سمرقند کی سڑک سے شہر سبز کو

---

[1] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۴۶، ۴۷۔

[2] ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۴۶، اسی سال یعنی ۷۶۱ ہجری ۱۳۵۹ء میں تیمور کے باپ طراغائی کا انتقال ہو گیا تھا، باپ کی جگہ اس کا چچا حاجی برلاس سردار ہوا، مگر اب تغلق تیمور خان کی فوج کشی سے وہ خراساں چلا گیا، شہر سبز کی حالت خراب تھی، اسی پر مؤرخ نے شعر کہے ہیں:

پدر رفتہ و عم گریزاں شدہ زبیگانہ شکور پریشان شدہ
مخالف مسلط اُلس درخطر کشادہ عقاب بلا بال وپر (مترجم)

بھاگے چلے آتے تھے، ایسے لوگ بھی جو اپنے مال واسباب کے قریب رہ کر اس کی نگہبانی کا مصمم ارادہ کر چکے تھے تیمور کو خاموش اور بے پرواہ دیکھ کر اس کے پاس آئے اور اطاعت قبول کر کے اسے اپنی حفاظت کا ذمہ دار بنانا چاہا۔

مگر تیمور کا قول تھا کہ ”محض ضرورت کے وقت کے دوست دوست نہیں ہوا کرتے“۔

ان لوگوں کی بات اس نے نہیں مانی، سمجھ گیا کہ اگر مختلف قبیلے رنگ برنگ کے لوگ اس کیساتھ ہوئے تو خان کو اور بھی اس پر حملہ کرنے کی وجہ مل جائے گی۔

مقابلہ کی تیاریوں کی جگہ تیمور نے دوسری قسم کی تیاریاں شروع کیں، سب سے پہلے باپ کا جنازہ شہر سبز کے اس گورستان میں دفن کیا جہاں بڑے بڑے خدا رسیدہ بزرگ آسودہ تھے، اس کے بعد اپنے مرشد مولانا زین الدین ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا، اُن سے تمام شب گفتگو رہی، نہیں معلوم کہ وہ کیا گفتگو تھی، لیکن اتنا دریافت ہوتا ہے کہ تیمور نے اپنا تمام قیمتی سامان تیز رفتار گھوڑے، چاندی کے نقشین زین اور کل زر وجواہر جو کچھ رکھتا تھا سب سمیٹا، مولانا زین الدین نے خانقاہ کے روپیہ میں سے بھی شاید کچھ دیا ہو کیونکہ شمال کا خان اہل شریعت اور بزرگان اسلام کا موروثی دشمن تھا۔

دفعتہً مغلوں کا ایک گروہ آن پہنچا، ان کے قراول ٹٹوؤں پر سوار سمرقند کی سڑک سے آتے ہوئے نظر آئے، لمبے لمبے برچھے جن کے پھل چمکتے تھے ان کے کندھوں پر تھے، بار کش جانور جس قدر ساتھ تھے ان پر لوٹ کا مال خوب لدا ہوا تھا، قراولوں کے بعد سواروں کے دستے گیہوں کی تیار فصلوں کو روندتے اور ہری بھری کھیتیوں میں اپنے گھوڑے چراتے ہوئے آئے مغلوں کے قراول کا سردار قصر سفید کی طرف بڑھا، تیمور فوراً ملاقات کو باہر نکلا، سردار اس نوجوان تاتاری کو دیکھ کر جس کے چہرے پر پریشانی مطلق نہ تھی اور اس کی زبان سے سن کر کہ وہ سردار کو مہمان کرنا چاہتا ہے سخت متعجب ہوا۔

تیمور نے سردار کی ضیافت بڑے اہتمام سے کی، مویشی اور بھیڑیں خوب دل کھول کر مہمانوں کی دعوت کے لئے ذبح کرائیں، مغل سردار اپنے نوجوان میزبان کا مال دیکھتا اور منہ میں پانی بھر لاتا، چونکہ مہمان تھا اس لئے میزبان کا گھر لوٹنے کا حکم اپنے

ہمراہیوں کو نہ دے سکا، مگر اس کے بجائے نہایت قیمتی تحائف طلب کیے، تیمور نے بڑی بیش بہا چیزیں نذر کر کے سردار کی طمع کو سیر کیا۔

اب تیمور نے اپنا ارادہ خان کے دربار میں حاضر ہونے کا ظاہر کیا اور اپنے ہمراہیوں کو درباری لباس پہنا کر اور جس قدر مال و متاع یکجا کیا تھا اُسے ساتھ لے کر سمرقند کی طرف روانہ ہوا، سمرقند کے قریب جتہ مغلوں کے دو سردار اُسے اور ملے جو خان کی فوج قراول کے ہمراہ تھے، [1] یہ دونوں شخص گستاخ اور طامع تھے، مگر تیمور نے ان کو بھی اتنا مال دیا جو ان کی توقع سے زیادہ ثابت ہوا۔

سمرقند سے کچھ دور آگے تیمور کو ایک لشکر ملا اور یہ تغلق تمور کا اردو معلّٰی تھا۔

ایک طرف ہزارہا گھوڑے تھے، دوسری طرف صدہا قطاریں رسیوں میں بندھے ہوئے اونٹوں کی تھیں، بیچ میں سفید نمدوں کے خیمے تھے اور ان چیزوں سے سارا میدان پٹا پڑا تھا، ہر بیرک اور پرچم میں گھوڑے کی دم کی صورت کے طرّے ہوا سے ہلتے تھے اور بھیڑوں کی خشک مینگنیوں کے ذرے بھی ہوا میں گرد کیساتھ شامل تھے، لشکر کے سردار اور امراء عجیب وحشیانہ شان میں تھے، چینی ریشم کے گل بوٹوں کا لباس پہنے تھے، اونچی ایڑی کے موزوں پر کار چوب کا کام اور چوبی کاٹھیاں نرم سے نرم کیمخت سے منڈھی ہوئی تھیں، لمبے برچھے اور خانہ بدوشوں کی کمان ان کے مخصوص ہتھیار تھے اور یہ ہتھیار جب مغلوں کے ہاتھ میں ہوتے تھے تو قیامت برپا کر ڈالتے تھے۔

تغلق تمور خان اپنے علَم کے نیچے سفید نمدے کے فرش پر بیٹھا تھا چوڑے چکلے چہرے کا پورا مغل، رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی اور ان میں معمول سے زیادہ فصل، آنکھیں چھوٹی چھوٹی، حلقوں میں جلد جلد گردش کرتی ہوئی، کلے اور ٹھڈی پر چھدری چھدری ڈاڑھی، یہ تو حلیہ تھا، مزاج اور طبیعت کی کیفیت یہ تھی کہ شدت سے شکی اور بدظن، غارت گری میں عظیم الشان لٹیرا اور لڑنے میں خدا کا قہر، لڑتا تو بس نہ کرتا، دائیں بائیں جتہ

---

[1] تینوں سرداروں کے نام جن کو تغلق تیمور نے ماوراء النہر کی فتح کے لئے آگے بھیجا تھا ان میں ایک جانی بیگ ارکنت دوسرا ایلجیک تیسرا الغتق تمور کریت تھا، زیادہ حالات کیلئے دیکھو تزک تیمور صفحات ۱۱-۱۳ نیز ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۳۷

مغلوں کے سردار نصف حلقے کی شکل میں بیٹھے تھے، تیمور ان کے قریب آ کر گھوڑے سے اُترا، آگے بڑھا تو دیکھا کہ اپنے ہی باپ دادا کی ایک شبیہ سامنے ہے، فوراً بڑے ادب سے کرناش (کورنش) جو بادشاہوں کو سلام کرنے کا طریقہ تھا بجالایا، اور عرض کیا:

> ''اے میرے باپ اور اے میرے خان، اس لشکر اور اردو کے مالک، میں تیمور ہوں قوم برلاس کا سردار اور شہر سبز کا حاکم''۔

خان اس نو وارد کی جسارت اور بے باکی پر چونک پڑا، تیمور فولادی کڑیوں کی زرہ جس میں چاندی کا کام تھا پہنے تھا، اس زرہ پر نظر گئی تو خان کو اور بھی حیرت ہوئی، یہ تیمور کی تعلّی تھی کہ قبیلہ برلاس کا اپنے کو سردار بتا دیا، کیونکہ یہ قبیلہ اس وقت حاجی برلاس کے تحت میں تھا اور اس وقت اسی کے ساتھ (خراسان کی طرف) بھاگا ہوا تھا۔

لیکن یہ موقع اپنی تعریف و تقریب میں کمی کرنے کا نہ تھا اس کے علاوہ خان کے حضور میں تیمور نے جو تحائف پیش کیے تھے وہ نہایت قیمتی تھے اور اتنے تھے کہ ان بادیہ گرد خانہ بدوشوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ اب تیمور نے اپنے لئے کچھ نہیں رکھا، غرض تغلق تمور خان تیمور کو پسند کرنے لگا۔ تیمور نے باادب عرض کیا ''قبلہ من! اگر میرے پاس کچھ اور ہوتا تو وہ بھی پیش کرتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ تین کتے جن کا شمار حضور کے امرائے ذی وقار میں ہوتا ہے میرے مال و زر سے اپنی حرص کی اشتہا سیر کر چکے ہیں۔''

یہ شکایت وقت پر سوجھ جانے کی بات تھی، تغلق تمور اتنا سنتے ہی سوچنے لگا کہ خدا جانے اس طرح کتنی دولت اب تک ہاتھ سے نکل چکی ہوگی، فوراً ان تینوں سرداروں کی طرف قاصد اس حکم سے دوڑائے کہ تیمور سے جو مال حاصل کیا گیا ہے اسے واپس کیا جائے۔ یہ سچ ہے کہ حکم یہ بیان کر دیا گیا تھا کہ کل مال حاجی برلاس کو واپس کیا جانا چاہیے اس میں یہ سوچا تھا کہ حاجی برلاس کے پاس پہلے سب مال جمع ہو جائے تو پھر کل مال بعد کو اس سے لے لیا جائے، تیمور کی حالت یہ تھی کہ اس سے طلب کر کے کچھ زیادہ حاصل کرنا اب ممکن نہ تھا۔

خان نے تیمور سے کہا:

"کتے وہ ضرور ہیں لیکن میرے کتے ہیں، اور واللہ ان کی آرزو حرص سے ایسی تکلیف پہنچی ہے جیسے آنکھ میں بال پڑ گیا ہو یا جسم میں پھانس چبھ گئی ہو"۔

اگر میکیاولی[1] کو ان کوہستانی لوگوں کا حال معلوم ہوتا تو ایک دوسری کتاب لکھنی بھی وہ ضروری اور مناسب سمجھتا، دھوکا دینا ان لوگوں میں ایک ہنر تھا، اور سازش کرنا فنون لطیفہ میں شامل تھا، یہ ایک جنگ آور اور رزم آزما قوم کے لوگ تھے، لڑتے لڑتے اب ان کا دل ایسا بھر گیا تھا کہ جب تک بالکل مجبور نہ ہوتے ہتھیار نہ اٹھاتے، تغلق تمور خان کے لشکر میں تیمور نے جن لوگوں کو اپنا دوست بنایا وہ تعداد میں کم تھے۔

جتہ مغلوں نے کہا، اس وقت والیانِ سمرقند اس طرح پراگندہ ہوئے ہیں جیسے شکرے کو دیکھ کر بٹیریں تتر بتر ہو جاتی ہیں، ان میں سے صرف ایک تیمور یہاں موجود ہے، وہ عاقل و ہوشیار ہے، مناسب ہے کہ اس سے مصالحت کر کے اس ملک پر اسی کے ذریعہ سے حکومت کی جائے۔

مگر اس وقت مغلوں نے یہ کچھ بھی نہیں کیا، کیونکہ صورت اور ہی پیش آئی، تینوں مغل سرداروں کو جن کی شکایت تیمور نے کی تھی جس وقت شبہ گزرا کہ تغلق تمور بطور سزا کے اُن کا مال واسباب ضبط کر لے گا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور فوراً اپنے اپنے علاقوں کی طرف راستے میں تاخت و تاراج کرتے ہوئے روانہ ہو گئے، شمالی سرحد پر پہنچ کر فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور تغلق تمور کی عدم موجودگی میں وہاں نزاعات کا بازار گرم کرنا چاہا، خان نے جب یہ حال دیکھا تو تیمور سے جو بڑا صاحب تدبیر تھا مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے۔

تیمور نے بہت غور کے بعد خان سے بہ اصرار عرض کیا کہ

"حضور اپنے ملک کو واپس چلے جائیں، واپس جانے میں ایک ضرر ہے اور یہاں قیام کرنے میں دو ضرر ہیں ایک سامنے ہے اور دوسرا

[1] میکاوَلی اٹلی کا مشہور سیاسی مصنف تھا جس نے بادشاہوں کے لئے کہ وہ رعایا پر حکومت کر سکیں بڑے بڑے مکائد اپنی تصنیف میں لکھے ہیں۔ (مترجم)

عقب میں"۔[1]

یہ صلاح سن کر تغلق تمور خان اپنے ملک کو واپس چلا گیا تاکہ وہاں کے باغیوں کو سزا دے، روانگی سے پہلے اس نے تیمور کو تومان باشی کا منصب عطا فرمایا یعنی دس ہزار سواروں کا سردار مقرر کیا اور ایک تحریری فرمان اور مہر عنایت فرمائی[2]۔ یہ مراتب و درجات وہی تھے جو تیمور کے آباء واجداد کو مغلوں کی پرانی حکومت میں حاصل تھے۔

تیمور نے شہر سبز کی وادی اور اس کے شہروں کو تباہی سے بچا لیا، اور اب وہ خان کے حکم اور فرمان سے اپنے الوس کا سردار ہو گیا، اور جب تاتاری امراء کو وہ خطرہ پیش نہ رہا جو سب کے لئے ایک عام مصیبت تھا، تو پھر وہ حسب عادت بڑی مستعدی و سرگرمی سے آپس میں لڑنے لگے، اس کے بعد کے تین سال میں بڑے بڑے انقلاب پیش آتے رہے۔

حاجی برلاس اور بایزید جلائر نے باہمی سازش کر کے تیمور کا قدم بیچ میں سے ہٹانے کے لئے اُسے ہلاک کرنا چاہا، چنانچہ انہوں نے اسے اپنے خیمے میں مدعو کیا، تیمور آیا مگر یہ دیکھتے ہی کہ چند مسلح سپاہی بھی وہاں موجود ہیں اسے کچھ شبہ گزرا، اور اس حیلے سے کہ ناک سے دفعتہً خون جاری ہو گیا ہے وہ خیمے کے اندر کے درجوں میں سے ہوتا ہوا باہر نکل اپنے ہمراہیوں سے جا ملا اور پھر یہ سب فوراً گھوڑوں پر سوار ہو وہاں سے روانہ ہو گئے، بعد میں بایزید جلائر کو اپنی اس حرکت پر سخت ندامت ہوئی، تیمور سے اس نے اس بارے میں معافی بھی مانگی لیکن حاجی برلاس بڑا سخت دل تھا، اس نے شہر سبز کی وادی پر قبضہ کرنے کے لئے لشکر کشی کی۔

تیمور کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ اپنا علاقہ چچا کے حوالے کر دیتا۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ تغلق تمور کا فرمان اس کی جیب میں موجود تھا اور ہزارہا سپاہ اس کی مدد کو تیار تھی تیمور نے فوراً اپنے ہمراہیوں کو یکجا کیا اور اب چچا بھتیجے کے لشکروں میں کچھ مدت کے

[1] دیکھو تزک تیمور صفحہ ۱۲، صرف اتنا بیان ہے کہ تغلق تمور جس وقت ماوراء النہر میں تھا تو خبر آئی کہ دشت قپچاق کے امراء نے مخالفت اختیار کی ہے تغلق تمور خان نے مضطرب ہو کر تیمور سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے، تیمور نے دشت جتہ یعنی جہاں تغلق تمور رہتا تھا جانے کی صلاح دی اور تغلق تمور اسی طرف چلا گیا۔

[2] دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۴۷، "و تومانِ امیر قراچار و ایالت و ولایت کش با توابع و لواحق بر او مقرر شد"۔

لئے جنگ ہوتی رہی، مگر حاجی برلاس نے لڑائی چھوڑ دفعتہً سمرقند کی طرف کوچ کیا، تیمور نے زعم میں آ کر چچا کا تعاقب کیا لیکن دوسرے دن تیمور کے تمام ساتھی تیمور کا ساتھ چھوڑ حاجی برلاس سے جا ملے، حاجی برلاس نے پہلے ہی سے ان کو سمجھا دیا تھا کہ قبیلہ برلاس کا بڑا حصہ اس کے زیر فرمان ہے اس لئے وہ بھی آ کر اس سے مل جائیں۔

تیمور اب واپس ہوا تاکہ اپنی بیوی الجائی کے بھائی امیر حسین سے اتحاد قائم کرے، امیر حسین اس وقت پہاڑی قبیلوں اور کابل کے افغانوں کو لئے اس طرف آ گیا تھا، قبائل میں باہمی جنگ کا سلسلہ بدستور قائم رہا[1] حتیٰ کہ تغلق تمور خان دوسری مرتبہ ماوراء النہر میں آیا اور اس طرح آیا ''جیسے پرندوں میں کہیں سے پتھر آن گرا ہو''۔

اس بار تغلق تمور نے زیادہ سخت دل ہو کر لشکر کشی کی، ارادہ کر لیا تھا کہ امرائے تاتار کے کل ملکوں کو فتح کرے گا، بایزید جلائر کو اس نے جلد قتل کرا دیا حاجی برلاس پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر جنوب کی طرف بھاگا، اس حالت فرار میں کسی مقام پر چوروں نے اسے مار ڈالا، امیر حسین نے ہمت کر کے مغلوں کا مقابلہ کیا لیکن بُری طرح شکست کھائی اور مجبور ہو کر جان بچانے کے لئے اُسے میدان سے بھاگنا پڑا، تیمور شہر سبز کی مسند حکومت پر مضبوطی سے بیٹھا رہا۔

تغلق تمور نے خوب دل بھر کر فتوحات حاصل کیں اور اخیر میں اپنے فرزند الیاس کو تمام ممالک تاتار کا حاکم مقرر کیا اور جتہ مغلوں میں سے ایک سپہ سالار کو جس کا نام بیک جک تھا الیاس کی مدد پر رکھا تاکہ رعایا میں الیاس کے احکام کی پابندی ہوتی رہے، اسی طرح

---

[1] ایشیائے وسطی کے اندرونی حصوں میں یہ لڑائیاں ایک پرانا قصہ تھیں، جو حال اس وقت تھا وہی تقریباً آج کل ہے، تاتاری امراء کے ملکوں کا اندازہ موجودہ جغرافیائی نقشہ پر اس طرح ہو سکتا ہے کہ ان میں کابل سے شمال میں افغانستان کے حصے کو ایران کے شمال مشرقی اضلاع کو اور تمام ملک بخارا اور ماوراء النہر کو اور روسی ترکستان کے بہت سے اقطاع کو شامل کر کے دیکھا جائے کم سے کم ایک لاکھ تاتاری ایسے تھے جو لڑائی کے لئے مسلح تھے، لیکن ان لڑائیوں کے حالات لکھنے کے لئے ایک جدا کتاب لکھنے کی ضرورت ہوگی، یہاں ہم نے صرف تیمور کے حالات اور کارناموں سے بحث رکھی ہے، تاتاریوں کی خانہ جنگی میں تیمور ۱۳۶۰ء سے ۱۳۶۹ء بمطابق ۷۶۲ھ تا ۷۷۱ھ تک مصروف رہا (مصنف)

درمیان طے پایا تھا''۔

دو امراء جتہ کی ماتحتی میں تیمور کو سمرقند کا امیر مقرر کیا، یہ درجہ کافی تھا، اور ایک بیدار مغز آدمی اس میں آئندہ دولت اور حکومت حاصل کرنے کا موقع دیکھ سکتا تھا۔

تیمور نے شکایت کی کہ شمالی امرائے جتہ کا اسے زیر دست بنایا گیا ہے، لیکن تغلق تمور نے اسے وہ عہد نامہ یاد دلایا جو اس کے اور تیمور کے اجداد میں ہوا تھا، اس عہد نامہ کی رو سے یہ قرار پایا تھا کہ چنگیز خان کی اولاد حکومت کرے اور گورگان کی اولاد اُس کی خدمت کرے، تغلق تمور نے کہا:

''بس اسی طرح تمہارے جد قاجولی خان اور میرے جد قبل خان کے درمیان طے پایا تھا''۔ تیمور بھی سمجھتا تھا کہ اپنے جد کے عہد و پیمان کی پابندی اس پر لازمی ہے[1]۔ دل میں ناخوش رہا، مگر بہر کیف شہر سبز میں اچھی طرح گزر کرتا رہا۔

لیکن سردار جتہ بیک جک نے سمرقند کے علاقے کو لوٹنا شروع کیا جس قدر لوٹ کا مال لاتا الیاس خواجہ (پسر تغلق تمور) اس سے خوش ہوتا، تیمور کو معلوم ہوا کہ بیک جک نے سادات کی لڑکیوں کو اسیر کر لیا ہے، مولانا زین الدین نے نہایت غیظ و غضب کیساتھ مغلوں کی ان زیادتیوں کی شکایت کی، تیمور نے ایک عرض داشت رہزن مغلوں کے بارے میں تغلق تمور کی خدمت میں ارسال کی مگر اس عرض داشت کا کچھ اثر نہ ہوا، تیمور نے لشکر فراہم کر کے شمال کی طرف مراجعت کی اور بہت سے اسیروں کو بزور شمشیر مغلوں کے پنجے سے چھڑا لیا، اس پر دشمنوں نے تغلق تمور کو اطلاع دی کہ تیمور نے علم بغاوت بلند کیا ہے، تغلق تمور خان نے تیمور کے قتل کا فرمان صادر کیا۔[2]

اس کی خبر تیمور کو ہوئی بحث و مباحث سے خستہ اور اپنے ملک کی تباہی دیکھتے دیکھتے

---

[1] دیکھو تزک تیمور صفحہ ۱۴، قبل خان اور قاجولی خان دونوں بھائی بھائی تھے قبل خان سے تیسری پشت میں چنگیز خان تھا اور قاجولی خان سے آٹھویں پشت میں تیمور ہوا، قبل خان کا لقب ایلجیک یعنی رعایا پرور تھا، دونوں بھائیوں میں اس بات کا عہد نامہ ہوا تھا کہ قبل خان کی اولاد تین سریر خانی بطناً بعد بطن مسلم رہی، اور قاجولی خان اور اس کی اولاد میں امر لشکر کشی اور امارات رہی، قاجولی خان کی اولاد کی وجہ سے قراچار یعنی سپہ سالار کہلائی، دیکھو روضۃ الصفاء جلد پنجم صفحہ ۹ نیز حبیب السیر جلد سوم جزء اوّل صفحہ ۹ سطر ۲۳-۲۴۔

[2] ایضاً صفحہ ۱۴-۱۵ (مترجم)

بیزار ہو کر امور مملکت کو بالائے طاق رکھا اور تیمور گھوڑے پر سوار ہو صحرا کو نکل گیا۔

زندگی بسر کرنے کے لئے یہ طریقہ سب سے بہتر ثابت ہوا، تیمور کی مثال بھی اسکاٹ لینڈ کے بروس کی سی ہوئی، بروس بھی قانون سے آزاد ہو کر اور اپنا خون مباح کرا کے زندہ رہنے کو ملکی سازشوں میں شریک ہو کر جینے سے بہتر سمجھتا تھا۔

باب ۶

تیمور اور بادیہ گردی

مغرب کی طرف صحرا کی زمین سرخ و شورہ زار نباتات نام کو نہیں، کوسوں تک چلی گئی تھی، پاؤں کے نیچے کی سرخ مٹی جا بجا ترخی ہوئی شگاف اور درزیں پڑی ہوئیں گویا دھوپ کی تیزی سے پک اٹھی ہے، چلنے والے کے چہرے تک اپنی تمازت پہنچاتی تھی، گرم ہوا کے جھونکے یکا یک اٹھتے اور گرد و غبار کے بادل چھا جاتے، اور یہ غبار پرانی بوسیدہ چٹانوں کے اوپر اوپر اس طرح پھیلا نظر آتا جیسے صاف مطلع میں سمندر کی لہر کنارے سے ٹکرا کر کف اڑاتی ہو، صرف صبح کے وقت یا شام ہوتے دور کی چیزیں صاف نظر آ سکتی تھیں دن کے باقی اوقات میں نیچے زمین پر گرد اور سر پر آسمان کا چمکتا اور دہکتا تنور قوت بینائی کے لئے موجب مضرت تھا۔

لیکن ابھی تک اصلی صحرا نہ آیا تھا، کیونکہ یہاں خشک دریاؤں کی گذرگاہیں جا بجا ملتی تھیں، جو بھورے رنگ کی اونچی اونچی چٹانوں سے چکر کاٹتے ہوئے آمو دریا کی طرف نکل گئی تھیں، آمو کا پاٹ بہت بڑا تھا، اس کے زرد پانی نے سالی سرائے کو جو اس صحرا سے چار ہزار فٹ بلندی پر تھا بہشت کا نمونہ بنا رکھا تھا، دریا کے قریب سبزہ کچھ کچھ نظر آتا تھا مگر ادنی قسم کا پھل پھول کچھ نہ ہوتے تھے، دریا کے کنارے نرسلوں کے جھنڈ کھڑے تھے یا ناگ پھنی کے درخت کہیں ریت میں دبے اور کہیں جڑوں تک کھلے اونچے اٹھے نظر آتے تھے۔

دریا کے علاوہ کنوئیں بھی تھے مگر ان کا پانی جانور پی سکتے تھے انسان کے پینے کے قابل نہ تھا، میٹھا پانی جہاں ہوتا وہاں خانہ بدوش ترکمان اپنے ڈیرے ڈال دیتے، یہ لوگ
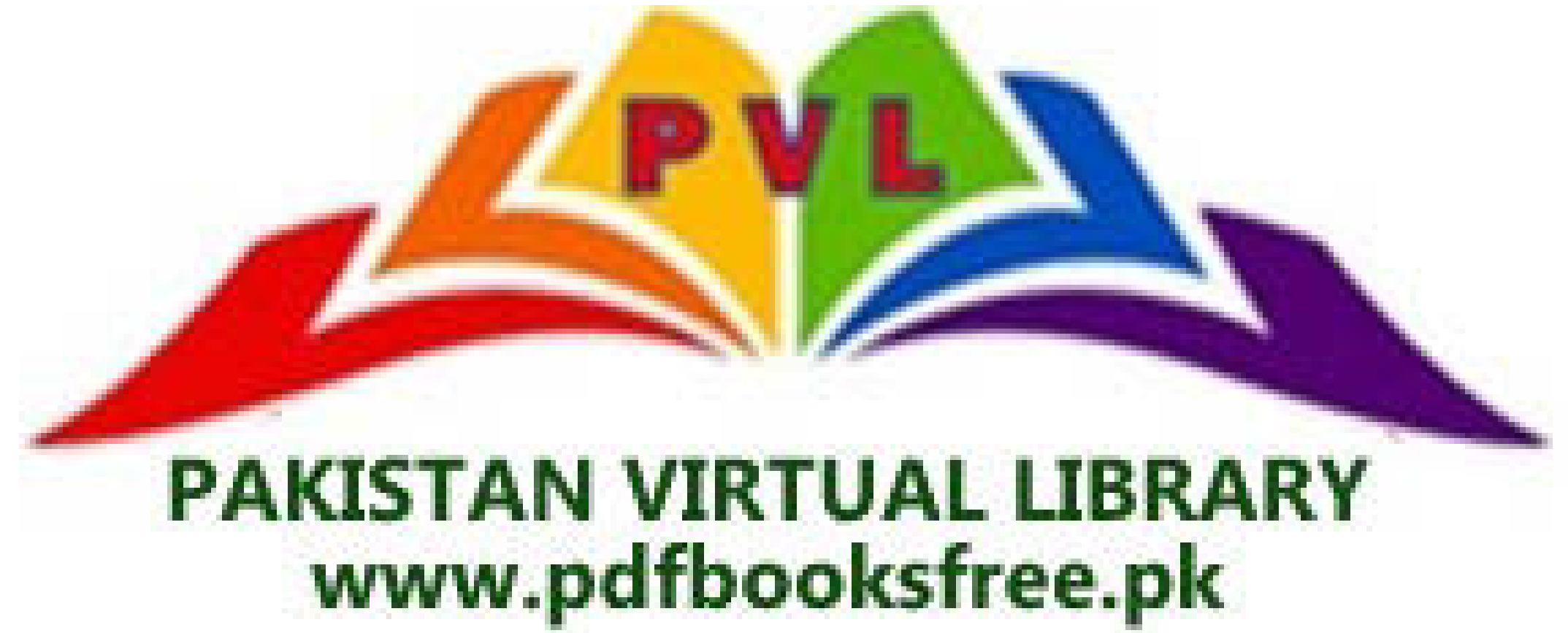
بھیڑیں چرایا کرتے تھے مگر اس تاک میں بھی رہتے تھے کہ اگر کوئی کمزور نہتا قافلہ پاس سے گزرے تو اسے لوٹ لیں اور ان ترکمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو خون کر کے اس دشت بے آب و گیاہ میں جان بچانے چلے آئے تھے۔

اس مٹیالے پتھریلے بیاباں سے جس کا نام قزل قم (یعنی ریگستان سرخ) تھا، تیمور کا گزر ہوا اس کی بیوی اُلجائی اس کے ساتھ تھی اور بیس سے کچھ زیادہ اور ہمراہی تھے جنہوں نے آقا کیساتھ مصائب سفر میں شریک رہنا پسند کیا تھا، کچھ کوتل گھوڑے بار برداری کے، کچھ ہتھیار کسی قدر زر و جواہر بھی ساتھ تھا، مشکیزوں میں پانی کافی تھا سفر تیزی سے کرنے لگے کیونکہ قافلہ مضبوط تھا رات کے وقت گھوڑوں کو پہاڑوں کی سوکھی گھاس چرنے چھوڑ دیتے تھے اور ان کی حفاظت بھی بخوبی کر لیتے تھے، ایک کنوئیں سے دوسرے کنوئیں تک سفر کرتے ہوئے چلے آخر کار ایک جگہ[1] الجائی کے بھائی امیر حسین سے ملاقات ہوگئی، امیر حسین بھی ماوراء النہر کے اور امراء کی طرح تغلق تمور کے خوف سے بھاگے ہوئے لوگوں میں تھا، دبلا، پتلا ہٹیلی طبیعت کا آدمی تھا ہمت و عزم بہت رکھتا تھا مگر طامع بھی بہت تھا، اس وقت صرف کابل میں بادشاہی کرتا تھا، اور اب بڑی آرزو یہ تھی کہ جو کچھ ہاتھ سے نکل گیا ہے وہ پھر مل جائے۔

امیر حسین دل میں اپنے تیئں تیمور سے بڑھ کر سمجھتا تھا، عمر بھی اس کی تیمور سے کچھ زیادہ تھی، مگر تیمور کی اعلیٰ حربی قابلیتوں کی دل سے قدر کرتا تھا، امیر حسین کی طمع و حرص کو تیمور سمجھ نہ سکتا تھا، مگر اس وقت تو ایک ساتھی کے مل جانے سے تیمور بہت ہی خوش ہوا۔

الجائی دونوں میں ایک بڑا واسطہ تھی، یہ امیر قزغن کی پوتی تھی اور حقیقت میں ایسے دادا کی ایسی ہی پوتی ہونی بھی چاہیے تھی، مصیبتوں پر ہنس ہنس کر ان کا علاج سوچتی تھی کبھی تکلیفوں کی شکایت نہ کرتی اور اس کی خوش دلی اور بشاشت سے تیمور کا فکر دور ہوتا رہتا۔

امیر حسین کیساتھ اس کی بیوی دلشاد آغا بھی تھی جو حسن میں مشہور تھی اور اب ان چاروں نے ایک کنوئیں کے قریب خیمے نصب کرائے اور جن مصیبتوں میں اس وقت مبتلا

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۲، اس مقام کو ایک کنواں لکھا ہے جو شہر خیوہ کے قریب تھا اور چاہ سانغ کے نام سے مشہور تھا۔ (مترجم)

تھے اُن سے نکلنے کی تدبیروں پر گفتگو کرنے لگے، اس وقت ان کے ہمراہ ساٹھ آدمی تھے جو مضبوط گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان سب نے مغرب کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جہاں اُمید تھی کہ کاروانوں کے راستے اور بڑے بڑے شہر بحر خوارزم کے کنارے (جسے اب بحر آرال کہتے ہیں) ملیں گے۔

غرض یہ لوگ تیمور کی سرگروہی میں (صحرائے قزلقم میں سے ہوتے ہوئے) خیوہ پہنچے، حاکم خیوہ[1] (تکل) نے ان ناخواندہ مہمانوں کو پہچان لیا اور ارادہ کیا کہ ان کا مال و اسباب ضبط کر کے خود ان کو جتہ مغلوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالے، تیمور اور اس کے ساتھیوں کے لئے خیوہ خطرناک مقام تھا، اس لئے وہ شہر سے نکل کر کھلے میدانوں میں سفر کرنے لگے، لیکن حاکمِ خیوہ اور اس کے کئی سو سواروں نے ان کا تعاقب کیا، تیمور اور اس کے ہمراہی گھوڑے دوڑاتے ہوئے ایک پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے، اور وہاں سے تیمور اور امیر حسین نے باوجودیکہ دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی ان کا مقابلہ کیا، خیوہ کے سوار پہاڑی کے نیچے تھے، تیمور اور امیر حسین نے اوپر سے نیچے کی طرف ان پر دھاوا کیا، دشمن اس یلغار کی تاب نہ لا سکا۔

اور اب فریقین کے سواروں میں سخت معرکہ آرائی ہوئی، گھوڑے پر سوار ہو کر لڑنے میں تاتاری پورے استاد تھے، پہاڑی کی اوپر سے نیچے کی طرف ان کے دھاوے نے اہل خیوہ کے حواس باختہ کر دیئے، چھوٹی ڈھالیں بائیں بازوؤں پر کھسکا کر اور اپنی بل کھائی ہوئی کمانوں سے فولادی پھل کے وزنی تیر اس قوت سے چلائے کہ دشمن کی زرہ، خود اور چار آئینے چھلنی کر دیئے، دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں سے آگے اور پیچھے تیر چلاتے تھے۔

کھلے منہ کے قربان[2] میں زہ چڑھی ہوئی کمان بالکل تیار کمر کے ایک طرف اور کھلا ہوا ترکش دوسری طرف ہوتا تھا، کمان کو لوہا اور سینگ لگا کر مضبوط کرتے تھے، تیر کے پلّے اور صدمے کے اعتبار سے یہ چھوٹی کمانیں انگریزی لمبی کمانوں کے برابر مہلک تھیں، اس ہتھیار کے ساتھ جب کہ زہ پر چٹکی میں تیر ہوتا تاری کی بھی وہی کیفیت ہوتی تھی جیسے آج

[1] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۲۔

[2] کمان کا خانہ جو اوپر سے کھلا ہوتا تھا (مترجم)

کل کے سوار کی جس کی کمر پیٹی میں تین پشت پہلے کا پستول لگا ہوا ایک ہاتھ سے کمان کو سامنے لانا اور دوسرے سے ترکش سے تیر نکال کر زہ پر لگانا حرکت واحد ہوتی تھی، اور تیر بڑی تیزی سے لگاتار چلاتے تھے، بندوقچی کی طرح انہیں بندوق بھرنے کے لئے دم لینے کی ضرورت نہ تھی، اگر آج کل کے ہتھیاروں سے مقابلہ کیا جائے تو کھلے ترکش کارتوس کی پیٹی کی جگہ اور کہنیوں پر فولادی دستانے آج کل کے رسالہ دار کے چرمی دستانوں کی جگہ تھے۔

چونکہ چھوٹی ڈھال بازو پر چڑھی ہوتی تھی اور ہاتھ دونوں کھلے ہوتے تھے اس لئے چھوٹی کمان سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے چاروں طرف تیر چلانا آسان تھا۔

تاتاریوں نے اپنے پستہ قد گھوڑوں کو خیوہ کے سواروں کی طرف ڈپٹا دیا، اب جہاں دشمن زیادہ تعداد میں نظر آتا اس کی صفوں میں گھوڑوں کو تیز دوڑاتے اور کاٹھیوں کے سامنے کے سروں کو پکڑ کر جھکے ہوئے ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف نکل جاتے اور شدت سے شور مچاتے، بارہ بارہ سواروں کا غول مل کر خیوہ والوں پر دھاوا کرتا اور ان کو پراگندہ کر کے پھر بہت جلد اپنے غول میں آملتا، صرف ضرورت کے وقت تلوار یا لڑائی کے چھوٹے گرزوں سے کام لیتے تھے تلوار سے خون ریزی بھی ان کی ہولناک تھی مگر تیر و کمان ان کا سب سے بڑا ہتھیار تھا۔[1]

گھوڑوں کی کاٹھیاں جلد جلد خالی ہونے لگیں، جانبین کے سردار اور امیر لڑائی کے مرکز سے دور دور رہے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مرکز میں پہنچتے ہی لوگ ان کو گھیر کر یقیناً قتل کر دیں گے، سوار جن کو گھوڑے کی پیٹھ چھوڑنی پڑی تھی دوسرے گھوڑے کی تلاش میں سرگرداں پھرتے، تاتاریوں میں سے ایک شخص جس کا نام ایلچی بہادر تھا بے جگر ہو کر دشمن کے مقابلے میں پیدل ڈٹا رہا تیمور یہ دیکھ کر گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے قریب آیا اور اس کی کمان کی زہ کاٹ کر کمان اس کے ہاتھ سے چھین لی تاکہ وہ مجبوراً میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام میں چلا جائے۔[2]

امیر حسین اس موقع پر خیوہ کے سواروں کی صفیں توڑتا ہوا حاکم خیوہ کی طرف چلا،

1. دیکھو تعلیقہ نمبر۲
2. ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۲-۶۳۔

اس کے علمدار کو قتل کر ڈالا مگر خیوہ کے سواروں نے اسے گھیر لیا، امیر حسین دشمنوں کے حلقے میں کبھی ادھر لڑتا کبھی ادھر، تیمور یہ حال دیکھ کر اس کی مدد کو چلا، تیمور کو آتے دیکھ کر خیوہ کے سوار اس کی طرف متوجہ ہوئے، امیر حسین کو موقع مل گیا اور وہ دشمنوں میں سے صحیح سلامت باہر نکل آئے تیمور نے اپنا گھوڑا پیچھے ہٹایا اور دائیں بائیں تلوار چلا کر اپنے تئیں بچانے لگا اتنے میں اس کے چند سوار قریب آ گئے اور خیوہ کی سپاہ پراگندہ ہونی شروع ہوئی۔

اب تیمور کو موقع ملا، فوراً للکار کر اپنے سواروں کو یلغار کا حکم دیا، امیر حسین کا گھوڑا تیر سے زخمی ہو کر گر گیا تھا اور امیر حسین پیدل ہو گیا تھا، اس کی بیوی دل شاد آغا شوہر کو گھوڑے سے اترا دیکھتے ہی اپنا گھوڑا دوڑا کر قریب آئی اور شوہر کو اُس پر سوار کر کے خود پیادہ ہو گئی۔[1] امیر حسین گھوڑے پر سوار ہو پھر اپنی جماعت میں آملا۔

تیمور نے اب تکل حاکم خیوہ کو مارنے کا ارادہ کیا اور اس پر تیر چلایا تیر تکل کے کلہ پر لگا اور وہ زخم کھاتے ہی زمین پر گرا، تیمور اس کی طرف چلا اور دوڑتے گھوڑے کی پیٹھ سے جھک کر زمین پر سے ایک برچھی اٹھا کر تکل کے جسم میں بھونک دی، اس وار نے اس کا خاتمہ کر دیا، جس وقت خیوہ والوں نے دیکھا کہ ان کا سردار مارا گیا تو وہ متفرق ہو گئے، تاتاریوں نے ان کا تعاقب کیا اور جب تک سب کے ترکش خالی نہ ہو گئے انہوں نے تیر چلانے بند نہ کئے، اب تیمور نے دل شاد آغا کو جو پیدل ہو گئی تھی اپنی بیوی الجائی کے ساتھ ایک ہی گھوڑے پر بٹھا دیا اور پھر عورتوں اور بقیۃ السیف کو ساتھ لئے پہاڑی کی چوٹی پر واپس آیا۔

اب جو دیکھا تو اپنے ساتھیوں میں صرف سات آدمی باقی رہ گئے تھے، اور ان میں بھی اکثر کچھ کچھ زخمی تھے، خیوہ والے پہاڑی سے نیچے میدان میں اپنے گھوڑوں سے اترے کچھ دیر تک آپس میں مشورہ کرتے رہے، سورج چھپنے کو تھا، تیمور نے دشت خوارزم کی طرف نکل جانے کا ارادہ کیا خیوہ والوں نے تعاقب کیا مگر تاریکی نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

تیمور نے اپنے ہمراہیوں سے ہنس کر کہا:

"ہم ابھی اپنی منزل تک نہیں پہنچے ہیں"۔

1. ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۳

رات بھر اندھیرے میں ادھر اُدھر ٹکراتے پھرے، یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ایک کنوئیں پر پہنچ گئے، یہاں تیمور کے تین ملازم جو بلخ کے رہنے والے تھے اور خیوہ والوں کے معرکہ سے بھاگ کر یہاں تک پیدل آئے تھے ساتھ ہو گئے، تیمور کے ساتھیوں نے کنوئیں کا پانی جو میٹھا اور ٹھنڈا تھا پیا اور اس پانی سے انہیں ایسی تسکین ہوئی کہ لیٹتے ہی غافل سو گئے، تیمور اور امیر حسین اب تنہا بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے اور یہ بات قرار پائی کہ اب دونوں کو علیحدہ ہو کر سفر کرنا چاہیے تا کہ آئندہ ان کی شناخت کا موقع لوگوں کو کم مل سکے، غرض یہ مشورہ کر کے یہ دونوں بھی سو گئے۔

جب دن نکلا تو معلوم ہوا کہ تینوں بلخی ملازم سات گھوڑوں میں سے تین گھوڑے لے کر چل دیئے ہیں[۱]، چار گھوڑے جو باقی رہ گئے تھے ان کو تیمور اور امیر حسین نے باہم تقسیم کر لیا اور دونوں نے یہ ارادہ کر کے جدا جدا راستہ اختیار کیا کہ اگر ممکن ہوا تو جنوب کی طرف امیر حسین کے وطن[۲] میں پھر باہم ملاقات کریں گے، تیمور نے امیر حسین کو اپنے سامنے ہی رخصت کیا، اس کے بعد اپنا سامان جو کچھ بچا تھا ایک گھوڑے پر رکھا اور دونوں گھوڑوں میں جو بہتر تھا وہ اپنی بیوی الجائی خاتون آغا کو دیا، تیمور کے ساتھ اب صرف ایک ملازم تھا، الجائی یہ دیکھ کر کہ تیمور جو گھر سے کبھی پیدل نہ نکلا تھا آج ریت میں گھسٹتا ہوا پیچھے پیچھے چل رہا ہے مسکرائی اور کہنے لگی۔

"اب اس سے زیادہ اور کیا بدقسمتی ہوگی کہ آج تم پیدل چل رہے ہو"۔

اب کھانے کو ان کے پاس کچھ نہ رہا تھا، دور سے دیکھا کہ چرواہے بکریاں چرا رہے ہیں، تیمور ان کی طرف گیا اور دو چار بکریاں خریدیں، ایک کے فوراً کباب لگا کر خوش ہو کر کھائے باقی کو ذبح کر کے ان کا گوشت گرم پتھروں پر بھون بھلس کر سامان کے ساتھ رکھ لیا کہ آئندہ سفر میں کام آئے گا، تیمور نے چرواہوں سے پوچھا کہ اس ریگستان سے کہیں باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہے، چراہوں نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ راستہ ترکمانوں کی یورت تک جاتا ہے"۔

---

۱ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۵،

۲ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۹، اس مقام کا نام گرم سیر ہیر من لکھا ہے۔

اب یہ لوگ اسی رستے ہو لئے اور ترکمانوں کے گاؤں تک پہنچے تو معلوم ہوا کہ جھونپڑیاں خالی پڑی ہیں، تیمور نے ایک جھونپڑی پر قبضہ کیا ہی تھا کہ اور جھونپڑیوں سے ایک شور برپا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ تیمور اور اس کے ساتھیوں کو چور سمجھ کر ترکمان اپنے گھروں میں چھپ گئے تھے، تیمور نے الجائی کو ایک جھونپڑی میں بٹھایا اور دروازے سے مع ملازم کے باہر نکل ترکمانوں کو ڈرانے کے لئے کمان سے خالی تیر چلانے لگا کیونکہ ترکش میں اب تیر باقی نہ تھے، مگر ترکمان نہ ڈرے اور دوڑ کر ان پر حملہ کرنا چاہا[۱]۔

تیمور نے کمان زمین پر پھینک دی اور نیام سے تلوار نکال ترکمانوں کی طرف چلا جونہی آگے بڑھا ترکمانوں کے سردار نے اسے پہچان لیا[۲] کیونکہ یہ سردار شہر سبز میں تیمور سے ملاقات کر چکا تھا، سردار فوراً قریب گیا اور تیمور سے بغلگیر ہو کر کہا!

"واللہ، آپ تو ماوراء النہر کے امیر ہیں"۔

ترکمان بھیڑوں کی کھالیں سخت بدبودار پہنے تھے، جس وقت تیمور کی نسبت ان کا شبہ رفع ہوا تو وہ قدموں پر گر کر معافی کے طلبگار ہوئے، رات جب ہوئی تو انہوں نے ایک بھیڑ ذبح کی، مہمانوں اور میزبانوں نے مل کر ایک ہی رکابی سے کھایا، ترکمانوں کے بچے بھی آنکھیں پھاڑے جہاں تک ہو سکا آگ کے قریب صورتیں دیکھنے اور باتیں سننے چلے آئے، اور اب ترکمانوں نے اپنا ریگستان چھوڑ کر باقی تمام دنیا کی خبریں معلوم کرنے کے لئے تیمور سے بیسیوں سوال کئے، ان سوالوں کی وہ کثرت تھی کہ تیمور تمام شب نہ سو سکا، مگر تیمور ان کے لئے نہ صرف باہر کی خبریں معلوم کرنے کا ذریعہ تھا بلکہ اس کا یہاں تک آنا بھی ان لوگوں کی عزت کا موجب ہوا، اور وہ اس بات سے بہت خوش تھے۔

دوسرے دن تیمور نے ترکمانوں کے سردار کو ایک گراں بہا لعل اور دو خلعت جن میں موتی ٹکے تھے عطا فرمائے[۳] سردار نے اس کے بدلے میں اپنے قبیلے کے گھوڑوں میں سے تین گھوڑے اور ایک رہبر دیا تا کہ ان کو جنوب کا راستہ بتائے۔

---

۱ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۵۔

۲ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۵، اس سردار کا نام حاجی محمود تھا۔

۳ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۶۔

بارہ دن کے سفر میں وہ صحرا سے نکل کر خراسان کی سڑک پر آ گئے، پہلا گاؤں جو ان کو ملا وہ آدمیوں سے خالی اور شکستہ حال تھا، پانی کے لئے ایک جگہ کنواں کھودنا پڑا، جب پانی نکل آیا تو گاؤں کے ایک کھنڈر میں قیام کیا تا کہ گھوڑوں کو کچھ آرام مل جائے۔

اور اب ایک دوسری مصیبت کا سامنا ہوا، قریب ہی ایک قبیلہ رہتا تھا، اس کے لوگوں نے تیمور اور اس کے ساتھ والوں کو دیکھ لیا، فوراً گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کے قریب آئے اور سب کو گرفتار کر کے اپنے سردار کے پاس لے گئے، اس سردار کا نام علی بیگ تھا[1]۔ علی بیگ نے سوچا کہ تیمور کو گرفتار کر لینے سے خوب روپیہ ملے گا، اس خیال سے اس نے تیمور کا کل مال اور اسباب اپنے قبضے میں کیا اور تیمور اور اس کی بیوی کو ایک گاؤ خانے میں بند کر دیا جس میں کثرت سے کیڑے مکوڑے بھرے تھے۔

تیمور کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ الجائی ایسی تکلیف کی جگہ قید ہو، اس نے مقابلہ کرنا چاہا مگر علی بیگ کے سپاہیوں نے مجبور کر دیا، غرض باسٹھ دن تک موسم گرما کے اخیر میں جب کہ گرمی کا توڑ تھا تیمور اور اس کی بیوی کو اس قید خانے میں رہنا پڑا، اس کے بعد تیمور نے قسم کھائی کہ کسی شخص کو چاہے وہ خطاوار ہو یا بے خطا قید خانے میں بند نہ کرائیگا۔

علی بیگ نے جتہ مغلوں سے ان قیدیوں کے بارے میں جو معاملہ کرنا چاہا تو اس کا خاتمہ ایک غیر مترقبہ صورت سے اسیروں کی رہائی میں ہوا، علی بیگ کے ایک بھائی نے جو ایران کے شہر طوس کا حاکم تھا جب یہ واقعہ سنا تو تیمور کے لئے بہت سے تحائف اپنے بھائی کے پاس بھیج کر اس کو لکھا کہ شہر سبز کے حاکم اور مغول جتہ کے معاملے میں تمہارا دخل دینا نہایت نادانی کی بات ہوگی۔

علی بیگ نے بہت روز کے بعد اپنے بھائی کی نصیحت پر عمل کر کے اسیروں کو رہا کیا، مگر بری طرح، بھائی نے جو تحائف تیمور کے لئے بھیجے تھے وہ اپنے پاس رکھ لئے اور تیمور اور الجائی کو سفر کرنے کے لئے ایک دُبلا گھوڑا اور مریل اونٹ دے کر رخصت کیا[2]۔

لیکن سیاہ زلفوں والی الجائی اپنی ان مسلسل مصیبتوں پر ہنستی تھی اور کہتی تھی کہ "اے امیر یہ حالت بھی آخری نہیں ہے ابھی منزل تک پہنچنا باقی ہے۔"

۱ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۶۔۶۸۔ ۲ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۸

باب ۷

ایک اونٹ اور ایک گھوڑا

خریف کی بارش شروع ہوگئی تھی، امیر حسین سے تیمور نے جس مقام[1] کا وعدہ کیا تھا، وہ آمو دریا کے دوسری طرف جنوب میں صدہا میل کے فاصلے پر واقع تھا، اب تیمور کے دل نے مجبور کیا کہ وہ ایک بڑا چکر کاٹ کر پہلے وطن جائے اور پھر وہاں سے چل کر امیر حسین سے ملاقات کرے مگر امیر حسین سے بے سروسامان ہو کر ملنے کو دل گوارا نہ کرتا تھا، کچھ جمعیت کا ساتھ ہونا ضروری تھا، آمو سے ادھر ہی ایک امیر کے گھر سے جو پرانا دوست تھا پندرہ سوار اور چند کوتل گھوڑے ساتھ چلنے کو مل گئے، اب اتنا ہو گیا کہ الجائی گھوڑوں کی گاڑی میں سفر کر سکے، علی بیگ والا دُبلا گھوڑا اور مریل اونٹ یہاں فقیروں کی نذر کر دیا گیا۔

بیوی کیساتھ شوہر کی توجہ اور محبت کی چند مثالیں یہاں نظر آتی ہیں، اس سفر میں تیمور کچھ سواروں کو ساتھ لے کر الجائی سے آگے بڑھ گیا تھا[2] اور ارادہ کر لیا تھا کہ سمرقند میں تنہا داخل ہوگا لیکن جب آمو دریا کے گھاٹ پر پہنچا تو یہاں مسلح گروہوں کی آمدورفت دیکھی، اتنا دیکھتے ہی دریا سے اسی طرف ہمراہیوں کو قیام کا حکم دیا اور وجہ یہ بتائی کہ گرمی زیادہ ہے سفر میں تکلیف ہوگی، چنانچہ دریا سے اسی طرف درختوں کی چھاؤں میں ایسی جگہ ٹھہرا جہاں سے سڑک اچھی طرح نظر آتی تھی، ایک ہفتے یا اس سے کچھ زیادہ قیام ہوا تھا کہ ایک

۱ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۹، مقام کا نام گرم سیر ہیرمن تھا، غالباً سجستان میں دریائے ہلمند کے قریب قندھار کے اعمال سے کوئی مقام تھا، یہ ملک گرم سیر مین شمار ہوتا تھا (مترجم)

۲ تیمور نے اپنی بیوی کو ایک مقام پر جس کا نام بخار زندان تھا ٹھہرا دیا تھا اور خود سمرقند کے ارادے سے تھوڑے سے سواروں کیساتھ چل پڑا تھا (دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۷۰)

دن الجائی اوراس کے ہمراہی جو آہستہ سفر کر رہے تھے آن پہنچے۔

الجائی شوہر کو دیکھ کر تعجب کرنے لگی مگر خوشی کی بھی انتہا نہ تھی، تیمور کو یہ خیال تو پہلے ہی سے تھا کہ بیوی کو حفاظت کی جگہ ٹھہرانا چاہیے کہ اتنے میں سڑک پر دُور سے ایک غبار سا اٹھتا نظر آیا[1]، فوراً اپنے سواروں کو اور بیوی کے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ بڑھ کر دریا پار ہو جائیں، چنانچہ سوار اور ان کے گھوڑے الجائی کی گاڑی سب دریا میں اتر گئے، گھوڑے دریا کی تیز رو میں تیرتے ہوئے کبھی ریت کے ٹاپوؤں اور کبھی پانی میں سے گزرتے ہوئے آخر کار اس خطرے سے دور ہو[2] گئے، اوراس طرح تیمور نے الجائی اور ان سواروں کے درمیان جن کی گرد اڑتی سڑک پر نظر آئی تھی ایک دریا کو حائل کر دیا۔

تیمور جس وقت سمرقند کے قریب پہنچا تو مضافات شہر میں آیا یہاں بیوی کو ایک مکان میں پوشیدہ طور پر اتار دیا، ساتھیوں کو بھی خبر نہ کی، تن تنہا مغرب کے وقت شہر میں خفیہ طور پر داخل ہوا، اور اڑتالیس دن تک جتہ مغلوں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر جو اس کی تلاش میں سرگرداں تھے سمرقند میں ٹھہرا رہا[3]۔ رات ہوتی تو کاروان سراؤں میں جا بیٹھتا تا کہ مسافروں سے راستوں کا حال سنے دوستوں کے گھر چھپ کر اس فکر میں پہنچتا کہ صلاح ومشورہ کر کے اگر ممکن ہو تو شہر میں جہاں کسی کو گمان تک نہ ہو سکتا تھا، اپنا رایت بلند کرے، صحن مسجد سے نمازیوں کے ہجوم میں کھڑے ہو کر اکثر بادشاہ جتہ (الیاس پسر تغلق تمور خان) کو دیکھتا کہ اپنے فوجی افسروں کیساتھ گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرتا ہے۔

تیمور اس وقت بے فائدہ اپنی جان خطرے میں ڈال رہا تھا، کیونکہ یہاں اس

---

۱ ان واقعات کے لئے بھی دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۷۰۔

۲ ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۷۰۔۷۱۔

به آب اندر افگند مرکب رواں — بتائید حق شاہ صاحبقراں
ہماں مرکب مہد عصمت پناہ — درآمد بآب از پے اسپ شاہ
ہمہ بندگان نیز در تاختند — فرس رابہ جیحون دراند اختند
چوکشتی ہمی راند نداسپ را — نبیرۂ شاہ مظفر لوا
گذشتند مجموع ازاں رو دبار — باقبال کیخسروئے روزگار

۳ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۷۱۔

وقت کوئی بات اس کے اختیار کی نہ تھی، جتہ مغل بڑی مضبوطی سے ملک پر مستولی تھے، حکومت میں وہ سخت تھے، رعایا سے روپیہ وصول کرنے میں بھی ظلم کرتے تھے، مگر پھر بھی یہ شمال کے باشندے ہیبت چنگیز خانی کی زندہ نشانیاں تھے، اس کے علاوہ انہیں فتوحات بھی حاصل ہو چکی تھیں۔

سمرقند کے گرد ونواح کے تاتاری شرفاء ہمیشہ کسی فوجی سردار وسالار کے تابع رہنے کے خوگر تھے، یہ متعصب مسلمان نہ تھے، البتہ جنگ و پیکار میں تربیت پائے ہوئے تھے، اور سوائے مقابلے ومقاتلے کے کوئی بات ان کے ذہن میں نہ رہا کرتی تھی، کوئی شخص جوان کو لڑنے پر ابھارتا رہے اور انہیں اپنے قابو میں بھی رکھے اور فتوحات کا ذائقہ بھی کبھی چکھاتا رہے پھر وہ اس کے دل وجان سے مطیع ہو جاتے تھے لیکن یہ زمانہ ایسا تھا کہ جلائر نے امیر جتہ الیاس خواجہ کی اطاعت قبول کر لی تھی، امیر حسین بھاگا ہوا تھا اور کابل کے قصر امارت میں اس کی جگہ جتہ مغلوں میں سے ایک شخص سریر خانی پر متمکن ہو چکا تھا، پس یہ زمانہ ایسا نہ تھا کہ تاتاری امراء تیمور کا ساتھ دینے میں کوئی بات مفید دیکھتے۔

انہی تاتاری امراء نے تیمور کو خبردار کیا کہ سمرقند میں اس کی موجودگی کا علم جتہ مغلوں کو ہو گیا ہے اب قوم برلاس کے اس امیرزادے کو پھر گھوڑے کی پیٹھ دیکھنی پڑی اور ایک رات شہر سے خفیہ طور پر نکل کر چلا گیا۔

تیمور اس وقت تنہا نہ تھا، سواروں کی ایک قلیل جمعیت اس کے ساتھ ہو گئی تھی، ان میں کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنا سردار نہ رکھتے تھے، کچھ بادیہ گرد تھے کچھ ایسے تھے جو لڑائی اور لوٹ پر جان دیتے تھے کچھ وحشی ترکمان اور آوارہ پھرنے والے عرب تھے، یہ لوگ فوج مرتب کرنے کے لئے اچھے نہ ہوں مگر سفر میں ساتھ دینے کے لئے بہت خوب تھے۔

تیمور ان لوگوں کو شہر سبز کے قریب لے گیا اور وہاں اپنے قصر کے سپید گنبد سے بھی زیادہ بلند ایک علف زار میں جہاں گرمی کے موسم میں چوپائے چرا کرتے تھے مگر آج کل وہاں کوئی نہ تھا یہ سب لوگ ڈیرے ڈال کر رہنے لگے، یہ مقام اس قدر بلند تھا کہ جتہ کے گروہ جو تیمور کی تلاش میں پھرتے تھے یہاں سے صاف نظر آ سکتے تھے، امرائے برلاس جو شہر سبز میں تھے کچھ پتہ پا کر تیمور سے ملنے آئے۔ ان میں ایلچی بہادر جس کی گمان کی زہ تیمور

نے کاٹ دی تھی اور جاکو برلاس تھا جو ہر بات کا کھوج لینے میں عقاب کی طرح ہوشیار تھا، تیمور کے ہمراہی برلاس کے ان امیروں کے سامنے تیمور کی شجاعت اور مردانگی کی داستانیں بڑے فخر سے سنانے لگے۔

یہ تاتاری سردار امیر قزغن مرحوم کی فوجوں کے پرانے جنگ آزما تیمور کے ساتھ بیٹھ کر جس کا خون سلطنت نے مباح کر رکھا تھا اکثر بادہ نوشی میں مصروف ہوئے اور کہنے لگے!

''جب ملک خدا اتنا وسیع ہے تو شہر کی چار دیواری میں کیوں بند ہو کر رہیں''۔

تیمور نے کہا!

''یہ تو سب باتیں ہیں کام بتاؤ کیا کرنے ہیں کیا تم اب بالکل زاغ و زغن ہو گئے ہو کہ جتنہ مغلوں کے دسترخوان سے جو ٹکڑا ملے اسی پر قناعت کرو، یا شہباز اور عقاب ہو کہ شکار پر بڑھو اور پنجہ چلاؤ''۔

ایلچی بہادر اور جاکو برلاس بولے ''ہم زاغ و زغن نہیں ہیں''۔

جس وقت الجائی خاتون آغا اندر سے آئی تو برلاس کے ان امیروں نے سروقد کھڑے ہو کر اسے سلام کیا، سلام کیوں نہ کرتے، کیا یہ وہ خاتون نہ تھی جو اپنے شوہر کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہی تھی، خریف کے ختم ہونے پر تیمور نے جب اپنا لشکر شہر سبز سے اٹھایا اور جنوب کی طرف پہاڑوں کا رستہ لیا تاکہ حسب وعدہ امیر حسین سے ملاقات کرے تو برلاس کے یہ امراء (ایلچی بہادر اور جاکو برلاس وغیرہ) تیمور کے ہمرکاب ہو گئے[1]۔

اب جو رستہ تیمور نے اختیار کیا وہ کمزور آدمیوں کے چلنے کا نہ تھا، یہ پانچ سو میل تک ایسے پہاڑی سلسلوں میں سے پیچ وخم کھاتا ہوا گیا تھا جس کی سربفلک چوٹیاں آسمان کے قلعے اور پشتے معلوم ہوتے تھے، یہ رستہ بلندیوں سے نشیب میں اترتا ہوا اس ملک میں آیا تھا جسے آج کل افغانستان کہتے ہیں اور افغانستان ایسا ملک ہے جس کے جغرافیائی نقشے

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۷۔

نامکمل ہیں اور جس کے متعلق تحقیقات ابھی تک جزوی طور پر ہوئی ہے، یہ راستہ ایک دریا کے کنارے کنارے اونچا ہوتا گیا تھا، بعض مقامات پر دریا یخ بستہ سطح کی شکل رکھتا تھا، اور سڑک اور بارانی برف اتنی ہوتی تھی کہ گھٹنوں تک پاؤں دھنستا تھا۔

ہندوکوہ سے گزرنے میں برف کے وہ وسیع قطعے اور چٹانیں نظر آئیں جو پہاڑوں پر سے نیچے کو کھسکتی تھیں، مسافران پہاڑوں میں اوپر چڑھتے چڑھتے اس سطح مرتفع پر پہنچے جہاں برف میں ڈوبی ہوئی ہوائیں ہر وقت چلتی تھیں، اس ہموار زمین پر تیمور کے قافلے نے اپنے مدور خیمے نصب کئے اور پھر یہاں سے اٹھ کر دن کو برف کی چمک اور روشنی میں سفر کرتے ہوئے اس وادی میں چلنے لگے جہاں تیز ہواؤں نے دریا کی خشک رہ گزر کو اس کی کنکریاں تک اڑا کر صاف کر دیا تھا۔

گھوڑوں کی پوششیں موٹے اونی نمدوں کی تھیں اور سوار قاقم اور ذئب کے پوستین پہنے تھے جس وقت ان کا گزر چوبینے کے جنگلوں سے ہوا تو انہوں نے لکڑیاں کاٹ کر ٹھیلے تیار کئے، ان ٹھیلوں میں پہئے نہ تھے، برف پر پھلستے ہوئے چلتے تھے ان ٹھیلوں کو انہوں نے سفر میں برابر اپنے ساتھ رکھا بعض وقت وہ کسی پہاڑی قبیلے کے بلند قلعے کے نیچے سے گزرتے تھے، قلعے کے دربان جو قافلے والوں کو نظر نہ آتے تھے قافلے کے حال زار پر افسوس کرتے تھے اور سر سے ایک ہزار فٹ کی بلندی پر سب کو کتے بھونکتے سنائی دیتے۔

کئی مرتبہ افغانوں نے ان پر حملہ کیا، مگر افغان یہ نہ سمجھے تھے کہ کس پر حملہ کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ تیمور کے پاس پہلے سے بھی زیادہ سامان اور گھوڑے جمع ہو گئے اب انہوں نے بارہ ہزار فٹ بلندی والا درہ جس کے دونوں طرف ہندوکوہ کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیاں نظر آتی ہیں عبور کیا اور وہاں سے نشیب کی طرف پہاڑوں سے اترتے ہوئے آخر کار وادی کابل میں پہنچ گئے۔

مگر اس کے معنی یہ نہ تھے کہ سفر ختم ہوا، شہر کے باہر باہر کچھ چکر کاٹ کر پھر سفر شروع کیا، کابل کے قرب وجوار کے قریوں سے کچھ گھوڑے اور بھیڑیں خریدیں، پھر کابل سے قندھار والی سڑک پر آ گئے، یہ سڑک صاف تھی کیونکہ یہاں برف نہ تھی، آگے بڑھ کر وہ اقطاع جنوب کی پست وادیوں میں آئے اور دیکھا کہ امیر حسین اسی مقام پر جہاں ملاقات

کا وعدہ کیا تھا ایک لشکر ساتھ لئے موجود ہے۔ اس لشکر کے آدمی تیمور کے ہمراہیوں کی مثل تھے، فرق صرف اتنا تھا کہ وہ تعداد میں زیادہ تھے۔

جاڑے کے ختم ہونے تک سب نے آرام کیا، اور جب قریب کے پہاڑی سلسلوں کے ایک حاکم[1] نے اپنا سفیر مع تحائف کے ان کے پاس بھیجا تو سب لوگ بہت خوش ہوئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس حاکم کی حکومت میں سیتان کے لوگ اس سے باغی ہو گئے تھے، اس بغاوت کی وجہ سے بہت سے پہاڑی قلعے اس حاکم کے قبضے سے نکل گئے تھے۔ اپنے آدمی بھیج کر اس نے تیمور اور امیر حسین سے وعدہ کیا کہ اگر باغیوں کو اس کے ملک سے نکالنے میں وہ مدد کریں گے تو اس کے معاوضہ میں ان کو بہت انعام دیا جائے گا[2]، تیمور، امیر حسین اور ان کے ساتھیوں نے مدد دینے کا وعدہ کر لیا، امیر حسین نے اس میں یہ نفع سوچا کہ جنوب کے شہر اپنے قبضے میں آ جائیں گے اور تیمور اس خیال سے خوش ہوا کہ پھر گھوڑے کی پیٹھ ہوگی ہم ہوں گے اور میدانِ جنگ ہوگا۔

جب راستوں کی حالت بہتر ہوئی تو حاکم سیتان کی طرف سے تیمور اور امیر حسین باغیوں سے لڑنے گئے، اس وقت یہ دونوں ایسے سپاہیوں کی حیثیت رکھتے تھے جو قسمت آزمائی کے شوق میں ہمیشہ آوارہ گرد رہنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں، تیمور کو اس آفاقیت میں ایک خاص لطف حاصل ہوتا تھا اب ان دونوں نے باغیوں سے بہت سے قلعے جن پر انہوں نے قبضہ کر رکھا تھا چھین لئے، کسی قلعے پر یک لخت حملہ کیا اور کسی کی دیواروں پر سیڑھیاں لگا کر اندر اتر گئے، غرض جس طرح بن پڑا انہیں فتح کر لیا۔

امیر حسین نے حماقت سے سیتانیوں کے گاؤں لوٹنے شروع کئے اور جو قلعے فتح کئے تھے، ان میں اپنی فوجیں بٹھا دیں، تیمور نے امیر حسین کی ان حرکتوں کی پرواہ نہ کی مگر سیتانی اس پر سخت برہم ہو گئے، باغیوں نے جب دیکھا کہ حاکم سے رعایا بھی ناخوش ہو گئی

1. یہ والی سیتان تھا، ایک بغاوت کو فرو کرنے کے لئے اس نے تیمور اور امیر حسین سے مدد مانگی، دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۷۔
2. مبلغی خطیر از نفایس جواہر و کرامِ اموال بشکرانہ درنظر آورد (ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۲۷)

ہے تو انہوں نے بغاوت سے اور زیادہ نفع اٹھایا اور حاکم سیتان کو کہلا بھیجا کہ "ہم تمہارے بدخواہ نہیں ہیں، ذرا غور کرو اگر تاتاریوں کو تم نے اپنی جگہ ان قلعوں پر مسلط کر دیا تو یہ لوگ تمام ملک پر تصرف کر لیں گے"۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حاکم سیتان تیمور اور امیر حسین سے بغیر کچھ کہے سنے رات کے وقت تاتاریوں کے لشکر سے نکل باغیوں کے پاس چلا گیا، دفعتہً بدل جانا پہاڑی قوموں کی طبیعت کا خاصہ تھا، یہ بڑے بدگمان لوگ ہوتے تھے اور غیروں کا پورا اعتبار کبھی نہ کرتے تھے، غرض اب سیتانیوں نے تیمور پر حملہ کیا، تیمور نے جواب میں ان پر دھاوا کیا اور انہیں مار کر پیچھے ہٹا دیا۔

اس لڑائی میں ایک موقع پر تیمور کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے، سیتانیوں نے تیمور کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا لیا، ایک تیر اس کے ہاتھ میں لگا جس سے ہڈی پر زخم آیا، دوسرا تیر پاؤں میں لگا[1] تیمور نے کچھ خیال نہ کیا، صرف تیر ہاتھ اور پاؤں سے کھینچ کر نکالے اور انہیں توڑ ڈالا، لیکن بعد کو یہ زخم بہت خراب ثابت ہوئے اور تیمور ان کی وجہ سے مجبور ہو کر اپنے خیمے میں صاحب فراش ہو گیا۔

اہل سیتان کو شکست ہوئی اور اس شکست سے تیمور اور امیر حسین نے بہت سامال حاصل کیا اور اس فتح سے بہت سے سوار اور سپاہی بھی ان کے ساتھ ہو گئے جن سے ایک نیا لشکر بن گیا۔

امیر حسین نے اب اس نئے لشکر کے ساتھ شمال کی طرف کوچ کیا اور تیمور کو (گرم سیر کے) پہاڑوں میں آرام لینے اور زخموں سے صحت پانے کے لئے پیچھے چھوڑا۔

تیمور کی لشکر گاہ پہاڑوں میں ایک پُر فضا مقام پر تھا، الجائی کی سواری بھی وہاں جلد آ گئی، اور اب ایک قلیل مدت کے لئے بیوی کو شوہر پر پورا قبضہ حاصل رہا، یہ قیام گاہ ایسا نہ تھا جہاں سے اب کوئی تیمور کو لڑنے کے لئے بلاتا، ان کے خیمے اور ڈیرے ایک تاکستان میں

1. ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۴۷، ظفر نامہ میں پاؤں کے گھائل ہونے کا ذکر نہیں ہے، شاید لکھنا گستاخی سمجھا ہو، تزک تیمور صفحہ ۲۵ میں تیمور خود لکھتا ہے کہ سگزیوں (سیتانیوں) ہی سے لڑنے میں ہاتھ اور پاؤں دونوں میں تیر لگے تھے (مترجم)

نصب تھے، ہوا ہمیشہ ٹھنڈی اور خوشگوار چلتی تھی، گھوڑوں کے لئے یہ جگہ جنت تھی، ہری ہری گھاس موٹی اور رسیلی ہر وقت چرا کرتے تھے، شوال کا مہینہ تھا، چاندنی راتوں میں تیمور اور الجائی کہیں پہاڑ پر نرم قالینوں پر لیٹے نیچے کی زمینوں میں سایے اور روشنی کی بہار دیکھا کرتے تھے، پورے مہینہ بھر الجائی شوہر کی خدمت میں مصروف رہی، تیمور کے سامنے اس کا چھوٹا بچہ جہانگیر بیٹھا رہتا تھا۔

بیوی شوہر کی صحت یابی کے لئے دن گنا کرتی تھی، تیمور قیام گاہ میں خیموں کے سامنے لنگ کرتا ہوا اس لئے ٹہلا کرتا تھا کہ پاؤں سیدھا پڑنے لگے، تکلیف بہت تھی، مگر عادت کے موافق تن کر چلتا تھا، الجائی شوہر کی محبت میں کہتی ہی رہی کہ کیوں اتنی جلدی کرتے ہو مگر وہ دن آ گیا کہ تیمور نے زرہ اور سواری کا گھوڑا طلب کیا، الجائی خود گئی اور شوہر کی تلوار لا کر اپنے ہاتھ سے اس کی کمر میں باندھی، بڑی بڑی آنکھیں اس رنج والم سے بے حس و حرکت رہیں جو ایک جوان بی بی اپنے خاوند کے سامنے ظاہر کرنا زیبا نہ سمجھتی تھی، صرف فی امان اللہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔

باب ۸
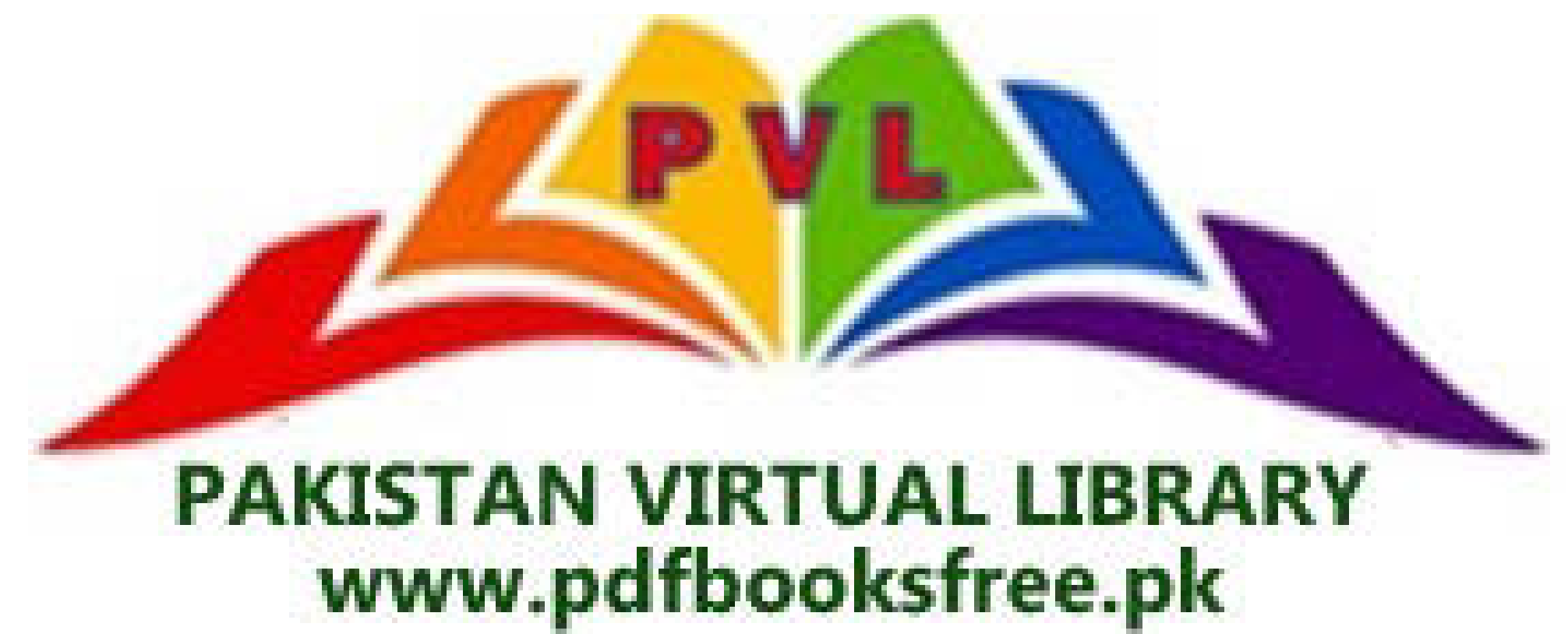
پل سنگین پر لڑائی

اب شمال کی طرف تیمور کو جانا ضروری ہوا، امیر حسین نے جسے اپنے اوپر بہت بھروسہ تھا جتہ مغلوں کا لشکر سامنے آتے ہی اس سے لڑائی شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شکست کھائی اور جس قدر فوج ساتھ تھی وہ پراگندہ ہوگئی، یہ لڑائی اس نے تیمور کے مشورہ کے خلاف کی تھی، تیمور نے جب سنا تو اسے بہت غصہ آیا، کیونکہ اس شکست کے معنی یہ تھے کہ سپاہ کے جو لوگ متفرق ہو گئے ہیں ان کو پھر جمع کرنے کیلئے پہاڑی قبیلوں سے التجا کی جائے اور ان کے سوا اور لوگ بھی سپاہ میں شامل کرنے کے لئے ان سے مانگے جائیں، تیمور کے ہاتھ کا زخم ابھی تک اچھا نہ ہوا تھا، گھوڑے کی راسیں پکڑنا اور ہتھیار چلانا دونوں کام زخمی ہاتھ سے نہ ہو سکتے تھے۔

اس فکر و تردد کی حالت میں چند ہمراہیوں کیساتھ شکار کھیلنے گیا تا کہ کھانے کے لئے گوشت میسر ہو سکے، اس وقت اس کا خیمہ گاہ دریائے آمو کی بالائی گزرگاہ کے قریب (وادی ارصف میں) تھا[1]، یہاں امیر حسین کا انتظار کرتا تھا کہ تیمور کے دوستوں کو اس کا پتہ چل گیا، اس واقعہ کی تصویر مؤرخوں نے بہت واضح طور پر کھینچی ہے۔[2]

تیمور کا خیمہ و خرگاہ ایک پہاڑی کے دامن میں ندی کے کنارے نصب تھا، امیر

---

[1] دریا کے بالائی حصے سے مراد وہ حصہ ہوتا ہے جو منبع سے قریب ہو اور زیریں حصہ وہ ہوتا ہے جو دھانہ سے نزدیک ہو، وادی ارصف کا ٹھیک موقع جغرافیوں میں نہیں ملتا، غالباً دریائے آمو کے جنوب میں بلخ سے مشرق میں طاوخان کے علاقے میں ہوگا (مترجم)

[2] ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۷۵، ۷۶

حسین کا کئی دن سے انتظار تھا، اب اس انتظار میں یہ حالت ہوئی کہ ایک شب مطلق نیند نہ آئی، رات کا وقت تھا، مطلع بالکل صاف تھا، چاندنی خوب کھلی تھی، اس حالت میں تیمور ندی کے کنارے ٹہلتا ہوا کچھ دور نکل گیا، پاؤں کا زخم کسی طرح اچھا نہ ہوتا تھا، اب یہ عادت ڈالنی چاہی کہ اسی پاؤں پر زور دے کر چلا کرے مگر یہ بھی نہ تھا کہ زخم کی تکلیف برداشت کرنے کی عادت ہوگئی ہو۔

جب خیمہ گاہ میں واپس آیا تو چاندنی ہلکی ہوگئی تھی، افق مشرق سے روشنی کی ایک زرد تحریر نمودار ہوئی، تیمور نے نماز فجر پڑھی[1]، نماز سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ جس پہاڑی پر اپنا خیمہ تھا اس کے دوسری طرف ایک تیر کے فاصلے پر چند مسلح آدمی گھوڑوں پر سوار جا رہے ہیں یہ لوگ بلخ کی طرف سے آتے معلوم ہوتے تھے، بلخ اس وقت جتہ مغلوں کے قبضے میں تھا، تیمور فوراً اپنے خیمہ کی طرف گیا، لوگوں کو جگایا اور سواری کا گھوڑا مانگا۔

تیمور گھوڑے پر سوار ہو ان مسلح آدمیوں کا حال معلوم کرنے تنہا چلا، جس وقت ان آدمیوں نے اسے دیکھا تو وہ چلتے چلتے رُکے اور تھوڑی دیر تک اس کی طرف غور سے دیکھتے رہے۔

تیمور نے پوچھا کہ ”تم کون ہو، کہاں سے آتے ہو اور کدھر جانے کا قصد ہے“۔

ان میں سے ایک شخص نے جواب دیا کہ ”ہم امیر تیمور کے ملازم ہیں اور آقا کی تلاش میں یہاں تک آئے ہیں۔ ابھی تک وہ ہمیں ملے نہیں حالانکہ ہم نے سنا ہے کہ کھمرد سے وہ اس وادی (ارصف) میں آچکے ہیں“۔

جواب دینے والے کی آواز تیمور پہچانتا نہ تھا، اور نہ وہ ان مسلح سواروں کی صورتوں کو پہچان سکا جواب دیا کہ ”میں بھی امیر کا نوکر ہوں، اگر تم امیر کے پاس جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں وہاں تک پہنچا سکتا ہوں“ اتنا سنتے ہی ان میں سے ایک سوار علیحدہ ہو کر گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے سرداروں کے پاس گیا اور تیمور نے اس سوار کو ان سے یہ کہتے سنا کہ ”ہم کو ایک راہبر ملا ہے جو ہمیں امیر تک پہنچانے کا وعدہ کرتا ہے“۔

تیمور نے اپنا گھوڑا آہستہ قدم آگے بڑھایا یہاں تک کہ ان سرداروں کے قریب

۱۔ تزک تیمور صفحہ ۲۷، ۲۹۔

پہنچ گیا اور اب ان کی صورتیں دیکھ کر انہیں پہچان لیا، یہ قوم برلاس کے تین بڑے سردار تھے اور ان کے ساتھ سواروں کے تین دستے تھے، ان سرداروں نے اس عجیب رہبر سے قریب آنے کو کہا، تیمور آگے بڑھا، اب سرداروں نے اسے پہچانا اور پہچانتے ہی گھوڑوں سے اتر کر پیادہ ہوئے اور قریب آکر آقا کی رکاب کو بوسہ دیا۔

تیمور بھی فوراً گھوڑے سے اتر پڑا، ایک ایک سے بغل گیر ہوا، اور اسی وقت سب کو انعام دیا، ایک کو اپنے سر سے مندیل اتار کر دی، دوسرے کو کمر بند جو بہت پرکار اور زربافت تھا اور تیسرے کو اپنا جبہ اتار کر پہنا دیا، اور اب وہ سب پاس پاس بیٹھ گئے، شکار حاضر کیا گیا اور جلد ایک ضیافت کا انتظام ہونے لگا، سردارانِ برلاس نے تیمور کا نمک کھایا اور حق نمک بھی جلد ادا کیا، سرداروں کے ساتھ جو سوار تھے ان میں سے ایک آدمی کو اس حکم سے روانہ کیا کہ مغول جتہ کا حال معلوم کرے کہ وہ اس وقت کیا کر رہے ہیں، سوار چلا، آمو دریا کو تیر کر پار کرنا چاہا مگر گھوڑا ڈوب گیا خود ریت کے ایک ٹاپو پر پہنچ کر صحیح سلامت دوسرے کنارے پہنچ گیا اور مغلوں کا حال معلوم کر کے واپس آیا تیمور کو اطلاع دی کہ تیس ہزار جتہ مغلوں کا لشکر شہر سبز (کش) کی طرف سے اِدھر آ رہا ہے اور رستے میں تمام ملک کو غارت کرتا چلا آتا ہے۔

اس سوار کا گزر شہر سبز کے قریب سے ہوا تھا جو اس کا وطن تھا مگر وہ اپنے گھر جانے کے لئے ٹھہرا نہیں گو اس کا گھر غارت گر مغلوں کے راستے میں پڑتا تھا۔

جب کسی نے پوچھا تو جواب دیا کہ ”جب امیر اپنے گھر میں نہ ہو تو میں اپنے گھر میں کیونکر قدم رکھ سکتا ہوں[1]۔“

اس خبر نے تیمور کو سخت پریشان کیا اور اسے مطلق صبر نہ رہا، جتہ مغلوں نے یہ دیکھ کر کہ ایک لشکر ان کے مقابلے کو میدان میں آ گیا ہے حسب عادت ہر طرف ملک کو غارت کرنا شروع کیا، تیمور چاہتا اور سمجھتا تھا کہ جو قومیں دریائے آمو کے دوسری طرف رہتی ہیں مغلوں کی اس حرکت پر سخت طیش میں آ جائیں گی اور وہ مغلوں کی دشمن اور تیمور کی طرفدار ہو جائیں گی اس وقت تیمور کا لشکر جتہ کے سپہ سالار بیک جک کے لشکر سے تعداد میں چوتھائی

۱۔ چون مخدوم از خانہ دور است خدمت گار را نشاید کہ بخانہ خود رود، ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۷۸

تھا، یہ پرانا گرگ باران دیدہ مغل سردار لڑائی میں بڑا ہوشیار و مشاق تھا۔ اس نے دریا[1] کے شمالی کنارے پر اپنی فوجیں اس غرض سے دوڑا دیں کہ دریا اترنے کے جس قدر مقامات ہوں ان پر قبضہ کر لیا جائے۔

ان گھاٹوں سے جہاں مغل مقابلہ کے لئے آن موجود ہوئے تھے، فوج کو صحیح سلامت دریا پار اتار دینا ایسا کام تھا جو تیمور جیسے دلاور کے بھی بس کا نہ تھا، مگر تیمور پھر تیمور تھا، موقع پاتے ہی آخر کار اپنی فوج کو دریا پار پہنچا ہی دیا، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

دریا کے چڑھاؤ کے رخ کنارے کنارے ایک ماہ تک اپنی فوج کو بڑھا کر بیک جک کو مجبور کیا کہ وہ بھی دریا پار اس سمت میں اپنی فوج کو بڑھائے دریا بیچ میں حائل تھا ایک کنارے ایک فریق کی فوج اور دوسرے کنارے دوسرے فریق کی فوج چل رہی تھی، دونوں فوجیں چلتے چلتے ایسے مقام پر پہنچیں جہاں دریا کا پاٹ تنگ تھا اور گہرائی بھی کم تھی یہاں ایک پُل کے قریب جسے پل سنگین کہتے تھے، تیمور نے قیام کیا[2] جتہ کی فوجیں اس وقت تک ہر اعتبار سے فائدے میں رہی تھیں، مگر پل اتر کر دوسری طرف جانے کی ہمت نہ تھی کیونکہ ادھر تیمور نے اپنا لشکر ڈال رکھا تھا، اور اب رات کے وقت تیمور نے پانچ سو سواروں کو موید ارلات اور امیر موسیٰ کی سرکردگی میں خاص اس پل کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا، موید ارلات بڑے بھروسے کا آدمی تھا اور امیر موسیٰ امیر حسین کے بہترین سپہ سالاروں میں تھا۔

ان پانچ سو سواروں کو لشکر گاہ اور پل کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر باقی فوج کو تیمور اپنے ساتھ لے کر چلا اور دریا کو اس مقام سے نزدیک ایک جگہ سے عبور کیا جس کے سامنے دوسری طرف مغلوں کی فوج پڑی تھی، تیمور مغلوں سے راستہ کترا کر سیدھا پہاڑوں میں پہنچا

---

[1] اس دریا سے مراد آمو نہیں ہے بلکہ دریائے دخش ہے جس پر پل سنگین تھا، پل سنگین کی نسبت دیکھو لی اسٹرنج کا جغرافیہ خلافت مغربی انگریزی صفحات ۴۳۵، ۴۳۹۔ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۸۳ پر بیان ہوا ہے کہ بیک جک کی تیس ہزار فوج سرحالا سے پل سنگین تک بیٹھی تھی، پل سنگین ایک مشہور مقام دریائے دخش پر ہے، مصنف نے یہاں تفصیل سے حسب عادت بہت پرہیز کیا ہے، پل سنگین سے دریا اتر کر شہر سبز شمال مغرب میں پڑتا تھا۔ (مترجم)

[2] دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۸۴، ۸۵۔

جو یہاں دریا کے سامنے نصف دائرہ کی شکل میں واقع تھے۔

دوسرے دن جتہ مغلوں کو فوج کے گزرنے کے نشانات معلوم ہوئے بیک جک سمجھ گیا کہ تیمور کی فوج کا کوئی حصہ ادھر سے گزرا ہے، مگر بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ پل پر جو لشکر پڑا ہے اس کی تعداد میں کمی نہیں ہوئی ہے، اگر بیک جک نے پل پر حملہ کیا تو موید ارلات اور امیر موسیٰ مقابلہ کر کے پل پر قبضہ نہ ہونے دیں گے اور مغلوں کے عقب سے تیمور ان پر حملہ کر دے گا۔

بیک جک بڑا ہوشیار آدمی تھا اس خطرے کو سمجھ گیا، اور دن بھر کسی قسم کی نقل و حرکت اس نے نہیں کی، تیمور نے یہ کیا کہ اپنے آدمیوں کو پہاڑوں میں بھیجا اور حکم دیا کہ دشمن کے لشکر کے تین اطراف جہاں تک ہو سکے جا بجا آگ روشن کر دیں۔[1]

شمال کے رہنے والے ہوشیار مغلوں کے لئے لشکر مخالف میں آگ کا اس طرح جا بجا روشن ہونا بہت کچھ معنی رکھتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ صبح ہونے تک مغلوں نے بہت جلد وہاں سے لشکر اٹھا دیا، تیمور نے فوراً فوج جمع کر کے بیک جک کے کوچ کرتے ہی اس کی فوج پر عقب سے حملہ کر دیا، مغلوں کی صفیں ٹوٹ گئیں، اور وہ بھاگے، تیمور نے سختی سے ان کا تعاقب کیا۔[2]

امیر حسین اس دریا والی لڑائی میں شریک نہ تھا مگر ایک جمعیت لے کر وہ تیمور سے آملا اور صلاح و مشورہ دینے کی بجائے حکم دینے کو تیار ہو گیا۔

تیمور سے کہنے لگا، ”شکست کھائی ہوئی فوج کا تعاقب اچھی تدبیر نہیں ہے۔“

تیمور نے جواب دیا ”ابھی انہوں نے شکست کھائی کہاں ہے“۔ تیمور یہ کہتا ہوا دشمن کے تعاقب میں بدستور مصروف رہا، ادھر اُدھر کے ایل والوسات جو مغلوں کے خوف سے چھپ گئے تھے اب باہر نکل کر تیمور کے پاس آئے، تیمور نے ان کی خاطر کی، سواروں نے خوشی میں گھوڑوں کو ایڑن دوڑانا شروع کیا، عورتوں نے اپنی لمبی لمبی آستینیں ہلائیں، اب رات ہو گئی تھی، تیمور سویا نہیں کیونکہ اسے ایک نیا لشکر مرتب اور اس کے لئے سردار نامزد

---

[1] تزک تیمور صفحہ ۴۱۔

[2] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۸۶۔

کرنے تھے اور ایک بڑا ضروری کام یہ تھا کہ سپاہ کے مختلف قبیلوں اور جرگوں میں جو نزاع مدت سے چلی آتی تھی اسے رفع کرے، اور مغلوں سے جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا اسے درستی سے تقسیم کرے اور جن کے وارث اس لڑائی میں مارے گئے تھے ان کے اہل وعیال کو گذارہ دے اور زخمیوں کی تنخواہیں مقرر کرے، رات بھر گھوڑے پر سوار رسالوں کے جوانوں کو شمال کی طرف بڑھنے کی تدبیریں بتاتا رہا اور انہیں ہدایت کی کہ جہاں کہیں ان کی ضرورت ہو وہاں جلد سے جلد پہنچ جائیں۔

تیمور کا سخت وشدید تعاقب دیکھ کر مغلوں کی فوجوں نے دریائے آمو سے سیر دریا تک جس قدر ملک تھا خالی کر دیا، الیاس خواجہ نے شمال کے میدانوں میں اپنی فوجیں جمع کیں مگر اسی دن الیاس کے وطن سے جو پہاڑوں سے دوسری طرف تھا دو شخص آئے اور گھوڑوں سے اتر کر الیاس خواجہ کے سامنے اس قدر تعظیم سے آداب بجالائے کہ گویا اب وہ خان کا درجہ رکھتا ہے، اور عرض کیا کہ ''حضور کے والد تغلق تیمور خان اس عالم زندگانی سے رخصت ہو کر عالم جاودانی میں آسودہ ہو گئے ہیں''۔ اب لوگوں نے الیاس خواجہ کے گھوڑے کی باگیں پکڑیں اور اسے اس کے خیمے میں واپس لے آئے۔

الیاس خواجہ خان اب سوار ہو کر مجبوراً شہر المالیق کو چلا گیا جو ختن جانے والی سڑک پر واقع تھا، اس اثناء میں تیمور کو بیک جک اور مغلوں کے دو اور سرداروں سے خود تیغ آزمائی کرنی پڑی، کچھ گھوڑے دوڑے کچھ تلواریں چلیں غرض تینوں مغل سرداروں کو تیمور نے گرفتار کر لیا اور اب یہ نوجوان سورما ماوراء النہر کا امیر بن کر بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس کے خیمے میں نو گرفتار مغل سرداروں کو ضیافت دی جائے، ضیافت کے موقع پر مغل سرداروں کی تیمور نے تعریف کی کہ انہوں نے اپنے آقا کی خیر خواہی کی اور حق نمک ادا کیا، پھر کسی قدر متحیر ہو کر ان سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

مغل سرداروں نے جواب دیا ''اس کا فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے، اگر تم نے ہمیں مار ڈالا تو ہمارے خون کا بدلہ لینے والے بہت پیدا ہو جائیں گے اور اگر زندہ رہنے دیا تو بہت لوگ تمہاری وفاداری کا دم بھرنے لگیں گے۔ رہے ہم تو ہمارے لئے جینا مرنا ایک بات ہے کیونکہ ہمیں تو موت کا انتظار اس وقت سے ہے جب سے ہم نے کمر میں تلوار لگائی اور زرہ

پہنی۔

امیر حسین نے تیمور کو ہوشیار کر کے کہا کہ جب دشمن اپنے قبضے میں ہو تو اسے زندہ چھوڑنا سخت نادانی ہے، لیکن نوجوان مظفر ومنصور تیمور نے ان سرداروں کو خود لڑ کر گرفتار کیا تھا اور ان کو ضیافت دی تھی اس لئے اس نے یہی پسند کیا کہ انہیں گھوڑے دے کر رہا کر دے۔

اسی اثناء میں تیمور نے شہر سبز پر پھر قبضہ کیا اور یہ قبضہ ایک خاص ترکیب سے کیا جو اس نے صحرا کے لوگوں سے سیکھی تھی، جس وقت شہر پناہ کے سامنے آیا تو بہت سے سواروں کو حکم دیا کہ شہر کے باہر باہر چاروں طرف خوب گھوڑے دوڑائیں، ان میں بعض سواروں کو ایسا جوش آیا کہ انہوں نے درختوں سے بڑی بڑی شاخیں کاٹیں اور ان کو گھسیٹتے ہوئے گھوڑے دوڑائے، شاخوں اور پتوں کے اس طرح گھسٹنے سے گرد بہت اڑنے لگی، ہر طرف غبار کے بادل چھا گئے مغلوں کی فوج جو شہر میں مقیم تھی اس گرد وغبار کو دیکھ کر سمجھی کہ اصلی لشکر کے آنے سے پہلے دشمن کا ہراول آن پہنچا ہے، اس خوف سے کہ اب پورا غارت گر لشکر بھی جلد آجائے گا مغلوں کی فوج شہر سے نکل کر بھاگی اور اس طرح شہر سبز کو ایک محاصرے کی مصیبتوں سے نجات مل گئی۔ [1]

تیمور کے مؤرخوں میں سے ایک مؤرخ لکھتا ہے ''امیر تیمور جو لڑائی میں ہمیشہ فتح مند رہتا تھا اس سال اس نے ایک لشکر کو آگ سے شکست دی اور ایک شہر پر گرد سے قبضہ کیا۔ [2]

ان بے قرار تاتاریوں کے حق میں فتح شکست سے بھی زیادہ موجب آزار ہوتی تھی، تیمور کی جلادت وسخت گیری سے امیر حسین ناراض رہتا تھا، اور اس غصہ میں خود روپیہ اور طرح طرح کی رعایتیں حاصل کرنا چاہتا تھا، تیمور رنجیدہ خاطر ہو کر اس کی طرف سے

---

[1] ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۸۷، ''صاحبقران فرمود کہ چہار قوشوں شوند وہر سوارے دو بند شاخ بسار برگ از ہر دو پہلوے اسپ درآویزد تا غبار انگیز دو گرد فراوان برخیزد''۔

[2] ''زہے عنایت بے نہایت الہی دربارہ آن مشید ارکان پادشاہی گاہ از افروختن اخگرے لشکرے شکستہ میشود وگاہ از انگیختن غبارے دیارے مسخر می گردد''۔ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۸۷۔

بدظن رہتا تھا آخر کار ایک روز وہ امیر حسین کو ایک بزرگ[1] کے مزار پر لے گیا اور وہاں اس سے قسم لی کہ ہمیشہ دوستی پر ثابت قدم رہے گا، امیر حسین نے مزار پر اس وقت تو قسم کھالی لیکن بعد کو اسے افسوس ہوا کہ کیوں قسم کھائی حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں دونوں اپنی اپنی ذمہ داریوں اور قبائل کے باہمی نزاعات سے تنگ آ گئے تھے یہاں تک کہ دونوں بیمار ہو گئے۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ ان کے لشکر میں الجائی خاتون آغا آئی اور اس نے دونوں کی تیمارداری کی۔ [2]

---

[1] وچون بروے اعتماد نداشتم ویرا بہ مزار خواجہ شمس الدین بردہ بر دوستی خود قسم وادم وبمن عہد وقول کرد کہ خلاف دوستی نکند، تزک تیمور صفحہ ۴۵۔

[2] مقابلہ کرو ظفر نامہ کی عبارت سے ''حضرت صاحبقران وامیر حسین را ہر یک محلے کہ بودند اندک مرضے طاری گشت وعنقریب از شفا خانہ وننزل من القران ماھو شفاء ورحمۃ المومنین مبدل گشت و مہد علیا الجائی ترکانی بسعادت وکامرانی از گر سیر آمدہ، مصراع ''ببلقیسِ عہد سوئے سلیمان رسید باز'' ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۹۴۔

باب ۹

...... جنگ لائی[1] ......

برساتی جنگ

الیاس خواجہ خان (گو باپ کے مرنے سے جتہ کے دارالسلطنت المالیق کو چلا گیا تھا مگر ماوراء النہر میں اس) کا واپس آنا لازمی تھا، تیمور بھی آدھی دور اس کے مقابلہ کے لئے بڑھا، اور سیر دریا کے شمال میں جو بڑا میدان تھا[2] وہاں پہنچ گیا، یہ وہ زمین تھی جہاں تاتاریوں کے ملک پر یورشیں کرنے سے پہلے مغول جتہ اپنے گھوڑے چرایا کرتے تھے یا ان کو آرام دے کر لڑائی کے لئے تیار کرتے تھے، الیاس خواجہ بلاد شمال کی زبردست سے زبردست فوجوں سے ایک لشکر مرتب کر کے یہاں لایا تھا، اس لشکر میں قواعد دان اور آزمودہ کار لوگ ایشیا کے بہترین مرکبوں پر سوار لائق سرداروں کی سرکردگی میں بہتر سے بہتر ہتھیار لگائے موجود تھے، چرم پوش سواروں کے گنجان دستوں پر ان کے سینگوں والے پھریرے اور پرچم اڑ رہے تھے۔

مغلوں کی تعداد تاتاریوں سے زیادہ تھی تیمور مغلوں سے خوب واقف تھا، جاسوس بھی دوڑا رکھے تھے کہ ان کے لشکر کا حال معلوم ہوتا رہے اس اثنا میں امیر حسین پہاڑی قبیلوں کو ساتھ لئے موقع پر پہنچ گیا۔ [3]

---

[1] ''جنگ لائی'' کے حالات ظفر نامے کی جلد اوّل میں صفحہ ۹۹ سے شروع ہوتے ہیں یہ لڑائی ۷۶۶ ہجری میں ماہ رمضان کے شروع میں ہوئی تھی۔ دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۰۷۔

[2] اس میدان کا نام قبی متن لکھا ہے اور یہ غالباً آب بادام کے شمالی کنارے پر تھا ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۰۲ ''آب بادام کے موقع کے لئے دیکھو لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی انگریزی صفحہ ۴۸۲۔

[3] امیر حسین دریائے سیحون عبور کر کے لشکر لایا مگر ابھی وہ تیمور کے لشکر کے عقب میں رہا، ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۰۱،

اب تاتاری اپنی پوری قوت وطاقت کو مجتمع کر کے میدان جنگ میں اترے، ان میں قوم برلاس اور صحرا کے اسپ سوار امرائے جلائر، مشہور ومعروف قوم سلدوز کی افواج سوارہ اور امیر حسین کی سپاہ تھی جس میں غور کے قبیلے اور افغانی رضا کار موجود تھے، یہ دُور سے لڑائی کی بُو سونگھ کر یہاں تک پہنچے تھے، سر پر خود پہننے والے اور تاتاری بہادر سب اپنے اپنے علم کے سایہ میں جمع ہو گئے۔

تاتاریوں کی سپاہ تقریباً کل گھوڑوں پر سوار تھی صرف نوکر اور نیزہ بازوں کے دستے یا چرواہے لشکر گاہ کی حفاظت پر جس کے چاروں طرف خندقیں کھدی تھیں پیادہ تھے، یورپ کے لوگ اس تصور میں رہتے ہیں کہ ایشیا کے فوجی سوار ہمیشہ ہلکے ہتھیار لگائے ہوتے ہیں، مگر واقعہ یہ نہیں ہے۔

کل سپاہ زرہ پوش تھی، زرہ ایران کی ساختہ فولاد کی باریک کڑیوں کی تھی، سر پر نوکدار خود تھے، جنہیں جھلم ناک یا ٹھوڑی سے لٹکا ہوا گردن کی حفاظت کرتا تھا، دوہری زرہ یا فولاد کی تختیوں سے سینے اور شانے ڈھکے ہوئے تھے، گھوڑوں کی پوشش بھی زرہ کی ہوتی تھی اور گھوڑوں کے سروں پر لوہے کی ٹوپیاں چڑھی ہوئی تھیں۔

تاتاریوں کا عام ہتھیار تیر وکمان تھا، ہر ایک کے پاس ایک یا دو کمانیں ہوتی تھیں، ان پر سینگ چڑھا کر یا لوہے کے تاروں سے انہیں جگہ جگہ باندھ کر مضبوط کیا گیا تھا، کمر میں شمشیر یا لمبی تلوار یا ایرانی دوہری باڑہ کی سیف ہوتی تھی، برچھے طول میں دس فٹ ہلکے بانس کے ہوتے تھے، ان کے پھل چھوٹے ہوتے تھے، کبھی کبھی چھوٹے برچھے رکھتے تھے جن کے سروں پر لوہے کے لٹو زنجیر میں بندھے ہوتے تھے، ان کی ضرب ایسی سخت ہوتی تھی کہ دشمن کی زرہ کے ٹکڑے اڑ جاتے تھے، اکثر سواروں کے پاس لوہے کے گرز بھی رہتے تھے۔

فوج کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ سو سواروں کا ہوتا تھا، ان کے علاوہ ''فوج ہزارہ،، یا رجمنٹ ایک مینک باشی یا کرنیل کے تحت میں ہوتی تھی، امرائے لشکر تمام صفوف پر تقسیم کر دیئے جاتے تھے اور لڑائی کے وقت یہی لوگ فوجوں کی افسری اور رہبری کے ذمہ دار ہوتے تھے تیمور اور امیر حسین کے قریب ان کے ذاتی ملازم جنہیں تواچی کہتے تھے بطور اے ڈی کانگ

کے حاضر رہتے تھے۔

تیمور نے اپنی فوج کی صف آرائی تین حصوں میں کی تھی، ایک حصہ دست راست پر دوسرا مرکز میں (جسے قول کہتے تھے) تیسرا دست چپ پر ہوتا تھا، ان میں بھی ہر حصے کی دو دو تقسیمیں تھیں ایک وہ جو جنگ کے لئے بالکل آگے بطور ہراول کے رہتا اور دوسرا وہ جو اس کی کمک پر عقب میں ہوتا، ہراول دست راست کو خاص طور پر مضبوط کر کے امیر حسین کو اس کا افسر مقرر کیا تھا، ہراول دست چپ جو سب سے زیادہ خطرے میں تھا اس کی سرداری تیمور نے خود اختیار کی تھی، امرائے برلاس میں سے امیر جاکو اور اس کے ہمراہی تیمور کے ساتھ تھے۔

اس طاقت آزمائی کے معرکہ سے جس میں فریقین کی قسمت کا قطعی فیصلہ ہونے والا تھا تیمور بہت خوش تھا اور اسے کامیابی کی بھی اُمید تھی، تاتاری اپنی تعداد اور عمدہ صف آرائی دیکھ کر اطمینان حاصل کرتے تھے، مگر اب مینہ برسنا شروع ہوا، یہ میدانی زمینوں کے وسیع قطعوں میں فصل بہار کا موسلا دھار مینہ تھا، جس نے زمین اور انسان کو سیلاب کے کوڑے مار مار کر اور بادلوں کی گرج کو بجلیوں کے تعاقب میں لگا کر اپنی ایک جنگ آسمان پر علیحدہ ہی برپا کر رکھی تھی۔

طوفان ازآں دیار برآمد تو گفتی ابر
اندم شنیدہ بود صدائے دعائے نوح

زمین پہلے نرم ہوئی پھر دلدل اور کیچڑ کا ایک سمندر بن گئی، گھوڑے سردی سے ٹھٹھر کر کمزور اور پیٹ تک کیچڑ میں لت پت ہو گئے، دریا (آب بادام) نے بھی اپنی طرف سے کچھ کمی نہ کی طغیانی پر آ کر تمام نالوں اور پست میدانوں کو پانی سے بھر دیا، سوار بھیگے کپڑے پہنے ہتھیاروں کو جہاں تک ممکن تھا بچائے ہوئے نقل وحرکت میں اٹھے۔

مؤرخ افسوس کیساتھ لکھتا ہے کہ بارش جتہ مغلوں کا ایک افسوں تھا۔ سنگ جدہ کے ذریعہ سے ان کے ساحروں نے یہ طوفان برپا کیا تھا[۲] جتہ مغلوں کو چونکہ اس بارش کے

---

۱ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۰۲، ۱۰۳۔
۲ پرانے زمانہ سے مشہور چلا آتا تھا کہ مغلوں کو سحر میں بڑی مہارت حاصل ہے، مورخ نے اس بحث کا فیصلہ اپنے اطمینان کے مطابق کر لیا ہے اور لکھا ہے کہ دوسرے دن جب ایک ساحر کو قتل کیا گیا تو مینہ برسنا بند ہو گیا۔ (مصنف)

آنے کا علم پہلے سے تھا اس لئے انہوں نے موٹے موٹے نمدوں سے اپنی حفاظت کر لی تھی گھوڑوں کے اوپر بھی نمدے پڑے تھے، اور پانی کے بہہ جانے کیلئے انہوں نے اپنے لشکر میں نالیاں کھود رکھی تھیں غرض مؤرخ نے اپنے طریقہ پر اس مطلب کو بیان کیا ہے کہ کئی دن کے طوفان برق و باراں میں فوج کشان جتہ بہ نسبت تیمور کے اس بلا سے زیادہ صحیح وسلامت نکل آئے، بہرکیف مغل تر و تازہ مرکبوں پر سوار تیمور کے لشکر کی طرف چلے۔

تیمور مقابلہ کے لئے بڑھا، پہلے طرفین سے ایک ایک آدمی میدان میں آ کر تلوار سے لڑا، پھر تیمور کے داہنے ہراول نے دشمن کے بائیں ہراول پر یلغار کیا، مگر تاتاریوں کی صفیں ٹوٹ گئیں اور انہیں پسپا ہونا پڑا جتہ اتنا دیکھتے ہی سب مل کر ایک دم آگے بڑھے اور اب تیمور کے ہراول کا وہ حصہ جو کمک پر تھا ڈگمگایا۔

اس خطرے کو دیکھتے ہی تیمور نے حکم دیا کہ آگے بڑھنے کے لئے طبل و دہل بجائے جائیں اور خود برلاس کے سواروں کو لے کر دشمن پر دھاوا کیا، صفیں جو پہلے ہی سے بے ترتیب ہو چلی تھیں اس کیچڑ کے سمندر میں بالکل ہی ٹوٹ گئیں اور تاتاریوں کی جماعتیں شور و غوغا کرتی ہوئی حال تذبذب میں دیوانہ وار ایک دوسرے سے جدا ہونے لگیں۔

اس نمی اور بارش میں تیر کمان بیکار تھے، چراغ پا گھوڑے پھسل پھسل کر پٹھوں کے بل زمین پر گرتے تھے اور زرد پانی کے بہتے ہوئے نالے نالیاں آدمیوں کے خون سے سرخ تھیں، صرف تلوار ہی سے کام لیا جا رہا تھا تلواروں کی جھنکار، گھوڑوں کے ہنہنانے کا شور لڑنے والوں کی چیخیں اور تاتاریوں کے ''دار و گیر'' کے نعرے بلند ہوئے اور اس شور و فغاں نے میدان جنگ کو بیمارستانِ مجانیں بنا دیا۔

تیمور اب جتہ کے افسر میمنہ (شنگوم نویان[1]) کے علم کی طرف چلا اور افسر کے اس قدر قریب پہنچ گیا کہ اپنے تبر سے اس پر ایک ضرب لگائی، افسر نے سپر سے ضرب روکی اور رکابوں پر کھڑے ہو کر چاہتا تھا کہ تلوار سے تیمور کا کام تمام کر دے مگر جاکو برلاس جو اپنے آقا کے پیچھے تھا گھوڑا ڈپٹا کر آیا اور شنگوم کو اپنے برچھے سے چھید دیا جتہ کا علم سرنگوں ہوا۔

---

1. ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۰۳۔

تیمور نے فوراً اسپ سوار نقارچیوں کو طبل و سنج بجانے کا حکم دیا، علم کے گرتے ہی مغل بے دل ہو چکے تھے جلد پیچھے ہٹنے لگے، کسی قاعدے یا ترتیب سے پسپائی اس وقت ممکن نہ تھی، اس لئے ان میں بھاگڑ پڑی، گھوڑے مضبوط تھے، پوری قوت سے بھاگے اور تھوڑی دیر میں میدان مغلوں سے خالی ہو گیا۔

تیمور ایک پہاڑی پر چڑھ کر دیکھنے لگا کہ اور اطراف میں لڑائی کا کیا حال ہے، امیر حسین کا حال اچھا نہ تھا، مغلوں نے اسے اپنی جگہ سے پیچھے ہٹا دیا تھا لیکن فوجی کمک نے جو عقب میں تھی ایسا جی توڑ کر مقابلہ کیا کہ مغل آگے نہ بڑھ سکے، طرفین کی فوجوں کے مرکزی حصے (قول) لڑائی میں بالکل خلط ملط ہو گئے تھے۔

تیمور نے اپنے لشکر کو پھر صف بندی کا حکم دیا لیکن اب یہ کام جلد انجام پانے کا نہ تھا تیمور کو اتنا صبر کہاں تھا فوراً قریب کے دستوں کو جو ترتیب سے تھے ساتھ لے کر مغلوں کے میمنہ پر جو امیر حسین سے لڑ رہا تھا حملہ کر دیا، تیمور اتنا آگے بڑھ گیا تھا کہ اب حملہ کے لئے اسے پلٹنا پڑا اور اس نے مغلوں پر تقریباً عقب سے دھاوا کیا، مغل اس اچانک حملے کی تاب نہ لا سکے اور اپنی جگہ سے انہیں ہٹنا پڑا الیاس خواجہ خان نے اس وقت اپنی فوجی کمک کو اپنے عقب ہی میں رکھا آگے نہ بڑھنے دیا اور میدان سے ہٹنے کا قصد کر لیا۔

دشمن کا خاتمہ کرنے کے لئے یہ موقع بہت اچھا تھا، تیمور نے فوراً اپنا نوکر امیر حسین کے پاس اس پیغام سے بھیجا کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنی صفیں درست کر کے آگے بڑھے۔

امیر حسین نے بگڑ کر قاصد سے کہا ''کیا میں نامرد ہوں کہ میری ہی فوج کے سامنے مجھے آگے بڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔'' اتنا کہہ کر امیر حسین نے نوکر کے منہ پر ایک طمانچہ مارا، اس کے سوا تیمور کے پیغام کا کوئی جواب نہ دیا۔

وقت نکلا جاتا تھا، تیمور نے غصہ کو ضبط کیا اور اپنی فوج کے دو افسروں کو جو امیر حسین کے قرابت دار تھے پھر امیر حسین کے پاس بھیج کر کہلایا کہ الیاس خواجہ لڑائی ہارنے کو ہے، اس وقت ہمارا فرض ہے کہ مل کر اس پر حملہ کریں۔

امیر حسین نے ان دونوں افسروں سے بھی سخت کلامی کی اور کہا:

''کیا میں لڑائی سے بھاگ گیا ہوں کہ مجھے حملے کے لئے آگے بلایا جاتا ہے۔ (مگر من گریختہ ام کہ امرا پیش میخواہندا) سپاہ کی ترتیب کے لئے مجھے وقت کی ضرورت ہے''۔

افسروں نے جواب دیا:

''یہ درست ہے لیکن حضور غور فرمائیں کہ تیمور اس وقت دشمن کی اس فوج سے لڑ رہا ہے جو دشمن نے آخری نوبت میں مقابلہ کرنے کے لئے مخصوص کر رکھی تھی''۔

امیر حسین نے یا تو دفعتہً غصہ بھڑک اٹھنے کی وجہ سے ایسا جواب دیا تھا، یا فی الحقیقت اسوقت آگے بڑھنا اس کی قدرت میں نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ تاریکی بڑھنے سے پہلے تیمور کو اپنی جگہ سے ہٹنا پڑا، ہٹ کر ایک میدان میں اس نے اپنے خیمے نصب کئے اور اب طبیعت پر افسردگی ایسی غالب ہوئی کہ امیر حسین نے ملاقات کے لئے بار بار قاصد بھیجے مگر تیمور نے نہ قاصدوں کی بات سنی اور نہ امیر حسین سے ملنے گیا[2]، اور دل میں ٹھان لی کہ پھر کبھی لشکر کی سالاری میں امیر حسین کا شریک بن کر لڑائی پر نہ جائے گا۔

دوسرے دن مینہ پھر برسا، تیمور ابھی تک غصے میں تھا، آگے بڑھ کر الیاس خواجہ سے لڑائی چھیڑ دی، مغلوں کے متفرق دستوں نے مل کر ایسا سخت حملہ کیا کہ تیمور کو پسپا ہونا پڑا اب ہوا اور بارش کے طوفان میں کیچڑ اور دلدل کی زمین پر جبکہ ندیاں نالے خوب چڑھے ہوئے تھے راستہ طے کرنے کا خیال اور ان نقصانوں کا جو اس لڑائی میں پہنچے تھے بار بار یاد آنا تیمور کے لئے سخت باعث رنج و ملال تھا۔

اس رنج اور غصے میں سردی سے ہاتھ پاؤں شل گھوڑے پر سوار بالکل خاموش چلا جاتا تھا، امرائے برلاس کچھ فاصلے سے پیچھے پیچھے گھوڑوں پر سوار ہمراہ تھے تیمور کو اس وقت پوری شکست ہوئی تھی، امیر حسین کی اس حرکت کو کہ اس نے عین وقت پر مدد دینے سے پہلو تہی کی تھی، تیمور کبھی نہیں بھولا۔

[1] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۱۰۵۔

[2] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۱۰۶۔

امیر حسین نے اپنے فوجی افسروں کو بہت سی تدبیریں بتا کر کہ اب اس ملک سے دونوں کو ہندوستان چلنا چاہیے تیمور کے پاس بھیجا، مگر تیمور نے رنج اور غصے کی حالت میں امیر حسین کی ایک بات بھی نہ سنی اور جواب کہلا کر بھیجا کہ

''تم چاہے ہندوستان سدھارو چاہے جہنم کے ساتویں طبقے میں جاؤ مجھے اس سے کچھ بحث نہیں''۔

اب تیمور سمرقند کی طرف چلا، وہاں پہنچا تو دیکھا کہ شہر والوں نے مغلوں کے خوف سے قلعہ بند ہونے کا پورا سامان کیا ہے، سمرقند سے تیمور شہر سبز کو روانہ ہوا اس خیال سے کہ جب تک مغل سمرقند کے محاصرے میں مصروف رہیں وہ وطن جا کر اپنے لئے ایک نیا لشکر فراہم کر لے۔

شہر سبز پہنچا تو معلوم ہوا کہ الجائی خاتون آغا کسی مرض میں دفعتہً مبتلا ہو کر گزر گئی ہے اور سفید کفن پہنا کر گھر کے باغ میں ایک جگہ اسے دفن کر دیا گیا ہے۔[1]

---

[1] ''دور آن وقت کہ صاحبقران بعزم جمع سپاہ از دولت خانہ روان شد مہد علیا الجائی خاتون آغا بعارضہ مزاجے داشت، و دریں مدت مفارقت جان نازنینش بموافقت آنحضرت از خانہ تن غیبت نمودہ بود، و بجوار رحمت آمرزگار پیوستہ، بیت

جائے آنست کہ حوران بہشت از دیدہ ۔۔۔ بر سر او ہمہ بادام سیاہ اندازند
چون ببیندتن نازکش اندر تابوت ۔۔۔ سنبل زلف ببرندو براہ اندازند

(ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۱۱۹)

باب ۱۰

دو امیر

الجائی خاتون آغا کے مرنے سے جو تعلق پانچ برس سے تیمور اور امیر حسین میں چلا آتا تھا وہ منقطع ہو گیا[1]، امیر حسین نے اپنی بہن کیساتھ ایسا برتاؤ کیا تھا جس سے کینہ اور بغض ظاہر ہوتا تھا اور ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ایسا ہی ثابت ہو چکا تھا، تیمور کے دل میں ہمیشہ اس بات کا رنج رہا اور اب تو بیوی کے مرنے سے وہ اور بھی غمگین ہو گیا، اپنے چھوٹے بچے جہانگیر اور قوم برلاس کے لوگوں کو ساتھ لے کر جنوب کی طرف چلا اور آمو دریا عبور کر کے اسی مقام پر ٹھہرا جہاں ایک سال پہلے موسم گرما میں الجائی کیساتھ قیام کیا تھا۔

اُلجائی کے انتقال کی خبر سن کر مولانا زین الدین نے تعزیت نامہ اس مضمون پر ختم کیا ''انا للّٰہ وَ انّا الیہ راجعون'' ہر انسان کے لئے موت کا وقت اور مقام متعین ہے۔

لیکن تیمور ان لوگوں میں نہ تھا جو تقدیر کے قائل ہو کر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے ہیں ملاؤں کا جوش وخروش اس کے دل میں کچھ گرمی پیدا نہ کرتا تھا، بظاہر اس کی خاموشی ایک سچے مسلمان کے سکونِ قلب پر دلالت کرتی تھی جو تقدیر کا لکھا سامنے آنے کو باور کرتا ہے اور شریعت نبویؐ پر چلنے کو موجب بخشش سمجھتا ہے مگر باطن میں تیمور کے دل میں بہت سے سوال ایسے پیدا ہوتے تھے جن کا تشفی بخش جواب وہ خود نہ دے سکتا تھا، بہت سی وحشیانہ خواہشیں بھی اس کے دل میں پیدا ہوتی تھیں جو درحقیقت بزرگوں کا ترکہ تھیں۔[2]

---

۱ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۱۲۰۔

۲ معلوم نہیں کہ مصنف کتاب کو یورپ کے اس عام خیال کی کس حد تک پابندی کرنی پڑی ہے کہ ایک مسلمان جتنا کم مسلمان ہوتا ہوتا ہی اچھا مسلمان ہوتا ہے، یورپین ناظرین کتاب کو کسی ایشیائی کے ساتھ ہمدردی پیدا کرنے کا یہ بہت پرانا نسخہ ہے (مترجم)

پانچوں وقت کی نماز پڑھتا، مسجد میں نہایت مؤدب بیٹھ کر بہت غور سے خطبے اور وعظ سنتا اور رات کو گھنٹوں شطرنج بھی کھیلتا، سواروں اور ہاتھیوں کی شکل کے چھوٹے مہرے بساط کے خانوں پر رکھے اکثر تنہا بیٹھا انہیں چلا کرتا، جب کسی مخالف سے کھیلتا تو ہمیشہ بازی جیت لیتا، اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ مخالف مصلحتاً تیمور سے ہار جاتا ہو۔ شطرنج کھیلنے میں وہ فی الحقیقت بڑا استاد تھا۔

اس کھیل پر زیادہ غور کرنے کے لئے ایک بساط دو چند خانوں اور مہروں کی بڑے شوق سے تیار کرائی تھی، اس پر نئے نئے نقشے پیدا کر کے حل کیا کرتا تھا، اور پانچ برس کا معصوم بچہ جہانگیر قالین پر باپ کے پاس بیٹھا آنکھیں پھاڑے کبھی ان چمکتے ہوئے مہروں کو کھلونا سمجھ کر دیکھتا اور کبھی باپ کے منہ کو تکتا جو مہروں کی نقل وحرکت میں بالکل محو ہوتا۔

تیمور انہیں شغلوں میں تھا کہ ایک دن بہت سے ملّا اور مشائخ اسلام کے چشم و چراغ دین متین کے ناظر و معتمد سمرقند سے دوڑے ہوئے تیمور کے پاس آئے اور یہ واقعہ سنایا۔[1]

> ''خدائے پاک نے ظلم وتعدی کا بار مومنوں کے کندھوں سے اٹھادیا، واجب التعظیم اربابِ ہمت وشریعت بخارا سے سمرقند میں آئے اور شہر کے لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ جب تک اعدائے مومنین کے مقابلہ کی قوت دونوں امیروں میں نہ پیدا ہو جائے اہل شہر کو چاہیے کہ ظالموں کے خلاف ہتھیار اٹھائے رکھیں، اس نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ گو اس وقت عدوے ملعون سمرقند کے مضافات میں قدم جما چکا تھا مگر شہر کے لوگوں نے باوجودیکہ دونوں امیر وہاں موجود نہ تھے شہر پناہ اور کوچوں کی ایسی حفاظت کی کہ دشمنانِ خدا کو شہر کے مضافات سے ہٹنا پڑا''۔

''پھر خدا کے حکم سے جتہ کے گھوڑوں میں وبا پھیلی[2] اور ہر چار سواروں میں تین کے گھوڑے مر گئے، نوبت یہاں تک آئی کہ ان کے

---

۱ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۱۰۹۔ ۲ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۱۱۰۔

قاصدوں کو بھی سواری نہ مل سکی، اسی حال میں ہمارے ملک سے
انہیں نکلنا پڑا اور ان میں اکثر اس طرح نکلے کہ پشت پر خالی ترکش
اور اسباب کی گٹھڑیاں تھیں اور کندھوں پر تلواریں، یقیناً اس سے پہلے
دنیا میں کسی نے جتہ مغلوں کے لشکر کو پیادہ کوچ کرتے ہوئے نہ دیکھا
ہوگا''۔

ملاؤں کے بعد تیمور کے فوجی افسر آئے جو بچشم خود تمام واقعات دیکھ چکے تھے، انہوں نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ سمرقند کے باشندوں نے شہر کی حفاظت یہاں تک کی کہ جتہ کا لشکر وہاں سے کوچ کر گیا، اور ان کے گھوڑوں میں وبا ایسی سخت پھیلی کہ جن تاتاری رسالوں نے ان کا تعاقب کرنا چاہا وہ بھی ان مقامات سے جہاں وبا کا زور تھا بچتے ہوئے مغلوں کے پیچھے چلے۔

یہ امیر حسین کی خوش قسمتی تھی کہ جتہ کا لشکر سمرقند سے چلا گیا، ورنہ امیر حسین کو سمرقند واپس آنے کا موقع نہ ملتا، چنانچہ جب شہر میں داخل ہوا تو بڑی دھوم دھام ہوئی، شہر والوں کو اس پر بڑا ناز تھا کہ انہوں نے جتہ کے زبردست لشکر کو اپنے شہر سے دفع کر دیا، چھتوں کی منڈیروں اور بالا خانوں سے خوبصورت قالین لٹکائے گئے، مسجدوں میں لوگوں کا ہجوم ہوا اور ہر باغ کے دروازے پر امیر حسین کے داخل ہوتے ہی نوبت اور نقارے بجنے لگے۔

امیر حسین اور تیمور اب واقعی ہندوستان کی حدود سے لے کر بحر خوارزم تک جس قدر ملک پڑتے تھے ان سب کے فرمانروا ہو گئے اس ملک رانی میں از روئے انصاف و رواج قدیم تیمور کا حق امیر حسین کے حق کے مساوی تھا، تیمور تمام فوجوں کا واقعی سپہ سالار تھا اور تیمور کے ہمراہی درجہ میں امیر حسین کے ہمراہیوں کے برابر تھے، لیکن امیر حسین امیر قزغن ''شاہ ساز'' کا پوتا اور ایک والی ملک کا فرزند تھا، اس نے چنگیز خان کی اولاد سے ایک شہزادے کا انتخاب کر کے اس کو سریر خانی پر بٹھایا، اس خان میں (جس کا نام کابل شاہ اور غلن پسر ورچی تھا) سوائے اسکے کوئی خوبی نہ تھی کہ چنگیز خانی تھا، جملہ آداب و مراتب چنگیزی ادا کرنے کے بعد اس خان کو اس کے محل میں تخت نشین کیا گیا مگر حکومت و فرمانروائی امیر حسین نے اپنے دادا قزغن کی جگہ شروع کی۔

حالات کی صورت کچھ ایسی پیدا ہوئی کہ تیمور درجہ میں امیر حسین سے کم ہو گیا، امیر حسین ملک کا مالیہ تحصیل کرتا، مقدمات میں تجویزیں سناتا، رعایا میں زمینیں تقسیم کرتا، تیمور کو ان چیزوں سے بحث نہ تھی، صرف ایک بات پر البتہ اسے اصرار رہا اور وہ یہ تھا کہ شہر سبز کے علاقہ پر دریا تک بلا شرکت غیر اس کا قبضہ و تسلط رہے۔

''جہاں تک دریا ہے وہاں تک کل ملک میرا ہے''۔

یہ جملہ تیمور نے قطعاً فیصلہ کر کے زبان سے نکالا تھا۔

تیمور نے اپنے درجے اور مرتبے کو قائم رکھا، طبیعت کا فیاض تھا، مطالبات اور زیادہ ستانی کے جھگڑوں میں نہ پڑتا تھا، جب امیر حسین نے قوم برلاس کے ہر متنفس پر بھاری محصول لگایا تو تیمور نے اتنا عذر ضرور پیش کیا کہ آخری لڑائی میں برلاس کا بہت مال تلف ہو چکا ہے مگر محصول کی جس قدر رقم برلاس کے ذمہ نکالی گئی تھی وہ اپنی جیب سے ادا کر دی، الجائی مرحومہ کا زیور، کانوں کے بندے، موتیوں کے ہار جو دلہن بننے کے وقت اس نے پہنے تھے سب امیر حسین کو دے دیئے، امیر حسین نے زیور پہچانا بھی مگر اس کے لینے سے انکار نہ کیا۔[1]

اخیر نزاع جو تیمور اور امیر حسین میں ہوا اس کا باعث چند مفسد امراء اور ان امراء کے زیر دست لوگ تھے، امیر حسین کا چنگیز خان کی اولاد سے کابل شاہ اوغلن پسر دورجی کو تخت خانی پر بٹھانا ایسا فعل تھا جس سے مغول جتہ کو تاتاریوں پر فوج کشی کرنے کا ایک بہانہ اور مل گیا، علاوہ ازیں امیر حسین نے تاتاری امیروں کی قوت توڑنی چاہی، اس سے اور بھی نئے نئے دشمن پیدا ہو گئے، جس وقت تیمور سے دوستی کا خاتمہ ہوا جس کا فوری باعث معلوم نہیں کہ کون تھا تو نتیجہ سوائے خانہ جنگی اور ملکی سازشوں کے اور کیا ہو سکتا تھا، اس خانہ جنگی کے زمانہ میں باہر سے جتہ مغلوں کی بار بار فوج کشی نے اور بھی آفتیں نازل کیں، غرض چھ برس تک تاتاریوں کے ملک فوجوں کی چھاؤنیاں بنے رہے۔

کشمکش کے ان تاریک لیل و نہار میں تیمور اس طرح نقل و حرکت میں رہا جیسے لڑائی

---

[1] ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۱۳۔

کی روح جسم کی قید سے آزاد ہو کر سرگرداں پھرتی ہو، خطروں سے مطلق بے پروائی اپنی حفاظت کی طرف سے قطعی غفلت، جود و سخا، کشادہ دستی، یہ باتیں تیمور میں وہ تھیں جن کے باور کرنے میں غلطی کا احتمال نہیں ہوسکتا، راتوں کو جب مسافر قافلوں میں آگ روشن کر کے الاؤ کے گرد بیٹھتے تو امیر تیمور کے قصے دہراتے اور کہتے کہ ''حقیقت میں تیمور اسم بامسمّی ہے۔ لوہا اس میں موجود ہے اور لوہا بھی وہ جو کبھی مرنا نہیں جانتا''۔

شاید قرشی پر قبضہ کرنے کا قصہ بازاروں اور لشکروں میں سب سے زیادہ مشہور اور دلچسپ ثابت ہوا ہو۔

قرشی[1] خراسان کے مشہور لثام پوش پیغمبر مقنع نامی کا شہر تھا، مقنع کو مرے ہوئے ایک زمانہ گزرا تھا، یہ ایک مذہبی آدمی تھا جس نے ایک کنوئیں کی تہہ سے ایسی راتوں میں جبکہ آسمان پر چاند نہ تھا چاند نکال کر ہزارہا لوگوں میں حیرت اور مذہبی تعصب پیدا کر دیا تھا، لوگوں نے اس کا نام ''ماساز'' یا ''ماہ سازندہ'' رکھا تھا، لیکن تاریخ اس کو ''ماہ ساز'' اتنا نہیں جانتی جتنا ''فتنہ ساز'' مانتی ہے۔

قرشی میں تیمور نے ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا اور اس قلعے پر اس کو ناز بھی تھا، اس زمانہ میں امیر حسین کی فوجیں قرشی کے قلعے پر قبضہ رکھتی تھیں۔[2] اور تیمور کے لوگ جانتے تھے کہ شہر پر حملہ کرنا اس وقت بے سود ہوگا کیونکہ مقابلہ کے لئے وہاں ساز وسامان بہت وافر تھا اور ہر طرح سے شہر کو مضبوطی واستحکام حاصل تھا، (امیر حسین کی طرف سے) امیر موسیٰ تین چار ہزار سپاہ کیساتھ شہر پر مستولی تھا، یہ وہی امیر موسیٰ ہے جس نے پل سنگین پر بیک جک کا مقابلہ کر کے اسے پل اترنے نہیں دیا تھا، موسیٰ بڑا تجربہ کار سپاہی تھا، شراب اور لذیذ کھانوں کا بڑا شوقین تھا، بے احتیاط بہت تھا لیکن نازک وقت میں پورے طور سے بھروسے کا آدمی تھا۔

تیمور کے پاس اس وقت سب ملا کر تقریباً دوسو چالیس سوار تھے، ان میں امیر جاکو اور موید ارلات جو موسیٰ کا شریک بن کر پل سنگین پر دشمن سے لڑا تھا اور امیر داؤد بھی تھا،

1. قرشی کا پہلا نام نخشب (اور نسف بھی) تھا، دیکھو لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی انگریزی صفحہ ۴۷۰۔
2. ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۲۶، اور آگے کے صفحات۔

امیر داؤد بڑا بہادر اور بے جگر آدمی تھا، لیکن جب تیمور نے ان امیروں سے کہا کہ وہ قرشی کو فتح کر کے اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو انہیں اس بات کا کچھ یقین نہ آیا اور انہوں نے عرض کیا کہ ''موسم بہت گرم ہے ایسے موسم میں ایسی مہم کا ارادہ کرنا مناسب نہیں اس کے علاوہ ہمارے اہل وعیال ساتھ ہیں ان کی حفاظت کا خیال بھی لازمی ہے''۔

تیمور نے جھنجھلا کر کہا،

''بڑے کم عقل ہو، کیا میں نے قسم کھا کر تم سے تمہارے اہل وعیال کی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا ہے''۔

امیروں میں ایک شخص نے کہا۔

''لیکن ہمارے اہل وعیال سب باہر ہیں کسی چار دیواری کے اندر محفوظ نہیں ہیں''۔

تیمور نے ہنس کر کہا

''چار دیواری چاہتے ہو تو چہار دیواری تو شہر قرشی کے گرد بھی موجود ہے، ذرا غور کرو، قرشی پر قبضہ ہو جانا کیسی چیز ہوگی''۔

امراء نے غور کیا لیکن حالات کچھ ایسے نظر آئے کہ امیر داؤد خاموش رہا اور امیر جاکو نے گردن ہلا کر کہا

''اے امیر ہمیں پہلے قوت تو کافی حاصل کر لینی چاہیے، ایک کام جلدی کا اور بے سوچا سمجھا ہوتا ہے اور ایک کام احتیاط اور غور کرنے کے بعد کا ہوتا ہے، موسیٰ اتنی لڑائیوں میں لڑ چکا ہے کہ اس کو ایک اونٹ پر بیٹھی ہوئی عورت کی طرح دھوکا نہیں دیا جاسکتا''۔

تیمور نے آواز تیز کر کے کہا:

''اچھا تو پھر عورتیں جہاں ملیں انہی سے جا کر سبق پڑھو میں اپنے ساتھ صرف انہی آدمیوں کو رکھوں گا جنہوں نے پل سنگین پر دشمن کا مقابلہ کیا تھا یعنی موید ارلات اور ایلچی بہادر میرے ساتھ رہیں گے، کیا اور بھی کوئی ساتھ دینے کو تیار ہے؟''

بہت سے لوگ بول اٹھے کہ

''ہم نے آپ کے ساتھ دریا عبور کیا تھا اور جتہ مغلوں کو ایسا بھگایا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کی کاٹھیاں تک پیچھے چھوڑ کر بھاگے تھے''۔

تیمور نے کہا

''مگر اس سے کیا ہوتا ہے، اب تو تم وہاں جاؤ جہاں تمہارے بال بچے ہیں، بازاروں اور گلیوں میں بیٹھ کر جو کچھ گزر چکا ہے اس پر شیخیاں بگھارو، میں تو باقی آدمیوں کیساتھ قرشی کی طرف کوچ کرتا ہوں''۔

لوگ سمجھ گئے کہ اگر ہم نے ساتھ نہ دیا تو بھی تیمور وہی کرے گا جو اس کی زبان سے نکلا ہے اب یہ لوگ علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے، سب جانتے تھے کہ تیمور جب کبھی کسی بات کا ارادہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی بشر اس کو اس کے ارادے سے نہیں پھیر سکتا، حکم دیکر حکم کو بدلنا تیمور کو نہ آتا تھا، اس کے اسی اصرار اور ارادے کی پختگی سے بعض وقت بکثرت جانیں ضائع اور مصیبتیں برپا ہو جاتی تھیں جن سے بصورت دیگر محفوظ رہنا بالکل ممکن تھا، غرض یہی اصرار تھا جس کی وجہ سے تیمور کا حکم بھی حکم قضا کی طرح نہ ٹل سکتا تھا۔

جس وقت امراء مشورہ کر کے تیمور کے سامنے آئے تو جاکو برلاس کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا اور دوسرے میں شمشیر، اس صورت سے جاکو نے عرض کیا ''ہم نے کتاب اللہ پر قسم کھائی ہے کہ ہر حال میں آپ کا ساتھ دیں گے اور یہ ہے وہ مصحف پاک جس پر ہم نے حلف لیا ہے اور یہ ہے وہ شمشیر کہ اگر حکم کے خلاف ہم سے کوئی بات ہو تو اسی سے ہماری گردن اُڑا دی جائے''۔

امراء سب کے سب تیمور کے پاس بیٹھ گئے اور امیر موسیٰ کو قرشی سے بے دخل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

تیمور کچھ دیر تک ان کی باتیں سنتا رہا پھر ہنس کر کہنے لگا:

''تم کیسے بے عقل ہو اگر امیر موسیٰ کو اور اس کی تین ہزار فوج کو تم نے قرشی سے باہر نکال بھی دیا تو پھر اس سے ہوگا کیا، ہماری سپاہ کی تعداد

ہی کیا ہے ایک جماعت سو کی ہے اور دوسری تقریباً ایک سو چالیس کی''۔[1]

امیر داؤد یہ دیکھ کر کہ سب چپ ہیں کہنے لگا

''تو پھر اس صورت میں یہ بہتر ہوگا کہ قرشی پر شب خون ماریں اور امیر موسیٰ کو اس کی خواب گاہ میں اچانک گرفتار کر لیں اس طرح اس کو اپنا قیدی بنانا ممکن ہے''۔

تیمور اس پر ہنسا اور کہنے لگا

''بہت خوب کہا، واقعی یہی مناسب بھی ہے لیکن اس کے بعد جو تین ہزار باقی رہیں گے ان کی خوابگاہوں میں بھی آپ ہی تشریف لے جائیں گا''۔

داؤد نے معذرت کے طور پر کہا

''خدا کی قدرت میں سب کچھ ہے، موسیٰ کو معلوم ہے کہ ہم یہاں ہیں اور جب تک ہم یہاں ہیں وہ قرشی سے کیوں قدم باہر نکالے گا، اس کے آقا امیر حسین کا حکم ہے کہ قرشی کو اپنے قبضے میں رکھے اور موسیٰ اس حکم کی پابندی کے سوا اور کچھ نہ کرے گا''۔

اب تیمور دل ہی دل میں باتیں کرنے لگا مگر اس طرح کہ اس کی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔

''اگر میں امیر موسیٰ کو دریا کے قریب کے میدانوں میں مدعو کروں کہ یہاں آکر شراب سے اپنی تشنگی بجھائے اور شہر کی گرمی چھوڑ کر یہاں خنکی کا لطف اٹھائے تو کیا میرے کہنے سے وہ چلا آئے گا''۔

امیر داؤد ہنسا، کیونکہ گرمی کا موسم تھا اور وہ بھی بیچ کا زمانہ، جب کھلے میدانوں میں کہ جہاں چاہیں خیمے نصب کریں گرمی کے مارے یہ حال تھا کہ قبائیں اتار دینے پر بھی پسینے میں ڈوبے رہتے تھے تو قرشی میں جس کے گرد فصیل تھی خدا جانے گرمی کی کیا کیفیت ہوگی،

---

[1] ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۳۰

قرشی کا قلعہ زمستان میں رہنے کا مقام تھا، گرمی میں قیام کے لئے نہ تھا امیر موسیٰ کا حال سب جانتے تھے کہ شراب اور جلسوں کا بے حد شوقین ہے، امیر داؤد تیمور کا خیال سن کر بولا:

''کبھی نہیں شہر سے نکلنا اسے پسند ضرور ہوگا مگر نکلے گا نہیں''۔

تیمور بولا:

''اگر یہی بات ہے تو پھر میں اسے نہ بلاؤں گا''۔

اس کے بعد تیمور نے کسی سے بات نہ کی اور ایسا معلوم ہوا کہ قرشی کا قصد فسخ کر دیا ہے کیونکہ جنوب کی طرف ملک معزالدین والی ہرات کے پاس اپنا قاصد پیام وسلام کیساتھ روانہ کر چکا تھا اور اب خراسان کی سڑک سے وہ ہرات کی طرف اپنے ہمراہیوں کے ساتھ چلا اور ریگستان کے کنارے ایک میدان میں جہاں کی مٹی زرد تھی اور دھوپ بہت سخت تھی خیمے نصب کر دیئے، یہ مقام چاہ اسحاق کے نام سے مشہور تھا۔

یہاں یہ قاعدہ جاری کیا کہ جس قدر قافلے شمال کے جانے والے وہاں سے گزریں ان کو اس وقت تک آگے نہ جانے دیا جائے جب تک کہ ہرات کو بھیجا ہوا قاصد واپس نہ آ جائے یہ قاعدہ ایک ماہ تک جاری رہا، قاصد حسب توقع واپس آیا، ملک ہرات نے خط کا جواب اور تحائف تیمور کی خدمت میں بھیجے اور اسے ہرات بلایا اس زمانے میں چاہ اسحاق پر مسافروں کا بڑا ہجوم ہو گیا اب قاصد جو خبر لایا تھا اس کا علم سب کو ہو گیا۔

دوسرے دن تیمور نے جن قافلوں کو روک رکھا تھا ان کو آگے جانے کی اجازت دیدی اور خود بھی کوچ کی تیاری[1] کی، قافلوں میں جو سوداگر تھے انہوں نے تیمور سے درخواست کی کہ کچھ سپاہی ان کے ساتھ کر دیئے جائیں تا کہ تیمور کے اور لوگوں سے جو راستے میں ملیں انہیں پناہ ملتی رہے لیکن تیمور نے جواب دیا کہ اس کے ساتھ والوں میں ایک متنفس بھی قرشی جانے والی سڑک پر نہیں ہے، اس کے بعد تیمور اپنے دو سو چالیس ہمراہیوں کو لئے تیزی کیساتھ جنوب کی طرف چلا اور قافلے والے جنہیں آزاد کیا تھا دریائے آمو عبور کر کے قرشی پہنچنے کے لئے شمال کی طرف روانہ ہوئے۔

۱۔ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۲۸ اور ۱۲۹ پر یہ اور آگے کے حالات ملیں گے مگر مصنف نے ان کو اپنے طور پر بیان کیا ہے (مترجم)

جب یہ قافلے قرشی پہنچے تو امیر موسیٰ نے ان سے تیمور کا حال دریافت کیا، معلوم ہوا کہ تیمور نے ملک معزالدین والی ہرات کی پناہ میں رہنے کے لئے ہرات کی طرف کوچ کیا ہے، یہ خبر سن کر امیر موسیٰ قرشی سے نکل کران سرسبز ٹھنڈے میدانوں میں چلا گیا جہاں تیمور اسے بلانا چاہتا تھا اور یہاں جیسا کہ ایک مؤرخ نے لکھا ہے[1] موسیٰ نے بساط عیش پھیلا کر خم صہبائے سرمستی کی قہریں توڑ دیں، لیکن موسیٰ نے چلنے سے پہلے اپنے لڑکے (محمد بیگ) کو کئی سو سپاہ کے ساتھ قرشی میں شہر کی حفاظت کے لئے پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

تیمور نے چاہ اسحاق سے چل کر دوسری منزل پر ایک ہفتے یا اس سے زیادہ قیام کیا تا کہ جن قافلوں کو روکا گیا تھا وہ قرشی پہنچ جائیں، اس کے بعد وہ آمو کی طرف ایک ہی مسلسل کوچ میں بغیر کہیں قیام کئے آیا، دریا کے کنارے قیام نہیں کیا بلکہ آتے ہی پانی میں گھوڑا ڈال دیا، گھوڑا تیرتا ہوا دوسرے کنارے پہنچا اور چالیس سوار جو ساتھ تھے انہوں نے کشتیوں میں بیٹھ کر دریا عبور کیا۔

دریا پار ہو کر باقی ہمراہیوں کو لانے کے لئے کشتیاں واپس کیں اور جب یہ لوگ بھی کشتیوں میں کنارے آ لگے تو جو پہلے آ چکے تھے وہ ان پر خوب ہنسے، یہاں سڑک سے اوجھل کسی مقام پر سب نے ایک رات بسر کی اور صبح ہوتے ہی تیمور نے تقریباً بیس آدمیوں کو اس غرض سے روانہ کیا کہ جس قدر قرشی جاتے ملیں انہیں روک لیا جائے جب شام ہوئی تو یہ لوگ پھر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور رات بھر کھلے میدانوں میں کوچ کر کے شہر قرشی کے قریب ایک کنویں پر جا اترے اور یہاں دن بھر ایک مقام پر جہاں ایلیوں اور اسفنتین کے گھنے درخت بکثرت تھے، چھپے بیٹھے رہے امیر موسیٰ کے لوگ جو اس کنویں پر آئے ان کو قید کر لیا اور اب تیمور نے وہاں آ کر اپنے آدمیوں کو اور ان قیدیوں کو حکم دیا کہ رسیوں کے یا کسی اور چیز کے نردبان تیار کریں جب شام ہوئی اور اندھیرا ہو گیا تو تیمور اور اس کے ہمراہی گھوڑوں پر سوار ہوئے نردبان ساتھ لئے لیکن قیدیوں کو وہیں چھوڑ کر ان پر پہرا بٹھا دیا۔

۱۔ کسی مؤرخ کی تحریر تو ملی نہیں البتہ تزوک تیمور میں صفحہ ۵۱، ۵۲ پر بیان ہوا ہے کہ جب تاجروں سے امیر موسیٰ کو خبر پہنچی کہ تیمور خراسان چلا گیا ہے، تو موسیٰ اور امیر حسین کے لشکر کے لوگ خوش ہوئے۔ ''رحل اقامت انداختہ بساط عیش وعشرت بگسترانیدند''۔ (مترجم)

جاکو برلاس نے عرض کیا کہ ہم یہاں بہت جلد پہنچے ہیں اور ابھی ہمارے ساتھی بھی سب نہیں آئے ہیں یہ مہم سخت ہے بہتر ہے کہ اب ہم آہستہ چلیں اور تمام خطروں سے اپنے تئیں بچائے رکھیں۔

تیمور نے کہا:

''اچھا، ہمراہیوں کو اپنے ساتھ آہستہ قدم لاؤ، میں آگے جا کر قرشی کی شہر پناہ کو دیکھ کر نردبان کے لئے کوئی اچھا مقام دیکھتا ہوں''۔

تیمور اب صرف دو سواروں کو ساتھ لئے گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا یہاں تک کہ شہر پناہ کے برج کچھ کچھ نظر آنے لگے تیمور اور اس کے دونوں ہمراہی گھوڑوں سے اتر پڑے ایک آدمی گھوڑوں کی حفاظت پر رہا لیکن عبداللہ نے جو خانہ زاد تھا تیمور کا ساتھ نہ چھوڑا، دونوں آگے بڑھے یہاں تک کہ خندق کا پانی چمکتا نظر آیا تیمور کچھ دیر تک غور سے سنتا رہا مگر کوئی آواز کسی طرف سے نہ آئی۔

اب خندق کے کنارے چلنا شروع کیا، چلتے چلتے ایک جگہ پہنچے جہاں خندق کے اوپر اوپر ایک ترناؤ (پختہ نہر) سے قلعہ میں پانی پہنچتا تھا اس ترناؤ میں گھٹنوں گھٹنوں پانی تھا تیمور اچھل کر اس نہر کی منڈیر پر چڑھ گیا عبداللہ بھی اوپر پہنچا دونوں اس نہر سے گزرتے ہوئے فصیل کے نیچے پہنچے اور قلعہ کے دروازے کی سمت میں نہر کی منڈیر پر سے زمین پر کود پڑے تیمور یہاں سے رستہ نکالتا ہوا قلعے کے دروازے کے سامنے آیا جس کا پھاٹک لکڑی کا تھا کچھ دیر دروازے کو کان لگا کر سنا پھر دروازے پر ایک ہاتھ مارا یہ نہیں معلوم کہ یہ عجیب حرکت کیوں کی تھی، بہرکیف معلوم ہوا کہ دروازے کو اندر کے رخ چونے اور مٹی سے اٹا لیا ہے کہ وہاں ایک دیوار سی بن گئی ہے کسی نے اندر سے کچھ جواب نہ دیا۔

اب پھر فصیل کے نیچے نیچے دبے پاؤں چلنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک جگہ دیوار اوپر سے ٹوٹی ہوئی نظر آئی یہاں سے چڑھ کر دوسری طرف کود جانا آسان تھا، تیمور نے عبداللہ کو یہ جگہ دکھائی اور کہا کہ اسے اچھی طرح پہچان لے تاکہ پھر بھی اس جگہ کو بتا سکے، جب تک عبداللہ نے یہ مقام اچھی طرح پہچان لیا تیمور اپنے گھوڑے تک واپس نہ گیا، شہر پناہ سے باہر ہمراہی سوار انتظار کر رہے تھے، تینتالیس آدمیوں کو گھوڑوں کی حفاظت پر مقرر کر

کے تقریباً سو سواروں کو دھاوے کے لئے تیار کیا۔

تیمور اپنے سواروں سے رخصت ہو کر پھر اسی ٹوٹی دیوار کی تلاش میں چلا، عبداللہ نے سواروں کے دستوں کو ایک ایک کر کے ترناؤ کے رستے جو خندق کے اوپر تھی گزر کر فصیل کے نیچے پہنچا دیا، یہاں آ کر ان لوگوں نے دیکھا کہ تیمور دیوار کے اوپر چڑھا بیٹھا ہے، سوار جب قریب پہنچے تو حکم دیا کہ دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف اتر جاؤ اور جس قدر دربان و نگہبان ملیں انہیں قابو میں لے آؤ اب صبح ہونے کو تھی، دربان سب غافل سو رہے تھے، تھوڑی سی لڑائی بھی ہوئی مگر اس عرصے میں تیمور نے اپنے کل سواروں کو جمع کر لیا تھا، سورج نکلتے ہی تیمور نے ان سب کو برغو بجانے کا حکم دیا۔

برغو کی آواز سنتے ہی قرشی کے باشندے اپنے بستروں سے چونک کر اُٹھے[1] گھر کی چھتوں پر چڑھ کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے، تیمور کی سپاہ کا اندازہ کہ وہ کس قدر ہے کسی کو نہ تھا اور داخلہ بالکل اچانک ہوا تھا امیر موسیٰ کے افسروں کو سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ غنیم کی اطاعت قبول کریں، فوراً تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے تیمور نے ان سے گفتگو کی تو وہ ساتھ دینے کو آمادہ ہو گئے موسیٰ کے لڑکے محمد بیگ نے مقابلہ پر آ کر اپنے محل بچانے کی کسی قدر کوشش کی لیکن جب تیمور کے سپاہیوں نے دیوار پر چڑھ کر اندر آگ ڈالنی شروع کی تو محمد بیگ گلے میں تلوار ڈالے اطاعت قبول کرنے حاضر ہوا۔

تیمور نے محمد بیگ پسر امیر موسیٰ کی دلیری کی تعریف کی مگر اُسے قرشی میں نظر بند کر دیا، موسیٰ کے باقی اہل خاندان کو موسیٰ کے پاس شاداب میدانوں میں بھیج دیا۔

امیر جاکو نے اس واقعہ کے بعد ایک موقع پر کہا کہ

''ہمارے امیر کی خوش نصیبی سے قرشی فتح ہو گیا اور اس فتح سے ہماری شان و شوکت زیادہ ہو گئی''۔

بعد کو یہ بات عجائبات سے معلوم ہوتی تھی کہ امیر حسین کی ہزار ہا سپاہ کے مقابلے میں قرشی پر تیمور نے اپنا قبضہ کس طرح قائم رکھا، فتح ان لوگوں کے نزدیک خدا کا ایک انعام تھی اور یہی کیفیت شکست کی تھی کہ وہ خدا کا ایک عذاب تھی اور یہ باتیں وہ تھیں جن کی

[1] ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۱۳۲، تزک تیمور کے صفحات ۵۰ تا ۶۴ بھی ملاحظہ ہوں (مترجم)

ہدایت مولانا زین الدین اوران کے ارادتمند لوگوں کو بار بار کرتے رہے تھے۔

لیکن امراء تاتار نا قابل اصلاح طور پر گمراہ تھے، کبھی وہ گھٹنوں تک ایک میلے کچیلے مُلّا کے سامنے نہایت مؤدب اور خاموش بیٹھے رہتے تھے مُلّا بڑے جوش وخروش سے ان کو نصیحتیں کرتا اور جن کی نعمتوں کا ذکر ان کے سامنے کرتا، کبھی یہی تاتاری مُلّاؤں کی توہین اور استہزا کرتے کسی نے کہا ہے کہ

''دو پادریوں کو ملا کر ایک مرد بنتا ہے، اگر صرف ایک پادری کو لیجئے تو وہ عورت کے برابر ہوتا ہے''۔

واہمہ کی صورتیں ان تاتاریوں کو پریشان کر دیتی تھیں کبھی کسی بُرے خواب کو بُرا شگون سمجھ کر ایسے خوف زدہ ہوتے کہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کسی طرف کافور ہو جاتے کبھی لڑائی میں جہاں موت ناگزیر ہوتی سروں سے خود اتار کر پھینک دیتے اور موت کی طرف بڑھنے کیلئے شور مچاتے تا کہ لوگوں کو ان کی شجاعت اور مردانگی پر رشک آنے لگے، وہ اپنی ذاتی عزت کے لئے جان دیدیتے تھے، ندامت وخجالت کی تکلیف کو سخت سے سخت عذاب سے بھی بدتر جانتے تھے، عربوں کی طرح ان کا بھی یہ قول تھا!

''جو نفع عزت کھو کر ملے وہ ہیچ ہے''۔

باب ۱۱

''بامِ دُنیا''[1] پر تیمور کا پہنچنا

کئی برس کے زمانہ کارزار میں جب کہ کسی بات کو قرار نہ تھا لوگوں کی نظریں تیمور کی طرف متوجہ ہوتی گئیں، اس کی شجاعت ومردانگی پر خاص وعام اس کی تعریف وتوصیف میں دل سے مصروف رہنے لگے، اس کی شکست وفرار فتح وظفر کے قصے زبان زد خلائق ہو گئے حتیٰ کہ جو امراء اور سردار میدان جنگ میں اس کے مخالف ہو کر لڑے تھے وہ بھی امیر تیمور گورگان کے واقعات سننے کے ہمیشہ مشتاق رہتے تھے، صرف ذاتی شجاعت وشہامت ہی اس کی وہ صفات محکم تھیں جو عامۃ الناس کے بے قرار اور مظرب خیالات میں سمائی رہتی تھیں۔

چنانچہ امیر حسین کے بعض ہوا خواہ اس سے بیزار اور ناخوش ہو کر تیمور کے پاس چلے آئے منگلی بوغا جو قدیم خانہ بدوش سرداروں میں سے نسل مغل کا ایک عالی سردار تھا، امیر حسین سے بغیر کچھ کہے سنے یا اسے اطلاع کئے گھوڑے پر سوار آیا اور مرکب سے اترا امرائے تیمور کے حلقے میں بے تکلف جا بیٹھا، یہی منگلی بوغا ایک زمانے میں تیمور کے شدید مخالفوں میں تھا، ایک مرتبہ چھ ہزار سپاہ ملنے کی شرط پر تیمور کو گرفتار کرنے کا بیڑا اٹھا چکا تھا مگر اب وہ یہ کہتا تھا کہ

---

[1] کوہ پامیر سے مراد جس کی بلند شاخیں بدخشان میں آ گئی ہیں، مولانا عبدالولی صدیقی اپنی تالیف ''وقائع تسلط وسیاہ برآسیا'' کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں ''ذکر ہندوکوش میانہ آمو دریا و کابل وسلسلہ کوہے قریب قندز تا امو دریا وسلسلہ دیگر کہ آں را پامیر گویند وقرغزاں آن را بسبب بلندی آں بام دنیا نامند بہ تفصیل می کند''۔

"امیر تیمور کا میں نے نمک کھایا ہے اب میں کسی کا منہ تکنے والا نہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ تیمور کی بے خوف وخطر سرداری اور پیشوائی اور اس کے امراء اور سرداروں کی خیر خواہی اور وفاداری یہی دو چیزیں تھیں اور ان سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہ تھی جن پر اس وسیع سلطنت کی جسے تاریخ میں "سلطنت تیمور" کہا جاتا ہے بنیاد قائم ہوئی۔

اس زمانہ سے چند سال بعد یہ کام منگلی بوغا ہی کا تھا کہ محض اپنی ہوشیاری اور ذہانت سے امیر تیمور کے لئے ایک لڑائی جیت لی، تاتاریوں کا ایک گروہ جو اور تاتاری گروہوں سے بالکل علیحدہ آباد تھا ترکمانانِ سفید میش کے سردار قرا یوسف سے اس زمانہ میں برسر جنگ تھا تیمور کی سپاہ کو ترکمانوں نے ہر طرف سے دبایا اور یہ سپاہ سمجھی کہ اب لڑائی سر کرنی ممکن نہیں اس حالت میں منگلی بوغا فوج کے اور سرداروں سے علیحدہ ہو کر زمین پر کوئی چیز ڈھونڈھنے لگا یہ چیز اسے جلد مل گئی مگر وہ کیا تھی ایک سرمنڈے لمبی داڑھی والے ترکمان کا کٹا ہوا سر تھا۔

اس کٹے ہوئے سر کو منگلی بوغا نے اپنے نیزے کے پھل پر اٹھا لیا اور مرکب کو مہمیز کر کے تاتاریوں کے ہراول میں چلاتا ہوا آیا کہ قرا یوسف مارا گیا، تاتاریوں کے دل بڑھے اور ترکمان جو قریب تھے بیدل ہوئے اور اب کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ترکمان میدان سے بھاگے اور اس فرار میں عجیب بات یہ تھی کہ قرا یوسف زندہ وسلامت مگر دل میں پیچ و تاب کھاتا ان کے ساتھ موجود تھا۔

ان ہوشیار اور بہادر تاتاری سرداروں نے کئی بار اپنے آقا تیمور کی جان بھی بچائی تھی اور ایسی حالت میں کہ جان جانے میں کچھ باقی نہ رہا تھا، چنانچہ ایلچی بہادر کا ایک قصہ اسی قسم کا مشہور ہے، یہ تاتاری سردار بھی نپولین کے سردار مرات کی طرح اپنی ٹوپی میں پر لگاتا تھا اور موزے زریں پہنتا تھا، ایلچی بہادر یا تو اپنی شاندار وجاہت اور خوش پوش ہونے کی وجہ سے یا شجاعت اور دلیری کے باعث اکثر بادشاہوں کے درباروں میں سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا، شاہی درباروں میں تو ایلچی بہادر کا لباس پُرتکلف ہوتا ہی تھا مگر میدان جنگ میں بھی پردار کلاہ اور طلا کار موزے نہ چھوٹتے تھے۔

اس خاص موقع پر تیمور جتہ مغلوں کی ایک یورش کو دفع کر کے واپس آیا تھا اور کوہ فامر (پامیر) کے بلند سلسلوں میں جہاں سے آمو دریا نکلا ہے شاہانِ بدخشاں کی فوجوں کو تلاش کرتا پھرتا تھا جو اس کے مقابلے کو بدخشاں سے نکل چکی تھیں۔

تیمور کی خبر پاتے ہی بدخشان کے بادشاہوں نے مصلحتاً اپنی فوجیں پیچھے ہٹائیں اور ایک ایسے مقام میں آئے جہاں درخت نام کو نہ تھا، ہر جگہ برف بکثرت تھی اور پہاڑوں میں کالی کالی چٹانیں صدیوں کے طوفان خوردہ بالکل فرسودہ نظر آ رہی تھیں اور نشیبوں میں برف اور یخ کے بڑے بڑے ٹکڑے پہاڑوں میں نیچے کی طرف ایسے آہستہ آہستہ کھسکتے معلوم ہوتے تھے جیسے زمین پر ادھ موا سانپ چلتا ہو، اور اب یہاں شاہان بدخشاں کی فوجیں اور تیمور کا لشکر پہاڑوں کی بلند چوٹیوں کے گرد آنکھ مچولی کھیلنے لگا، فوجوں کا یہ حال تھا کہ کبھی ایک ایک ہزار فٹ کی بلندی سے ڈھلانوں کو طے کرتی ہوئی نیچے آتی تھیں اور کبھی برف کے طوفان فرو ہونے کے انتظار میں پہاڑوں کے گوشوں میں بھیڑوں کی طرح سکڑ کر بیٹھ جاتی تھیں۔

اسی حال میں تیمور کے پاس ایک قاصد خبر لایا کہ اس کی فوج ہراول کو شکست ہو گئی ہے اور بدخشانی سپاہی بقیۃ السیف کو دستگیر کیے اور دوسرے درۂ کوہ کی طرف کوچ کر رہے ہیں[1]

تاتاریوں کے فوجی ضابطوں میں ایک بڑا سخت قاعدہ یہ تھا کہ کوئی سردار اپنی ماتحت سپاہ کو خطرے کی حالت میں چھوڑ کر تا حدامکان اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا تھا مگر اس وقت ان گرفتار ساتھیوں کو دشمن کی قید سے آزاد کرنے کی کوئی تدبیر تیمور کے سرداروں کو نظر نہ آتی تھی، سرداروں کی اس بے بسی کی حالت کو دیکھ کر تیمور کو جذبہ آیا، فوراً سواروں کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو جائیں اور ایک قاصد کو راہبر بنا کر اپنے ساتھ اس غرض سے لیا کہ وہ پہاڑوں میں اوپر اوپر کے راستوں سے اس درۂ کوہ کا پتہ بتاتا چلے جس کی طرف بدخشانی بلندی سے اتر کر نیچے جا رہے تھے راستہ تمام یخ بستہ قدم قدم پر یہ نوبت تھی کہ کسی نہ کسی سوار

---

[1] ظفر نامہ جلد اول صفحات ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲۔

کا گھوڑا بلندی سے پھسل کر غارِ فنا میں جا گرتا تھا، فوج ان راستوں میں آہستہ چلی مگر تیمور درے کی طرف اس تیزی سے بڑھا کہ جب وہاں پہنچا اور درے پر قبضہ کرنا چاہا تو صرف تیرہ سوار اس کے ساتھ تھے، باقی سب پیچھے رہ گئے تھے، ان تیرہ میں ایلچی بہادر بھی تھا، اس تنگ درے میں تیمور ایک اونچے پہاڑ پر جا کھڑا ہوا اور بدخشانیوں کی فوج جو سامنے پڑتی تھی اس سے تیروں کی لڑائی شروع کر دی۔

بدخشانیوں کے مقدمۃ الجیش میں اس وقت صرف پچاس سپاہی تھے لیکن ان کے پیچھے دو سو بدخشانی اور تھے جو جلد آ کر ان میں ملنے والے تھے، اب یہ جمعیت بھی درے میں آتی نظر آئی ایلچی بہادر اپنے دستہ فوج کو ساتھ لئے ایک طرف چلا اور سپاہیوں کا دفعتہ ساتھ چھوڑ کر ان دو سو بدخشانیوں کے سامنے آ گیا جو آگے والے پچاس بدخشانیوں کے پیچھے آ رہے تھے، ایلچی بہادر کو قاقم کا پوستین پہنے اور اس پر زری کا کمر بند لگائے اور ریچھ کے بالوں کی ٹوپی سر پر رکھے دیکھا تو بدخشانی چلتے چلتے ٹھہر گئے، زانو پر قربان میں کمان اور نیام میں تلوار تھی اور یہ نیام ہاتھی دانت کا تھا اور اس پر سونے کا کام تھا، اس صورت سے ایلچی بہادر گھوڑے پر سوار ایک دفعہ ہی للکارا،

''بڑے پتاؤں کے پوتو، راسیں کھینچو اور دیکھو وہ پہاڑ پر امیر تیمور گورگان کھڑا ہے''۔

ایلچی بہادر یہ کہہ کر بدخشانیوں کی طرف ایسا بے تکلف چلا گویا لڑائی کا خیال تک دل میں نہ تھا اور پھر اشارہ سے سب کو تیمور کی طرف متوجہ کیا جو مغفر کے اوپر تاج لگائے گھوڑے پر سوار پہاڑ پر کھڑا تھا اور اس کے چاروں طرف تیر اڑتے اور چمکتے نظر آ رہے تھے۔

ایلچی بہادر نے بہت ہی اطمینان کیساتھ بدخشانیوں سے کہا کہ

''دیکھو اگر تم مارے گئے تو تمہارے اہل و عیال تمہیں بڑا بیوقوف سمجھیں گے اور پھر یہاں مرنے سے تمہیں حاصل ہی کیا ہو گا کیا تمہیں اتنا نہیں سوجھتا کہ امان دینے اور جان بخشی کے لئے تیمور گورگان سامنے موجود ہے صلح کر لینے میں تمہارا نفع ہے امیر کے جس قدر لوگ تم نے قید کئے ہیں ان سب کو جمع کر دو اور پھر انہیں تیمور کے

سامنے حاضر کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرو''۔

اس طرح ایلچی بہادر نے بدخشانیوں کو خوب ڈانٹا ڈپٹا اور اپنا مطلب بھی ہاتھ سے نہ دیا، بدخشانی اس کی باتیں سن کر بڑے شش و پنج میں ہوئے مگر آخر کار گھوڑوں سے اتر پڑے اور ایلچی بہادر کے قریب آ کر اسے سلام کیا اور دل میں یقین کر لیا کہ جب یہ شخص بغیر کسی ساتھی کے اس طرح بے باک ہو کر ہمارے سامنے آیا ہے تو ضرور ہے کہ قریب ہی کہیں تاتاریوں کی کوئی بہت بڑی جمعیت موجود ہو گی ایلچی بہادر بھی اب گھوڑے سے اتر پڑا مؤرخ اس موقع پر لکھتا ہے کہ

''ایلچی بوغا پیادہ درمیان ایشان دوید و چند تاجیک را سیلے بر گردن زد''۔

بدخشانیوں نے اب تیر اندازی بند کی اور جن تاتاریوں کو قید کر لیا تھا ان کو ایلچی بہادر کے سامنے لائے، ایلچی بہادر نے قیدیوں کو بغور دیکھ کر بدخشانیوں سے جھڑک کر کہا!

''کیا تم ان لوگوں کو بغیر ان کی تلواروں کے مویشیوں کی طرح تیمور کی حضور میں پیش کرو گے، جس وقت تم نے انہیں قید کیا تھا اس وقت تو ان سب کے پاس تلواریں موجود تھیں''۔

یہ سن کر بدخشانی اور بھی گھبرائے، بالائے کوہ امیر تیمور گورگان کی صورت قائم تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ امیر انہیں کا انتظار میں وہاں کھڑا ہے درے سے امن و عافیت کے ساتھ دوسری طرف نکلنے کی راہ مسدود ہے، آخر کار بدخشانیوں نے وہی کیا جس کی صلاح ایلچی بہادر نے دی تھی یعنی تاتاری قیدیوں کے جس قدر ہتھیار ضبط کئے تھے وہ ان کو واپس کر دیئے غرض چھ سو تاتاریوں کو جنہیں بدخشانیوں نے اسیر کر لیا تھا ایلچی بہادر اپنے ساتھ ساتھ لئے تیمور کے سامنے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''بدخشانی رکاب بوسی کے لئے حاضر ہیں''۔

تیمور فوراً پہاڑ سے اترا اور بدخشانیوں نے جو اس وقت عداوت و خصومت کو بھول کر خوف سے بدحواس تھے اپنے قربانوں پر ہاتھ رکھ کر آئندہ صلح رکھنے کی قسمیں کھائیں، تیمور اور ایلچی بہادر نے ان سے اتنی دیر تک باتیں کیں کہ تاتاریوں کی فوج جو پیچھے آ رہی تھی ان تک پہنچ گئی۔

اب سفیر روشن ضمیر ایلچی بہادر نے بدخشانیوں سے کہا کہ

''یہ جگہ قیام کرنے کے لائق نہیں ہے، برف کے سوا یہاں نہ کھانے کو کچھ نہ سونے کو''۔

بدخشانی سرداروں نے کہا کہ

''قرب و جوار کے قریوں میں چلنا مناسب ہوگا۔ غرض تاتاری اور بدخشانی ''بامِ دنیا'' سے اتر کر نیچے میدانوں میں آئے''۔

ایلچی بہادر کے اس قصے کو محض ایک تعلّی و تفاخر کی داستان سمجھنا چاہیے، مگر اس کو پڑھ کر نپولین کے مارشل مورات کا قصہ یاد آتا ہے آسٹریا والوں سے وائنا میں لڑائی چھڑی ہوئی تھی مارشل مورات وائنا کے پل پر پہنچا اور وہاں کھڑے ہو کر آسٹریا والوں کی طرف رومال ہلایا اور جب فرانس کے سپاہی پل کے نیچے سے جہاں سرنگیں لگائی تھیں آتش گیر چیزیں ہٹانے لگے تو مورات آسٹریا والوں کی توپ پر جا بیٹھا۔

اس کے بعد ایک سال یا اس کے قریب گزرا تھا کہ ایلچی بہادر گھوڑے پر بیٹھا دریا عبور کرنا چاہتا تھا کہ ڈوب کر مر گیا۔ [1]

تاتاری امراء خوب سمجھتے تھے کہ تیمور کی اس قیامت خیز رہبری میں وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتے لیکن تیمور ان کے ساتھ خود بھی خطروں میں پڑتا جس قدر زخم ان کے جسموں پر تھے اتنے ہی اس کے جسم پر تھے، تیمور کی معیت میں جو وقت ان امیروں کا گزرتا تھا وہ بڑی عزت اور خوش دلی کا زمانہ ہوتا تھا، لڑائی پر یہ لوگ بھی اسی طرح خوش خوش گاتے ہوئے جاتے تھے جیسے یورپ میں وائکنگ کے خونخوار بہادر پرانے وقتوں میں جایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ تیمور نے ان سرداروں سے کہا:

''لڑنے والوں کے لئے یہ زمانہ رقص کرنے کا ہے، رقص کی زمین لڑائی کا میدان ہے اور نغمہ و سرود نعرہ جنگ اور چکاچک شمشیر ہیں اور

[1] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۴۰

شراب جو انڈیلی جاتی ہے وہ دشمنوں کا بہتا ہوا خون ہے''۔

چھ برس اسی جنگ و جدال میں گزرنے کے بعد تاتاری امراء میں سے اکثر نے تیمور کی اطاعت قبول کر لی، شروع میں تیمور کو لوگ ''قزاق'' کہا کرتے تھے گویا وہ ایک ایسا آوارہ گرد سپاہی تھا جسے ایک شبانہ روز سے زیادہ کہیں قیام نہ تھا، یہ ''قزاق'' وہی لفظ ہے جسے ہماری زبان میں کیسوک کہتے ہیں، کیسوک کا لفظ اب تک بحیرۂ خزر کے شمالی میدانی زمینوں کے رہنے والوں کے لئے بولا جاتا ہے، اب تیمور خدائے جنگ کی شان اختیار کر کے ایک لشکر جرار کا امیر اور سپہ سالار بن گیا جس وقت امیر موسیٰ کے لوگ یعنی جلائر تیمور کے مطیع ہو گئے تو تیمور کی تمام آرزوئیں پوری ہو گئیں جلائر میں مغلوں کا میل تھا اور وہ ایک کثیر اور زبردست لشکر ایسا جمع کر سکتے تھے جیسے کہ انگلستان کا وہ لشکر تھا جس نے ایک پشت سے بھی کم زمانہ ہوا تھا کریسی اور پوئیٹرز کی لڑائیاں فتح کی تھیں تیمور کے سب سے بڑے فرزند جہانگیر کی ماں (الجائی خاتون آغا) بھی قوم جلائر ہی سے تھی۔

جب ایک ایسے لشکر بے شمار کو تیمور جیسا سردار ملا تو امیر حسین کی قوت اس طرح زائل ہو گئی جیسے موسم بہار میں بارش سے قبل برف پگھل کر غائب ہو جاتی ہے، امیر حسین دریائے آمو سے جنوب کی طرف بھگا دیا گیا یہاں بھی پہاڑوں میں اس کا تعاقب کیا گیا اور آخر کار تیمور کی فوج نے بلخ میں جا کر اسے گھیر لیا، اور اس شہر پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا امیر حسین نے شہر کے کھنڈروں میں روپوش ہو کر تیمور کو پیغام بھیجا کہ وہ ملک چھوڑ کر مکہ معظمہ جانے کی اجازت چاہتا ہے (درخواست ہمیں است کہ مرا راہ دہی تا بیرون روم و بجانب کعبہ معظمہ توجہ نمایم) [1]

اس کے بعد امیر حسین پر جو کچھ گزرا اس کے بیان میں اختلاف ہے بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ تیمور نے امیر حسین سے اس کی جان بخشی کا وعدہ اس شرط پر کیا تھا کہ وہ اس کے سامنے حاضر ہو جائے، امیر حسین نے حاضری کا وعدہ بھی کر لیا تھا لیکن جب وقت آیا تو وعدہ ایفا نہ کیا اور مسجد کے ایک مینار کی برجی میں جا چھپا، یہاں یا تو مسجد کے

[1] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۰۲۔

موذن نے یا ایک آدمی نے اُسے پہچان لیا، اس آدمی کا گھوڑا کھویا گیا تھا اور اس وقت مینار پر چڑھ کر دیکھتا تھا کہ نیچے کہیں اس کا پتہ چل جائے [1]

امیر حسین کس طرح مرا اس کی نسبت بھی بیانات میں اختلاف ہے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تاتاری امراء اس کے بارے میں مشورہ کرنے بیٹھے، تیمور بھی اس مجلس میں شریک تھا، مگر وہ یہ کہہ کر اٹھ گیا کہ میں امیر حسین کی دوستی کا اقرار کر چکا ہوں، میرے ہاتھ سے اُسے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا [2] دوسرا بیان یہ ہے کہ موید ارلات اور ایک اور سردار تیمور پر بغیر اپنا ارادہ ظاہر کئے مجلس سے اٹھے اور امیر حسین کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ ہم تمہیں بھاگ جانے کا موقع دیتے ہیں، لیکن جب امیر حسین باہر نکلا تو ان سرداروں نے اسے قتل کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ تیمور نے اس بات کا موقع دیا کہ اس کا حریف مقابل قتل کر دیا جائے مؤرخ لکھتا ہے کہ امیر حسین کے مرنے کا وقت اور مقام متعین ہو چکا تھا، اپنے مقدر سے انسان بچ نہیں سکتا۔ [3]

---

1. ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۰۳۔
2. مقابلہ کرو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۰۴۔
3. ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۰۳۔

باب ۱۲

ارشادِ مولانا زین الدین

تیمور بلخ میں قصداً رہ پڑا، بلخ کی گرم وادی میں جہاں نیشکر ندیوں کے خشک گزر گاہوں میں پیدا ہوتا تھا، خراساں کے چلے ہوئے قافلے ہندوستان کی سرحدوں کے قریب سے گذرتے ہوئے قیام کیا کرتے تھے اور کوہستانوں کے فرمانروا شکار کی راہوں سے اتر کر یہاں پہنچتے تھے یہ وادی قدیم ترین واقعات کی یاد دلاتی تھی گویا اس کی ہوا میں صدیوں کی گرد معلق تھی۔

یہاں مٹی اور بکھرے پتھروں کے طبقے کے نیچے ایک آتشکدے کے آثار دبے پڑے تھے جسے کبھی اگلے وقتوں میں آتش پرستوں نے بنایا تھا، قدموں کے نیچے گوتم بدھ کے اس سنگین بت کے ٹکڑے جا بجا پھیلے تھے جو کبھی ایک عالیشان بت خانہ کی زینت تھا، اس کے سامنے بڑے بڑے جاتری جوگیا کپڑے پہنے نہایت ادب سے حاضر رہا کرتے تھے، ایک زمانے میں لوگوں نے اس شہر کو شہروں کی ماں کہا تھا، اسکندر مقدونی کو اس کا نام باکتریہ دریافت ہوا تھا اور جس زمانہ کا ہم ذکر کرتے ہیں اس وقت یہ شہر قبۃ الاسلام کے نام سے مشہور تھا چنگیز خان کے لشکر آئے اور اُسے غارت کر کے ایک وسیع ویرانہ بنا کر چلتے ہوئے، مگر اب اس کے گرد مسجدیں مزار مقبرے تعمیر ہو گئے تھے بلکہ یہ سمجھئے کہ شہر شہر نہ رہا تھا گورستان ہو گیا تھا بعد کو تیمور نے اسے از سر نو تعمیر کیا۔

اس وقت تیمور اس مقام پر تھا جہاں امیر حسین کفن پہنے منہ قبلے کی طرف کئے اپنے مدفن میں آسودہ تھا، حسین کے مرجانے پر ضروری ہوا کہ تاتاری اپنے لئے ایک نیا خان منتخب کریں قانون چنگیز خانی بھی یہی کہتا تھا، اور اس انتخاب میں بڑی شرط یہ تھی کہ جس

شخص کو خانی کے لئے منتخب کیا جائے وہ ''ترا'' یعنی چنگیز خان کی اولاد سے ہو۔

اس کام کے لئے ایک قورلتائی[1] منعقد ہوئی جسمیں تمام قبیلوں اور قوموں کے رئیس ہندوستان کے پہاڑی دروں سے لے کر شمال کی مسطح زمینوں کے ملوک الطوائف تک شرکت کے لئے فوراً حاضر ہوئے، اس مجلس میں بڑی مقدس صورتوں کے اہل دستار، ایران کے شہزادے بخارا کے اہل علم جو بڑی بڑی تعلیم گاہوں کے رئیس، دین کے خادم اور مناظرے ومجادلے کے ماہر تھے جمع ہوئے ان میں ائمہ وقت اور فقہاء بھی تھے اور انہی میں مولانا زین الدین ابوبکر نہایت پاکیزہ سفید لباس پہنے سر پر بزرگ عمامہ رکھے موجود تھے، ضعیفی نے بصارت کمزور کر دی تھی پھر بھی چہرے سے ذہانت وذکاوت ظاہر تھی ان کے مصاحبوں میں سے خواجہ بہاؤالدین جو ماوراء النہر میں بڑے درویش کامل مانے جاتے تھے ہمراہ تھے، غرض جب ارباب رزم اور اعاظم اسلام مجلس میں آ لئے اور انتخاب خاقان کے مسئلہ پر بحث ہونے لگی تو تیمور مجلس سے باہر اپنے بچے جہانگیر سے کھیلتا رہا۔

بعض امراء تیمور کو خاقان منتخب کرنے پر معترض ہوئے، بدخشانیوں کی طرف سے ایک مقرر نے کہا کہ اب ہمیں چاہیے کہ برادرانہ طریقہ سے ملکوں کو باہم تقسیم کرلیں ہر امیر اپنے اپنے ملک پر بہ اختیارات کامل حکومت کرے اگر دشمن حملہ کرے تو سب مل کر اس کے مقابلہ میں آئیں۔

تیمور کے تجربہ کار امراء نے اس خیال کی غلطی ظاہر کی اور کہا کہ ''بھائی بھائی تو سب ہیں لیکن ایک بڑے بھائی کی بھی ضرورت ہے اگر تم نے ملک تقسیم کر لئے اور حکومتیں علیحدہ علیحدہ قائم کیں تو جتہ مغل لشکر کشی کر کے تمہیں قطعی مغلوب کر لیں گے''۔

امراء میں جو زیادہ صاحب اقتدار[2] تھے انہوں نے قدیم دستور کی پابندی رکھنی چاہی اور کہا کہ

---

1. ظفرنامہ جلد اول میں صفحہ ۲۰۷ سے ۲۱۴ تک تیمور کے جلوس تحت نشینی کے حالات بیان ہوئے ہیں انہی کی تلخیص مصنف نے اپنے طور پر کی ہے (مترجم)

2. یہ جلائر اور سلدوز قبیلوں کے سردار تھے جو پرانی وضع اور طریقہ کے تاتاری تھے، اور یہ لوگ چنگیز خانی قانون کے پابند تھے چنگیز کو مرے ہوئے اس وقت ۱۴۰ برس ہوئے تھے اور اس کی موت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اس مجلس میں امرائے تاتار نے اپنی مرضی اور خوشی سے ایک قدیم دستور اور قانون کو ترک کیا (مترجم)

''ہم میں سے کسی شخص کا بادشاہ ہونا ہمارے قانون کے خلاف ہے، ہمارا فرض عین یہ ہے کہ چنگیز خان کی اولاد میں سے کسی کو خاقان تسلیم کریں اور تیمور ایسے مقرر کردہ خاقان کا نائب تصور کیا جائے''۔

اس پر سادات میں سے ایک صاحب جن کا نام ابوالبرکات[1] تھا، کھڑے ہوئے اور علمائے دین کے خیال کا اظہار صاف صاف طور پر اس طرح کیا۔

''یہ امر شریعت نبویؐ کے خلاف ہوگا کہ مسلمان تمہارے بندے بنیں کیونکہ تم کفار کا طریقہ رکھتے ہو چنگیز خان ایک صحرائی تھا جس نے جبر اور تلوار سے مسلمانوں کو مغلوب کیا تھا لیکن اب تیمور کی تلوار بھی چنگیز خان کی تلوار سے کم نہیں ہے''۔

خواجہ ابوالبرکات نے ان جنگجو تاتاریوں کے سامنے ایسی پرزور تقریر کی کہ پہلے تو وہ چپ رہے مگر پھر ان بزرگ کے اثر بیان سے ان میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہوگیا۔

خواجہ نے فرمایا کہ

''تم امیر حسین سے بھاگتے پھرے اور صحرا میں روپوش ہوئے جب تک تیمور امیر حسین کے مقابلے کو نہ اٹھا تم چھپے رہے، باہر نہ نکلے تیمور نے دشمن کو زیر کرنے کے لئے تم سے مدد نہیں مانگی تھی اور نہ اب اس کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے اب تک میں نے تم کو محض تاتاری سمجھ کر خطاب کیا تھا لیکن میں جانتا ہوں کہ تم مسلمان بھی ہو، میں آل رسول ﷺ ہوں اور دیگر سادات عظام اور ہادیان دین سے متفق الرائے ہو کر تیمور گورگان کو ماوراء النہر اور نہ صرف ماوراء النہر بلکہ تمام توران کے ملکوں کا فرمانروا تسلیم کرتا ہوں''۔

غرض ارباب شریعت نے اس طرح اپنا خیال ظاہر کیا، نہ صرف اس وجہ سے کہ تیمور مسلمان تھا بلکہ اس وجہ سے بھی کہ صرف تیمور ایسا شخص تھا جو بدنظمی دور کر کے ملک میں امن وامان قائم کرے گا اور بلاد شمال کے جنگ آور قبائل سے جو اسلام کے دشمن تھے

---

1. ظفرنامہ میں ایک شخص سید برکت کے نام سے بیان ہوئے ہیں اور ان کا ذکر ان رئیسوں اور سرداروں کے ساتھ ہوا ہے جو تیمور کی تخت نشینی کے وقت موجود تھے۔ جلد اوّل صفحہ ۲۱۰۔

مسلمانوں کو محفوظ رکھے گا، فرمانروائی پر تیمور کے انتخاب کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ تمام اہل رزم کیا پیدل اور کیا سوار اس بات پر مصر تھے کہ تیمور ہی ان کا فرمانروا ہو دوسرا نہ ہو۔

دوسرے دن تمام اعیان دولت اور امرائے قبائل ایک بڑے شامیانے کے نیچے جمع ہو کر تیمور کا انتظار کرنے لگے، جس وقت تیمور شامیانے میں داخل ہوا سب سرو قد کھڑے ہوئے اور پھر تعظیم کے لئے جھکے اور تیمور کا بازو پکڑ کر سفید مسند کے قریب لے گئے اور یہاں اس کو اپنا بادشاہ اور امیر مان کر سریر حکومت پر اسے بٹھایا، یہ طریقہ پرانے قبائل مغل کا تھا، غرض اس طرح تمام مغفر پوش تاتاریوں نے تیمور کی اطاعت قبول کر لی۔

علماء و مشائخ نے تیمور کی بیعت لینے میں جو ہمارے ہاں رسم تاجپوشی کا مترادف ہے بڑا اہتمام کیا مولانا زین دین مصحف پاک ہاتھ پر رکھے ایک ایک امیر کے سامنے گئے اور کتاب اللہ پر ان سے حلف لیا کہ سوائے تیمور کے وہ کسی اور بادشاہ کی اطاعت نہ کریں گے، آج کل کے لوگ ایسے حلف لینے کو محض ایک رسم سمجھیں گے کیونکہ تیمور پہلے ہی سب کا سردار اور امیر ہو چکا تھا، لیکن تاتاریوں کے لئے اس رسم کے معنی بہت کچھ تھے۔

اس زمانہ سے تیمور محض ایک سوار اور سپاہی کی حیثیت بدل کر امیر تیمور گورگان ہو گیا، تاتاری اس کے نمک خوار ہو گئے، اس کی اطاعت اور وفاداری کو اپنی عزت کا موجب اور اس کی بدخواہی کو اپنے حق میں قابل شرم اور اپنی اولاد کے حق میں رسوائی اور آفت کا مقدمہ سمجھنے لگے، تیموران کے نزاعات کا فیصلہ کرنے والا اور ان کی مال و جائداد کا محافظ تھا، اگر وہ ان باتوں پر قائم نہ رہا تو پھر تاتاری امراء کو اختیار تھا کہ ایک قورلتائی منعقد کر کے تیمور کی جگہ دوسرا امیر منتخب کر لیں۔

مسند کے قریب غالیچہ پر کھڑے ہو کر شیخ وقت زین الدین ابو بکر نے تیمور سے خطاب کیا:

”خدا کا حکم یہی ہے کہ آپ ملک فتح کریں آپ کی قوت کی ترقی
رہے اور آپ کے ذریعہ سے اسلام کا بول بالا ہو“۔

سفید نمدے کے فرش پر آبنوس کا ایک نیچا سا تخت بچھا تھا، جو شخص اس تخت پر بیٹھا تھا وہ سادات اور علمائے بخارا کی اس بحث پر تبسم کر رہا تھا کہ امیر کے دائیں طرف امیر کے

قریب کس کو بیٹھنے کا حق حاصل ہے تیمور کی صورت پر نرمی کی کوئی شان نہ تھی سر پر بال تھے اور مسلح تھا۔ فولاد کی چمکتی زرہ پہنے تھا، شانوں پر فولاد کی تختیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں، سر پر سیاہ مغفر اور اس کا جھلم کانوں اور گردن تک آیا ہوا تھا مغفر زرنگار تھا۔

جس قدر مال و دولت پاس تھا، اصیل گھوڑے زریں خلعت، ہتھیار اور قیمتی ظروف امرائے دولت کو انعام میں تقسیم کر دیئے، اور جب رات ہوئی تو ان کے خیموں میں لذیذ کھانوں اور میووں کی کشتیاں بھر بھر کر بھیجیں، سادات جو بکثرت امیر کے خیمے میں اظہار موانست و وفاداری کی غرض سے موجود تھے تیمور کی اس سخاوت اور دریا دلی پر معترض ہوئے۔ تیمور نے انہیں جواب دیا کہ

”اگر میں حقیقت میں بادشاہ ہوں تو سب کی دولت میری دولت ہے
اور اگر میں بادشاہ نہیں تو پھر جو کچھ میرے پاس ہے اس کے رکھنے
سے کیا حاصل“۔

دوسرے دن تیمور نے وزیروں اور سرداروں اور دیوان کے رکنوں کا تقرر کیا جن لوگوں کو اس موقع پر منصب اور عہدے دیئے ان میں ایسے لوگ بھی تھے جن سے ہم واقف ہو چکے ہیں امیر داؤد کو ضبط و داروغگی سمرقند کے علاوہ منصب دیوان یعنی مجلس شوریٰ کی افسری بخشی، قبیلہ برلاس کے امیر جاکو جس کا سر برف پیری سے اب سفید ہو چلا تھا، لشکر کی امارت اور بادشاہ کے سامنے نقارہ پر چوب لگانے کی خدمت عطا کی اور تواچی گری کا منصب بھی عنایت کیا۔ ۲

افسرانِ فوج میں دو نام ایسے لوگوں کے بھی بیان ہوئے ہیں جو تاتاری نہ تھے ان میں ایک مغل ختائی بہادر اور دوسرا عرب شیخ علی بہادر تھا۔ ۳

ایک بات شروع ہی سے ظاہر ہو چلی تھی، تیمور کسی درباری کو منہ لگانا نہ جانتا تھا، مولانا زین الدین کے علاوہ اور بہت سے بزرگ ایسے تھے جن کو تیمور کے سامنے جانے کی ہر

---

۱ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۱۶۔
۲ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۱۶۔
۳ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۱۶۔

وقت اجازت تھی، لیکن ان کا اثر تیمور کی طبیعت پر اور درباریوں کے اثر سے زیادہ نہ تھا حکومت کی باگیں ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھیں، دوسروں کی رائے ہمیشہ سنی، لیکن ان کو اپنے اوپر حکومت کرنے کا موقع کبھی نہیں دیا، طبیعت کی یہ ثابت قدمی ایک ایشیائی بادشاہ میں عدیم المثال تھی، بالخصوص تیمور میں کیونکہ اپنے نجی کے معاملات میں اب تک وہ بہت بے پرواہ رہا تھا۔

مخالف اور دشمن کا قلع قمع کرنے میں بہت عجلت کرتا تھا، بلخ سے ابھی دربار رخصت نہ ہوا تھا کہ امیر حسین کے ساتھیوں پر حملہ کیا اسیروں کو یا تو پابہ زنجیر کیا یا فوراً قتل کر دیا، ان کے مکانات جلا دیئے یا گروا دیئے، اور ان کے قلعوں کا نام ونشان تک نہ رکھا، جتہ مغلوں پر تیمور کی نظر برابر لگی تھی اور اب ہر ایک مہم شمال کے پہاڑوں کی طرف اس حکم سے روانہ ہونے لگی کہ دشمن کے مقابلہ میں تلوار و آتش سے کام لینے میں ہرگز کمی نہ کی جائے تیمور کو یقین تھا کہ اپنی حدود سلطنت کی حفاظت کے لئے بہترین تدبیر یہی ہے کہ دشمن پر حملہ پہلے اپنی طرف سے کیا جائے، کیونکہ جتہ مغل جب خود حملہ کرتے تھے تو وہ نہایت شدید ہوتا تھا مگر جب دوسرا ان پر حملہ کرتا تھا تو اپنے تئیں بچانے میں وہ زیادہ ہوشیار نہ تھے۔

غرض جتہ کا جب اسی دوا سے علاج کیا گیا جس دوا سے وہ دوسروں کا علاج کرتے تھے تو انہوں نے شمال کی وادیوں میں رہنا چھوڑ دیا، اور ان وادیوں سے بھی زیادہ شمال کی طرف ان دروں میں جا رہے جو حصار المالیق کے قریب تھے، ابھی تیمور نے مغلوں کا تعاقب المالیق تک نہیں کیا تھا، سیر دریا اور ہندوستان کے درمیان جس قدر ملک تھے تیمور کے قبضے میں آ کر ان کی حالت نے ایک نئی شکل اختیار کی اور سرکش وخودرائے تاتاریوں میں ایک نئے ضابطے اور آئین کی پابندی کا خیال پیدا کیا گیا، تیموری امراء میں سے دو شخص شمال کی جانب جتہ مغلوں کی گوشمالی کے لئے روانہ کئے گئے، موقع پر پہنچ کر جب انہوں نے دیکھا کہ مغلوں کے چراگاہ خالی پڑے ہیں تو یہ سمجھ کر کہ جس کام کے لئے آئے تھے وہ ختم ہوا دریا کی طرف واپس چلے۔

دل میں بہت خوش کہ اس مفت کی فتح کی خوشی میں خوب جلسے اڑیں گے جا رہے تھے کہ سیر دریا کے کنارے آئے دریا اترنے لگے تو سواروں کا ایک رسالہ بالکل اسی وضع و

قطع کا جیسے اپنا رسالہ تھا ادھر ہی کو آتا نظر آیا، جب یہ لوگ قریب آئے تو ان سے پوچھا کہ تم کہاں جاتے ہو۔

سواروں نے جواب دیا ''جو مغل تم کو نہیں ملے انہی کی تلاش میں ہم جا رہے ہیں''۔

اس جواب پر پہلے تو ان دونوں امیروں کو بہت غصہ آیا مگر پھر کچھ سوچ سمجھ کر چپ ہو گئے اور دربار میں حاضر ہونے کی بجائے اس نووارد فوج کیساتھ ہو گئے، پہاڑوں میں جاڑا بسر کرنے کے بعد پورا ایک سال گزرنے پر یہ دونوں فوجیں سمرقند واپس آئیں اور اپنے ساتھ جتہ مغلوں کے مویشی اور دشمنوں کے سر اور یہ خوشخبری لائیں کہ جتہ مغلوں کے بہت سے گاؤں انہوں نے برباد کر دیئے ہیں۔

تیمور نے دونوں فوجوں کے سرداروں کی تعریف کی جن امیروں کو تلاش میں ناکامی ہوئی تھی ان کی نسبت ایک حرف بھی شکایت کا زبان پر نہ لایا، اگر ان کو کچھ بُرا بھلا کہتا تو اس میں وہ اپنی آبروریزی سمجھتے اور اپنی اپنی فوجیں لے کر اس سے علیحدہ ہو جاتے اور جنگ وجدل کا ایک ہنگامہ برپا کر دیتے۔

باقی سردار ایسے نکلے جن کو شکایتیں پیدا ہوئیں اور خود حکومت کرنے کے شوق میں تیمور سے علیحدہ ہو کر اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے، مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آدھ مہینے کے بعد ہی تیمور کی فوجیں ان کے قلعوں کے سامنے پہنچ کر اتر پڑیں اور جہاں یہ سردار چھپے تھے ان کو وہاں سے نکال کر تیمور کے سامنے لے آئیں، تیمور نے ان نوگرفتار سرداروں کو انعام اور خلعت دیئے، ایک سردار جو ایک لڑائی سے بھاگ گیا تھا وہ بھی ڈھونڈ کر گرفتار کیا گیا اور اسے سزا یہ دی گئی کہ ہتھیار اتروا کر گدھے پر دم کی طرف منہ کر کے اسے بٹھایا اور کئی دن تک اسی حال میں سمرقند کے گلی کوچوں میں اُسے گشت کرایا اور لوگوں کی ہنسیاں اور طعنے اُسے سننے پڑے۔

کیخسرو ختلان کا شہزادہ جو ایران کے ایک بڑے نامی خاندان کا رکن تھا عین لڑائی میں کہ دشمن سامنے تھا تیمور کو چھوڑ کر خیوہ کے صحرا میں چل دیا تاتاریوں نے جو لڑائی سے ہٹنا نہ جانتے تھے لڑائی بدستور جاری رکھی اسی لڑائی میں ایلچی بہادر اپنی جان سے گیا اور

وہ اس طرح کہ گھوڑے پر سوار شیخ علی بہادر اور ختائی بہادر کے ساتھ دریا تیر کر پار جانا چاہتا تھا اور لوگ تو سلامت نکل گئے یہ ڈوب کر مر گیا، تاتاری برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ لڑائی جیت لی، کیخسرو ختلانی تلاش کے بعد گرفتار ہوا امراء کی ایک مجلس کے سامنے (اس کا مقدمہ پیش ہوا اور بلا تاخیر قتل کر دیا)[1] گیا۔

جب نئے امراء امیر تیمور کی اطاعت قبول کرتے تو پرانے امراء ان سے کہتے تھے کہ ہمارے امیر کی اطاعت کرنی تمہارے حق میں بہت اچھی ہے، جو لوگ اس بات کے قائل نہیں وہ جھوٹے ہیں"۔

نو واردوں میں جو اطاعت کے لئے آئے ان میں امرائے جتہ کے فرزند بھی تھے تیمور کے مقابلہ میں انہیں تاب مقاومت نہ تھی، ان میں ایک بیان پسر بیکیجک تھا جسے یاد تھا کہ اس کے باپ کی جان بخشی اسی شخص نے کی تھی جو اس وقت امیر ہے، دوسرا امیر ختائی بہادر تھا یہ خطا کا مشہور سردار تھا، نہایت خشک اور آتش مزاج، چمڑے کی قبا پہنتا تھا اور شانوں پر ایک گھوڑے کی پوری ایال کے بال بکھرے رہتے تھے، کسی عجیب طریقہ سے اس کی دوستی شیخ علی بہادر سے ہو گئی، شیخ علی بہادر خود بھی نہایت سخت مزاج آدمی تھا۔

ایک موقع پر یہ دونوں سردار فوج ہراول میں شریک تھے، یہ فوج جتہ مغلوں کی تلاش میں نکلی تھی آخر کار ایک دریا کے دوسری طرف مغلوں کی ایک جمعیت مقیم نظر آئی[2] یہ دونوں بہادر مع اپنی فوج کے دریا کے اسی کنارے ایسے مقام پر جو مغلوں سے زیادہ قریب تھا اتر پڑے، چند روز اسی حال میں گزرے پھر مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہیے، ختائی بہادر کی نظر احتیاط پر تھی، اس نے ایسی تدبیریں بہت سی بتائیں کہ دریا بھی عبور کر لیں اور مغلوں سے لڑائی بھی نہ ہو۔

شیخ علی بہادر پہلے تو چپ سنا کیا کیونکہ اس معاملہ پر خود کچھ غور کیا نہ تھا، ختائی بہادر اس کے خاموش رہنے سے یہ سمجھا کہ شیخ نے اس کی تدبیریں پسند کر لی ہیں یا یہ ہوا کہ شیخ علی بہادر کے چپ رہنے سے ختائی بہادر اس سے بدظن ہو گیا کیونکہ ختائی نسل کا مغل تھا

---

۱ مقابلہ کرو ظفر نامہ کی عبارت سے جلد اوّل صفحہ ۲۴۳۔

۲ دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۲۸۔

آخر کار ختائی نے شیخ سے پوچھا "تمہاری کیا رائے ہے"۔

شیخ علی بہادر بے پروائی سے بولا "واللہ مغل ایسی ہی چالوں کیساتھ لڑا کرتے ہیں جیسی کہ تم بتاتے ہو"۔

اتنا سنتے ہی میدانوں کے اس لڑنے والے بہادر کا چہرہ سرخ ہو گیا جہاں بیٹھا تھا وہاں سے فوراً اٹھا اور کہنے لگا "اچھا تو پھر دیکھ لینا کہ مغل کیسا لڑتا ہے"۔

شیخ علی بہادر گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا، ختائی نے فوراً اپنا گھوڑا منگوایا، کاٹھی لگا کر سوار ہوا اور گھوڑا دریا میں ڈال دیا، دریا اترتے ہی جتہ مغلوں میں آیا، مغلوں کو تعجب ہوا، ختائی نے پہنچتے ہی پہلے جو دو آدمی سامنے آئے ان کی گردن اڑا دی پھر جو دیکھا تو یہ دیکھا کہ چاروں طرف سے مغلوں میں گھرا کھڑا ہے۔

شیخ علی بہادر کو پہلے تو تعجب ہی ہوا تھا اب وہ بالکل حیرت زدہ ہو گیا، فوراً اُٹھا آدمیوں کو گھوڑا لانے کا حکم دیا، گھوڑے پر سوار ہوتے ہی دریا میں چلا، ہاتھ میں ننگی تلوار تھی، آتے ہی مغلوں کے حلقے کو جو انہوں نے ختائی کے گرد باندھ لیا تھا توڑتا ہوا ختائی کے قریب پہنچ گیا، اور ختائی سے چلا کر کہا،

"تم دیوانے تھے جو اپنا گھوڑا یہاں تک لائے بس واپس چلو"۔

ختائی بہادر نے کہا "واپس جاؤ تم"۔

شیخ علی بہادر بولا "لاحول ولا قوۃ" اور اتنا کہتے ہی ختائی بہادر کے قریب دشمن سے لڑنے کو تیار ہو گیا، اب جتہ مغلوں نے ان دونوں کو اور بھی گھیر لیا، مگر ختائی اور شیخ کے سوار اتنے میں موقع پر دوڑ آئے اور اپنے سرداروں کو مغلوں کے حلقے میں سے نکال کر دوسری طرف لے گئے اس ورزش و تگ و دو کے بعد دونوں سردار کچھ ٹھنڈے ہوئے اور پھر پاس پاس بیٹھ کر جو کچھ گفتگو ہوئی اس میں اتفاق رائے ظاہر کرنے لگے۔

باب ۱۳

والی خوارزم حسین صوفی اور یوسف صوفی

ایسے ہی سخت اور جابر لوگ تھے جن کو قابو میں لا کر راہ راست پر لانا تیمور کا کام تھا اس کام میں عقل اور مضبوط ارادے کی ضرورت تھی، لوگ تیمور کی تعریف کیا کرتے تھے کہ وہ بڑا مردم شناس ہے، عدل گستر ہے اور انعام دینے میں بہت فیاض ہے، اسی زمانہ میں متصل ریاستوں کے امیروں نے صحرا پار سے اپنے اپنے سفیر تیمور کے سلام کو یا اس کے حالات سے آگاہ ہونے کے لئے بھیج رکھے تھے، لوگ منتظر تھے کہ دیکھئے تیمور ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔

یہ ہمسایہ امیر بڑی قوت اور قدرت کے فرمانروا تھے، جس زمانہ میں تاتاریوں میں بدنظمی پھیلی تھی تو انہوں نے یورشیں کر کے خوب ان کا مال لُوٹا تھا، ان امیروں میں ایک والی خوارزم (حسین) صوفی تھا اس کی حکومت میں خیوہ، اورگنج اور کوہ یورال کے علاقے شامل تھے صوفی نسل جلائر سے تھا، اور ایک طور پر خانانِ جتہ کا تابع تھا، (حسین) صوفی کو تیمور کا حال اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ ایک آوارہ گرد ہے جو ایک زمانہ میں دشت قزل قم میں ترکمانوں سے اپنی جان بچانے کو لڑا تھا، اورگنج (ولایت خوارزم کا دارالحکومت) دریائے آمو کے دہانے پر تجارت کا بہت بڑا مقام تھا، اس کی فصیلیں بہت بلند تھیں اور والیِ خوارزم (حسین) صوفی بھی غرور اور نخوت میں کچھ کم نہ تھا۔

صوفی نے تیمور کو بیش بہا تحائف بھیجے، تیمور نے ان سے بھی زیادہ قیمتی تحائف اس کے سفیروں کو دیئے، اور ان کی زبانی کہلا بھیجا کہ صوفی کی لڑکی خانزادہ جس کے حسن کا

بہت شہرہ تھا اس کو تیمور کے فرزندِ اکبر جہانگیر کے عقد نکاح میں دیا جائے، بظاہر یہ پیغام محض دوستانہ تھا مگر اس کے معنی فی الحقیقت یہ تھے کہ تیمور صوفی کو اپنا زیر دست سمجھ رہا ہے اور جو اختیارات خان جتہ کو صوفی پر حاصل تھے ان پر خود قبضہ کرنا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ چنگیز خانی قلمرو کی پرانی سرحدوں پر بھی (جسمیں ولایت خوارزم شامل تھی) تصرف کرنے کی نیت رکھتا ہے۔ [1]

صوفی نے اس کا یہ جواب دیا کہ ”میں نے خوارزم کو تلوار سے فتح کیا ہے اور تلوار ہی کے ذریعہ سے وہ مجھ سے لیا جا سکتا ہے“۔

---

[1] ظفر نامہ میں جس طرح ان واقعات کو بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہاں لکھنا مناسب ہوگا (دیکھو جلد اول صفحہ ۲۳۳ و صفحات آئندہ)

خوارزم پر اس وقت حسین صوفی تصرف رکھتا تھا، تیمور کو اس کا خیال ہوا اور اس نے اپنے اور ایک سردار علقہ تواچی کو اس پیغام سے حسین صوفی کے پاس بھیجا کہ ”ولایت خوارزم کا تعلق الوس چغتائی (پسر چنگیز خان) سے رہا ہے، پانچ چھ برس سے چونکہ یہ ملک بغیر کسی والی اور حاکم کے رہا اس بنا پر تم نے اس پر تصرف کر لیا اگر دوستی رکھنی منظور ہے تو خوارزم اور اس کے جملہ توابع کو ہمارے گماشتوں کے سپرد کرو“۔ حسین صوفی نے یہ پیغام سن کر جواب دیا کہ ”من ایں ولایت را بہ تیغ مسخر کردہ ام ہم تیغ از من تواں بستد“۔

علقہ تواچی نے یہ جواب تیمور کو آ سنایا، تیمور نے خوارزم پر فوج کشی کا قصد کیا لیکن اہل دربار میں ایک بزرگ مولانا جلال الدین تھے، انہوں نے تیمور سے کہا کہ محض ایک سفیر کے بیان پر ہزارہا مخلوق کا خون کرنا مناسب نہیں، میں خوارزم جا کر حسین صوفی کو سمجھاتا ہوں کہ وہ آپ کی حفاظت میں آنا قبول کرے، تیمور نے یہ بات منظور کر لی۔ لیکن جب مولانا جلال الدین حسین صوفی کے پاس پہنچے اور اسے سمجھانا چاہا تو اس نے مولانا کو قید کر دیا، قید کی خبر سن کر تیمور کو صبر نہ رہا اور خوارزم پر حملہ کر دیا، پہلے خیوہ پر قبضہ کیا پھر کات پر حسین صوفی نے قلعہ اورگنج میں پناہ لی، یہاں آ کر چاہا کہ تیمور سے مصالحت کر لے لیکن کیخسرو ختلانی نے جو تیمور سے پہلے ہی باغی ہو چکا تھا صوفی کو لکھا کہ تیمور کی اطاعت قبول نہ کرے حسین صوفی مقابلہ پر آمادہ رہا، تیمور کے سپاہیوں نے بہت سے خوارزمیوں کو ہلاک کیا، اس غم میں حسین صوفی قلعہ اورگنج میں بیمار ہو کر مر گیا، اس کے بعد اس کا بھائی یوسف صوفی خوارزم کا والی ہوا، اس نے تیمور سے مصالحت کر لی، مگر پھر ختلانی کے بہکانے سے مخالفت پر آمادہ ہوا، مگر اس حرکت پر نادم ہو کر تیمور سے صلح چاہی، تیمور نے اس شرط پر صلح کی کہ یوسف صوفی اپنے بھائی آق صوفی کی بیٹی سے جس کا نام سوین بیگ عرف خانزادہ تھا جہانگیر پسر تیمور کی شادی کرنی منظور کرے، یوسف صوفی نے یہ بات منظور کی اور خانزادہ بنت آق صوفی جہانگیر کی عروس بن کر سمرقند بھیجی گئی، اس کے بعد یوسف نے پھر تیمور سے سرکشی اختیار کی“۔ (مترجم)

تیمور یہ جواب سن کر خوارزم کے قصد سے صحرا کی طرف کوچ کرنے کو تیار ہو جاتا لیکن مشائخ میں سے ایک نے عرض کیا کہ لشکر کشی ابھی ملتوی کی جائے، وہ خود والی خوارزم کو جا کر سمجھاتے ہیں کہ وہ تاتاریوں سے حفاظت کا معاہدہ کر لے، لیکن جب یہ بزرگ (حسین) صوفی کے دربار میں پہنچے تو صوفی نے انہیں قید کر دیا، اب تیمور کو لشکر کشی سے روکنے والی کوئی چیز نہ رہی۔

فوراً امرائے تاتار کو اپنے علَم کے نیچے جمع کر کے خوارزم پر چڑھائی کی، اور اس مہم میں بھی وہی راستہ اختیار کیا جو بادیہ گری کی حالت میں ایک مرتبہ پہلے اختیار کیا تھا، اس فوج کشی میں کیخسرو ختلانی نے تیمور کا ساتھ چھوڑ دیا، تیمور نے خیوہ پر حملہ کیا، شہر پناہ کو توڑنے میں قلعہ شکن آلات استعمال نہیں کئے، شہر کی خندق کو خس و خاشاک سے پاٹ کر نردبان نصب کئے اور ان کے ذریعہ سے سپاہی فصیلوں پر چڑھے۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ شیخ علی بہادر پہلا شخص تھا جس نے اوپر چڑھ کر فصیل کی منڈیر پر اپنا ہاتھ رکھا، اس کے پیچھے ایک سردار تھا جسے شیخ کی اس جرأت پر رشک ہوا اور اس نے شیخ کا پاؤں پکڑ کر نیچے گھسیٹ لیا، شیخ خندق میں گر گیا اب یہ سردار خود دیوار پر چڑھا[1] اور یہاں

---

[1] یہ کل واقعہ ظفر نامہ کی جلد اوّل صفحہ ۲۳۷، ۲۳۸ پر شہر کات کی فتح کے متعلق مصنف کے بیان سے کسی قدر مختلف طور پر بیان ہوا ہے، مصنف کے بیان سے گمان ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق خیوہ کی فتح سے ہے، ظفر نامہ میں لکھا ہے کہ تیمور مع لشکر کے خیوہ فتح کرنے کے بعد جب کات کے قلعہ پر پہنچا تو "فرمان داد تا لشکریاں ہیمہ و خاشاک جمع آوردہ خندق را بہ نیباشتند و خود بنفس مبارک بکنار خندق آمد و کوچہ ملک را اشارت فرمود تا بخندق درآید و چوں اُواز غلبہ وہم نتوانست کہ بآن کار اقدام نماید خماری یساول را اشارت فرمود و او بے توقف بخندق درآمد ....

و مبشر و تا خواجہ نیز از عقب او برفتند، لشکریاں چون این صورت مشاہدہ نمودند روان بخندق درآمدہ رو بفصیل نہادند، اوّل شیخ علی بہادر دست در دیوار فصیل زدہ خواست کہ برآید، مبشر پارے او بگرفت تا و نیم برآید و نتوانست دہر دو بخاک ریز افتادند، شیخ علی دگر بارہ متوجہ شد بفصیل برآمد یکے از آں جانب نیزہ بدست او زد، جہاں پہلوان نیزہ را بگرفت و بشکست و تیغ برسر او راند و سپاہ تیمور از ہر طرف راہ کردہ بحصار درآمدند و کلاں تران ایشان را بگرفتند"

کات کا شہر خیوہ سے شمال مشرق میں تقریباً ۴۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور کات سے اورگنج سمت مغرب میں غالباً اس سے دو چند فاصلہ رکھتا ہے۔ (دیکھو لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی، نقشہ نمبر ۹ (ولایت خوارزم) (مترجم)

خیوہ کے سپاہیوں کا اتنی دیر تک مقابلہ کیا کہ پیچھے جس قدر سپاہی فصیل پر چڑھ رہے تھے ان کے پاؤں دیوار پر اچھی طرح جم جائیں، اس زبردست حملہ سے خیوہ[1] پر تیمور کا قبضہ ہو گیا (حسین) صوفی نے خیوہ چھوڑ کر اورگنج میں پناہ لی، تیمور اورگنج کی طرف بڑھا، یہاں قلعہ شکن آلات کی ضرورت ہوئی، چنانچہ پتھر پھینکنے کے بڑے بڑے عرّادے اور منجنیق بنانے شروع کر دیئے، یہ آلات تیار ہو ہی رہے تھے کہ صوفی کے پاس سے ایک پیغام اس مضمون کا آیا۔

"سپاہ کی جانیں بکثرت تلف کرنے سے کیا حاصل، بہتر ہو کہ ہم تم دونوں تنہا لڑ کر اس لڑائی کا فیصلہ کر لیں جس کا ہاتھ تلوار پر سے گزرتی ہوئی خون کی دھار سے پہلے رنگین ہو جائے وہی فاتح تصور کیا جائے"۔

سفیر نے اس لڑائی کے لئے وقت اور مقام بھی بتایا، یہ مقام شہر کے بڑے دروازے کے سامنے کا ہموار میدان تھا۔

تیمور کے جس قدر امراء اتنے قریب تھے کہ سفیر کا پیغام سن سکتے تھے انہوں نے فوراً اعتراض کیا، بیان پسر بیک جک نے آواز سے کہا

"اے امیر، لڑنا ہمارا کام ہے، آپ کا مقام تخت سلطنت اور چتر حکومت ہے[2] یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ حضور اپنے مقام سے علیحدہ ہوں"۔

ہر امیر نے تیمور سے التجا کی کہ اپنی جگہ اسے لڑنے کی اجازت دے، تیمور نے جواب دیا کہ حاکم خوارزم نے مجھ سے لڑنے کو کہا ہے نہ کہ میرے کسی امیر سے، اب تیمور سفیر سے متوجہ ہو کر بولا کہ

"اچھا، ہم ٹھیک وقت پر شہر کے دروازے کے سامنے تنہا آ جائیں گے"

---

[1] خیوہ پہلے فتح ہو چکا تھا، یہاں خیوہ کی جگہ کات ہونا چاہیے یا خیوہ سے مطلب ولایت خوارزم لیا جائے (مترجم)

[2] دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۴۱، جہاں امیر بیان سلدوز نے تیمور کو دریا میں گھوڑا ڈالنے سے منع کیا ہے وہاں یہ شعر لکھا ہے۔

گزیں پس ہمہ نوبتِ ماست رزم   ترا جائے تخت است و ہنگامِ بزم

مقررہ وقت جب آیا تو اہل دربار بڑی پریشان نظری سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے، تیمور نے خفتان پہنا، اسلحہ بردار نے حاضر ہو کر بائیں بازو پر سپر اونچی کر کے لگائی اور کمر میں تلوار باندھی سیاہ رنگ کا زرنگار مغفر جو ہمیشہ استعمال میں رہتا تھا تیمور نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر سر پر رکھا، مغفر میں جھلم آویزاں تھا، اس سے گردن اور شانے ڈھک گئے اور اب تیمور لنگ کرتا ہوا گھوڑے کے قریب آ کر ایک جست میں اس پر سوار ہو گیا ہر ادا سے ظاہر تھا کے بے انتہا خوش ہے۔

سوار ہو کر چلا تھا کہ پیرانہ سال امیر سیف الدین نے مرکب کی راسیں پکڑ لیں اور عرض کیا کہ امیر کو ایک معمولی آدمی کی طرح کسی سے دست بدست لڑنا زیبا نہیں، تیمور منہ سے کچھ نہ بولا، نیام سے تلوار نکالی اور اس کے چپٹے رخ سے اس پرانے نمک خوار و وفادار کو مارنا چاہا، امیر سیف الدین تلوار کی ضرب سے بچنے کے لئے راسیں چھوڑ پیچھے ہٹ گئے۔

تیمور اپنے لشکر گاہ اور اس مقام سے باہر آ کر جہاں محاصرے کے لئے عرّادے اور منجنیق تیار کئے جاتے تھے اور جہاں اس وقت لشکر والوں کا ایک بڑا مجمع تھا میدان سے گزرتا ہوا اورگنج کے بند دروازے کے سامنے آیا۔

دروازے کے اوپر برجوں میں صوفی کے سپاہی کھڑے تھے، تیمور نے للکار کر ان سے کہا، ''اپنے مالک کو اطلاع کرو، تیمور انتظار کر رہا ہے''۔

تیمور کی یہ دلیری ایک مجنونانہ مگر قابل تعریف حرکت تھی، گو وہ اس وقت ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک ہو چکا تھا مگر ایک حریف مقابل سے خود تیغ آزما ہونے کا شوق کم نہ ہوا تھا، اس شوق اور اپنے ارادے کی پیروی میں ایسی باتوں کا مطلق لحاظ نہ تھا جن سے مضر نتائج پیدا ہونے کا احتمال تھا، تیمور ایک سبزے گھوڑے پر سوار تھا جس کا نام ''گوراشہزادہ'' (خنگ اوغلن) مشہور تھا، اس وقت وہ دشمن کے صدہا تیر اندازوں کی زد میں تنہا کھڑا تھا، نہایت بےقراری سے صوفی کے انتظار میں تھا، اور لوگ اس وقت تیمور کو اس کی اصلی شان میں دیکھ رہے تھے، عظمت و دلیری کے ظہور میں عقل کا قصور بھی جھلک رہا تھا۔

یوسف صوفی باہر نہ نکلا، آخر کار تیمور نے بلند آواز سے کہا:

''جس شخص نے اپنے قول کا پاس نہیں کیا اسے اپنی جان بھی دینی

ہوگی''۔ [1]

اتنا کہہ کر تیمور نے گھوڑے کی باگ پھیری اور آہستہ قدم لشکر گاہ کو واپس آنے لگا اس وقت وہ کسی قدر شرمندہ اور غصہ میں تھا[2]، لیکن جب اس کے سرداروں اور امیروں اور سپاہ نے جن کی نظریں پہلے ہی سے اس کی طرف لگی تھیں آقا کو واپس آتے دیکھا تو خوشی کے نعروں سے زمین وآسمان سر پر اٹھا لیا، نقارے اور سنج زور زور سے بجنے لگے، قرنا اور برغو کی آوازیں ایسی بلند ہوئیں کہ گھوڑے ہنہنانے اور بے قابو ہو کر چراغ پا ہونے لگے، اہل لشکر کا جوشِ مسرت سب پر ظاہر تھا۔

تیمور کا یہ کہنا کہ جس نے اپنے قول کی پابندی نہیں کی اُسے جان بھی دینی ہوگی صحیح نکلا، یوسف صوفی تھوڑے دن بعد بیمار ہو کر مر گیا، اس کے مرتے ہی اورگنج کے لوگوں نے اپنا شہر تیمور کے حوالے کر دیا، اور اس بات پر بھی رضامند ہو گئے کہ شہزادی خانزادہ کو شہزادہ جہانگیر کی عروس بنا کر تیمور کے پاس بھیج دیں[3] چنانچہ ایسا ہی کیا، اور پھر خوارزم اور اس کے دارالحکومت اورگنج کو ایک علیحدہ ولایت قائم کر کے اس کا کل انتظام تیمور کے فرزند رشید جہانگیر کے سپرد کر دیا گیا، اور اس طرح جس قلمرو پر ایک زمانے میں امیر قزغن حکومت رکھتا تھا اس کی شمالی اور مغربی حدود آگے بڑھ گئیں اور مغربی قبائل جلائر اپنے مشرقی جلائر بھائیوں سے جو ماوراء النہر میں رہتے تھے مل گئے۔

اب زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ تیمور پہلے سے بھی زیادہ لشکر لے کر دریائے آمو عبور کر کے جنوب کی طرف چلا، غرض یہ تھی کہ بادشاہ ہرات سے ملاقات کرے، خوارزم کے

---

[1] تیمور کے الفاظ یہ تھے ''ہر کہ بقول خود وفا نہ نماید اورمرگ بہ از زندگانی، ظفرنامہ جلد اوّل صفحہ ۲۹۸ (مترجم)

[2] ظفرنامہ جلد اوّل کے صفحات ۲۹۴-۲۹۶ میں یوسف صوفی اور تیمور کے تنہا لڑنے کا قصہ بیان کیا گیا ہے (مترجم)

[3] ظفرنامہ کے ۲۴۴-۲۵۲ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف صوفی کے مرنے سے قبل خانزادہ جہانگیر سے عقد کرنے کے لئے خوارزم سے سمرقند روانہ کر دی گئی تھی، چنانچہ یوسف صوفی سے جب اخیر لڑائی ہوئی ہے تو تیمور نے لکھا تھا کہ اس تعلق ہونے کے بعد بھی تم نے بغاوت اختیار کی، دیکھو ظفرنامہ جلد اوّل صفحہ ۲۹۱۔

علاوہ ہرات دوسری ریاست تھی جو ماوراء النہر سے متصل تھی، راستے میں در بند آہنیں پڑتا تھا، اس خوفناک گونجتے اور گرجتے درے میں سے تقریباً پچاس ہزار سواروں کے رسالے اور سامان کی صدہا گاڑیاں سنگ سرخ کے دوطرفہ پہاڑوں میں سے جو دیواروں کی طرح سیدھے کھڑے تھے، دھمکتی اور شور کرتی گزریں۔

چند سیاسی امور اس لشکر کشی کا باعث ہوئے تھے، اور ان کی ابتداء بڑی مصلحت اور ہوشیاری سے کی گئی تھی، واقعہ یہ تھا کہ ایک سال قورلتائی کے موقع پر تیمور نے بادشاہِ ہرات ملک غیاث الدین کو سمرقند میں مدعو کیا تھا، غیاث الدین نوجوان آدمی تھا، اور معزالدین بادشاہ ہرات کا فرزند تھا جس نے ایک زمانہ میں امیر قزغن کے پاس پناہ لی تھی، اس دعوت کے معنی یہ تھے کہ اگر ملک غیاث الدین قورلتائی میں شریک ہوگیا تو پھر وہ تیمور کے زیردستوں میں شمار ہونے لگے گا۔

بادشاہِ ہرات نے اس دعوت پر بہت خوشی ظاہر کی اور جواب دیا کہ اگر امیر سیف الدین اس کے استقبال کے لئے ہرات تک بھیجا جائے تو بہت خوشی سے وہ سمرقند میں حاضر ہوگا تیمور نے یہ جواب سن کر اپنے سب سے بڑے وزیر سیف الدین کو ملک ہرات کے استقبال کے لئے روانہ کیا لیکن اس واجب التعظیم وزیر نے ہرات سے واپس آکر تیمور کو اطلاع کی کہ بادشاہ ہرات تحائف جمع کرنے کے حیلے حوالے کرتا رہا در اصل اس کی مرضی سمرقند حاضر ہونے کی نہیں ہے بلکہ اس وقت وہ ہرات کے گرد ایک نئی فصیل تیار کرا رہا ہے۔

تیمور نے یہ سن کر ملک غیاث الدین کے پاس سفیر بھیجا، غیاث الدین نے اس سفیر کو روکے رکھا واپس نہ جانے دیا، اپنی دانست میں یہ اس نے بڑی ہوشیاری کی تھی، مگر انجام یہ ہوا کہ تاتاریوں کے علَم بلند ہوگئے اور اہل مغفر کا لشکر جنوب کی طرف کوچ کرنے لگا، رستے میں آمو دریا آتا تھا، اس پر کشتیوں کا پل باندھا گیا، سارا لشکر اس خیال سے خوش تھا کہ اب اپنے ملک سے باہر بھی معرکہ آرائی کا موقع ملنے والا ہے، لشکریوں نے اپنے گھوڑوں کو ان چراگاہوں میں چرایا جو موسم بہار کے لئے مخصوص تھیں اور پہاڑی دروں سے گزر کر کسی قدر پھیر کھا کر قلعہ فوشنج کے سامنے آئے اور فوراً اس قلعے کا محاصرہ کر لیا، فوشنج ہرات کا بڑا مضبوط قلعہ تھا اس میں غیاث الدین نے اپنی فوج بٹھا رکھی تھی، تیمور کو صبر کہاں تھا

فوجوں کے پہنچتے ہی حصار پر حملہ کر دیا، بھری خندق کو لکڑی کے تختوں سے پاٹ کر تاتاری قلعے کی دیوار کے نیچے آئے، اوپر سے تیر برستے ہی رہے مگر انہوں نے دیواروں پر نردبان لگا دیئے۔

سپاہیوں کی ہمت بڑھانے کے لئے تیمور سر سے خود اُتارے بغیر زرہ کے ان میں آیا، اس حال میں دشمن کے تیروں سے دو مرتبہ گھائل ہوا، فوج کا جو حصہ قلعہ پر حملہ کرتا تھا وہ شیخ علی بہادر اور مبارک کی سرکردگی میں تھا، یہ مبارک[1] وہی شخص ہے جس نے اورگنج کی فصیل پر چڑھتے وقت شیخ علی بہادر کا پاؤں پکڑ کر نیچے گھسیٹ لیا تھا، ان سرداروں کیساتھ ایلچی بہادر کا فرزند بھی تھا، ان تینوں سرداروں میں پرانی رقابت چلی آتی تھی طبل و دہل کے شور میں تاتاری بکثرت قلعے کی دیواروں کے نیچے جمع ہوگئے، ان میں کچھ لوگوں نے خندق کے گرد گشت لگایا، ایک جگہ پر تلاش سے یا از خود قلعہ میں نہر کے جانے کا رستہ نظر آیا، یہ دیکھتے ہی تاتاری نہر میں کود پڑے اور پانی میں چھپکے مارتے، چھینٹے اڑاتے، تلواریں علم کیئے قلعہ میں داخل ہوئے، اب فوشنج میں خونریزی کا بازار گرم ہوا، ملک غیاث الدین کی کل فوج جو قلعہ میں پہلے سے مقیم تھی قتل کر دی گئی، شہر کے رہنے والے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے[2]۔

فوشنج کی شکست سے اہل ہرات پر غم کا بادل چھا گیا، تیموری لشکر نے جب ملک ہرات کی سپاہ کو جو مقابلہ پر آئی تھی مار کر پیچھے ہٹا دیا تو قسمت سے ناچار ہو کر غیاث الدین نے تیمور سے امان چاہی، خود ہی تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا، تیمور اس کے ساتھ عزت سے پیش آیا مگر اسے سمرقند روانہ کر دیا، نئی شہر پناہ جو غیاث الدین نے شہر ہرات کے گرد بنوائی تھی اسے گروا دیا اور رقم سربہا وصول کر کے اہل شہر کو آزاد کیا، شہر کے دروازے میں جو لوہے کے کواڑ لگے تھے اور شاہانِ ہرات کا کل خزانہ سونا چاندی یاقوت و جواہر، جلوس شاہی کا سامان، زرنگار تخت وغیرہ وغیرہ ہرات سے اُٹھا کر شہر سبز پہنچا دیئے گئے۔

ہرات پر قبضہ ہو جانے سے تیمور کی روز افزوں سلطنت میں بڑا اضافہ ہوا، ہرات

---

[1] ظفر نامہ میں اس کا نام مبشر بیان ہوا ہے، دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۳۷۔۲۳۸۔

[2] فوشنج کی فتح ظفر نامہ جلد اول کے صفحات ۳۱۳، ۳۱۵ میں اور قلعہ ہرات کی فتح کے حالات صفحات ۳۱۵، ۳۲۳ میں بیان ہوئے ہیں۔

بہت بڑا شہر تھا، اس کا دور نو ہزار قدم کا تھا، آبادی ڈھائی لاکھ تھی، فاتحوں کی یادداشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شہر میں کئی سو مدرسے تھے، تین ہزار حمام اور تقریباً دس ہزار دکانیں تھیں، (اس زمانہ میں لندن اور پیرس میں ساٹھ ساٹھ ہزار سے زیادہ باشندے نہ تھے، پیرس میں مدرسے تھے لیکن حماموں کا ذکر تاریخ میں کہیں نہیں پڑھا)۔

ہرات میں جس چیز کو دیکھ کر تاتاریوں کو سب سے زیادہ حیرت ہوئی وہ چکیاں تھیں جو بجائے پانی کے ہوا سے چلتی تھیں۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ اس فتح کے بعد تیمور کی سلطنت اس قدر مضبوط و مستحکم ہوگئی کہ بجز عیش وعشرت کے کوئی دوسرا اس کا دشمن نہ ہوسکتا تھا، تیمور کی یہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں مثلاً مغول جتہ کو بار بار مار کر پیچھے ہٹانا یا یوسف صوفی والی خوارزم یا بادشاہِ ہرات ملک غیاث الدین کو ہزیمت دینی گھر کی لڑائیاں تھیں جن میں شجاعت اور سیاسی فراست کے جوہر دکھائے گئے تھے لیکن مکائد جنگ میں ان کمالات کا اظہار جو فوجوں کو نقل وحرکت دینے میں ہوا کرتا ہے مطلق نہیں ہوا تھا، ان معرکوں میں تیمور نے صرف اتنا ثابت کر دیا تھا کہ وہ قوم تاتار کا ایک غیر معمولی رہبر اور سردار ہے اور قرب وجوار کی ریاستوں کو جو کسی وقت میں اس کے حق میں خطرے کا باعث ہو جاتیں جلد تسخیر کر کے اپنے قبضے میں لے آیا ہے، اگر یہ واقعہ ہے کہ امیر حسین سے بھاگ کر وہ کسی زمانہ میں بجائے قرشی جانے کے بادشاہِ ہرات کی پناہ ڈھونڈنی چاہتا تھا تو سمجھنا چاہیے کہ ابتدا میں تیمور قوت کے اعتبار سے ملک ہرات سے کم تھا۔

لیکن تیمور ایک ایسا سردار اور پیشوا پیدا ہوا تھا جس میں ایک فاتح کی عقل تھی اور جو اس وقت اپنی پوری قوت کیساتھ دنیا میں ظاہر ہوا تھا، جس وقت ۱۳۶۶ء بمطابق ۷۶۸ ہجری میں وہ بلخ میں تخت نشین ہوا ہے تو اس کی عمر ۳۴ برس کی تھی اور اس کی قلمرو سے باہر ہر طرف جنگ و پیکار کے شعلے بھڑک رہے تھے، چودہویں صدی عیسوی (آٹھویں صدی ہجری) کی ابتدا میں طاعون کی وبا ایشیا سے یورپ میں پہنچ چکی تھی، ہر طرف بدامنی پھیلی تھی، اور شاہی خاندان سلطنتوں سے معزول اور برطرف ہو رہے تھے، تجارت کے کارواں قدیم رستے چھوڑ کر نئے رستوں پر چلنے لگے تھے، اور رعایا کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے اپنے شہر چھوڑ کر مسلح لشکر گاہوں میں آباد ہوتی جاتی تھی، کھیتیاں برباد پڑی تھیں، سپاہی گھوڑوں پر سوار

ہرے بھرے کھیتوں میں پھرا کرتے تھے، اور چاروں طرف کی ظلمت میں تباہی کے شعلے اونچے اٹھتے نظر آ رہے تھے۔

جن وسیع ملکوں میں یہ حالات درپیش تھے وہاں تیمور کا پہنچنا یقینی تھا۔

باب ۱۴

سمرقند

اب تیمور کو سمرقند جانا ضروری ہوا، شہر سبز گو ماوراء النہر میں سب سے زیادہ خوشنما مقام تھا لیکن جس وقت سے تیمور ایک وسیع سلطنت کا مالک ہوا سمرقند جسے اقطاعِ شمال کا دروازہ سمجھا جاتا تھا دارالسلطنت قرار پایا، اور یہ سلطنت سمرقند کے اطراف میں کم وبیش پانچ سو میل تک پھیلی ہوئی تھی۔

سمرقند میں دربار منتقل کرنے سے پہلے امیر تیمور نے اپنے وطن یعنی شہر سبز کو عمدہ عمدہ عمارات سے مزین کیا، اپنے باپ امیر طراغائی کی قبر پر ایک چھوٹا سا مقبرہ بنوایا، باپ دادا کے وقت کے کچی اینٹوں کے پرانے محل کو جس میں الجائی خاتون آغا کا حسن تیمور کی زندگی کی حلاوت رہ چکا تھا گرادیا اور اس کی جگہ ایک عالیشان قصر بنوایا جس میں متعدد صحن تے اور دروازہ بہت رفیع الشان تھا، اس قصر کی تعمیر سفید رنگ کی اینٹوں سے کی گئی تھی اور اس رنگ کے باعث تاتاریوں میں وہ آق سرائے (سفید محل) مشہور ہوا[1]، جب کبھی کشور کشائی کی غرض سے لشکر ساتھ لئے دنیا میں گشت لگانے سے مہلت ملتی تو زمستان کا زمانہ اسی آق سرائے میں بسر کرتا، شہر سبز کے دھوپ کھلے میدانوں اور تخت سلیمان کی چوٹی کو دیکھ کر جس کی برف کہر کے غبار میں چمکا کرتی تھی تیمور کی بصارت کو ہمیشہ ایک قسم کی راحت محسوس ہوا کرتی تھی۔

سمرقند کی گذشتہ روایات نے تیمور کا دل اپنی طرف کھینچ رکھا تھا، بخارا کو دارالسلطنت بنانا پسند نہ کیا، سمرقند سے یہ شہر چھوٹا تھا مگر مدرسے، خانقاہیں، کتب خانے اس

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۳۰۰۔

میں بکثرت تھے، بخارا وہی مقام تھا جہاں صدہا برس پہلے سکندر مقدونی نے مغلوب الغضب ہو کر اپنے وفادار و جان نثار خادم کلائیتوس کو قتل کر دیا تھا، اور یہی وہ شہر تھا جہاں ڈیڑھ سو برس پہلے چنگیز خان نے اپنی فوجیں مقیم کی تھیں۔

ابن بطوطہ جس نے یورپ کے مشہور سیاح مارکو پولو سے بھی زیادہ دنیا کی سیر وسفر میں عمر بسر کی تھی سمرقند کی نسبت لکھتا ہے کہ

> ''وہ دنیا کے بزرگ اور بارونق شہروں میں ایک شہر ہے اور ایک دریا کے کنارے واقع ہے جسے نہر القصارین (دھوبیوں کا دریا) کہتے ہیں[1] اس کے کنارے پن چکیاں بکثرت ہیں، دریا سے بہت سی نہریں نکالی ہیں جو باغوں کو شاداب کرتی ہیں، نماز عصر کے بعد دریا کے کنارے لوگ سیر وتفریح کے لئے جمع ہوتے تھے، یہاں بالا خانوں اور مکانوں میں مہتابیاں ایسی بنی تھیں جہاں بیٹھ کر لوگ چاروں طرف کی سیر کرتے تھے میوہ فروشوں کی دکانیں بھی بکثرت تھیں، اس شہر میں بڑے بڑے محل اور یادگار عمارتیں اہل سمرقند کی ہمت اور حمیت کی دلیل اب تک موجود ہیں، لیکن ان کا بڑا حصہ شکستہ ہے اور شہر کا ایک حصہ بالکل منہدم ہو چکا ہے، شہر پناہ شہر کے دروازے اور شہر کے باہر کے باغات بھی نہیں ہیں''۔

تیمور نے سمرقند کو تقریباً اسی تباہ حال میں پایا، اس کے گرد باغ اور شہتوت کے درخت موجود تھے، پہاڑوں کی بود وباش میں آفتاب سے گرم رہ کر اور صحت آور باد شمال

[1] سمرقند دریائے صغد کے جنوبی کنارے سے قریب واقع تھا، مگر اس کے مضافات بالکل ہی دریا کے کنارے تھے، اس دریا سے کئی نہریں نکلی تھیں جن سے شہر کے باغات سیراب کئے جاتے تھے انہی نہروں میں سے ایک کا نام نہر القصارین تھا، ابن بطوطہ نے اسی نہر کو سمرقند کا دریا سمجھ لیا، مگر فی الواقع سمرقند دریائے صغد پر واقع تھا، ۶۱۶ھ ۱۲۱۹ء میں چنگیز خان کے مغلوں نے اس شہر کو تقریباً منہدم کر دیا تھا، ابن بطوطہ نے اسے آٹھویں صدی ہجری میں دیکھا، اس وقت شہر کھنڈر پڑا تھا نام باقی تھا، تیمور کے زمانہ میں یہ شہر پھر آباد اور پُر رونق ہو گیا دیکھو لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی، انگریزی صفحہ ۴۶۵۔ (مترجم)

سے تازگی حاصل کر کے سمرقند کے لوگ خوش اور تندرست رہتے تھے، یہاں کی زرخیز زمین میں چار فصلیں پیدا ہوا کرتی تھیں، نہروں میں پاک صاف پانی بہتا تھا، دریا کا بند باندھ کر ایک جھیل سطحِ زمین سے اونچی بنائی تھی، یہاں سے سیسے کے نلوں کے ذریعہ ہر گھر میں پانی پہنچتا تھا، زیادہ محنت و مشقت کی اہل سمرقند کو ضرورت نہ تھی، قرمزی کپڑا جسے ہم کرموازی کہتے ہیں اور جس نے سرخ رنگ اور ایک کپڑے کے لئے ہماری زبان میں ایک لفظ پیدا کر دیا ہے، یہاں خوب بُنا جاتا تھا، کارگاہوں کی کھٹ کھٹ اور پانی کے گھنٹوں سے جو اہلِ سمرقند کی صنعت کا نمونہ تھے پانی کے قطروں کے گرنے کی آواز ہر وقت سنائی دیتی تھی، کاغذ جو تمام دنیا میں بہترین سمجھا جاتا تھا وہ بھی یہیں کی ساخت ہوتا تھا، مشرق اور مغرب کی تجارت کا مال اسی شہر کے دروازوں سے گزرتا تھا، شہر میں کسی محراب کے سایہ میں نجومی بھی بیٹھا ہوتا جس کی باتیں اور خبریں خالی از لطف نہ ہوتیں، کہیں سدھے ہوئے بکرے کا ناچ دیکھنے میں بھی کچھ کم لطف نہ آتا، شہر کے کھنڈر تو پھر کھنڈر ہی تھے، مگر لوگ کہتے تھے کہ ''خدا نے جو کچھ کیا اچھا کیا''۔

اہل شہر امیر تیمور گورگان کی خدمت میں حاضر ہو جانے کو اپنے حق میں بہتری سمجھ کر حاضر ہو گئے، اور امیر کو ''شیر نیستان'' ''کشور کشا'' اور ''گورگان'' (قسمت کا یاور) کہنے لگے، اس کی شان و شوکت کو دیکھ کر اُن کی ہمتیں بڑھیں لباس اور پوشاک کے وہ بڑے مبصر تھے، اور انہیں یاد تھا کہ دس برس ہوئے یہی شخص ان میں اس طرح سے گزرا تھا جیسے روشنی میں سے پرچھائیں گزر جاتی ہو، اہل سمرقند کو یہ بھی یاد تھا کہ انہوں نے سرحد کے مغلوں کو جب انہوں نے یورش کی تو کس طرح پسپا کیا تھا، گو یہ سچ ہے کہ ان کی کمک پر ایک وبا بھی تھی جو دشمن میں پھیل گئی تھی، حریر پہننے والے امراء اور سردار، زین ساز، کوزہ گر، گھوڑوں کے سوداگر اور بردہ فروش سب خوش تھے کہ تیمور نے ان پر سے محصول معاف کر دیئے، لیکن اس کے ساتھ تیمور نے ان لوگوں سے پوری مشقت بھی لی۔

شہر پناہ جہاں جہاں سے ٹوٹ گئی تھی تیمور نے اپنے سامنے اُن کی مرمت کرائی، چوڑی چوڑی سڑکیں شہر کے دروازوں سے لے کر وسط شہر کے بازار (راس الطاق) تک تیار کرائیں، سڑکوں کا فرش پتھر کی سلیں لگا کر سنگین کرا دیا، شہر کے جنوب میں ایک پہاڑی تھی جس

پرانی قسم کے مکانات بنے ہوئے تھے، امیر کے حکم سے جس پر عمل کرنا ناگزیر تھا یہ مکانات توڑ دیئے گئے اور پہاڑی بالکل صاف کر دی گئی، اس صاف جگہ پر ایک قلعہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

شہر سے دریا تک جہاں تیمور کا لشکر ٹھہرا کرتا تھا سڑکیں بنوا دیں اور باغوں کے گرد دیواریں تعمیر کرائیں، جا بجا پانی کے پختہ تالاب تیار کرائے، دور کے نیلگوں پہاڑوں سے سنگ خارا کاٹ کر بیلوں کے ٹھیلوں پر لادے گئے، اور پھر ان ٹھیلوں کو سمرقند پہنچایا گیا، ہرات اور گنج کے کاریگر فوجی رسالوں کی حراست میں دارالسلطنت میں لا کر آباد کئے گئے، غیر ملکوں کے سفیروں کی سواریاں سڑکوں پر جن کے دو طرفہ سرو درختیاں تھیں نکلتی نظر آیا کرتیں اور شہر کی سرائیں مسافروں سے بھری رہتیں۔

شہر کا رنگ بھی بدل گیا، تاتاری فیروزی رنگ کو جو آسمان کے گنبد، گہرے پانی اور بلند سے بلند پہاڑی سلسلوں کا ہوتا ہے، بہت پسند کرتے تھے، تیمور نے ہرات میں نیلے رنگ کا روغنی کام عمارتوں پر دیکھا تھا، اور اب سمرقند میں بجائے خاکی رنگ کے عمارتوں کے در و دیوار برج و گنبد سب فیروزی رنگ میں جھمکنے لگے، اس لاجوردی زمین پر سفید و سنہری تحریریں اور نقش و نگار عجیب بہار دیتے تھے۔

اسی لاجوردی و نیلے رنگ کی وجہ سے سمرقند کو گوک کند یعنی نیلا شہر کہنے لگے!

سمرقند کے لوگ خیال کیا کرتے تھے کہ امیر تیمور اور امیروں کی طرح نہیں ہے، ''پنجۂ تیمور'' ضرب المثل ہو گیا، جس سے مراد پنجۂ فولاد تھا، جس وقت تیمور اپنے مرکب خنگ اوغلن پر جو بڑے چوڑے چکلے ہاڑ اور چمکتے رنگ کا جانور تھا سوار ہوتا تو لوگ اسے دیکھتے ہی رستہ چھوڑ دیتے، امیر کے جلو میں وزرائے روشن ضمیر اور امرائے باوقار ہوتے جن کو مختلف ولایات کی حکومت سپرد تھی، اور گرد راہ میں قرمزی اور روپہلی رنگ چمکتے نظر آنے لگتے، تیمور جس وقت مسجد کے دروازے سے برآمد ہو کر محراب میں قیام کرتا اور مُلّا اور مشائخ لمبے لمبے جبے پہنے ہوئے اس کی تعریف کرتے اور فقیر اُسے اَن داتا کہہ کر صدا لگاتے تو بہت کم لوگوں کو اس کے سامنے آنے کی جرأت ہوتی، کیونکہ یہ دراز قامت فرمانروا انہی لوگوں کی فریاد سنتا تھا جنہوں نے لڑائیوں میں اس کی خدمت کی تھی، اگر شہر کے دو آدمی ایک دوسرے کو کسی جرم سے متہم کرتے تو تیمور بہت جلد قول فیصل سنا دیتا، اور دونوں میں سے

ایک کا سر جلاد اشارہ پاتے ہی اُڑا دیتا۔

شہزادی خانزادہ کا اورگنج سے سمرقند آنا شہر کے لوگوں کو مدتوں یاد رہا، اس دن شاہراہ کی منزلوں میں قالینوں کا فرش تھا، بیت

بہر منزلے مجلسے ساختند
بہشتے نو آئین بہ پرداختند

تیمور کے لشکر گاہ کی زمین پر زربفت بچھا تھا، ع

ہمہ پشتِ زمین شد روئے دیبا

شہزادی خانزادہ اُشتر سفید پر شغدف میں بیٹھی چہرہ پر نقاب ڈالے نظر آئی سواری کے گرد شہ سواروں کے دستے تھے، جلو میں گھوڑوں اور اونٹوں کی قطاریں تھیں، جن پر دلہن کا جہیز رکھا تھا، تیمور کے امرائے عظام اور تواچیان جو عروس کے استقبال کے لئے پہلے ہی روانہ ہوئے تھے اس وقت اپنے پھریرے اور پرچم اڑاتے ہوئے سواری کے ساتھ تھے۔

اور اب غروب آفتاب کے بعد جبکہ خشک ہوا کے جھونکے خیمہ وخرگاہ کو ہلا ڈالتے تھے، اکاکیا کے درختوں میں جن میں گلِ ابریشم کھلے ہوئے تھے، زرد قندیلیں روشن کی گئیں، صندل اور عود کا دھواں پردے کی اونچی چوبوں کے گرد بل کھا کر اٹھنے لگا، تیمور مہمانوں میں آیا غلاموں نے اہل دستار پر زرد گوہر نثار کئے۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ ہر جگہ شادی وفرح غالب تھا، رنج کا کہیں گزر نہ تھا، ''نام و نشاں غم چناں گم شد کہ بادۂ غم گسار بیکار ماند۔'' سراپردۂ شاہی کی چھت گہری آسمانی رنگ کی تھی اور اس میں جواہرات کے ستارے ٹکے تھے، عروس کی خلوت گاہ پر زربفت کا پردہ پڑا تھا اور دلہن کی سیج کوہ قاف کی ملکہ کی سیج سے بھی زیادہ حسن وجمال رکھتی تھی۔

شہزادی خانزداہ جس قدر جہیز[1] لے کر نوشہ جہانگیر کے گھر آئی تھی وہ مہمانوں کو

---

[1] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۴۷۔

چہ از تاجِ پر مایہ و تخت زر — چہ از یارہ و طوق و زرّیں کمر
بسے زیور از گوہر شاہوار — بسے خاتم و یارہ و گوشوار
بسے درج و صندوق باقفل زر — پر از لعل و یاقوت و درّ و گہر
ز پوشیدنی و زگستردنی — زہر چیز کان بود آوردنی
کت و خیمہ و خرگہ و کندلان — زہر گو نہ چندان کہ صدکاروان

دکھایا گیا، تیمور نے ایک دوسرے شامیانے کو ان تحائف سے بھر دیا جو اپنے فرزند کی طرف سے عروس کو دیئے تھے ان میں کمر بند طلائی، سیم وزر، یاقوت والماس، مشک وعنبر، خز وحریر، دیبا وزربفت تھا اور ولایت خطا کے بنے ہوئے ریشمی لباس تھے جن پر زری کا کام تھا، اور ان چیزوں کے ساتھ عمدہ گھوڑے اور حسین باندیاں بھی تھیں[1]، مؤرخ ان چیزوں کے بیان اور تعریف میں کچھ دیر تک مصروف رہا ہے، اور لکھتا ہے کہ شادی کے دنوں میں ہر روز ایسی ہی بیش بہا چیزوں کا ایک پورا خزانہ خالی کر دیا جاتا تھا بیت۔

بدین گونہ چندے بہ بزم شہی
ہمی کرد ہر روز گنجے تہی

کیا عجب ہے کہ جس وقت تیمور نے اپنے لختِ جگر جہانگیر کو نوشہ اور شہزادی خوارزم کو عروس بنے دیکھا ہوگا تو اس کو اپنی وہ رات یاد آئی ہوگی جب کہ الجائی خاتون لشکر گاہ میں دلہن بن کر آئی تھی اور اس کے آتے ہی نقارے اور شادیانے بجنے لگے تھے اور جس وقت الجائی ریگستان میں پیادہ پا تیمور کے ساتھ چل رہی تھی تو ہنس ہنس کر کہتی تھی کہ ''اب اس سے زیادہ اور کیا لکھا پورا ہوگا کہ پیدل چلنا پڑ رہا ہے''۔

مگر خانزادہ کی تقدیر کچھ اور ہی تھی، وہ ایک فاتح کے فرزندِ اکبر کی پہلی بیوی تھی، جہانگیر اپنا دربار خیل وحشم علیحدہ رکھتا تھا، خانزادہ کے حسن وجمال پر اُسے ناز تھا، یہی باتیں تھیں کہ ایک مرتبہ شہزادی خانزدہ نے امیر تیمور کو کسی قدر برہم کر دیا۔

لیکن خانزادہ نے فوراً عرض کیا، ''اے امیر! فاتح وہ ہے جو بادشاہ اور فقیر دونوں کا قصور معاف کر دے، اگر کسی سے خطا ہو تو عفو تقصیر کرے کیونکہ جب دشمن خواستگارِ معافی ہو تو پھر اس کو دشمن نہیں تصور کرنا چاہیے، ایک فاتح جب کوئی چیز کسی کو بخشتا ہے تو اس کے معاوضے کا وہ متوقع نہیں ہوتا، وہ کسی ایک شخص کی دوستی پر حصر نہیں کرتا، اور نہ اس کا غضب

---

[1] ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۲۴۶۔

ز دینار و یاقوت و مشک وعنبر — ز دیبائے زربفت و خز و حریر
ز چینی نسیج و خطائی پرند — گذشتہ ز اندازۂ چون و چند
ز رو زیور و گوہر شاہوار — وزان گو نہ چیزے کہ آید بکار
بے جامہائے گرانما یہ نیز — پرستندۂ و اسپ و ہر گو نہ چیز

صرف ایک ہی دشمن پر نازل ہوتا ہے کیونکہ سب اس سے ادنیٰ ہوتے ہیں اور اس کو سب پر قدرت حاصل ہوتی ہے‘‘۔

تیمور نے کہا!

’’ہاں میری خدمت میں بڑے بڑے عظیم الاقتدار امراء اہل والوس حاضر رہتے ہیں، لیکن ایک گدائے بے نوا کے الفاظ نے مجھے اس وقت متردد کر دیا ہے‘‘۔

خانزادہ کی ذہانت وفراست سے تیمور خوش ہوتا تھا، گو وہ یہ جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کہتی ہے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی سفارش میں کہتی ہے، جب جہانگیر کے گھر میں خانزادہ کے بطن سے پہلا بیٹا پیدا ہوا تو تیمور کو اس خبر سے بے انتہا مسرت ہوئی۔

تیمور نے خود اپنی پہلی بیوی کے مرنے کے بعد سرائے ملک خانم (دلشاد آغا) سے نکاح کیا تھا، سرائے ملک خانم کا پہلا شوہر امیر حسین پسر قزغن تھا، پرانے مغلوں میں یہ دستور تھا، کہ خاندانِ شاہی کی مستورات اگر ان کے شوہر لڑائی میں مارے جاتے تھے تو وہ نئے بادشاہ کے محل میں داخل کر لیجاتی تھیں، دلشاد آغا نسل چنگیز خان سے تھی۔

سرائے خانم (دلشاد آغا) تیمور کی بیوی اور ملکہ تھی، خیمہ وخرگاہ میں گھر کی مالک وہی تھی، جس وقت تیمور لڑائی کے میدان میں ہوتا اور سرائے خانم ساتھ ہوتی تو سردارانِ جنگ اس کی تعظیم وتکریم کا فرض ادا کرتے رہتے، شرفائے تاتار کی اور عورتوں کی طرح ملکہ سرائے خانم بھی کثیر الاولاد ثابت ہوئی، اکثر شکار میں تیمور کے ساتھ رہتی تھی، شوہر کی بڑی وفادار تھی، پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں سب اس عفیفہ کے گرد جمع ہو کر دولتِ گورگانی کا دم بھرتے تھے۔

تیمور سمرقند میں بہت کم نظر آتا تھا، سرحدوں سے قاصد یا شتر سوار اس کی خبریں لایا کرتے یا کسی شہر کی فتح کے بعد وہاں کا مال غنیمت جب گاڑیوں میں بھرا ہوا شہر میں آتا تو لوگوں کو معلوم ہوتا کہ امیر کہاں اور کس حال میں ہے، ماوراء النہر میں اب بالکل امن ہو گیا تھا، تیمور ہر سال سمرقند سے مغرب کی سمت میں خراسان کی سڑک سے نیشاپور اور مشہد کی زیارت گاہوں سے ہوتا ہوا بحر خزر کو جایا کرتا تھا، اہل سمرقند نے سنا کہ قوم سربداری کو جس

نے مدت سے تاخت وتاراج کو اپنا شیوہ بنا رکھا تھا تیمور نے نیست ونابود کر دیا۔

بلادِ شمال کی طرف مراجعت کرنے کے حالات لوگوں کو بہت کم دریافت ہوتے تھے لیکن ایک مرتبہ وہ جتہ مغلوں کے دار الریاست تک بلکہ اس سے بھی آگے پہنچ گیا تھا، سمرقند کی کارواں سراؤں میں قصے بیان ہوا کرتے تھے کہ دشت گوبی کی ریگ روان میں تیمور گورگان کا کس طرح گزر ہوا، قمر الدین نے جو جتہ کا آخری خان تھا تیمور سے لڑنے کی جرأت کی، مگر شکست کھائی، اس کا گھوڑا پکڑ لیا گیا، اور وہ خود میدان سے تنِ تنہا فرار ہوا۔ [۱]

تیمور نے اپنے فرزند جہانگیر کو لکھا کہ ’’پہلے تو ہم نے آگ کے شراروں کو بجھایا تھا، مگر اب آگ ہی کو بالکل سرد کر دیا‘‘۔

جس وقت تیمور ولایتِ خطا والی سڑک سے جو طول میں ایک ہزار میل تھی سمرقند پہنچا ہے، تو شہر کے لوگ شہر کے باہر والے باغوں سے بھی آگے بڑھ کر استقبال کو حاضر ہوئے، مگر یہ سب لوگ سیاہ پوش اور بالکل خاموش تھے۔

امیر سیف الدّین جو امراء میں سب سے زیادہ عزت رکھتے تھے چند افسروں کے ساتھ تیمور کی طرف بڑھے، ان سبھوں نے سروں پر خاک ڈال رکھی تھی، تیمور نے جب ان کو آتے دیکھا تو گھوڑے کی راسیں کھینچیں، امیر سیف الدین گھوڑے سے اُترے، کچھ دور پیدل چلے اور قریب آ کر امیر تیمور کی رکاب پکڑ لی، اوپر نہ دیکھا۔

تیمور نے کہا:

’’کہتے کیوں نہیں، ڈرتے کیوں ہو‘‘۔

امیر سیف الدّین نے عرض کیا:

’’ڈرتا نہیں مگر ہیہات، عالم جوانی میں کہ ابھی قویٰ پوری توانائی کو نہ پہنچے تھے حضور کے لختِ جگر نے سفر آخرت اختیار کیا‘‘۔

شہزادہ جہانگیر کی بیماری کا حال امیر تیمور کو کسی نے نہیں لکھا تھا، تیمور کی واپسی سے کچھ دن پہلے یہ واقعہ پیش آیا تھا، سیف الدین نے جو شہزادہ کے اتالیق تھے اتنی ہمت کی کہ

---

[۱] اس واقعہ کے حالات کے لئے دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۲۶۸۔

باپ کو بیٹے کے مرنے کی خبر دی۔

تیمور نے سیف الدین سے کہا:

''جاؤ اپنے مرکب پر سوار ہو''

جب بوڑھے سیف الدین گھوڑے پر سوار ہو لئے تو تیمور نے جلو کے سواروں کو آہستہ قدم چلنے کا حکم دیا، اب تمام فوج کو جو تیمور کے ساتھ تھی جہانگیر کی موت کا حال معلوم ہو گیا، فوج آخر کار سمرقند میں داخل ہوئی۔

اسی شب کو جہانگیر کے قرنا اور نقارے جو زندگی میں اس کی آمد کی خبر دیا کرتے تھے تیمور کے سامنے لا کر توڑ دیئے گئے تاکہ پھر کوئی ان کو نہ بجا سکے، تھوڑی دیر تک تیمور نے لب بند کر کے اس تکلیف کو ضبط کیا، اپنی چیزوں میں جہانگیر سے زیادہ کسی سے اس کو الفت نہ تھی۔

باب ۱۵

سیر اوردہ

اب جو کچھ گزرا اس کے سمجھنے کے لئے سو برس پہلے کے واقعات اور قوبلائی پسر تولی پسر چنگیز خان کی طرف یا یہ سمجھئے کہ قوبلائی خان کے زمانے میں جو سلطنتیں مغلوں کی تھیں ان کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔

چنگیز خان کی فتوحات اس قدر جلد اور وسیع پیمانہ پر ہوئی تھیں کہ کل بلاد و امصار مفتوحہ پر کسی شخص واحد کا بڑی مدت تک حکمران رہنا نہایت مشکل تھا، چنگیز خان کا پوتا قوبلائی خان گو اب تک خاقان کا درجہ رکھتا تھا اور چنگیز خان کی جس قدر اولاد اس وقت فرمانروائی کر رہی تھی ان کا سر خاندان اور افسر بالا تھا لیکن اپنی ذات سے وہ صرف ولایت خطا[1] کا فرمانروا تھا یعنی اپنے پایۂ تخت خان بالغ (پیکنگ) میں بیٹھ کر دشت گوبی کے بلاد اور کوریا کے ملک اور چین خاص پر حکمرانی کرتا تھا، باقی تمام مغلی ممالک میں چنگیز خان کے اور پوتے صاحب حکومت تھے مگر ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔

ان کی لڑائیاں گھر کی لڑائیاں تھیں، مگر بڑی وحشت ناک اور نا مختتم جن کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا تھا، باوجود اس کے مغلوں کی سلطنتیں ابھی تک صحیح وسلامت تھیں، سفیروں کی آمد و رفت کاروانوں کے راستوں سے مال تجارت کا گزرنا بدستور جاری تھا، شمالی سڑک جو یورپ میں روما سے ماسکو (مسکو) اور ماسکو سے وسیع میدانوں میں گزرتی ہوئی المالغ[2] اور

---

[1] ولایت خطا سے مراد ملک چین کا معتدبہ شمالی اور وسطی حصہ ہے۔ (مترجم)

[2] المالغ یا المالیغ یا المالیق سلطنت چین میں مغولستان کی شمال مغربی سرحد کے قریب ایک بڑا شہر مغلوں کا بسایا ہوا تھا، اس کے کھنڈر شہر کلجہ کے قریب جو اس سرحد سے نزدیک دریائے ایلہ پر واقع ہے دریافت ہوئے ہیں، دیکھو لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی صفحہ ۴۸۷۔

المالغ سے دشت گوبی کو طے کرتی ہوئی خان بالغ (پیکنگ چین) تک آئی تھی مسافروں اور قافلوں کے لئے کھلی ہوئی تھی، اسی طرح دار الخلافت بغداد سے خان بالغ (پیکنگ) تک سڑک جاری تھی، چنانچہ قوبلائی خان کی وفات کے ایک پشت بعد ایک اولوالعزم عرب (افریقہ کے گوشہ شمال مغرب کے شہر طنجہ کا رہنے والا) ابن بطوطہ نامی سیر وسفر کو اٹھا اور اس نے یورپ کے مشہور سیاح مارکو پولو سے بھی زیادہ دنیا کی سیاحت کی، ۷۴۱ھ ۱۳۴۰ء میں انہی سڑکوں سے راستہ طے کرتے ہوئے پاپائے رومہ بنی دکت دواز دہم کے ایلچی ولایت خطا پہنچ کر خاقان کے دربار میں حاضر ہوئے تھے، المالغ خاقانِ جتہ (یعنی اولاد چغتائی پسر چنگیز) کا پایہ تخت تھا، یہاں عیسائی مذہب کی تبلیغ کے لئے ایک پرانا مشن مدت سے موجود تھا، جو یورپ کے ذہن سے تقریباً محو ہو چکا تھا۔

لیکن اب مغلی سلطنتوں کے سلسلہ کی ایک کڑی (باشندگان خطا کی سخاوت کی وجہ سے) غائب ہو چکی تھی، جنوب مغرب میں ایک عرصہ سے ایل خانیوں کی سلطنت ایروشلم سے ہندوستان تک قائم چلی آتی تھی، ۷۰۵ھ ۱۳۰۵ء تک ان ایلخانی باشاہوں کے دربار میں ایڈورڈ اول بادشاہ انگلستان اور جیمس ثانی بادشاہ ارغون (اسپین) اور قسطنطنیہ کے یونانی قیصر اور بادشاہ آرمینیہ کے ایلچی سفر کی صعوبتیں اٹھا کر حاضر ہوتے رہے تاکہ مغلوں کے بادشاہ خانِ اعظم کی خوشنودی کو اپنے حق میں برقرار رکھیں۔

یہی زمانہ تھا کہ عیش وعشرت کی بلائے بد اور ایرانی ریاستوں کے حاکموں کی سازشوں، عرب اور ملوک مصر اور اہل فارس کے حملوں اور یورشوں نے دولت ایل خانی کو معرض زوال میں ڈالا اور بدعملی پھیل گئی، اسی زمانہ میں خطا کے مغل خاقان سے باشندگان چین نے سرکشی کی اور خاقان نے اپنے مغل قبیلوں کو چین سے نکال کر دشت گوبی کی طرف جو ان کا اصلی وطن تھا ہٹا دیا، ان مغل خاقانوں کو جو چین پر ملک رانی کرتے تھے چین کے تمدن نے ناکارہ کر دیا تھا، فتح وظفر کا راز جس سے وہ پہلے خوب آگاہ تھے اب انہیں یاد نہ رہا تھا، اپنے حال پر انہیں حیرت بھی ہوتی تھی، اور غصہ بھی آتا تھا، بہرکیف چینیوں نے انہیں ہٹاتے ہٹاتے دیوارِ چین کی پشت تک پہنچا دیا، پھر بھی قبائل مغل گاہے گاہے چین پر یورشیں کرتے رہے، مگر فاتح کی حیثیت سے بڑی شاہراہوں سے گزرتے ہوئے پھر وہ کبھی نظر نہ

آئے۔

مغلوں کی سلطنتوں میں سب سے چھوٹی سلطنت جتہ مغلوں کی تھی جتہ کے نام سے چغتائی پسر چنگیز خان کی اولاد پکاری جاتی تھی، امیر قزغن "شاہ ساز" نے جتہ سے ان کی سلطنت کا جنوبی حصہ چھین لیا تھا، ۱۳۷۵ء ۷۷۷ ہجری میں امیر تیمور نے ان کو ان پہاڑوں سے جو ان کے دار الحکومت المالیق کے گرد تھے اور جس پر ان کا قبضہ تھا نکال باہر کیا۔

تیمور جس وقت اقطاع شمال کی طرف بڑھا تو اس نے پہاڑی سلسلوں ہی کو جو سد راہ تھے عبور نہیں کیا بلکہ ان سرزمینوں پر بھی وہ ایک دیو مہیب کی طرح اس طرح پا کشادہ کھڑا ہو گیا کہ شمال کی شاہراہیں (جنہوں نے یورپ اور ایشیا کو طے کیا تھا) اس کے قدموں کے نیچے سے گزرتی نظر آنے لگیں اور بلاقصد وعلم ان وحشی قوموں کے گھر تک پہنچ گیا جو ارض جنوب میں تاخت وتاراج کے لئے یورشیں کیا کرتی تھیں، یہ قومیں سیتھیں، آلان، ہونی، ترک اور مغل تھیں جو ایشیا کے میدانوں اور صحراؤں میں آوارہ گرد رہتی تھیں، انہی قوموں سے تیمور کے آباؤ اجداد تھے اور انہی کی اولاد یعنی اپنے بھائی برادروں کو تیمور اپنے قابو میں لایا، یا یہ سمجھئے کہ ایک صاحب تمدّن نے ایسے عزیزوں کو جو تمدن نہ رکھتے تھے صحرا کی طرف بھگا دیا۔

۷۷۲ھ سے ۷۸۲ھ بمطابق ۱۳۷۰ تا ۱۳۸۰ء کے دس سالہ زمانہ میں قدیم (چنگیز خانی) سلطنت مغلیہ کا تین چوتھائی حصہ نقشے پر سے مٹ گیا، بڑی بڑی راہیں جن کا گزر ملکوں ملکوں میں سے ہوا تھا بند ہو گئیں، لیکن مغلوں کی سلطنت کا سب سے اہم اور مضبوط حصہ سلامت رہا، یہ حصہ تیموری قلمرو کے شمال اور مشرق میں تھا اور اس کا نام سلطنت "سیر اوردہ" تھا۔

سلطنت سیر اوردہ[1] کی ابتدا جوجی خان سے ہوئی جو چنگیز خان کا سب سے بڑا فرزند تھا، سیر اوردہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ باتو خان پسر جوجی خان کے سراپردہ کا گنبد زری کا

---

[1] سیر اوردہ میں ذیل کے قبیلے شامل تھے:

(۱) (ایشیا) قبائل جو دریائے سیحون (سیر دریا) کے شمال میں پرانی سلطنت قراختائی میں آباد تھے (یہ سلطنت چنگیز خان نے فتح کر کے اپنے سب سے بڑے فرزند جوجی کو تفویض کی تھی، جوجی کا انتقال باپ کی زندگی میں ہو گیا تو اس کا فرزند اوردہ خان ان قبیلوں کا خان ہوا) (حاشیہ کا بقیہ حصہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

سونے کو کہتے ہیں اور دہ یا اردو کے معنی خیمے یا سراپردے کے ہیں) سیر اوردہ کے قبیلے خوب تھا، (سیر تا تاری زبان میں پھولے پھلے کیونکہ مغربی ایشیا اور روس کے وسیع میدان خانہ بدوش قوموں کی ضرورتوں کے لئے بہت اچھے تھے قبائل سیر اوردہ کی نسل اور ان کے مواشی بڑھتے گئے اور ڈیڑھ سو برس تک انہوں نے یورپ کا ناطقہ بند رکھا۔

تیمور کی ولادت کے وقت سلطنتِ سیر اوردہ کی قوت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، کھلے میدانوں میں زندگی بسر کرنے کی عادت اور قتل و غارت کا مزہ پڑا ہوا تھا، ان چیزوں نے لڑائیوں کے لئے قبائل سیر اوردہ کو خوب مضبوط و مستعد بنائے رکھا بلکہ جارحانہ حیثیت سے بھی بڑھ کر جابر اور سفاک ثابت کر دیا۔

---

(۲) (یورپ) قبائل جن کو باتو پسر جوجی نے یورپ میں فوج کشی کر کے اپنی حدود سلطنت کو بڑھانے کے وقت اپنا تابع کیا، نیز وہ قبیلے جن کو تر کی خاناتِ قپچاق سے تعلق تھا۔

(۳) (یورپ) قبائل جو باتو پسر جوجی کی حدود حکومت سے بھی شمال میں آباد تھے یہی دریائے ولگہ (رود آتل) کے بالائی اقطاع یعنی بلغاریہ عظمیٰ کے قبیلے تھے اور ان کو تکہ تمور پسر جوجی نے اپنا مطیع بنایا تھا (ان اقطاع کا موقع یورپین روس کے مشرقی اور وسطی اضلاع تھے)۔

(۴) (یورپ ایشیا) قبائل جو اوردہ پسر جوجی کی حدود سلطنت سے شمال میں اس ملک میں بستے تھے جسے آج کل قرغیز قزاق کا ملک کہتے ہیں ان اقطاع میں شیبان پسر جوجی حکومت رکھتا تھا۔

(۵) (ایشیا) قبائل جو دریائے یورال (یایق یا جایک) اور دریائے یمبہ کی درمیانی زمینوں میں آباد تھے ان قبائل کا قدیم نام یجی نیک تھا جو بعد کو نوغائی ہو گیا، ان کا فرمانروا تیول پسر جوجی تھا۔

دوسرے الفاظ میں سیر اوردہ سے مراد قبائل قپچاق مغربی اور قبائل قپچاق مشرقی تھا، قپچاق کا مسکن وہ ملک تھے جو دریائے نیپر اور دریائے ولگہ (آتل) سے سیراب ہوتے ہیں، یہ ملک وسعت میں شرقاً غرباً دریائے یورال سے دریائے نیپر تک اور شمالاً جنوباً بحرِ اسود اور بحرِ خزر سے لے کر یو کک تک پھیلا تھا (ہوورتھ جلد۲۔۳۶۔۱۹۴) مشرقی قپچاق کا ملک دریائے سیحون کے زیریں حصوں سے لے کر کوہ کوچک تاغ تک تھا، اس قطعہ کے مغرب میں باتو خان کے قبائل کوک اوردہ، شمال میں شیبان کے قبائل اوزبک، مشرق میں خاناتِ چغتائیہ، جنوب میں دشت قزل قم اور سلسلۂ کوہ اسکندر تھا، (ہوورتھ جلد۲ صفحات ۲۱۶۔۳۶۲)۔

(اس کل نوٹ کیلئے ملاحظہ ہو لین پول کی کتاب اسلامی خاندانہائے شاہی صفحات ۲۲۲۔۲۳۱،

خاندانِ باتو کے تحت میں جس قدر قبائل تھے جن کا نام اوپر لیا گیا ان سب کے لئے ایک عام لفظ سیر اوردہ بنا لیا گیا تھا، باتو خان کا پایہ تخت سرائے کا شہر تھا، جو دریائے ولگہ (آتل) کے دہانے سے شمال میں تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر اسی دریا کی ایک شاخ کے کنارے جس کا نام بختبہ تھا واقع تھا۔ (مترجم)

یہ خانہ بدوش قومیں برف کے ملکوں میں آوارہ گرد رہتی تھیں، شمال کے میدانوں سے جہاں تیز و تند ہوائیں چلا کرتی تھیں ان کی عورتیں اور بچے بند گاڑیوں میں گزارا کرتے تھے، گاڑیوں میں بیل جتے ہوتے تھے اور یہ گاڑیاں ان کا گھر ہوتی تھیں اور انہی گاڑیوں کے شہر کے شہر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے، باورچی خانہ بھی گاڑی ہی پر ہوتا تھا، اور خاکی نمدے کی گنبد دار مسجدیں بھی گاڑیوں ہی پر رکھی ہوتی تھیں، کبھی کبھی یہ خانہ بدوش بالکل شمال میں جہاں صحرا کے نہایت سبز اونچے اونچے درختوں کی قطاریں گھاس اُگنے والی زمینوں کی حد قائم کرتے ہیں ایسے قلعوں میں پناہ لیتے تھے جن کے در و دیوار برج اور آثار سب لکڑیوں کے موٹے موٹے کُندوں کے ہوتے تھے۔

ان لوگوں میں بہت سے نیم بت پرست تھے، لمبے لمبے بالوں والے شاماں جن کی پیٹی میں چھوٹی چھوٹی لوہے کی مورتیاں آویزاں ہوتی تھیں، مسجد کے ملاؤں کے پاس جا بیٹھتے تھے کہیں مسجد والی گاڑیاں کھڑی ہوتیں اور ان کے سامنے پلے ہوئے ریچھ زمین پر پڑے سوتے ہوتے، گھوڑوں کے گلے چراگاہوں میں چھٹے چرا کرتے، مگر ان چراگاہوں کو بھی قرار نہ تھا کبھی وہ یہاں ہوتے کبھی وہاں، گھوڑوں کا شمار نہ تھا اور بھیڑوں کا تو کچھ کہنا نہیں، کتے جو بھیڑوں کی رکھوالی کرتے تھے وہی ان کی گنتی بھی کر سکتے ہوں گے۔

ان قبائل میں جو لوگ صاحبِ حکومت تھے وہ مغل تھے، باقی ان ہی زمینوں کے متوطن تھے جنہیں ہمارے بزرگ "سایے اور آسیب کا ملک" کہا کرتے تھے، ان کے نام بھی قطب شمالی کی قوموں کے ناموں کی مثل تھے، مثلاً قپچاق (صحرائی) کنکلی یا قنقلی (اونچی گاڑی) قزق قیرغیز، مردوا، بلغار، آلان وغیرہ وغیرہ انہی میں یورپ کے جپسی اور جینوی بھی تھے جو پھیری والے تاجر بن کر یورپ میں پھرا کرتے ہیں، علاوہ ان کے کچھ آرمینیہ کے لوگ اور بہت سے روسی بھی تھے، مگر سب سے بڑھی ہوئی تعداد ترک و تاتار کی تھی، بہرکیف آسانی اُسی میں ہے کہ قوموں اور قبیلوں کے اس پورے مجموعے کو سیر اوردہ کہیں۔

یہ قبائل تیمور کے تاتاریوں کے بھائی بند تھے، ترچھی آنکھیں، چھدری ڈاڑھیاں، ہاتھ پاؤں اور چہرے کی رگیں ابھری ہوئیں، ارادے کے پکے اور بلا کے جفاکش، قانع اور

ریشم کے دگلے پہننے والے لوگ تھے، ہتھیار بھی عمدہ قسم کے رکھتے تھے، اور اس زمانے کے روسیوں کے مقابلے میں ان میں وحشت بھی کم تھی، کاریگر بھی اچھے تھے، روسیوں کے لئے سکہ بناتے تھے تاکہ روسی خراج میں وہی سکہ ان کو واپس کریں، حساب کرنے کی کلیں بھی بنا کر ان کے ہاتھ بیچتے تھے تاکہ جس وقت جبراً ان سے روپیہ وصول کیا جائے تو انہی کلوں پر حساب کر کے رقم ادا کریں، کاغذ بھی اچھا بنا کر روسیوں کے ہاتھ فروخت کرتے تھے اور اسی کاغذ پر روسی شہزادوں کے نام حکمنامے اور فرامین لکھ کر جاری کرتے تھے۔

خانانِ سیراوردہ اپنے تخت گاہ سرائے یا استراخان میں بیٹھے دور سے ملک روس پر حکومت کا ڈنکا بجاتے تھے، روس کے داعیان ریاست تحائف اور زرِ خراج لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے مگر قبائل سیراوردہ خود روس میں اس وقت وارد ہوتے تھے جب والیانِ ملک خراج دینا بند کر دیتے، اور ان کے وارد ہونے کی غرض یہ ہوتی کہ روسیوں کے شہر جلادیں قتل وغارت کا بازار گرم کریں اور جو چیز پسند آئے خرجیوں میں بھر کر چلتے بنیں۔

مشرقی یورپ کے سیاسی توازن کی میزان انہی مغلوں کے ہاتھ میں تھی، اس کے کچھ مدت بعد انہوں نے پولستان کے وسطی حصوں پر حملہ کر دیا، یہ حملہ ایک خان کی سرکردگی میں ہوا تھا جس نے قیصر قسطنطنیہ کی بیٹی سے شادی کی تھی، دارالحکومت سرائے میں تاجران وینس اور جنیوا کے گماشتے حاضر ہوتے تھے، ان تاجروں نے سیرآوردہ کی قلمرو میں تجارت کی منڈیاں جابجا قائم کر رکھی تھیں۔

روس میں صرف ماسکو کے والی ریاست دیمیتری نے خانِ سرائے کی قوت کو صدمہ پہنچایا، اس نے روس کے تمام والیانِ ریاست کو جمع اور ڈیڑھ لاکھ تلوار چلانے والوں کو بھرتی کر کے ممائی کا مقابلہ کیا اور دریا کے دونوں کنارے اس فوج کو لا کر اس سے لڑا، ممائی کو شکست ہوگئی، روسیوں کیلئے یہ دن بڑی خوشی کا تھا خوشی کا دن جلد ختم ہو گیا اور روسیوں کو کہنا پڑا کہ ہم نے تلوار اٹھائی لیکن اپنے باپ دادا سے بھی زیادہ ریاستوں میں گرفتار ہوگئے جنہوں نے مغلوں کی اطاعت قبول کی تھی۔

اسی زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ قرم کا خان توقتمش، جو کریمیا کا حکمران تھا اپنی قوم سے خفا ہو کر اس سے علیحدہ ہو گیا اور تیمور کے دربار میں پناہ لی۔ اس کے پیچھے پیچھے

سفید گھوڑے پر سوار ایک مغل سردار سیراوردہ کے ایلچی کی حیثیت سے سمرقند پہنچا اور اس نے تیمور سے کہا:

''اے تیمور لنگ! ارس خان نے، جو حاکم شرق وغرب اور نیلے غول اور سفید غول کا خاقان، نیز آقائے صبیر بھی ہے، یہ پیغام بھیجا ہے کہ توقتمش نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے اور تمہارے پاس پناہ لی ہے۔ تم اسے میرے حوالے کر دو ورنہ میں تم سے جنگ کروں گا، جس کیلئے بہت جلد ایک میدانِ جنگ انتخاب کیا جائے گا۔''

تیمور کیلئے لڑائی سے بہتر کیا چیز تھی۔ وہ سیراوردہ کے مفتوحہ علاقوں (اور قبائل) میں سے بعض پہلے ہی فتح کر چکا تھا، اس لئے تصادم ناگزیر تھا۔ چنگیز خان کی اولاد میں سے ایک شہزادے کا اس کے دربار میں موجود ہونا اس کی خوش قسمتی تھی مگر یوں بھی تیمور کسی ایسے آدمی کو اس کے دُشمن کے حوالے نہ کرتا جس نے اس کے پاس پناہ لی ہوتی۔

تیمور نے ایلچی کو جواب دیا:

''توقتمش نے میرے پاس پناہ لی ہے میں تمہارے مقابلے میں اس کی حمایت کروں گا، اُرس خان کے پاس جاؤ اور اس سے کہہ دو کہ لڑائی کی دھمکی نہ دے میں لڑائی کے لئے تیار ہوں۔''

تیمور نے توقتمش کی ضیافت کی اور اس کو اپنا بیٹا کہہ کر مخاطب کیا۔ سرحد پر اس کو دو قلعے عنایت کیے اور فوج کے افسر بھی مدد کیلئے دیئے یہ دونوں قلعے ایسے تھے جو تیمور نے سیراوردہ سے فتح کیے تھے اور ان میں ہر قسم کا اسباب روپیہ ہتھیار اونٹ اور گھوڑے کوس وعلَم مہیا تھے۔

اس کل سامان کے پانے پر توقتمش نے قبائل سیراوردہ پر حملہ کیا مگر شکست کھائی، تیمور نے پھر ویسا ہی سامان جنگ اس کو دیا مگر توقتمش کو پھر ہزیمت ہوئی اور نوبت بہ اینجا رسید کہ تنِ تنہا امیر تیمور کے مرکب خنگ اوغلن پر سوار سیحون تیر کر دوسرے کنارے پہنچا اور چونکہ زخمی بہت تھا اس لئے ایک جھاڑی کے نیچے جا بیٹھا، یہاں خستہ حال پڑا تھا کہ قبیلہ برلاس کا ایک سردار جو لشکر کی خیر وخبر پر مقرر تھا اس کے قریب آیا اور اسے اٹھا کر تیمور کے

پاس لے گیا، اب قسمت پھر پلٹا کھاتی ہے۔

اُرس خان فوت ہوا، توقتمش نے تخت سیراوردہ کا دعویٰ کیا، قبائل شمال میں سے نصف قبیلوں نے اس کی مدد کی، تیمور کی فوج جو ساتھ تھی اس سے بھی تقویت ہوئی، اب توقتمش کو کشور کشائی کا چسکا پڑا، سرکش ظالم و بیباک تو تھا ہی ایشیا کے میدانوں میں سے اس طرح گزرا جیسے کالی آندھی اٹھ کر نکل جائے، اور قپچاق پر حملہ آور ہو کر ممائی کو (جو پایہ تخت سرائے میں شاہ ساز بنا ہوا تھا) شکست دے کر خود سیراوردہ پر حکومت کرنے لگا۔ [2]

توقتمش شہر سرائے میں تخت خانی پر بیٹھا، سرائے کا شہر دریائے وولگہ (آب آتل) کے کنارے تھا، اب اس نے والیانِ ریاستہائے روس سے خراج طلب کیا، یہ رئیس دو برس پہلے دریائے دون کے کنارے ممائی پر فتح پا چکے تھے اس زعم میں وہ توقتمش کو خراج دینا کیوں قبول کرتے، توقتمش نے آخر کار ان سے بزور شمشیر اطاعت قبول کرائی اور ان کے گاؤں اور قصبات جلاتا ہوا ماسکو پہنچا، ماسکو کا محاصرہ کر لیا اور اسے فتح کر کے ایسا غارت کیا کہ وہاں کا بادشاہ بھی جو روسی والیانِ ریاست کا رئیس اعظم تھا سر پکڑ کر بیٹھ گیا، روسی بادشاہوں کے لڑکے بطور اوّل کے تخت گاہ سرائے میں حاضر ہونے لگے وینس اور جنوا کے شرفا نے تجارت کے لئے رعاتیوں کی درخواست کی اب قسمت دوسرا پلٹا کھاتی ہے، صاحب تخت و تاج ہو کر توقتمش وہ نہ رہا تھا جو اپنے ملک سے فرار ہونے کے وقت تھا دارالسلطنت سمرقند کی شان وشوکت دیکھ چکا تھا، تاتاریوں کے خیمہ وخرگاہ بھی دیکھے بھالے تھے، یکا یک بغیر اطلاع کے اور بغیر اس بات کو سوچے کہ محسن کا احسان گو خیالی چیز سہی مگر پھر بھی کوئی چیز ہے توقتمش نے تیمور پر فوج کشی کر دی۔

توقتمش کے بعض درباریوں نے اس حرکت سے اسے روکنا چاہا اور کہا کہ "تیمور وہ ہے جس نے ایک وقت میں آپ کی مدد کی تھی، اس کا علم خدا ہی کو ہو سکتا ہے کہ آپ کی قسمت میں پھر کوئی تغیر نہ لکھا ہو اور آپ کو تیمور کی مدد کی ضرورت نہ رہے"۔

لیکن توقتمش کو اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا، تیمور سے اس کو ایک شکایت کی وجہ یہ ہوئی کہ اُس نے اورگنج (خوارزم) پر قبضہ کر لیا تھا جو کسی زمانہ میں سیراوردہ کے قبضہ میں تھا،

---

[2] دیکھو لین پول کی کتاب "اسلام خاندانہائے شاہی" صفحہ ۲۲۷۔

توقتمش نے بڑی تیاری اور پوری احتیاط سے جو اس کی طبیعت میں اپنی قومی روایات سے پیدا ہوئی تھی تیمور پر سمت شمال سے لشکر کشی کر دی، سیراوردہ کی کچھ فوجیں اصلی لشکر سے علیحدہ ہو کر بحر خزر کے قریب نمودار ہوئیں جہاں اس وقت تیمور لڑ رہا تھا، اس کے ساتھ ہی ایک قاصد گھوڑا دوڑاتا ہوا تیمور کے پاس آیا، یہ سوار سات دن میں سمرقند سے نو سو میل طے کر کے یہاں پہنچا تھا آتے ہی تیمور کو اطلاع کی کہ سیراوردہ کے لشکر کا بڑا حصہ سیحون عبور کر کے سمرقند سے چند منزلوں کے فاصلے سے حضور کے وطن پر حملہ کیلئے آیا ہے، اور حملہ کر دیا ہے۔

اتنا سنتے ہی تیمور خراسان کی سڑک سے چلا اور اس تیزی سے چلا کہ نقشِ کارواں کا پتہ دینے کے لئے تمام راستے میں زخمی اور مردہ گھوڑوں کی لاشوں کے سوا اور کچھ نہ تھا اور توقتمش ابھی سمرقند پہنچا بھی نہ تھا کہ تیمور اپنے تخت گاہ میں آن دھمکا۔

تیمور کے بعض سرحدی قلعوں نے شمال کے ان فوجکشوں کو لڑ کر روکا، تیمور کے بڑے فرزند عمر شیخ مرزا نے ان سے جنگ کی اور شجاعت کے جوہر خوب دکھائے مگر آخر میں اس کی فوج شکست کھا کر پہاڑوں میں پراگندہ ہو گئی جس وقت تیمور کے آنے کی خبر ہوئی تو توقتمش کی فوجیں متفرق مقامات میں جم کر لڑنے میں مصروف تھیں مگر کام ادھورا چھوڑنا پڑا تھا، بخارا کے قریب ایک آبادی کو جلا کر یہ فوجیں شمال کی طرف چلیں یہاں تک کہ سیر دریا کے پار ہو گئیں۔

لیکن تیمور کے مرزبوم پر توقتمش حملہ کر چکا تھا اور اس کی فوجوں نے اس حملہ میں اُسے بہت کچھ تباہ بھی کر دیا تھا، کھیتیاں جلادی تھیں، گھوڑے پکڑ کر اور آدمیوں کو قید کر کے اپنے ساتھ لے لیا تھا جب توقتمش کا علم تیمور کے خلاف بلند ہوا تو بعض اور بادشاہوں نے بھی تیمور پر حملہ کرنا چاہا، تیمور کے دستِ چپ پر یوسف صوفی والئ خوارزم اور شہزادہ جہانگیر کی بیوی خانزادہ کے اور رشتہ دار تیمور کے خلاف میدان کارزار میں اُتر آئے، دستِ راست پر بلند پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جتہ کے قبیلے گھوڑوں پر سوار ہو ترک و تاز پر آمادہ ہو گئے۔

اب تیمور اور توقتمش میں اس بات کا فیصلہ ہونے کو ہوا کہ تمام ملکوں کا مالک کون بنے توقتمش چنگیز خان کی اولاد سے تھا، خانہ بدوش قوموں کا امیر تھا اور تمام مغل تاجدار اس کے معاون تھے، تیمور ایک چھوٹے سے قبیلے کے سردار کا فرزند تھا، اور اس کی مدد پر سوائے

اس کی قوم کے کوئی اس کی وفاداری پر ثابت قدم نہ تھا۔

لیکن اسی زمانہ میں توقتمش دفعتہً اس پھرتی سے اپنی سرزمین کی طرف غائب ہوا جیسے لومڑی دیکھتے دیکھتے کہیں جھاڑی میں غائب ہو جائے اور اب اس کا اندازہ نہ ہو سکتا تھا کہ وہ آئندہ کہاں تیمور پر حملہ کرے گا۔

تیمور نے ان تمام امیروں کو سامنے بلوایا جو اس کی طرف سے فوجوں کے سردار تھے اور جن کو سیراوردہ نے شکست دی تھی، جن سرداروں نے اس لڑائی میں ہمت اور جوانمردی سے کام کیا تھا ان کو انعام اور جائزے دیئے اور جو میدان جنگ سے بھاگے تھے انہیں اپنے دستور کے مطابق خاص طریقہ پر سزائیں دیں، مجرموں کے بال اس طرح تراشے گئے جیسے عورتوں کے ہوتے تھے، چہرے پر سرخ وسفید رنگ پھیرا گیا اور پا برہنہ کر کے عورتوں کے کپڑے پہنائے گئے اور حکم ہوا کہ سمرقند کی گلی کوچوں میں انہیں تشہیر کیا جائے۔

اور اب ایک سال جبکہ جاڑا نہایت سخت تھا توقتمش ایک بڑا لشکر لئے سیر دریا کی طرف آیا، تیمور کی جگہ اگر کوئی یورپ کا بادشاہ ہوتا تو اس موقع پر سمرقند کی فصیلوں کے اندر چلا آتا اور سمرقند کے گردونواح کو ان کی قسمت پر چھوڑ دیتا، لیکن تیمور نے کبھی حتیٰ کہ جس وقت وہ قرشی پر لڑ رہا تھا یہ گوارا نہ کیا تھا کہ وہ کسی شہر کی چار دیواری میں بند ہو کر بیٹھ جائے۔

لشکر کا صرف ایک حصہ اس وقت اس کے ساتھ تھا، باقی لشکر مشرقی دیواروں میں جتہ مغلوں سے ملک کو پاک صاف کرنے میں مصروف تھا، بہتر تدبیر یہی تھی کہ خود سمرقند میں قلعہ نشین ہو جاتا اور سیراوردہ کی فوجوں کو کھلے میدانوں میں جاڑے سے ٹھٹھرنے دیتا، لیکن توقتمش جیسے لڑنے والے کو ملک میں تھوڑی دیر کے لئے بھی تصرف کا موقع دینے کے یہ معنی تھے کہ دیدہ و دانستہ اپنے ملک پر تباہی لائی گئی، شمال کے لوگ جاڑے میں نقل و حرکت کے بالکل خوگر تھے پھر یوسف صوفی والی خوارزم اور خانانِ جتہ توقتمش کا ساتھ دینے کو حاضر ہو جاتے تیمور کے امراء نے صلاح دی کہ ''جنوب کی طرف ہٹ چلیے، اور لڑائی کو اس وقت تک ملتوی رکھئے کہ اپنی فوجیں جو مختلف اطراف میں گئی ہیں وہ سب آ کر آپ کے پاس جمع ہو جائیں، اس وقت تک انتظار فرمائیے۔''

تیمور نے کہا:

''انتظار کس کا فرمائیے، کیا آج کا یہ وقت کل کے انتظار کرنے کا ہے''۔

خود لشکر کے سامنے آ کر فوجوں کو تقسیم کیا اور سب سے کہا کہ سیر دریا کے کنارے پہنچ جاؤ اور مینہ برسنا شروع ہوا اور برف گرنے لگی، گھوڑے کیچڑ میں کمر تک لت پت ہوئے، مگر تیمور نے سیراوردہ کے سرحدی قلعوں پر حملہ کر ہی دیا، تیموری سواروں کے رسالے توقتمش کی فوجوں میں سے رستہ نکالتے ہوئے آگے بڑھے اور اس کی فوجوں کے دستے جس قدر لوٹ مار کرتے ملے انہیں مار کر بھگا دیا، تیمور کی سرکردگی میں جس قدر فوج اس کے ساتھ تھی اس کی نقل وحرکت کو دیکھ کر دشمن سمجھتا تھا کہ کوئی اور بڑا لشکر بھی ضرور پیچھے آتا ہو گا۔

جس وقت توقتمش نے دیکھا کہ تیمور کی فوج چکر کاٹ کر اس کی پشت کی طرف آ رہی ہے تو اس کو یقین ہو گیا کہ واقعی کوئی زبردست لشکر اس فوج کی کمک پر موجود ہے، توقتمش ہوشیار تھا، اس کو یہ کسی طرح منظور نہ تھا کہ شمال والی بڑی شاہراہ سے اس کا تعلق قطع ہو جائے، مگر صورت ایسی ہی پیدا ہو چلی تھی، پس اس نے بہت جلد اپنے لشکر کو لڑائی کے موقع سے ہٹا لیا توقتمش کی فوج کا ہٹنا تھا کہ تیمور نے فوجوں کو اسکے تعاقب میں دوڑایا اور حکم دیا کہ دشمن کو نظر سے ہٹنے نہ دیں۔

جب موسم بہار آیا، سڑکیں خشک ہو گئیں تو تیمور لشکر لے کر خود بڑھا، اب اس کا رخ مغرب کا تھا، خوارزم پہنچ کر اورگنج کا محاصرہ کیا، جانوں کے ضائع ہونے کی مطلق پرواہ نہ کی اور گنج فتح کر لیا، اس مرتبہ والیٔ خوارزم کی طرف سے کوئی پیغام تنہا لڑنے کا نہیں آیا، تیمور نے شہر پناہ کو کہیں سرنگ لگا کر اور کہیں ویسے ہی منہدم کرا دیا، محل اور بیمارستان جلا دیئے اور تمام شہر کھنڈر کر دیا اور اب اس ویرانے میں سے جا بجا دھواں اٹھتا نظر آتا تھا، آدمیوں کی جلی ہوئی لاشیں مٹی اور پتھروں کے نیچے دبی پڑی تھیں، جو لوگ زندہ بچے وہ قید کر کے سمرقند بھیج دیئے گئے۔

انہی کیساتھ تیمور نے بھی کوچ کا رُخ بدلا اور مشرق کی طرف بڑھ کر جتہ کے قبیلوں کو مارتے مارتے ان کے دارالحکومت المالیق تک بھگا دیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ دور

تک ایسا پسپا کیا کہ برسوں تک تیمور کی سرحد میں جتہ کوئی فساد برپا نہ کرسکے۔

غرض اس طرح بائیں طرف والی خوارزم کا اور دائیں طرف جتہ مغلوں کا زور توڑ کر تیمور اب توقتمش سے لڑنے پر آمادہ ہوا، اور بجائے اس کے کہ سیراوردہ کی طرف سے لشکر کشی کا انتظار اپنے ملک میں کرے تیمور نے اپنی فوجیں جمع کیں اور سمرقند کے سامنے کے میدان میں ان کا معائنہ کیا اور ان پر اپنا ارادہ ظاہر کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سیراوردہ کے ملکوں میں اپنی فوجیں لے جا کر توقتمش سے لڑنے کا قصد ہے۔

باب ۱۶

براستہ دشت وصحرا

تیمور کا یہ فیصلہ کرنا کہ توقتمش سے سیراوردہ کے ملک میں جا کر لڑنا چاہیے ایسا فیصلہ تھا جس میں خود تیمور کے تباہ ہو جانے کا قطعی اندیشہ تھا، اس واقعہ سے چار سو برس بعد نپولین نے بھی ایسا ہی فیصلہ کیا تھا جس کا انجام یہ ہوا کہ فرانس کے لشکر کو جو لشکر عظمیٰ کہلاتا تھا روس اور پولستان کی برف میں مردہ چھوڑنا پڑا گو ماسکو فتح ہو گیا۔

تیمور کو ابھی تک سیراوردہ سے کسی میدان جنگ میں مقابلہ کا اتفاق نہیں ہوا تھا، توقتمش کی فوجیں اس وقت امیر تیمور کی فوجوں سے کہیں زیادہ تھیں، نقل وحرکت میں بھی ان کو تیمور کی فوجوں سے کسی قدر زیادہ سہولت تھی، کیونکہ توقتمش بکثرت تازہ دم گھوڑے نہایت آسانی سے بہم پہنچا سکتا تھا۔ چارے اور پانی کی ملک میں قلت تھی۔ تیمور کے گھوڑے تنگی سے گزر کر رہے تھے مگر توقتمش کے گھوڑے پشتہا پشت سے اسی تھوڑے چارے اور پانی پر بسر کرتے چلے آئے تھے ان کے لئے یہ کوئی تنگی نہ تھی۔

سیراوردہ کے ملک میں داخلہ کے یہ معنی تھے کہ ریگستانوں، بیابانوں اور بنجر پہاڑیوں میں سے رستہ نکالتے ہوئے آگے بڑھیں، لڑائی کیلئے جب ایسا ملک تجویز کیا گیا ہو تو سامانِ رسد بھی دو تین مہینے سے زیادہ کا ساتھ لیجانا ممکن نہ تھا، اور پھر اندیشہ تھا کہ اگر توقتمش سے رستے ہی میں مقابلہ ہو گیا تو لڑنا لازمی ہوگا، اس صورت میں لشکر کے عقب میں سوائے غیر آباد بنجر زمینوں کے اور کچھ نہ ہوگا اگر شکست ہو گئی تو فوجوں کے بڑے حصے کا غارت ہو جانا یقینی امر تھا، بلکہ یہی نہیں خود تیمور کے ہلاک ہو جانے کا بھی اندیشہ تھا۔

۱۷۱۶ء میں بادشاہ پیٹر اعظم نے ایک روسی لشکر جنوب کی طرف اسی ویران ملک

میں سے گزرتا ہوا اہل خیوہ اور ترکمانوں سے لڑنے روانہ کیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ روسی لشکر کا سپہ سالار شہزادہ بیکووچ چرکسی مع اپنے متعدد ہمراہیوں کے صحرا میں ختم ہو گیا، جو لوگ مرنے سے بچے وہ غلام بنا لئے گئے، اس واقعہ کے سو برس بعد ایک دوسرا لشکر کاؤنٹ پیروسکی کی سرکردگی میں پانی کا پورا بندوبست کر کے موسم زمستان میں روانہ ہوا، اس لشکر کے بقیۃ السیف دوسرے سال واپس آئے، مگر دس ہزار گاڑیاں اسباب کی اور اتنے ہی اونٹ اور سپاہ کا بیشتر حصہ برفستانی میدانوں میں مرنے کو پیچھے چھوڑ آئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایشیا کے صحراؤں میں لشکر کشی کرنا خواہ لشکر کتنا ہی کثیر ہو ازروئے قواعد جنگ اب تک ممنوع سمجھا گیا ہے، مگر تیمور کوئی دوسرا راستہ اختیار نہ کر سکتا تھا، اگر سیدھا مغرب کی طرف بحر خزر کے جنوبی دور کو طے کرتا ہوا بڑھتا تو اس میں شک نہیں کہ سیراوردہ کے شہروں تک پہنچ جاتا، لیکن اس صورت میں تیمور ابھی کوہستانِ قفقاز کی وادیوں ہی میں سے راستہ نکالتا ہوتا اور توقتمش سمت شمال سے بڑھ کر سمرقند پر قبضہ کر لیتا، اس کے علاوہ تیمور کو اس کا اندازہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ توقتمش کس سرحد یا مقام پر اُس سے مقابلہ کرنا تجویز کرے گا، ممکن تھا کہ سرحدی صحراؤں کے کنارے کہیں مقابلہ پر آ جاتا، ممکن تھا کہ پندرہ سو میل دور بحر اسود کے ساحل پر مقابلہ کرتا، اور بالکل ممکن تھا کہ مشرق بعید میں جہاں دشت گوبی واقع ہے لڑائی ٹھان دیتا، لیکن توقتمش نے جو کچھ سوچا تھا اس کا پتہ اس وقت تک کسی کو نہ چل سکا جب تک کہ سیراوردہ کے رایت وعلم نظر نہ آ لئے، اس سے قبل تیمور کا صیغہء خبر رسانی دشمن کی نقل وحرکت کے متعلق کوئی اطلاع فراہم نہ کر سکا، رسد کا سامان بھی جس قدر ساتھ تھا وہ اس معرکۂ عظیم میں ختم ہو لیا تھا، اور خود تیمور اور اس کا لشکر صحرا میں بالکل گم کردہ راہ ہو چکا تھا۔

مکائدِ حرب کے قاعدے اور قوانین صاف بتا رہے تھے کہ اس مہم میں تیمور اپنے ہی ہاتھوں اپنے اوپر تباہی لا رہا ہے، مگر تیمور خطا پر نہ تھا، اس سے جو کچھ عمل میں آ رہا تھا وہ قواعد جنگ کی بنا پر نہ تھا بلکہ فطرتِ انسانی کا علم رکھنے کی بنیاد پر تھا، تھوڑے سے غور کے بعد یاد آ سکتا ہے کہ توقتمش تیمور کے دربار میں کئی برس تک حاضر رہا تھا اور اسی زمانے میں اسے دو مرتبہ ایسی لڑائیوں میں جو میدان جنگ میں باقاعدہ صف بندی کے ساتھ ہوئی تھیں راہ فرار اختیار کرنی

پڑی تھی، تیمور کو مغلوں کی تدبیر اور طبیعت دونوں کی قوت یا کمزوری کا حال بخوبی معلوم تھا۔

تیمور اس بات کو خوب سمجھتا ہوگا کہ مغلوں کے خان توقتمش سے جو افواجِ سوارہ کی سپہ سالاری میں حدِ کمال کو پہنچا ہوا ہے کسی مدافعانہ جنگ میں بازی لیجانا یعنی ایسی لڑائی میں جیت جانا جس میں دشمن حملہ کرے اور اپنا کام صرف اس حملے کو دفع کرنا ہو ممکن نہیں، تیمور اس بات کو بھی جانتا تھا کہ جب تک اقطاع شمال میں توقتمش کو قوت حاصل ہے سمرقند ہمیشہ خطرے کی حالت میں رہے گا، پس تیمور نے ایک ایسی لڑائی کے لئے جس کا نتیجہ قطعی طور پر یہ ہو کہ ''ہم نہیں یا تم نہیں'' جس قدر نقصانوں کا احتمال ہو سکتا تھا سب گوارا کیے، اور سیراوردہ ہی کے ملک میں توقتمش سے لڑنا پسند کیا توقتمش کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ تیمور اتنے فاصلۂ دراز پر آ کر اس سے لڑے گا۔

حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ تیمور نے تمام عمران تین مسلمہ اصولوں کی پابندی کی تھی ایک یہ کہ لڑائی میں اپنی فوجوں کی نقل وحرکت کے لئے اپنے ہی ملک کو جولانگاہ نہ بنایا جائے، دوسرے یہ کہ اس کا موقع کبھی نہ دیا جائے کہ دشمن پہلے چڑھ آئے اور خود اپنا بچاؤ کرنا پڑے، تیسرے یہ کہ نہایت سرعت سے جہاں تک سوار اپنے گھوڑوں کو تیز رفتار کر سکیں دشمن پر پہلے خود ہی دھاوا کر دینا ضروری ہے۔

تیمور کا قول تھا کہ دشمن سے لڑنے میں اگر ٹھیک موقع پر دس آدمی بھی ساتھ ہوں تو یہ بہتر ہے اس سے کہ دس ہزار سپاہ ساتھ ہو اور صحیح موقع سے انسان غیر حاضر ہو، دوسرا قول یہ تھا کہ تیزی سے حملہ کر کے دشمن کے زور کو توڑ دینا پیشتر اس سے کہ وہ اپنی پوری قوت مجتمع کر سکے ہمیشہ مفید ہوتا ہے، تیسرا قول یہ تھا کہ لڑائی پر جاتے وقت صرف اتنی فوج ساتھ ہونی چاہیے جس کے زادراہ کے لئے کافی سامان رسد مہیا کرنا ممکن ہو۔

شروع میں سیر دریا عبور کرنے تک زمین ایسی تھی جس سے تیمور کا لشکر بخوبی واقف تھا لشکر ایک سرحدی قلعے سے دوسرے سرحدی قلعے تک کوچ کرتا رہا، کوہ قراتاغ کا سلسلہ جو حائل ہوا اس میں سے لشکر آہستہ رفتار سے گزرا، اب فروری کے مہینے کا آخر تھا، برف و باران کی شدت ہوئی، فوجیں لشکرگاہ میں مقید رہیں، یہاں توقتمش کے ایلچی تیمور کے پاس آئے، نو عمدہ گھوڑے اور ایک شنقار (شکرہ) جس کی آنکھوں کی اندھیریوں پر

یاقوت ٹکے تھے پیش کیا۔ [1]

تیمور نے شکرہ کو ہاتھ پر بٹھالیا اور ایلچیوں کی گفتگو سننے لگا، توقتمش نے امیر سمرقند کے سابقہ احسانات کا اعتراف کیا اور اس غلطی کو بھی تسلیم کیا کہ اس نے اپنے محسن کے خلاف ہتھیار اٹھائے، مگر اب اس کی خواہش تھی کہ تیمور سے مراسم آشتی پیدا کرے، لیکن یہ پیغام و سلام محض ایک سیاسی فریب تھا اس کے سوا اُسے اور کچھ نہ سمجھنا چاہیے۔

تیمور نے ایلچیوں کو جواب دیا:[2] "جب تمہارا آقا دشمنوں کا ستایا ہوا زخمی پڑا تھا تو سب کو معلوم ہے کہ میں نے اس کی ہر طرح سے مدد کی اور اس کو اپنا فرزند کہا اُرس خان جب مقابلہ پر آیا تو میں نے توقتمش کی طرفداری کی، اس طرفداری میں میرے بہت سے سوار مارے گئے، لیکن جب توقتمش کو قوت اور اقتدار حاصل ہوا تو کل احسان اس نے فراموش کر دیئے، جس وقت میں تسخیر فارس میں مصروف تھا تو اس نے مجھے دغا دیا اور میرے شہروں کو برباد کیا، اس پر بھی قناعت نہ کی اور بعد کو ایک بڑا لشکر میرے ملک پر حملہ کرنے کو بھیج دیا، اور اب جب ہم اس کے مقابلے کو اٹھے ہیں تو سزا سے بچنا چاہتا ہے، قسمیں اس نے بہت کھائیں اور توڑی ہیں، لیکن اگر فی الحقیقت امان چاہتا ہے تو علی بیگ کو ہمارے دربار میں روانہ کرے تاکہ ہمارے امراء سے وہ اس بارے میں گفتگو کرے"۔

علی بیگ سیر اور دہ کا وزیر اعظم تھا، وہ تیمور کے دربار میں نہ آیا، تیمور نے بھی شمال کی طرف لشکر کشی کرنے میں تاخیر نہ کی، تیمور کیساتھ جس قدر مستورات تھیں ان کو ایسے سرداروں کی معیت میں سمرقند روانہ کر دیا جو سمرقند کی حفاظت پر مقرر ہوئے تھے، اس کے بعد تیمور کا لشکر پہاڑوں سے نکل کر "دشت سفید ریگ" (آق قم) میں آیا۔

تین ہفتے تک لشکر نے ایسے میدانوں کو طے کیا جس میں ہوا بہت تیز چلتی تھی، جاڑا نکل چکا تھا مگر سب چیزیں ابھی تک بے رونق تھیں، صبح کی سردی میں کرنائے جو کچھ کم پانچ ہاتھ کا لمبا نفیر ہوتا تھا، فوج کے تیار ہونے کے لئے بجایا گیا، رسالوں کے جوانوں نے فوراً گھوڑوں پر زین ڈالے اور سوار ہو گئے، خیمے اکھاڑ کر بڑی بڑی بھاری گاڑیوں میں جن

1. ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۵۰۰۔
2. دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۵۰۱-۵۰۲۔

کے پہیے آدمی کے سر سے بھی اونچے تھے بار کئے گئے، گاڑیوں کے ساتھ بلبلاتے اور بڑبڑاتے اونٹوں کی قطاریں حرکت میں آئیں، گاڑیوں میں فوجیوں کا سامان تھا، ہر دس[1] سپاہی پیچھے ایک خیمہ اور ہر خیمہ کے سامان میں دو پھاوڑے، ایک آری، ایک تبر ایک درانتی، ایک کلہاڑی اور ایک رسیوں کا بیٹھن، ایک دیگچہ اور ایک نمط (بیل کا چمڑا) تھا خوراک کے لئے ہلکی اور مختصر جنس، آٹا جو، خشک میوے اور ایسی ہی اور چیزیں تھیں، جس وقت دشت سفید ریگ میں پہنچے ہیں تو فی شخص آٹھ سیر آٹا ایک ماہ کے صرف کے لئے دیا جانے لگا۔

ہر سوار کو علاوہ سواری کے گھوڑے کے ایک کوتل گھوڑا بھی دیا گیا تھا، تمام فوج اسپ سوار تھی، پوشاک میں ہر سوار زرہ، خود، سپر اور دو دو کمانیں رکھتا تھا، ایک کمان دُور کا تیر چلانے کی اور دوسری کمان جلد جلد تیر چلانے کی ہوتی تھی، ہر سوار کے ترکش میں تیس تیر ہوتے تھے اور ایک شمشیر یعنی دوبارہ والی تلوار اور چھوٹے ہتھیاروں میں جو کچھ وہ پسند کرے دیا جاتا تھا، بہت سے دستے فوجوں کے ایسے تھے جن کے پاس لمبے نیزے تھے، نیزے کا نیچے کا سرا رکاب پر ٹکا ہوتا تھا اور اوپر کی طرف ایک جگہ تسمے سے سوار کے شانے میں اٹکا رہتا تھا، بعض سواروں کے پاس زیادہ وزنی برچھیاں یا لمبے برچھے ہوتے تھے جن سے دشمن کو چھید ڈالتے تھے۔

فوجوں کے دستے (اون ۱۰۔ یوز ۱۰۰۔ اور مینگ ۱۰۰۰) صف آرائی کے قواعد کے مطابق حرکت کرتے تھے، ترتیب فوج کو بگاڑنے کے معنی خودکشی کے تھے، لشکرگاہ میں جب فوجیں اترتی تھیں تو ترتیب صفوف کو ملحوظ رکھتی تھیں، امیر کے رایت سے خاص خاص فاصلوں پر ہر فوجی افسر کی ایک جگہ مقرر ہوتی تھی جہاں وہ موجود رہتا تھا اور یہ اہتمام ایسا تھا کہ رات کی تاریکی میں بھی کسی قسم کا خلط ملط پیدا نہ ہو سکتا تھا، جس وقت سوار کوچ کرتے ہوتے تو آرام سے گھوڑوں پر بیٹھے بات چیت کرتے چلتے لیکن ان کے سردار امراء نوئینان اپنی اپنی فوجوں کو ایسا ہوشیار رکھتے کہ حکم سنتے ہی فوراً کل سپاہ ترتیب جنگ اختیار کر لیتی، لشکر

1. مصنف نے تعداد دس لکھی ہے لیکن تزوک تیمور میں لکھا ہے "امر نمودم کہ سایر سپاہ دریساقہا ہژدہ ۱۱۸ نفر یک خیمہ بردارند، و ہر یک نفر دو اسپ و کمانے و ترکشے و شمشیرے و ارہ و درفشے و جوال وچوال دوزے و تبر تیشہ، و دہ سوزن و یک چرم پست بگیرد"۔ تزوک تیمور صفحہ ۱۵۱-۱۵۲۔

اس گھاس کے جنگل کو جس میں سبزے کی لمبی لمبی لہریں سمندر کی موجوں کی طرح اٹھ کر ختم ہونا نہ جانتی تھیں دیکھ کر سب کو حیرت ہوئی، اور جب چلتے چلتے وہ دو پہاڑوں [1] کے قریب پہنچے جن کا نام انہوں نے بڑا اور چھوٹا پہاڑ رکھا تو لشکر یہاں اتر پڑا، تیمور بڑے پہاڑ پر چڑھا اور اپنے افسروں کے ساتھ دور تک جنگل کے سبزے کو دیکھنے لگا، جس کی حد اودے اودے پہاڑوں کے خط سے بھی دور اُفق سے ملی نظر آتی تھی، یہ زمانہ شروع ماہ اپریل کا تھا، گھاس میں آسمانی رنگ کے پھول خوب کھلے تھے، خودرو گیہوں کے تختوں میں تیتر کثرت سے تھے اور آسمان پر چیلیں منڈلا رہی تھیں، کہر کا بادل جہاں سے ہٹ جاتا وہاں سے دور کی جھیلوں کا پانی جو پگھلی ہوئی برف کا پانی تھا آب زر کی طرح جھلکتا نظر آتا، اس تمام زمانے میں مؤرخ لکھتا ہے کہ وہاں نہ کوئی انسان نظر آیا اور نہ کوئی کھیتی۔ [2]

لیکن اب کچھ علامتیں ظاہر ہوئیں، گیلی زمین پر کہیں کہیں اونٹوں کے قدموں کے نشان یا بہت سے دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی لید یا بجھی ہوئی آگ کی ڈھیریاں دکھائی دیں کہیں آدمیوں کی ہڈیوں پر سے سواروں کے گھوڑے گذرے یہ ہڈیاں زمستان کے سیلاب میں ٹوٹی ہوئی قبروں سے بہہ کر سب طرف پھیل گئی تھیں۔

اب روز یہ کیفیت رہنے لگی کہ تاتاری سوار لشکر سے آگے بڑھ کر جانوروں کا شکار کرتے، جنگلی سؤر اور بھیڑیئے خوب مارتے، کبھی کبھی کھانے کے لئے کوئی ہرن بھی مل جاتا، لشکر میں گوشت کی بہت قلت ہو چلی تھی۔ ایک بھیڑ سو دینار کبکی میں ملتی تھی۔ تیمور نے حکم دے دیا کہ لشکر میں نہ گوشت پکایا جائے اور نہ روٹی، سب لوگ ایک ہی قسم کا کھانا جسے بلماق [3] کہتے تھے کھاتے تھے، یہ گوشت کی یخنی مع بوٹیوں کے ہوتی تھی جس میں آٹا ملا دیا جاتا تھا، اور ترکاریاں ملانے سے یہ یخنی اور بھی گاڑھی ہو جاتی تھی۔

---

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۵۰۱ س ۵۰۲۔
"روز چہارشنبہ بست و یکم ماہ ربیع الاول ۷۹۳ ہجری بکوہے رسیدند کہ بلچک تاغ مشہور است واز آن جا کوچ کردہ در شب درمیان جمعہ موضع الق تاق نعیم نزول ہمایوں گشت، صاحبقران بہ نشاط نظارہ آن دشت بالائے کوہ برآمد، صحرا درصحرا سبزہ بود"۔

[2] "واز اطراف آن بیابانہا پنج ماہہ وہفت ماہہ آبادانی نیست" ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۵۰۴۔

[3] دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۵۰۴۔

لشکر والوں کی دلجوئی کے لئے امراء فوج بھی اسی گاڑھے شوربے پر اپنا گزر کرتے تھے، سب ایک ہی دیگ کا پکا ہوا بلماق کھاتے تھے، شکاری جو کچھ شکار لاتے یا جنگل میں کہیں اتفاق سے وحشی پرندوں کے انڈے یا جنگل کی جڑی بوٹی مل جاتی تو وہ سب کاٹ کوٹ کر اسی شوربے میں ڈال دی جاتیں، اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس شوربے کا صرف ایک پیالہ فی سپاہی ملنے لگا، لشکر جب کوچ کرتا تھا تو سواروں کی نظریں زمین پر ہوتی تھیں کہ کہیں کوئی ریسلی جڑ مل جائے تو اٹھا لیں یا بٹیریں ملیں تو انہیں پکڑ لیں، آٹا قریب قریب ختم ہونے کو تھا۔

جنگل میں گھاس تروتازہ تھی، گھوڑوں کی حالت اچھی رہی، لشکری کھانے کے لئے گھوڑوں کو ذبح نہ کر سکتے تھے، کیونکہ اس ملک میں جو آدمی گھوڑے پر سوار نہ ہو اس کی موت وزیست یکساں تھی، زیادہ تعداد میں گھوڑوں کو ضائع کرنا لشکر پر ایک مصیبت لانا تھا، جب حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو فوج کے افسر اس فکر میں ہوئے کہ آخر اس کا انجام کیا ہوگا اور آگے کیا پیش آنے والا ہے۔ پیچھے ہٹنا بہت خطرناک تھا کیونکہ اس کے معنی یہ ہوتے کہ جن صحراؤں کو بمشکل طے کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اب ان کو ایک کمزور لشکر کے ساتھ پھر طے کریں اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی پورا یقین تھا کہ واپسی کی صورت میں سیراوردہ کے لوگ کہیں نہ کہیں یک لخت نمودار ہو کر سب کو غارت کر دیں گے، اس حالت بیم و ہراس میں تیمور نے تواچیوں کو حکم دیا کہ فوراً فوج برنغار و جرنغار کے افسروں کے پاس جا کر شکار کا حلقہ قائم کرائیں۔ [1]

---

[1] "صاحبقران در شنبہ اول جمادی الآخر ۷۹۳ ہجری شکار اختیار فرمود و تواچیان با امراء جرنغار و برنغارہ جار رسانیدہ سپاہ نجراگاہ رواں شدند و تمام صحرائے بے انتہا فرو گرفتہ وحوش وطیور بے شمار راندند و بعد از دو روز قمارمشی کردہ، بیت

ملک بر سوکہ مرکب راند حالی زمین از گورو آہو کرد خالی

دسپاہ از گوزن و آہو وبکن و دیگر انواع نخچیر چندان انداختند کہ چنان کثرتے بے قیاس باوجود چنان تنگی کہ دست دادہ بود فربہ را گزین کردہ برمیداشتند ولاغر را میگذاشتند، واز جملہ نوعے آہو دران صحرا یافتند از گاؤمیش بزرگتر کہ مثل آن ہرگز مشاہدہ نمودہ بودند و مغول آن راقندگاى میگویند و دشتیان بلن بسیارے ازان نیز انداختہ بودند، ومدتے قوت لشکریاں از گوشت شکارے آمادہ بود"۔ (ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۵۰۵،۵۰۶)

اب تک جستہ جستہ سواروں کے گروہ لشکر سے آگے بڑھ کر جو شکار ملتا تھا مار لاتے تھے، مگر اب ایک لاکھ سواروں نے تیس میل کی ایک لمبی صف باندھی، صف کے بیچ کا حصہ قائم رکھ کر دونوں سروں کے سواروں نے گھوڑے بڑھا کر نصف دائرہ کی شکل بنانی شروع کی، اس طرح بیچ میں جس قدر جانور آئے ان پر گھیرا پڑ گیا، اور وہ بھاگ بھاگ کر اور بھی حلقے کے بیچ میں آنے لگے، سواروں کی صف کے باہر باہر بھی رسالے حرکت میں تھے تا کہ شمال کی طرف حلقے کے بند ہونے سے پہلے کوئی جانور باہر نہ نکلنے پائے۔

جب حلقہ پورا بندھ لیا تو سواروں نے اسے اندر کی طرف تنگ کرنا شروع کیا اور صورت ایسی پیدا کی کہ ایک خرگوش تک ان بھوکے تاتاریوں سے بچ کر نہ نکل سکے، اب جونہی جانوروں کو معلوم ہوا کہ وہ گھر گئے ہیں تو سواروں کو دیکھ کر اور ان کے شور وغل سے چوکڑیاں بھرنے والے آہوؤں اور سیدھ باندھ کر حملہ کرنے والے خنزیروں اور جھاڑی جھاڑی دبے پاؤں چلنے والے بھیڑیوں اور حواس باختہ ریچھوں اور ہرنوں کیساتھ بازی لگا کر دوڑنے والے بارہ سنگھوں میں ایک عجیب دیوانہ وار کشمکش اور مذبوحی کیفیت پیدا ہوئی۔

اس بڑے ہانکے میں بعض جانور ایسے تھے جن کو دیکھ کر تاتاریوں کو بہت حیرت ہوئی، انہی میں مؤرخ نے ایک قسم کا بارہ سنگھا بیان کیا ہے جو بھینسے سے بھی بڑا تھا اس چوپائے کو تاتاریوں نے پہلے نہ دیکھا تھا، لیکن یقیناً یہ وہی جانور تھا جسے ہم ''الک'' (قندگاہی) کہتے ہیں، قواعد صید وشکار کے مطابق امیر تیمور سب سے پہلے مرکب پر سوار اس حلقے میں داخل ہوا تیر سے چند گورخر اور آہو شکار کیئے، تیراندازی میں تیمور ایسا کمال رکھتا تھا کہ لوگ دیکھ کر حیرت میں رہ جاتے تھے، ایسے لوگ بہت تھے جو کمان کی زہ کو سینے تک کھینچ لاتے تھے مگر تیمور کے بازو میں ایسی قوت تھی کہ تیر رکھ کر زہ کو کان کی لو تک کھینچ لاتا تھا۔

اب گوشت کھانے کے لئے جانوروں کی وہ کثرت ہوئی کہ جو فربہ معلوم ہوا اسے ذبح کر کے کھایا اور ایسا کھایا کہ بہت دنوں یاد رکھا، باقی کو چھوڑ دیا۔

تیمور لشکر والوں کو اتنی مہلت نہ دیتا تھا کہ وہ کاہل بن کر بیٹھیں، دوسرے دن تواچی گھوڑوں پر سوار ہو کر اس حکم کو گشت دینے اٹھے کہ تمام افواج قاہرہ امیر کے معائنہ کے لئے سامنے حاضر ہوں جب معائنہ کا وقت آیا تو تیمور خاص لباس پہن کر برآمد ہوا، سر پر

سفید قاقم کی کلاہ تھی جس میں یاقوت چمک رہے تھے، ہاتھ میں ہاتھی دانت کا عصاء تھا جس کی شام پر بیل کا سر بنا تھا، جلو میں امراء وتوئینان تھے۔

امیر کے برآمد ہوتے ہی فوجوں کے سردار گھوڑوں پر سے اتر پڑے، اور گھٹنے زمین پر ٹیک کر امیر کی رکاب کو بوسہ دیا، اور مرکب شاہی کے ساتھ ساتھ پیدل چل کر اپنی اپنی فوجوں تک آئے اور ہر ایک نے التماس کی کہ اس کی سپاہ کی تعداد اور قوت اور اسلحہ کی حالت ملاحظہ فرمائی جائے، تیمور نے لشکر والوں کی کلجھائی صورتوں کو جن سے خوب آشنا تھا دیکھا ان میں الوسِ برلاس کے لوگ جن کے سرخ چہرے مائل بہ سیاہی ہو رہے تھے چھریرے بدن کے ترکانِ سلدوز اور دلاور قوم جلایر کے جوان اور بدخشاں کے وحشی لوگ تھے جن سے تیمور ''بام دنیا'' پر لڑ چکا تھا۔

تیمور نے لشکر کے معائنہ ہی پر بس نہیں کی، شام کو رایت شاہی کے قریب جو بڑا نقارہ رکھا تھا وہ رعد کی مثل گرجنے لگا، اس نقارے کا برنجی طاس چھ فٹ کے دور کا تھا اور اس پر ایک بیل کی پوری کھال منڈھی تھی، اس نقارے کے بجتے ہی جواب میں لشکر کے اور نقارے بھی بجنے لگے، اور سواروں کے دستے فوراً حرکت میں آئے اور جنگ کے لئے صفیں آراستہ ہو گئیں، سائبیریا کے صحراؤں میں شاید اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی کبھی اتنا بڑا لشکر جمع نہ ہوا ہوگا، افسرانِ افواج اپنے اپنے مقامات پر جرنغار سے لے کر برنغار تک جس کا پھیلاؤ میلوں میں تھا گھوڑے دوڑاتے ہوئے پہنچے، اور تمام سپاہ نے سورن کے نعرے بلند کئے۔

سپاہ اچھی حالت میں تھی اور خوش تھی، دوسرے دن پھر کوچ شروع ہوا۔

باب ۱۷

سائے اور آسیب کا ملک

کہر کے بادل سامنے سے ہٹتے جاتے ہیں چشموں اور ندیوں کے کنارے بُندق کی جھاڑیاں کھڑی ہیں، پاؤں کے نیچے موٹی دبتی ہوئی کائی اور دھوکا دینے والی دلدل ہے، کالی کالی چٹانوں پر لال لال پتوں کی بیلیں چڑھی ہیں، سارے ملک پر ایک سکوت کا عالم ہے، ہر طرف مُردنی سی چھائی ہے، درختوں کی چوٹیوں پر شکرے اُڑ رہے ہیں، لیکن وہ طائرانِ خوشنوا جو صبح کے آثار دیکھتے ہی چہچہانے لگتے ہیں نام کو نہیں، یہاں کے آسمان کا رنگ بھی سمرقند کے آسمان کی طرح گہرا نیلی فام نہیں کہیں کہیں نیچے نیچے مٹی کے ٹیلے کہر کے غبار میں دھندلے دھندلے نظر آتے ہیں، یہ خاک کے تودے تو قبریں ہیں یا کبھی کسی بے نشان عدم رفتہ قوم کے گھر تھے جو اب مٹی کے ڈھیر ہیں۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ

”یہ ملک ظلمات کہلاتا ہے، اگر کوئی تاجر ہمت کر کے یہاں تک پہنچ بھی گیا تو وہ اپنا مال یہاں چھوڑ کر خود کہیں دُور چلا جاتا ہے، جب واپس آتا ہے تو اپنے مال کی جگہ سمورا اور جانوروں کی کھالیں رکھی دیکھتا ہے، یہاں کے رہنے والے کسی کو نظر نہیں آتے“۔

یہ ملک قوم کیمیری کا وطن اور ہائی پر بوری کا مسکن تھا جو شمال کی متوطن قومیں بتائی گئی ہیں، یہ سب خانہ بدوش لوگ تھے اور اگر واقعی وہ کہیں یہاں تھے بھی تو اس وقت تیمور کے لشکر کی آہٹ پاتے ہی اور بھی غائب ہو گئے ہوں گے، جنوب کی طرف کے قطعے آباد تھے، گو تو قتمش نے وہاں کے آدمیوں اور مویشیوں کو اپنا راستہ نکالنے میں بہت کچھ ہلکا کر دیا تھا لیکن ان اقطاع شمال میں تو تیمور کا لشکر فی الواقع ایسے ملک میں داخل ہو رہا تھا جو بظاہر

غیر آباد تھا۔ ١ے

مؤرخ لکھتا ہے کہ جس قدر قراول آگے بھیجے گئے تھے وہ صحرا میں بھٹکے ہوئے مسافروں کی طرح آوارہ گرد رہے، مگر یہ صحرا بالکل غیر آباد بھی نہ تھا، البتہ تاتاریوں کو جو دھوپ میں تپتی بنجر زمینوں، نہروں اور چشموں اور ایسے شہروں کو دیکھے ہوئے تھے جو دریا کے کنارے آباد تھے، یہ تاریک اور مرطوب وسیع سرزمین جس میں انسان کا پتہ نہ تھا بہت دشوار گزار اور مہیب نظر آئی ہوگی، مُلّا و مشائخ بالخصوص بہت پریشان تھے، کیونکہ معمولی اوقات نماز کی پابندی یہاں ممکن نہ تھی۔

صبح کے آثار بہت جلد ظاہر ہو جاتے تھے حالانکہ سورج کے نکلنے میں ابھی کئی گھنٹے باقی ہوتے تھے، لوگوں کو صبح کی نماز کے لئے ایسے وقت اٹھنا پڑتا تھا کہ ابھی رات کے گھنٹے پورے ختم نہ ہوئے ہوتے تھے، اسی طرح سویرے سے شام کی شفق ظاہر ہو جاتی تھی گو سورج کے ڈوبنے میں ابھی کئی گھنٹے باقی ہوتے تھے، شفقِ شام کے ظاہر ہونے اور نماز عشاء کے وقت میں کئی گھنٹے کا فصل تھا، عشاء اگر پڑھی جاتی تو تاریکی کا زمانہ اتنا نہ ملتا تھا کہ لوگ بخوبی آرام کر سکتے۔

انہی وجوہ سے اہل شریعت نے حکم دیدیا کہ اوقات نماز میں تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ ٢ے

١ے تیمور کا لشکر اس وقت ۵۵ درجے عرض بلد میں جو قارہ یورپ میں جھیل ونی پگ کے شمال میں پڑتا ہے داخل ہونے کو تھا، اس لشکر نے رود توبل (THETOBAL) کے سرچشموں کو ان کی شمالی جانب سے عبور کر لیا تھا قیاس یہ ہے کہ دریائے توبل سے گزرنے کے بعد جو بڑا دریا ان کو ملا وہ دریائے یورال تھا (جو غالباً ظفر نامے کا آب تیق اور ترکوں کا آب یائیق یا یبق ہے) دریائے یورال عبور کر کے وہ بالکل مغرب کی طرف چلا اور اس زمین کو طے کرنے لگا جو آج کل یورپ اور ایشیا کے درمیان سرحد سمجھی جاتی ہے، (مصنف)

٢ے ظفر نامے کی پہلی جلد کے صفحہ ۵۳۰ پر یہ عبارت آئی ہے، ”وچوں قریب شش ماہ بود کہ رایت نصرت شعار متوجہ جنوب شمال گشتہ رفتند بجلے رسیدند کہ در شب پیش از غروب شفق اثر طلوع صبح ظاہر میشود، چنانچہ در ہنگام بودن آفتاب در برج چمال نماز خفتن در آن موضع فتوائے شریعت غرائی واجب نمیشود“ اس بیان کے پہلے فقرے کے آخری حصے میں مبالغہ ہے، دنیا کے آباد حصوں میں جو خط استواء کے قریب ہیں اوقات نماز آفتاب کی گردش، طلوع و غروب کے اعتبار سے اس طرح مقرر ہوئے ہیں کہ جاگنے سونے کام اور آرام کا وقت انسان کو کافی مل سکے، لیکن خطِ استواء سے جس قدر شمال میں جایئے رات اور دن کا فرق بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ قطب شمالی کے قریب جو ملک ہیں وہاں مہینوں تک آفتاب نہیں نکلتا اسی طرح جب نکلتا ہے تو مہینوں تک افق کے کنارے کنارے نظر آتا رہتا ہے اور غروب نہیں ہوتا، چونکہ نماز کے اوقات مقرر کرنے میں بیداری اور خواب کام اور آرام کا بھی لحاظ کیا گیا ہے اس لئے روئے زمین کے تمام مقامات پر آفتاب کی گردش، طلوع و غروب کا لحاظ رکھنا ممکن نہیں رہتا ہوگا، صرف بیداری اور خواب کے زمانے کا لحاظ کر کے اوقات نماز مقرر کر دیئے جاتے ہوں گے ممکن ہے کہ اس میں نماز پنجگانہ میں سے عشاء کی نماز کہیں واجب نہ سمجھی گئی ہو۔ (مترجم)

اس اثنا میں تیمور نے پورے لشکر سے بیس ہزار فوج علیحدہ کی اور اسے سیراوردہ کی لشکر کا سراغ لگانے کے لئے روانہ کیا، امراء میں سے تقریباً ہر متنفس نے اس فوج کے ساتھ سردار بن کر جانا چاہا لیکن تیمور نے اپنے نوجوان فرزند شہزادہ عمر شیخ [1] کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا، یہ بیس ہزار فوج لشکر سے علیحدہ ہو کر وسیع میدانوں میں غائب ہو گئی، کچھ مدت گزرنے کے بعد ایک قراول خبر لایا کہ شہزادہ عمر شیخ کی فوج ایک بڑے دریا کے کنارے پہنچ گئی ہے، اس کے بعد ہی ایک دوسرے قراول نے خبر دی کہ پانچ یا چھ مقامات پر آگ کی ایسی ڈھیریاں نظر آئی ہیں جن میں آگ ابھی تک بجھی نہ تھی [2]۔

دشمن کا یہ سب سے پہلا سراغ تھا جو دریافت ہوا تھا، تیمور نے ان خبروں کے سنتے ہی بڑے بڑے آزمودہ کار قراولوں کو طلب کیا اور اُن سے کہا کہ جہاں تک تیز جانا ممکن ہو شہزادہ عمر شیخ کے پاس جائیں اور تمام صحرا کو دشمن کا پتہ چلانے میں فوراً چھان ڈالیں، تیموران قراولوں کے روانہ ہونے کے بعد کچھ فوج لے کر ان کے پیچھے چلا، شہزادہ عمر شیخ کی بیس ہزار فوج جہاں ٹھہری تھی وہ دریائے توبل کا علاقہ تھا [3]، یہ دریا (دریائے اوبی میں شامل ہو کر) بحر منجمد میں گرتا ہے آگ کی ڈھیریاں جو نظر آئی تھیں وہ دریا کے پاس اُس کے مغربی کنارے کی طرف تھیں، تیمور تیر کر دریا اترا اور شہزادہ عمر شیخ کی بیس ہزار فوج سے جا ملا [4]، اور فوراً اس فوج کو اپنی سرکردگی میں لے لیا۔

اب قراولوں نے امیر کی خدمت میں حاضر ہو کر خبر پہنچائی کہ بعض مقامات ایسے ملے ہیں جہاں ایک یا دو دن پہلے کسی نے آگ جلائی تھی، اور گھوڑوں کے گزرنے کے نشان بھی ملے ہیں، تیمور نے شیخ داؤد ترکمان کو جو شہسواری میں کامل اور شجاعت کے کاموں میں نامور تھا، حکم دیا کہ مغرب کی طرف جا کر دشمن کو تلاش کرے [5]، شیخ داؤد گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا

---

1. ظفرنامہ میں امیرزادہ عمر شیخ کی جگہ امیرزادہ محمد سلطان کا نام لکھا ہے، جلد اوّل صفحہ ۵۱۶۔
2. ظفرنامہ جلد اوّل صفحہ ۵۱۶۔
3. ظفرنامہ جلد اوّل صفحہ ۵۱۷۔
4. ظفرنامہ جلد اوّل صفحہ ۵۲۲۔
5. ظفرنامہ جلد اوّل صفحہ ۵۱۸۔

اور دو دن اور دو راتوں کے بعد جس چیز کو ڈھونڈنے نکلا تھا اسے پا لیا، کئی پھونس کی جھونپڑیاں ملیں، شیخ نے ان کے گرد ایک چکر لگایا اور ایک جگہ رات بھر چھپا ہوا بیٹھا رہا صبح کو رات کی محنت وصول ہو گئی، دیکھا کہ جھونپڑیوں سے ایک سوار نکل کر ادھر ہی آ رہا ہے جدھر یہ بیٹھا تھا۔

جونہی سوار قریب پہنچا شیخ داؤد نے دوڑ کر اس کی مشکیں کس لیں اور واپس چلا، فوج ہراول کا جو حصہ اس کی طرف آتا ہوا پہلے ملا اس میں اس قیدی کو لے کر پہنچا لیکن قیدی کو توقتمش کا حال کچھ بھی معلوم نہ تھا، اس کا بیان صرف اتنا تھا کہ جھونپڑیوں کے قریب اس نے دس سواروں کو جو زرہ بکتر لگائے تھے پڑاؤ ڈالے دیکھا تھا۔ [1]

تیمور نے ساٹھ [2] تاتاروی سواروں کو کوتل گھوڑے دیکر اس حکم سے روانہ کیا کہ جس طرح ہو ان دس سواروں کو ڈھونڈ کر ہمارے سامنے حاضر کیا جائے، تیمور کو آخر کار دشمن کا اتنا سراغ مل گیا کہ جو تدبیریں اس نے سوچ رکھی تھیں ان پر عمل شروع کر دیا جائے، دسوں سوار گرفتار ہو کر سامنے لائے گئے، انہوں نے بیان کیا کہ سیراوردہ کی فوجیں یہاں سے سمت مغرب میں ایک ہفتے کی راہ پر مقیم ہیں۔

شمال کی طرف تیمور کا یہ دور دراز کوچ ماہرانِ فنونِ جنگ کے نزدیک جو قواعد اور قوانین کے بڑے پابند ہیں حیرت کے قابل تھا، مگر تیمور کی یہ لشکر کشی بغیر پابندیٔ قواعد اور معذرتِ خطا عمل میں آئی تھی کسی قسم کی کمزوری ظاہر کرنی یا دشمن کو اس بات کا موقع دینا کہ وہ اچانک حملہ کر بیٹھے تیمور اپنے حق میں سمِ قاتل سمجھتا تھا، وہ جانتا تھا کہ دشمن اس کے بڑھے آنے کو خوب دیکھ رہا ہے، گو دشمن تیمور کو ابھی تک نظر نہ آیا تھا، توقتمش کو تیمور کی نقل و حرکت کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں، تیمور کو اس وقت ایک ایک لمحہ عزیز تھا، سیراوردہ کو مجبور کر کے میدان جنگ میں لانا اور موسم گرما ختم ہونے سے قبل کسی شاداب مزروعہ زمین میں اپنے لشکر کو اتارنا ضروریات سے تھا، تیمور تعجیل چاہتا تھا، توقتمش اس کے برعکس تاخیر کو اپنے حق میں مفید سمجھتا تھا، یعنی جہاں تک ممکن ہو لڑائی شروع کرنے میں دیر کی جائے۔

---

1. ظفرنامہ جلد اوّل صفحہ ۵۱۹۔
2. ظفرنامے میں یہ تعداد بیس بیان ہوئی ہے، دیکھو جلد اوّل صفحہ ۵۱۹۔

سمت شمال میں تیمور کی تیز رفتاری توقتمش کی تدابیر میں خلل انداز ہوئی، کیونکہ تیمور کی تیزی دیکھ کر توقتمش کو سمت مقابل میں فوجیں روانہ کرنی ضروری ہوئیں، اور یہ اہتمام کرنا پڑا کہ جس مقام پر خود تھا اور جہان تیمور کا لشکر تھا ان دونوں کے درمیان اپنی فوجیں رکھے، مغرب کے میدانوں اور دریائے آتل (دولگہ) اور بحر اسود کے علاقوں سے ایسے قبائل جو توقتمش کے تابع تھے بکثرت آ کر اس کی فوج میں شامل ہوتے جاتے تھے، توقتمش کے تابع اس قدر قبائل تھے کہ اگر وہ سب جمع ہو جاتے تو تیمور سے توقتمش کی فوج دو چند ہو جاتی۔

اب تیمور کی فوجوں نے جو دشت وصحرا کی پروردہ تھیں نقل وحرکت میں داؤ پیچ دکھانے شروع کئے، احتیاط سب سے بڑی شرط تھی بالخصوص ایسے دشمن کے مقابلہ میں جو ایک دن میں سو میل کی منزل طے کرتا ہو، اور جو مخالف کی نظر سے اس وقت تک غائب رہے جب تک کہ خود لڑائی کا وقت پسند کر کے مقابلہ پر نہ آ جائے۔

تیمور کے عمل سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جتنے خطرے پیش آنے ممکن تھے وہ سب اس کی نظر میں تھے، سپاہ کی نوبت فاقہ کشی کو پہنچ چکی تھی، چھ دن تک مغرب کی جانب فوجوں کو تیزی سے لے جا کر آخر کار یورال (آب یالق یا جایک) کے کنارے پہنچ گیا، سیر اوردہ کے دس سوار جن کو قید کر رکھا تھا ان سے معلوم ہوا کہ اس دریا کے تین گھاٹ ہیں جو تھوڑے تھوڑے فاصلے سے واقع ہیں، تیمور نے خود بڑھ کر ایک گھاٹ کو دیکھا مگر دیکھ کر وہاں سے لشکر کا اترنا پسند نہ کیا، بلکہ حکم دیا کہ لشکر اس وقت جہاں ہے اسی کے سامنے سے دریا اتر کر دوسرے کنارے جائے[1]۔

---

[1] ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۵۱۹۔ ''ومنازل ومراحل بسیار پیمودہ از بسے آبہا وکوہا عبور نمودہ روز دوشنبہ چہارم جمادی الآخرہ ۷۹۳ ہجری بکنار آب تیق (اورال) رسیدند، مخبر جی بغرض ہمایوں رسانید کہ این آب راسہ گذار است یکے را ایغر یالی گونید ودوم رابورکجت وسوم را کہ از ہمہ کوچک تر است چپمہ کجت، صاحبقران فرمود کہ ازاین گذارہا گذشتن مصلحت نیست چہ شاید کہ دشمن در کمین بود، صلاح آنست کہ بہ بالائے آب روان شویم دبر آب زنیم وبگذریم ہمہ ساعت کوچ کردند وبالائے آب رفتہ سوار وپیادہ از ہر جا خود را بر آب زدہ بشناہ می گذشتند وبدور وزاں لشکر بیکراں ازاں آب گراں بسلامت عبور نمودند دششم روم دیگر منازل ومراحل پیمیوہ وبر آب سمور رسیدند وقراول لشکر پیش رفتہ بودند، صدائے غلغلہ دشمناں شنودہ آں معنی را بحضرت اعلیٰ عرضہ داشتند''۔ (مترجم)

یہ حکم دے کر خود دریا اترا اور ہراول کی فوج کو ساتھ لئے صحرا میں دشمن کو تلاش کرنے نکل گیا۔

یہاں سیر اوردہ کے بعض اور آدمیوں کو گرفتار کیا، ان لوگوں نے بیان کیا کہ ہم کو دریا کے کنارے حاضر ہو کر توقتمش کے لشکر میں شامل ہونے کا حکم پہنچا تھا، چنانچہ ہم حاضر ہوئے مگر توقتمش کی فوج ہم کو نہ ملی، غرض تیمور کے کل لشکر نے دو دن میں یورال (آب تیق یا یایق) کو عبور کر لیا جب لشکر دریا اتر لیا تو تیمور کو تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ تینوں گھاٹوں پر دشمن نے کثرت سے سپاہ بٹھا رکھی تھی، اور خود توقتمش بھی وہیں درختوں کے جھنڈ میں ایک جگہ چھپا بیٹھا تھا، مگر جب تیمور نے گھاٹوں کو چھوڑ کر اپنا لشکر دوسرے مقام سے اتارا تو توقتمش اس کمین گاہ سے ہٹ گیا۔

لیکن سیر اوردہ کی فوجیں جب کسی مقام سے پیچھے ہٹتی تھیں تو وہ سب سے زیادہ خطرناک ہو جاتی تھیں۔

تیمور نے لشکر کو حکم دیا کہ اپنے اپنے تومانات وصدجات وہزارجات سے کوئی قدم باہر نہ نکالے، رات کے وقت نہ روشنی کریں اور نہ آگ جلائیں، شام ہوتے ہی رسالوں کو حکم تھا کہ لشکر گاہ کے گرد برابر پہرہ دیتے رہیں، ان قواعد کے ساتھ کئی دن تک لشکر نے مغرب کی جانب کوچ جاری رکھا، کوہ یورال کی بہت سی تنگ وادیاں طے کیں اور اکثر مرطوب زمینوں سے گزر ہوتا رہا، آخر کار وہ دن آ گیا کہ تمام فوجوں میں ایک شور برپا ہوا اور تیمور کے بڑے بڑے رزم آراز ورزور سے گاتے ہوئے آگے بڑھیں۔

تیمور کی فوج قراول توقتمش کی فوج عقب تک پہنچ گئی تھی لیکن توقتمش تک نہ پہنچی تھی سیر اوردہ کی فوجوں کے پاس تازہ دم گھوڑے تھے اور کھانے پینے کا سامان بھی تیمور کے لشکر سے کہیں بہتر تھا، اور تیمور کے ساتھ دشمن کی ان فوجوں نے ایک سخت چال بھی سوچ رکھی تھی۔

امیر تیمور کی فوج قراول توقتمش کی فوج عقب سے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتی رہی، اب سیر اوردہ نے پلٹ کر پھر اپنا رخ شمال کا کیا، یہ ترکیب اچھی تھی لیکن ایسی نہ تھی کہ تاتاریوں سے توقتمش اپنا پیچھا چھڑا لیتا، مگر اتنا ضرور ہوتا کہ توقتمش تیمور کی فوج کے آگے آگے رہ کر جنگل کو شکاری جانوروں سے خالی کر دیتا اور آباد زمینوں سے نکلتا ہوا صحرا میں پہنچ

جاتا، اس وقت جس زمین پر فوجیں کوچ کرنے لگیں وہاں زان وشاہ بلوط کے جنگل نہ تھے بلکہ برچ کے درخت اور صدا بہار سبزہ زار رنگ میں سیاہی مائل پھیلے پڑے تھے، اور ان کے بعد پانی اور دلدل کے میدان آنے شروع ہو جاتے تھے۔

تیموری فوجیں بھوک سے بیتاب تھیں اور اپنے تین بڑے امراء[1] اور بہت سے سواروں کے مارے جانے سے جنہیں سیراوردہ کے سواروں نے قتل کر دیا تھا رنجیدہ اور غمگین تھے، سب اس خیال میں تھے کہ اب سوائے نیست و نابود ہو جانے کے کوئی دوسری صورت نہیں ہے، لیکن تیمور پر ان کو بھروسہ تھا۔

اب بارش شروع ہوئی اور برف گرنے لگی، حالانکہ ابھی ماہ جون کا وسط تھا، چھ دن تک تیموری فوجیں خیموں میں بند پڑی رہیں، تیمور سب سے پہلے میدان میں نکلا، شہزادہ عمر شیخ کی بیس ہزار فوج آگے تھی، اس نے سیراوردہ کی سپاہ کو جو اپنے لشکر سے باہر دور دور پھیرے پر تھی قتل کر دیا، شہزادہ نے یلغار کیا اور ساتویں دن کے ختم ہونے پر دور سے توقتمش کا شاخدار علَم، قبہ دار خیمے اور دشمن کا پورا لاؤ لشکر نظر آیا، شہزادے کی فوج صفوف جنگ میں ترتیب پائے ہوئے تھی، لڑائی شروع کرنے کیلئے صرف حکم کی دیر تھی، شہزادے نے حکم دیا کہ کل فوج گھوڑوں سے اتر پڑے، خیمے نصب کرے اور کھانے کی جس قدر جنس موجود ہے اس کو پکا کر خوب شکم سیر ہو کر کھائے۔

شہزادہ عمر شیخ کا اٹھارہ دن کا کوچ جس میں اٹھارہ سو میل طے کئے تھے اب خاتمہ کو پہنچا نصف میل کے فاصلے پر سیراوردہ کی فوجیں لڑائی کے لئے جمع تھیں اور ان کی گاڑیاں (گردون) لشکر کے عقب کی طرف حرکت میں تھیں، جانبین کے لشکر اب اس طرح مقابل ہوگئے تھے کہ لڑائی سے کسی کا بھی ہٹنا ممکن نہ تھا، دونوں لشکروں سے ایک ایک سپاہی لڑنے نکلا، تلوار کے دو دو ہاتھ چلنے کے بعد ایک نے منہ موڑ کر بھاگنا چاہا مگر بھاگنے کو جگہ نہ ملی، توقتمش کے آدمیوں کو حیرت تھی کہ تاتاریوں نے یہاں اس طرح ڈیرے ڈالے ہیں کہ گویا شمال کی یہ کل سرزمین ہمیشہ سے انہی کی ملک چلی آتی ہے، لیکن واقعہ یہ تھا کہ تیمور اپنے لشکر

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۵۲۸، یہ تین فوجی سردار ہر یملک، رمضان خواجہ اور محمد ارلات تھے، ان کے علاوہ امیر ایکو تیمور بھی اس لڑائی میں مارا گیا تھا۔

کے گھوڑوں کو آرام اور اپنی سپاہ میں جان پیدا کر رہا تھا۔

قراولوں کی جماعتیں جو دور دور بٹھا دی گئی تھیں بالکل ہوشیار تھیں اور حکم تھا کہ رات کو کہیں روشنی نہ کی جائے[1]، تیمور نے آخری وقت میں امراء کو جمع کر کے کوئی مجلس نہیں کی، تواچی اُس کے گرد قالینوں پر سو گئے، قاصد اور ہرکارے اپنے گھوڑوں کے پاس مع اُن سرداروں کے جو سراپردہ امیر پر پہرا دے رہے تھے رات بھر بالکل تیار کھڑے رہے، امیر تیمور گورگان زرہ پہنے ہتھیار لگائے چراغ کے سامنے بیٹھا شطرنج کی بساط پر کاٹ کے سپاہیوں کو لڑاتا رہا، کبھی کبھی نیند کا ایک آدھ جھونکا بھی آ جاتا تھا۔

کل انتظام ختم ہو چکا تھا، لشکر جس ترتیب میں عموماً کوچ کیا کرتا تھا اسی کے مطابق کل فوجیں سات حصوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں[2]، لشکر کے بائیں بازو یعنی جرنغار میں ہراول کی فوج اول اور اس کے پیچھے فوجِ دوم بطور مددگار کے تھی، یہی ترتیب قلب لشکر (قول) میں تھی، قول کے عقب میں تیمور خود فوج محافظ اور نامی نامی مردان پیکار آزمودہ کار کو ہمراہ لئے موجود تھا، قول یعنی قلبِ لشکر میں سب سے ادنیٰ قسم کی سپاہ بھری تھی، لیکن دائیں بازو یعنی برنغار میں جس کا برائے نام سپہ سالار تیمور کا نوعمر فرزند شہزادہ میران شاہ تھا، بڑے بڑے نامی امرائے جنگ آور جو زنی زرہ پوش رسالوں کے افسر تھے حاضر تھے، یہیں اُن جانبازوں کا مجمع تھا جو ہر وقت موت کی تلاش میں رہتے تھے، شیخ علی بہادر اور دیگر بہادرانِ تولو جن کی دلاوری درجہ دیوانگی کو پہنچی ہوئی تھی جمع تھے۔

اور اسی برنغار کو جس میں بڑے بڑے اربابِ شہامت حاضر تھے تیمور نے حکم دیا کہ صبح ہوتے ہی دشمن پر سب سے پہلے حملہ کرے، چنانچہ امیر سیف الدین نے جس کے زیر فرمان اس وقت پانچ ہزار سوار تھے دار و گیر کا شور برپا کر کے غنیم پر یلغار بول دیا۔

مقابل میں توقتمش کا لشکر نصف دائرہ کی شکل میں آراستہ تھا اور اس نصف دائرہ کے دونوں سرے اس طرح پھیلے تھے کہ گویا تیموری لشکر کے برنغار اور جرنغار دونوں کو انہوں نے اپنی کولی میں لے لیا تھا، توقتمش کے لشکر کا بایاں بازو حرکت میں آ کر امیر سیف

[1] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۵۲۰۔

[2] جانبین کے لشکر کے تعبیہ و ترتیب کے متعلق دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۵۳۱، ۵۳۵۔

الدّین پر بڑھا، تو قتمش کے لشکر نے جس کا پھیلاؤ طول میں دو میل کا تھا ایسا شور برپا کیا کہ تیموری لشکر کے سات فٹ لمبے بوق و نفیر کی مہیب آوازیں بھی اس میں کارگر نہ ہو سکیں، تمام جنگ سوائے ان مقامات کے جہاں امیر تیمور بذاتِ خود وارد ہو سکتا تھا بالکل امرائے فوج کے ہاتھ میں تھی۔

تیمور کے لشکر سے ایک اور فوج نے امیر سیف الدین کو مدد پہنچانے کے لئے دشمن پر دھاوا کیا اور دایاں بازو یعنی برنغار کل کا کل گھوڑے سرپٹ ڈال کر تیروں کے مینہ میں آندھی کی طرح غنیم پر چلا[1]، سیراوردہ کی سپاہ تیموری رسالوں کے اس سخت حملہ کی تاب نہ لا سکی، تیمور نے اب لشکر کے قول کو حکم دیا کہ شہزادہ میران شاہ کی مدد کو بڑھے۔

فوج قلب (قول) میں کیا کیا پیش آیا اس کا حال نہیں معلوم، جانبین کے سوا اور گھوڑے تمام میدان جنگ میں گتھے ہوئے نظر آتے تھے، کبھی بڑھ کر کبھی ہٹ کر کبھی مڑ کر دشمن کی تلوار تڑپ رہی تھی، گوشت و پوست کے پرخچے اڑ رہے تھے، اور تیروں کی یہ کیفیت

---

[1] تیمور نے اپنی فوج کے پرانے تجربہ کار اور مشہور دلاور تاتاریوں کو لشکر کے دائیں بازو یعنی برنغار پر حسب معمول مقرر کیا تھا، برنغار میں ایک فوج آگے جسے ہراولِ برنغار کہتے تھے اور ایک فوج اس کے پیچھے بطور مددگار کے رہا کرتی تھی، اور لائق ترین ماہرانِ جنگ ہمیشہ اسی برنغار کے ہراول میں ہوا کرتے تھے، لڑائی کے وقت برنغار دستے قائم کر کے نقل و حرکت کرتا تھا، اور ہمیشہ دشمن کے بائیں بازو والی فوج کا بالکل قلع قمع کر دیتا تھا، تیمور لشکر کے بائیں بازو یعنی جرنغار کو اس وقت تک کام میں نہ لاتا تھا جب تک کہ برنغار آگے بڑھ کر دشمن سے اُلجھ نہ جائے تیمور خود فوج قلب (قول) کے عقب میں ایک بڑی بہادر اور مضبوط فوج کی جو اس کے قریب ہوتی تھی سرداری کرتا تھا۔
اس فوج محفوظ کو لیکر تیمور لشکر کے جرنغار یا برنغار جس کسی کو کمزور دیکھتا مدد پہنچاتا تھا، جب تک لڑائی ختم نہ ہوتی خود حرکت نہ کرتا۔ فوجِ قلب (قول) کے گرد خندق ہوتی تھی، تیمور اس فوج کو اس وقت تک باہر نہ نکالتا جب تک کہ اس کے بہادر سواروں کے رسالے دشمن کو اپنے یلغار کے قیامت خیز تصادم سے بدحواس نہ کر دیتے تھے۔
تیمور ایسی جنگ کو جس میں باقاعدہ ترتیب و تعبیہ کے ساتھ کھلے میدان لڑائی ہو سب سے زیادہ پسند کرتا تھا، اس طرز کی لڑائی میں جہاں خود فوج محفوظ کو لئے کھڑا ہوتا تھا وہ مقام گویا مرکز ہوتا تھا، اور اس مرکز سے سامنے کی فوجوں کو پرکار کی طرح ترچھی رخ برنغار کی طرف پھرا دیتا تھا، اور جب فوج قلب آگے بڑھتی تو جرنغار اس کی جگہ آ جاتا، لشکر کے تزوک صف آرائی مستقل اور مقرر تھے، ہر فوج اپنے مقام اور فرائض منصب سے بخوبی آگاہ تھی۔ (مصنف)

تھی کہ وہ ہوا میں بجلیوں کی طرح چمک چمک کر موت کا مینہ برسا رہے تھے، زخمی سوار بھی کاٹھیوں سے لپٹے ہوئے تلوار کا ہاتھ برابر چلاتے تھے، اور ہتھیار اُن کے بھی بیکار نہ تھے، جن کی جان لبوں پر تھی، رحم کا نہ کوئی خواہاں تھا اور نہ کسی کو کسی پر رحم آتا تھا، جب تک سارے جسم کا خون نکل کر کاٹھی سے مردہ سوار زمین پر گر کر گھوڑوں کے سموں سے نرم مٹی میں نہ کچل جاتا لڑائی سے ہٹنا اُسے نہ آتا۔

لڑائی کے میدان میں تاتاریوں کے دست چپ یعنی جرنغار میں بمقابلہ دشمن کے برنغار کے سپاہ کی تعداد کم تھی، اس لئے بار بار ایسا ہوا کہ دشمن کے حملے پر اسے پیچھے ہٹنا پڑا، تیمور کی جانب سے قبیلہ سلدوز کی صفیں ٹوٹ کر بے ترتیب ہو گئیں لیکن شہزادہ عمر شیخ نے اپنا علَم سرنگوں نہ ہونے دیا، اب توقتمش فوج لے کر اس طرف آیا اور تاتاریوں کے قلب لشکر میں سے گزرتا ہوا اس کے عقب میں پہنچا۔

تیمور نے جو اس وقت فوجِ قلب کے ساتھ آگے تھا توقتمش کے رایت کو دیکھا کہ بائیں طرف جہاں تیمور کی فوجیں لڑ رہی تھیں اور جہاں خود تیمور اس وقت کھڑا تھا اسکے بیچ میں اڑ رہا ہے۔

بہادر اور جانباز فوجیں جو اب تک محفوظ تھیں تیمور انہیں لے کر آگے بڑھا اور توقتمش پر یلغار کیا، اس سخت دھاوے کو دیکھ کر اور تیمور کے علَم کو دیکھ کر کہ قریب آ رہا ہے اور تاتاری سواروں کے خود بھی چمکتے ہوئے نزدیک آتے معلوم ہو رہے ہیں توقتمش سمجھا کہ بس اب موت بھی دور نہیں ہے، امرائے سیراوردہ کو جو قریب تھے ساتھ لے کر توقتمش میدان سے ہٹ کر اس خون و خرابے سے باہر آیا اور مغرب کی طرف گھوڑا دوڑاتا ہوا بھاگا اور اپنے ہزارہا لوگوں کا جو میدان جنگ میں لڑ رہے تھے کچھ خیال نہ کیا، توقتمش موت کے سائے سے ڈر کر بھاگا۔

خانِ سیراوردہ جب اس طرح میدان سے فرار ہوا تو سیراوردہ کا علَم بھی سرنگوں ہوا[1]

---

[1] سیراوردہ پر تیمور کی لشکر کشی اور توقتمش پر فتح پانے کے حالات ظفرنامے کی جلد اوّل میں ۴۹۹ صفحے سے ۵۳۱ صفحہ تک ملیں گے، یہ لڑائی ۷۹۲ ہجری ۱۳۸۹ء میں ہوئی تھی۔

باب ۱۸

روس کا شہر ماسکو

تاتاری اب آرام سے کوچ کرنے لگے، توقتمش کے خیمہ وخرگاہ پر تو قبضہ ہو ہی چکا تھا سامانِ خورد ونوش اور گھوڑوں کی کمی اب اُنہیں کیوں ہوتی؟ تیمور نے لشکر کے دس قشونوں میں سے سات قشون بھاگتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں روانہ کئے[1]، کیونکہ توقتمش کیساتھ جو امرائے سیر اوردہ بھاگے تھے ان کے علاوہ بھی لشکر کے بہت سے سردار علم کے گرتے ہی اپنے اپنے الوس لیکر فرار ہوئے تھے، سیر آوردہ کی سپاہ جو مرنے یا بھاگنے سے بچی تھی اس کو تاتاریوں نے ہٹاتے ہٹاتے دریائے آتل کی مشرقی دلدل تک پہنچا دیا اور وہاں اس کے ہزاروں آدمیوں کو قتل کر دیا، مؤرخ لکھتا ہے کہ اس لڑائی میں اور لڑائی کے بعد بھاگنے میں دشمن کے ایک لاکھ آدمی مارے گئے۔

اب پھر شکار کا حلقہ ڈالا گیا، مگر اس مرتبہ جانوروں کے لئے نہیں بلکہ اس غرض سے کہ دریائے آتل سے ملحق علاقوں میں جس قدر شہر اور گاؤں ملیں ان کو اچھی طرح چھان ڈالیں، جنوب کی طرف جو مقابلۃً گرم ملک تھا تاتاری روانہ ہوئے، راستے میں جس قدر بھیڑیں، گائے بیل اور اونٹ ملے انہیں پکڑ لیا اور اپنے گھوڑوں کی تعداد میں بھی خوب

[1] ''صاحبقران تمام لشکر را از دہ نفر ہفت نفر گزین کردہ تبگامشی در عقب گریختگان بفرستاد، و بہادران دلاور از پئے دشمنان چون برق جہندہ شتاب روان شدند، وآن روز برگشتگان راز پیش آب آتل بو دواز پس شمشیر قاتل......نہ از پیش راہ نہ از پس امان..........لاجرم درمیان دو سیلاب چناں بیشتر ایشان را آب زندگانی برخاک ہلاکت ریختہ شعلہ حیات شان بباد فنا برنشست واندک مردے از آن گرداب بلا جریدہ بیرون تو انستند رفت، وزن وفرزند ومال واسباب ایشان تمام بدست لشکر منصور افتاد'' (ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۵۴۵، ۵۴۶)

اضافہ کیا، گیہوں کی تیار فصلیں کھیتوں سے کاٹ لیں، گاؤں اور قصبات میں مکانات لکڑی کے ہوتے تھے، ان میں بے دریغ داخل ہو کر جس قدر حسین لڑکیاں اور کمسن لڑکے ملے انہیں گرفتار کر کے ساتھ لیا، اسی طرح جب روس کے ملک میں پہنچے[1] تو وہاں بھی بڑی دولت لوٹی، سونے اور چاندی کی اینٹیں، قاقم اور سنجاب کے پوستین لوٹ کر ان کے انبار لگا دیئے، غرض اتنا مال ملا کہ ہر تاتاری سپاہی اور اس کی آل اولاد کی باقی عمر کے لئے کافی تھا[2]۔

ہر سپاہی کے پاس اب قیمتی کپڑوں کے تھان، سنجاب اور روباہ لعل کے پوستین ایک ایک خچر کے بوجھ کے برابر ہوگئے، اور غول کے غول ایسے نا کند بچھیروں کے انہوں نے پکڑ لئے جن کے ابھی نعل بھی نہ لگے تھے سب قسم کا مال اس کثرت سے ملا کہ ہر شخص اس کو سنبھال نہ سکا اور بہت کچھ پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھے جنوب کے میدانوں میں جا کر تاتاری فوجیں پھر یکجا ہوگئیں اور تیمور نے یہاں سب کو ایک ہفتہ تک مقیم رہ کر جشن وطوئی کا حکم دیا۔

اس جگہ سے تاتاری بے انتہا خوش تھے، اونچی اونچی گھاس سے گرم ہوا کہ جھونکے آتے تھے، دریا کی موجوں کا شور ہر وقت کانوں میں تھا، اب جاڑا پالا پرانا قصہ ہو چکا تھا، چاندنی کھلتی تھی تو ایسی تیز کھلتی تھی کہ پرکاہ تک نظر آ جاتا، اور آسمان پر جو بادل گزرتے تھے

[1] ظفر نامے میں روس پر چڑھائی کے حال میں لکھا ہے ''حضرت صاحبقران بجانب مسکو (ماسکو) کہ ہم از شہرہائے روس است نہضت فرمود وآبخار سیدہ سپاہ ظفر پناہ تمام آن ولایت را از شہر و بیرون بتاختند ومجموع امراء آبخارا منکوب ومخذول ساختند۔

بنیروے بازوے شمشیر تیز	برآوردہ از روسیانِ رستخیز
زبس روسی برہم انداختہ	شدہ دشت وکوہے برافراختہ

(ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۷۵۸۔۷۶۲)

[2] وغنیمت بسیار بدست لشکریاں افتاد،

زرکانی و نقرہ زیبقی	کہ مہتاب راد ادبے رونقی
زکتان وانطاکئے خانہ باف	زدہ کوہہ برکوہہ چوں کوہ قاف
بہ خروارہا قندز تیغ دار	سمورسیہ نیز بیش ازشمار
زقاقم نہ چندان فرد بستہ بند	کہ تقریرآن کرد شاید کہ چند
فروزندہ سنجاب و روباہ لعل	ہماں کرہ اسپان نادیدہ نعل

(سمور، قاقم، سنجاب، روباہ لعل یہ سب جانوروں کے نام ہیں جن کے پوستین نہایت نرم اور گرم ہوتے تھے۔

سبزے کے اس لہراتے دریا پر اپنا عکس ڈالتے تھے۔

رات کو جھینگروں کی زفیل، ایکھرے سُر کی لگا تار آواز کبھی کبھی پرندوں کے اڑنے کی ہلکی ہلکی صدا، زمین کی سوندھی سوندھی خوشبو سرور کسل و کاہلی میں اور بھی زیادہ موجب نشاط تھی، اس وقت کی سستی و آرام پر تیمور کو کوئی اعتراض نہ تھا، توقتمش کے سراپردے اور بارگاہ میں جن کا مالک اب تیمور تھا اپنے امراء کے ساتھ صاحبقران نے دربار کیا، دروں پر حریر کے پردے لٹکے تھے، چوبوں پر سونے اور چاندی کے خول چڑھے تھے، فرش پر گلاب چھڑکا جاتا تھا، اور اسیرانِ جنگ ضیافت کے وقت فاتحوں کے سامنے کھانے کی قابیں لا کر رکھتے تھے۔

ضیافت شروع ہوتے ہی مطرب و مغنی طلب ہوئے ان کے پاس بانسریاں اور دو تارے تھے آتے ہی امیر اور امیر کے بہادروں کی شان میں مژدۂ ظفر قپچاق کے عنوان سے ایک ترانہ گایا[1]، لیکن جب دسترخوان بڑھایا گیا اور جام و ساغر سامنے رکھے گئے تو گانے والوں نے بھی ٹھاٹھ بدلا۔

زلحنِ مغنی و آوازِ ساز
بچرخ آمدہ زہرۂ دلنواز[2]

اب گرجتے گونجتے ساز میں دلیری و شجاعت کے قصے نہ تھے بلکہ صدائیں نرم اور دلگداز ہوتی گئیں حتیٰ کہ بلبلیاں اور بانسریوں کے میٹھے میٹھے سُر باقی رہ گئے۔

جشن میں مصروف فاتحوں کے لئے شہد کا شربت، عرق و نبیذ اور تیز شرابوں کے شیشے آنے لگے۔

قمر بود و بال و نبیذ و عرق جہان را پراز نقش شادی ورق

[1] ''نوائے مطربان خوش الحان زمزمہ طرب و شادمانی در عشرت گاہ ناہید انداختہ و نغمہ سرائی بزمِ بہجت واہتزاز ایں ترانہ دلنواز در پردہ کامرانی ساختہ،

کہ جاوید صاحبقران شاد باد زعدلش جہاں یکسر آباد باد
برو آفرین از جہان آفریں کہ ناز دبفرش زمان و زمین
فلک بندہ و اخترش یار باد خدائے جہانش نگہدار باد

(ظفرنامہ جلد اول صفحہ ۵۵۳)

[2] ظفرنامہ جلد اوّل صفحہ ۵۵۱۔

زآمد شدِ ساقیانِ باقدح فلک را دل از جائے جست از فرح

جن کے ہاتھوں میں یہ شیشے اور صراحیاں تھیں وہ صد ہا پری چہرہ عورتیں تھیں جو اپنے حسن کی وجہ سے اسیر ہو کر یہاں تک لائی گئی تھیں اور اس وقت حسب دستور بے نقاب کر دی گئی تھیں، لباس کم تھا، شانوں پر بال بکھرے تھے اور اپنی اپنی قوم کے عاشقانہ گیت ان نئے آقاؤں اور مالکوں کے سامنے گاتی تھیں۔

دریائے آتل کے کنارے جشن کے دن جب ختم ہو لئے تو تیمور نے لشکر کو امیر سیف الدین کے سپرد کیا اور خود تیزی سے منزلیں طے کرتا ہوا سمرقند روانہ ہوا، سمرقند کے لوگوں کو آٹھ مہینے سے اپنے امیر کا حال کچھ معلوم نہ تھا، جب آمد کی خبر سنی تو بڑی دھوم سے استقبال کو[1] اٹھے، اب یہ خوف باقی نہ تھا کہ توقتمش پھر فوج کشی کرے گا، اس لئے سمرقند کو ہر بلا سے محفوظ سمجھ کر منزل ارجمند کہنے لگے۔

تیمور نے توقتمش کو اس کے حال پر اور سیر اوردہ کی وسیع سلطنت کے شمالی حصہ کو اس کے مقسوم پر چھوڑا، یہ سچ ہے کہ اس ملک مفتوحہ پر حکومت کرنے کیلئے چنگیز خان کی اولاد سے ایک شخص کو تیمور نے سریر خانی پر بٹھا دیا تھا، لیکن یہ ایک دکھاوے کی بات تھی، اس سے زیادہ کچھ نہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ توقتمش حملے کی غرض سے پھر نمودار ہوا۔

خلاصہ یہ کہ بڑی لڑائی کے تین برس بعد یعنی ۱۳۹۴ء ۷۹۷ ہجری میں توقتمش نے تیمور کی سرحد پر جواب بحر خزر کے شمال تک آ گئی تھی پھر ترک و تاز شروع کیا، تیمور کو جب اس حرکت کی خبر ہوئی تو اس نے توقتمش کو لکھا کہ!

''یہ تجھ پر کیا بھوت سوار ہوا ہے کہ اپنے ملک میں نچلا نہیں بیٹھتا، کیا آخری لڑائی بھول گیا، میری فتوحات کا حال تو خوب جانتا ہے اور یہ

[1] ''و دیدہ اہالی مملکت از غبار موکب ہمایونش روشنائی یافت واشعہ آفتاب مسرت و شادمانی بر خواطر و ضمائر اکابر و اصاغران دیار تافت، شہزادگان و آغایان و امراء و نوینان۔

برفتند یکسر ہمہ بانثار ثنا خوان و شادان بر شہریار
فراوانِ از و گوہر افشاند ند بروید حت و آفرین جواند ند

ظفرنامہ جلد اول صفحہ ۵۵۶۔

بھی جانتا ہے کہ کسی کا مجھ سے لڑنا یا صلح رکھنا میرے لئے ایک ہی بات ہے اب پسند کر لے کہ صلح رکھنی چاہتا ہے یا لڑائی، اور جو ارادہ ہو اس سے جلد اطلاع دے'' ۱

توقتمش تیمور سے پھر لڑا اور اس لڑائی میں تیمور جس قدر شکست کے لگ بھگ پہنچا ایسا پہلے کبھی پیش نہ آیا تھا، یہاں تیمور کی ایک جھلک اس شکل میں نظر آتی ہے کہ چند بہادروں کے ساتھ لشکر سے علیحدہ ہو گیا ہے، تلوار ٹوٹ گئی ہے اور دشمن نے ایسا دبایا ہے کہ ساتھ والوں نے گھوڑوں سے اُتر کر اس کے گرد ایک حلقہ باندھ لیا ہے اور تاتاری سرداروں میں سے ایک بہادر امیر نورالدین نے دشمن کے عرابوں (گاڑیوں) میں سے تین عرابے لا کر تیمور کے سامنے ایک پشتے کے طور پر قائم کر دیئے ہیں، تاکہ جب تک کمک پہنچے آقا کو دشمن سے محفوظ رکھا جائے، فوج کمک فوراً آئی اور لڑی، اس معرکہ میں شہزادہ میران شاہ اور امیر سیف الدین زخمی ہوئے۔ ۲

لیکن اس لڑائی کے بعد سیر اوردہ کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا، توقتمش شمال کے صحراؤں کی طرف فرار ہوا، تمام قبائل والوسات جو اس کے تابع تھے پراگندہ ہوئے، ان میں بعض قبیلے پورے کے پورے قرم (کریمیہ، یورپ) چلے گئے بعض اور نہ (یورپ) کو آباد کیا اور بعض نے اور آگے بڑھ کر ہنگاریہ (یورپ) میں بود و باش اختیار کی بہت سے الوس تیمور سے آملے۔

---

۱ حضرت صاحبقران مکتوبے بتوقتمش خان نوشتہ بود،

که ای بردهٔ دیو غرورت زراه — چرا پایهٔ خود نداری نگاه
چه داری ندانم دگر در دماغ — که برباد صرصر کشائی چراغ
فراموش کردی مگر آن نبرد — که از ملک و ملت برآورد رودگرد
بهرجا که نیروی من پی فشرد — مرا بود پیروزی و دست برد
چو کین آوری کین ستانی کنم — شوی مهربان مهربانی کنم
چو نامه بجوانی نسازی درنگ — نمائی بمن صورت صلح و جنگ

(ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۴۳۷-۴۳۸)

۲ دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحات ۷۴۳-۷۵۰، تیمور اور توقتمش کی یہ لڑائی ولایت شاش میں دریائے ترک کے کنارے بیان ہوئی ہے، زمانہ ۱۳۹۴ء ۷۹۷ھ

(مترجم)

سیر اوردہ کے پائے تخت یعنی سرائے کو جو دریائے آتل (دولگہ) کے کنارے آباد تھا تاتاریوں نے بُری طرح تاراج کیا، اس مرتبہ کئی شہر سیر اوردہ کے ایسے تھے جن کو تیمور نے مطلق امان نہ دی، سرائے کی طرف تیمور پلٹ کر آیا اور اس کے باشندوں کو ایسے زمانے میں کہ جاڑا خوب زور پر تھا شہر سے باہر نکال دیا تاکہ سردی سے ہلاک ہو جائیں، شہر کی عمارتوں کو جو عموماً لکڑی کی تھیں جلوا دیا، دریائے آتل کے کنارے شہر استراخان ۱ پر حملہ کیا۔ روایت ہے کہ اس شہر کے حصار کو اس طرح بنایا تھا کہ پہلے پتھروں کی جگہ منجمد برف کے ٹکڑے چنے، پھر ان پر پانی ڈالا، اس پانی نے یخ بنکر برف کے ان ٹکڑوں کو ایسا جوڑ دیا کہ وہ ایک سالم پتھر کی مضبوط دیوار بن گئے۔ استراخان میں جس قدر فوج مغلوں کی موجود تھی اُسے یہ بات جتا کر قتل کر دیا گیا کہ ایک مرتبہ بخارا پر یورش کر کے وہاں کا ایک محل انہوں نے جلایا تھا، اور یہ قتل اب اُسی کی سزا ہے، حاکم استراخان کو دریا کی یخ بستہ سطح کے ایک سوراخ میں ڈال کر ہلاک کر دیا۔ ۲

جس وقت تیمور کا پرچم دریائے ڈون (یورپ) کے کنارے کنارے آگے بڑھا تو روس کے مشہور شہر ماسکو میں سب کو بے حد خوف پیدا ہوا، یہ خوف بے جا نہ تھا، والیان

---

۱ ''حاجی ترخان (استراخان) بکنار آب آتل واقع است حصار او را متصل آب از کنار آں نہر کشیدہ اند تا باز۔۔۔۔ رسیدہ چنانچہ از یک جانب شہر آب بجائے حصار است و چون زمستان در آنجا یخ بندی می بندد کہ سطح آب جسم بسیط خاک می گردد، برلب آب پارہائے یخ بجائے خشت و گل دیوارے بنیاد می نہند و شب ہنگام آب برآن می پاشند تا مجموع برہم بربستہ یک لخت میشود و باین طریقہ بلند ساختہ حصار شہر برآن دیوار یکپارہ از یخ مکمل می گردانند و دروازہ می نشانند.....'' (ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۷۷۴-۷۷۵)

۲ ''وصاحبقران بحاجی ترخان (استراخان) درآمد و بعد از حوالہ مال امانی وتحصیل آن ہر چہ در آنجا بود از صامت و ناطق عرضہ، تاراج گشت و شاہزادہ پیر محمد با امراء از آب آتل بروئے یخ بگذشتند و بموجب فرمان (حاکم استراخان) محمدی را زیر یخ فرستادند، اوطمۂ، ماہیان شد، و سپاہ ظفر پناہ سرائے را گرفتند و آتش زدہ سوختند و احشام وصحرا نشینان آن نواح را مجموع غارت کردہ براندند و بیاوردند و او خراب کردن سرائے انتقام جسارتے بود کہ لشکر دشت (سیر اوردہ) در تخریب زنجیر سرائے (در بخارا) نمودہ بودند چہ در زمانے کہ حضرت صاحبقران تسخیر فارس و عراق مشغول بود ایشان ماوراالنہر را خالی یافتہ تاخت کردند و سرائے قزان سلطان را کہ بہ زنجیر سرائے مشہور است خراب کردند لاجرم سرائے بدین گونہ زیر و زبر گشت۔ (ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۷۷۵)

ریاستہائے روس کے رئیس اعظم اور روس کے لشکر نے لڑائی کی تیاری کی لیکن تیمور کے مقابلہ میں کامیاب رہنے کی امید کسی کو نہ تھی، حضرت مریم علیہا السلام کا سنگین بت جو ماسکو سے وشای گورد کو بھیج دیا گیا تھا واپس لانے کے لئے گاڑیاں اور ٹھیلے دوڑائے گئے، اور بڑے جلوس اور اہتمام سے یہ بت پھر ماسکو میں لایا گیا، روسی اس مورت کے سامنے زمین پر گھٹنے ٹیک کر بڑی آہ و زاری سے کہتے تھے کہ ''اے اُمّ خداوند روس کو بچالے''۔

روسی اب تک یہی کہتے ہیں کہ اس دعا کی وجہ سے ماسکو تیمور کے ہاتھ سے بچ گیا، اور دریائے ڈون کے کنارے کچھ دور بڑھ کر وہ اُلٹے قدم واپس چلا گیا، یہ نہیں معلوم کہ کیوں واپس چلا گیا[1]، لیکن ماسکو کی اس جان بخشی سے یورپ کے ان شہروں کو موت کا سامنا ہو گیا جو بحر آصف کے کنارے آباد تھے، ان شہروں میں وینس (اٹلی) جنیوا (اٹلی) قیطلونیہ (اسپین) اور بشلنتش (اسپین) کے جس قدر لوگ تھے وہ سب تیموری تلوار کی نذر ہو گئے اور مغلوں کی ان بندرگاہوں میں جہاں بردہ فروش اپنے بازار لگاتے تھے یا اور قسم کی تجارت ہوتی تھی وہاں ''خروس آتش نے اپنی بانگ بلند کی'' (یعنی یہ بندرگاہ جلا دیئے گئے)

جاڑے کی دھوپ اور خاکی رنگ آسمان کے سائے میں دولت مغلیہ کے ویرانے [2] تیمور چل رہا ہے ممالک سیر اوردہ آل جوجی پسر چنگیز کی قلمرو تھے، اور اب اُن کا اقبال اور

[1] یاد رکھنا چاہیے کہ اس واقعہ سے سات برس پہلے توقتمش (خان سیر اوردہ) نے ماسکو کو جلا دیا تھا اب زمانہ یہ آیا کہ تیمور نے توقتمش کو اس کے مقبوضات سیر اوردہ سے محروم کر دیا، ماسکو جس کی آبادی کچھ اوپر پچاس ہزار تھی تیمور کو ایک معمولی شہر نظر آیا جو اتفاق سے راہ میں آ گیا تھا، تاریخ کی اکثر کتابوں میں بیان ہوا ہے کہ تیمور نے ماسکو پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا لیکن روسی مورخوں کو اس سے قطعی انکار ہے (مصنف)

[2] تیمور کے حملے کے چار برس بعد روسیوں کی طرف سے اتنا ہوا کہ ولایت لیتھوانیہ (یورپین روس کا شمال مغربی حصہ) کے رئیس دیتوت (ویٹولڈ) نے اُن تاتاریوں کے مقابلہ میں ایک قسم کی مجنونانہ جنگ صلیب شروع کر دی جو جنوبی اضلاع روس میں آباد ہو گئے تھے لیکن تیموری سرکار کے دو تاتاری خانوں نے لیتھوانیہ، پولستان اور گالیشہ والوں اور ٹیوٹن شہسواروں کے رئیس اعظم کو شکست فاش دی، اس لڑائی کو مورخوں نے بہت کم بیان کیا ہے اس کے حالات ہم نے اس کتاب کے تعلیقہ نمبر ۵ میں بصراحت بیان کئے ہیں، یہ تیمور کی تلوار ہی تھی جس نے روس کو اس قابل کیا کہ سیر اوردہ کے حکمران مغلوں کا جوا اپنے کندھے سے اتار پھینکیں۔ (مصنف)

چنگیز خان کے آئین و تزوک پر علمدرآمد دنیا سے رخصت ہوتا ہے، سوائے دشت گوبی اور اقطاع شمال کے اب خانانِ مغل کے قبضہ میں کچھ باقی نہیں رہتا۔

شمال کے اضلاع کو آخری مرتبہ چھوڑنے کے بعد تیمور کو شوق ہوا کہ بحر خزر کے گرد جو کوچ شروع کیا ہے اسے ختم کیا جائے اور اس دور کو پورا کرنے کے لئے کوہستان قفقاز سے جو بیچ میں آتا ہے کسی طرح راستہ نکالا جائے۔

سیر اوردہ اور استراخان کی فتح کے بعد تیمور کے لشکر میں قپچاق[1] کے قبیلے اور قارلق کے الوس یعنی برفستانوں کے باشندے[2] اور شامل ہو گئے اور اب اس لشکر نے تنگ و دشوار پہاڑی دروں اور جنگلوں کو جو دیواروں کی طرح کھڑے تھے اور جن میں سے گذشتہ زمانے کے لشکر کشوں نے گزرنا غیر ممکن سمجھا تھا طے کرنا شروع کیا، ضرورت اس کی ہوئی کہ سڑک بناتے جائیں اور آگے بڑھتے جائیں اور گرجستان کی جنگ آور قوموں کے قلعوں کو جو عقاب کے آشیانوں کی طرح پہاڑوں کی چوٹیوں پر واقع تھے اور تیمور کی راہ میں قدم قدم پر بڑی جسارت اور بیباکی سے مزاحم ہوتے تھے فتح کرتے چلیں۔

گرمیوں کی صرف ایک فصل میں یہ سخت مرحلہ طے کر لیا گیا، وجہ یہ تھی کہ تیمور نے اس زمانے میں اپنے لشکر سے وہ وہ کام لئے تھے جن کا انجام دینا انسان کی قدرت سے باہر معلوم ہوتا تھا۔ جنگل ایک مقام پر اس شکل کا آیا کہ نیچے نیچے درختوں کے جھاڑ جھنکاڑ پر اونچے اونچے درخت چھائے ہوئے تھے، بیلوں اور جھاڑیوں کے ہجوم میں گرے ہوئے درختوں کے زبردست تنے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے کالے کالے دیو زمین پر لمبی تانے ہیں اور جنگل ایسا گھنا اور گنجان تھا کہ ہوا تک اس کے آر پار نہ ہو سکتی تھی، کہیں کہیں پتوں میں سے کچھ کچھ دھوپ چھنتی تھی باقی ہر جگہ تاریکی اور غبار چھایا تھا، یہ مقام ایسا آیا کہ بڑے بڑے درختوں کو کاٹ کر راستہ بنانے کی ضرورت ہوئی۔

اس جنگل کے قریب ہی ایک قوم پہاڑوں میں آباد تھی ان کا قلعہ اتنا اونچا تھا کہ

[1] قپچاق، لفظ قیوق سے مشتق ہے، قیوق کے معنی کھوکھلے درخت کے ہیں، دیکھو حبیب السیر جز اول حصہ سوم صفحہ ۶ سطر ۱۰-۱۱۔

[2] قارلق۔ خداوند برف، دیکھو حبیب السیر جز، اول حصہ سوم صفحہ ۶ سطر ۱۳-۱۴ (مترجم)

اس کا تسخیر کرنا غیر ممکن معلوم ہوتا تھا[1]، قلعے کی بلندی کا یہ حال تھا کہ جب تاتاری اس کی طرف دیکھتے تھے تو چکر آنے لگتا تھا، اور ایک تیر پرتاب کی زد سے اس کی چوٹی باہر تھی، تیمور نے اس قلعے سے خالی گزر جانا منظور نہیں کیا، اس کو ہر گز گوارا نہ تھا کہ پہاڑوں میں جو راستہ وہ بنا رہا ہے اس کے کنارے کا ایک قلعہ صحیح وسلامت چھوڑا جائے۔

تیمور نے اپنے لشکر سے بدخشانیوں کو طلب کر کے حکم دیا کہ قلعہ تک پہنچنے کا راستہ نکالیں، بدخشانی پہاڑوں کے رہنے والے تھے جو کوہ روی میں بڑے مشاق تھے، جب اپنے وطن میں تھے تو ایسے ہی پہاڑوں میں بز کوہی کا شکار کھیلا کرتے تھے، حکم پاتے ہی پہاڑوں پر انہوں نے چڑھنا شروع کیا لیکن ہار کر تیمور کے پاس آئے اور عرض کیا کہ بالکل اوپر تک پہنچنا ممکن نہیں لیکن تیمور اپنے ارادہ سے کب ٹلتا تھا، ایک دوسرے پہاڑ پر خود پہنچا اور وہاں سے قلعہ والے پہاڑ کا معائنہ کیا، اور حکم دیا کہ چند نردبان تیار کئے جائیں اور ایک نردبان کے سرے پر دوسرا نردبان رسیوں سے باندھا جائے۔

نردبان تیار ہونے پر ان میں رسیاں باندھی گئیں اور دونوں طرف اونچے درختوں میں ان رسیوں کو ڈال کر اسطرح گھسیٹا کہ ایک نردبان تین سوفٹ بلند چٹان سے جا لگا اس نردبان کا اوپر کا سرا چٹان میں ایک چھجے کے قریب ٹکایا، جب سپاہی اس پر چڑھتے ہوئے چھجے پر پہنچے تو اس نردبان کو اوپر گھسیٹ کر پھر چٹان سے لگایا اور اس طرح اوپر پہنچ کر پھر یہی عمل کیا، تاتاری جو پتھروں کے گرنے یا قلعہ والوں کے تیروں سے زخمی ہو کر پہاڑ کے نیچے نہیں گرے وہ اوپر چڑھنے میں طنابوں کے ذریعہ سے ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔

لشکر کے بعض لوگ قریب کے ایسے اونچے چٹانوں پر چڑھ گئے جہاں سے وہ قلعہ پر تیر برسا سکتے تھے غرض جب بہت سے تاتاری قلعہ تک پہنچ گئے تو گرجستان کی اس قلعہ نشین قوم نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس طریقے سے لشکر پہاڑی قلعوں کو فتح کرتا ہوا اور بڑی بڑی وادیوں سے گزرتا ہوا بحر خزر کے کنارے پہنچا، اب اس لشکر کے سامنے کوہ البرز کا سلسلہ تھا جس سے

[1] اس قلعے کی فتح کے حالات ظفرنامے کی پہلی جلد میں صفحہ ۷۶۶ سے شروع ہوئے ہیں، قلعہ کا نام قلعہ ''کولا وطاؤس'' لکھا ہے یہ دونوں نام ان سرداروں کے تھے جو اس قلعے میں رہتے تھے۔ (مترجم)

شمالی ایران کی سرحد قائم ہوئی ہے، یہاں کے قلعے بھی گرجستان کے قلعوں کی مانند مضبوط تھے، تیمور جس قلعے پر پہنچا قلعہ والوں کو طلب کر کے اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا جس نے اطاعت قبول کر لی اس کو امان دی گئی۔

تیمور کے دو محاصرے تاریخ میں یادگار چلے آتے ہیں، ایک محاصرہ کلات[1] کا اور دوسرا محاصرہ تکریت[2] کا، کلات ایک بہت بلند مگر مسطح قلعہ زمین پر واقع تھا جہاں پانی کے چشمے اور مویشیوں کے لئے چراگاہیں موجود تھیں، چاروں طرف تنگ وتاریک پہاڑی درّے تھے اور ان کے بیچ میں یہ حصار بڑی بلندی پر واقع تھا، اور جس پہاڑ پر قلعہ تھا اس کی شکل ایسی تھی کہ قلعہ کی فصیلوں کے باہر اتنی زمین نہ تھی کہ کوئی لشکر اس پر اتر سکے، درّوں میں سے گذرنا مشکل اور چٹانیں ایسی بلند اور سیدھی اٹھی ہوئی تھیں کہ ان پر چڑھنا اور پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنا غیر ممکن تھا اسی حصار میں بعد کو بادشاہ ایران (نادر شاہ) اپنا خزانہ رکھا کرتا تھا۔

جب حصار کلات پر حملے کی کوشش کا کچھ نتیجہ نہ نکلا تو تیمور نے تمام درّوں پر جن سے گزر کر قلعہ پر پہنچتے تھے فوجیں بٹھا دیں اور اس طرح کلات کا محاصرہ شروع کر دیا

[1] کلات جس کو محض قلعہ بھی لکھا جاتا ہے ملک خراسان کے مغربی علاقہ نیشاپور میں شہر نیشاپور سے شمال مشرق میں تقریباً ۸۰ میل کے فاصلے سے واقع ہے یہ پہاڑوں میں ایک قدرتی حصار ہے جس کا دوسرا نام آج کل قلات نادری ہے یہ نام اس وقت سے ہوا ہے جب سے کہ ایران کے بادشاہ نادر نے اٹھارویں صدی عیسوی بارہویں صدی ہجری میں) یہاں اپنا خزانہ رکھنا شروع کیا تیمور نے اس قلعہ کو غالباً ۱۳۹۴ء بمطابق ۷۹۷ھ کے آخر یا ۱۳۹۵ء بمطابق ۷۹۸ھ کے شروع میں فتح کیا تھا (دیکھو لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی، انگریزی صفحہ ۳۹۵) حصار کلات کی فتح کے حالات ظفرنامے کی جلد اوّل میں صفحات ۳۳۷۔۳۴۳ پر بیان ہوئے ہیں۔ (مترجم)

[2] تکریت، ملک عراق میں بغداد سے شمال مغرب اور سامرّا سے ۳۰ میل شمال میں دجلے کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔ یہ ملک عراق کا آخری شہر عراق کی سرحد پر شمار کیا جاتا ہے۔ (دیکھو لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی، انگریزی صفحہ ۵۱)، فتح تکریت کے حالات ظفرنامے کی پہلی جلد کے صفحہ ۶۴۳ سے شروع ہوئے ہیں اور اس فتح کی تاریخ ۲۵ محرم ۷۹۶ ہجری درج ہے۔ (مترجم)

مصنف کتاب نے کلات اور تکریت کے نام ایسے پاس پاس لکھے ہیں کہ خیال ہوتا ہے کہ وہ پاس پاس واقع بھی ہوں گے مگر ان دونوں میں تقریباً ساڑھے آٹھ سو میل کا فاصلہ ہے دونوں کے فتح ہونے کے زمانہ میں البتہ زیادہ فصل نہیں ہے۔ (مترجم)

تیمور خود وہاں سے دوسری طرف روانہ ہوا کچھ دنوں کے بعد قلعے میں وبا پھیلی، قلعہ والے باہر نکلے، ان کے باہر نکلتے ہی تیمور کی فوجوں نے حصار فتح کر لیا، حصار کے دروازے اور دروازوں تک پہنچنے کے درے آئندہ کے لئے درست کر کے محفوظ کر دیئے گئے۔

دوسرا مقام یعنی حصار تکریت دریائے دجلہ کے کنارے ایک بلند پہاڑ تھا، دریا اس پہاڑ سے ملا ہوا بہتا تھا، یہ ایک خود مختار قوم کا قلعہ تھا جو قافلوں کو بے دریغ لُوٹا کرتی تھی[1]۔ تکریت کو پہلے کسی نے فتح نہیں کیا تھا۔

جس وقت تیمور یہاں پہنچا تو قلعہ کے سرداروں نے فیصلہ کر لیا کہ قلعہ ہرگز تیمور کے حوالے نہ کریں گے، چنانچہ قلعہ میں آنے کے جس قدر دروازے تھے ان کو پتھر اور چونے سے تیغہ کرا دیا۔

اب ایک دن برغو کی آواز اور سورن کے نعرے سنائی دیئے، پہاڑ کے نیچے جس قدر مورچے اور پشتے تھے ان پر تاتاریوں نے قبضہ کر لیا، تکریت والوں کو مجبوراً قلعہ بند ہونا پڑا، تیمور کے مہندسوں نے فوراً پتھر پھینکنے کی کلیں یعنی عرّادے و منجنیق تیار کئے اور بڑے بڑے شہتیر زمین میں نصب کر کے عرادوں کو اُن پر جمایا اور جب اس نے پتھر پھینکے تو معلوم ہوا کہ قلعہ میں پتھر بخوبی پہنچتے ہیں، پھر کیا تھا اتنے پتھر برسائے کہ قلعہ میں جس قدر مکانات تھے ان کی چھتیں ایک ایک کر کے بیٹھ گئیں۔

لیکن اس قسم کی غارت گری سے محصوروں کو کچھ زیادہ تردد نہ ہوا، حصار کی دیواریں اتنی بلند تھیں کہ عرادوں کے پتھروں سے ان دیواروں کو کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا، تیسری شب کو تیمور کا ایک فوجی سردار سیّد خواجہ نامی قلعہ کے ایک باہر والے برج پر چڑھ گیا اور اس پر قبضہ کر لیا لیکن قلعہ کی فصیل کے قریب قدم نہ جما سکا۔

اونچے شہتیر نصب کر کے ان پر عارضی سائبان ڈالے اور ان سائبانوں کی آڑ میں تاتاری مہندسوں اور سرنگ لگانے والوں نے اپنا کام شروع کیا، نیچے تین سے پاڑیں

---

[1] ''و جمعے مفسدانِ متمرد آن (تکریت) را پناہ جستہ اند و سر عصیان بر آوردہ پائے از جادہ راستی بیرون نہادہ اند و راہ گزرندگان بستہ دست تعدی و تطاول بنہب و غارت مال مسلمانان برکشودہ اند پیوستہ کاروان شام و مصر را میزنند''۔ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۴۴۔

باندھ کر فصیل کی جڑ تک پہنچ گئے جو پہاڑ پر قائم تھی۔

اب فصیل کے مختلف حصے تاتاری سپاہ کے مختلف دستوں میں تقسیم کر دیئے گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ بہتّر ہزار آدمیوں نے چھینیاں اور کتنیاں بیلچے اور بیرم لے کر پہاڑ میں دیوار کی بنیاد کو کھودنا شروع کیا یہ کام باری باری سے شبانہ روز جاری رکھا گیا، فوج کے ایک دستہ نے دیوار کے نیچے پہاڑ میں بیس فٹ کے قریب نقب لگائی جہاں نقب لگا کر بنیاد کو کھوکھلا کرتے تھے، وہاں فوراً موٹی موٹی لکڑیوں کے بلّے کھڑے کرتے جاتے تھے تاکہ اوپر سے دیوار نہ گرنے پاوے، سہاروں پر تھمی رہے۔

اس نقب زنی نے محصوروں پر بے حد خوف طاری کیا، اور انہوں نے امیر تیمور کی خدمت میں پیشکش حاضر کئے کہ یہ مصیبت کسی طرح ٹل جائے، تیمور نے کہا کہ قلعہ کے سردار (حسن نامی) کو بذاتِ خود حاضر ہو کر اطاعت قبول کرنی چاہیے قلعہ کے سردار نے یہ منظور نہ کیا۔

اب پھر برغو کی مہیب صدائیں اور سورن کا غلغلہ بلند ہوا بنیادیں کھودنے میں جہاں جہاں موٹی موٹی بلّوں کے سہارے لگائے تھے ان پر روغن ملا گیا، اور ادھر اُدھر سے لکڑیاں جمع کر کے اور نفط (تیل مٹی) ڈال کر ان میں آگ لگا دی گئی جب بلّے بلّیاں جل گئیں تو دیوار کے اوپر کے حصے جو انہی کے سہارے کھڑے تھے نیچے آن رہے اور اس کے ساتھ ہی قلعہ والے جو دیوار کے اوپر کھڑے دشمن کا مقابلہ کرتے تھے وہ بھی باہر کو گرے، تاتاری دیواروں کے ڈھیر پر چڑھ کر قلعہ والوں پر حملہ کرنے لگے قلعہ والوں نے بھی جان توڑ کر مقابلہ کیا، تیمور نے جہاں نقب لگانے کے لئے شہتیر و سائبان نصب کرائے تھے ان میں آگ لگانے کا حکم دیا آگ لگتے ہی سارا قلعہ دھوئیں سے اٹ گیا۔

جب دیواروں میں اور بہت سی جگہ نقب لگا کر راستہ کر لیا تو ایسی فوجیں جو وزنی ہتھیار رکھتی تھیں قلعہ میں گھس پڑیں، تکریت کے لوگ اس نیم برباد قلعہ سے نکل کر اس کی پشت پر ایک بلند مقام پر چڑھ گئے تاتاریوں نے پیچھا نہ چھوڑا، اوپر پہنچ کر قلعہ کے سردار حسن کو گرفتار کر لیا اور ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے نیچے لائے اور تیمور کے سامنے پیش کیا، تکریت فتح ہونے پر تیمور کے حکم سے محصوروں کے گروہ میں سے سپاہی اور رعایا علیحدہ

علیحدہ کئے گئے، رعایا کی جان سلامت رکھی گئی اور سپاہی تاتاریوں میں تقسیم کر دیئے گئے جنہوں نے ان کو قتل کر دیا۔

مقتولوں کے سر کاٹ کر دریا کی مٹی اور پانی سے دو منارے چنے گئے اور ان میناروں کے سنگ بنیاد پر لوگوں کی عبرت کے لئے ایک کتبہ اس مضمون کا نصب کیا گیا کہ ''دیکھو مجرموں اور ظالموں کا کیا انجام ہوتا ہے''۔ لیکن اس سے زیادہ موزوں کتبہ یہ ہوتا کہ ''دیکھو ان کا انجام جو تیمور کے حکم سے روگردانی کرتے ہیں، کیا ہوتا ہے''۔ فصیل کا وہ سالم حصہ جس کے پاس نقب لگائی گئی تھی۔ سلامت رکھا گیا تاکہ دن کے وقت دور دور سے لوگ آ کر تیمور کے کاموں کو دیکھ کر اس کی سطوت اور قلعہ گیری کی قوت پر گواہی دیں۔[1] لیکن رات کے وقت یہ صورت نہ ہوتی تھی، مشہور تھا کہ اندھیرا ہوتے ہی ان میناروں کی چوٹیوں پر غیبی شعلے چمکتے نظر آیا کرتے تھے، اور صرف جنگل کے وحشی جانوروں کی ہمت ہوتی تھی کہ جھاڑیوں میں چارہ تلاش کرتے ہوئے ان میناروں تک پہنچیں۔

تکریت جس کو تسخیر کرنا غیر ممکن سمجھا جاتا تھا تیمور کے ہاتھوں سترہ دن میں فتح ہو گیا۔[2]

اب تیمور تمام بلا د شمال، بحر خوارزم اور بحر خزر کے وسیع علاقوں اور ایران کی کوہستانی ولایات اور قفقاز کا مالک ہو گیا خراسان کی بڑی سڑک دو ہزار دو سو میل کی مسافت اس کی قلمرو میں طے کرتی تھی، چودہ بڑے شہر خراسان میں نیشاپور سے لے کر چین میں المالیق

---

[1] اس مضمون کی جگہ ظفر نامے میں جو عبارت آئی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''تواچیوں نے دوسروں کی عبرت کے لئے اہل تکریت کے سروں کے مینار چنے اور ان کے گھروں کو اس آیت کا مصداق کر دیا کہ ''یہ ان کے گھر ہیں جو برباد ہوئے اپنے ظلموں سے'' اور ان کا حال اس کلام کے مطابق ہو گیا کہ ''ہم نے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے'' اور کیا ''ہم ناشکروں کے سوا کسی کو سزا دیتے ہیں''۔ یہ فتح دوشنبہ کے روز ۲۵ ماہ (محرم) ۷۹۶ ہجری کو ہوئی اور حضرت صاحبقران کے حکم سے قلعہ کی ایک دیوار سالم رکھی گئی تاکہ آئندہ زمانے میں لوگ حیرت اور عبرت سے اس بات کو دیکھیں کہ قلعہ کیسا مستحکم اور استوار تھا اور حضرت صاحبقران کے قدرت اور کامگاری سے وہ کس طرح تسخیر کر لیا گیا (ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۵۶)۔

[2] ۴ محرم ۷۹۶ کو تیمور تکریت پہنچا، تین چار دن لشکر کی ترتیب میں صرف ہوئے اس کے بعد حملہ کر کے ۲۵ محرم ۷۹۶ ہجری کو قلعہ فتح کر لیا اس حساب سے تقریباً ۱۷ دن میں قلعہ فتح ہو گیا، دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۶۴۵ و ۶۴۶، ۶۵۱۔

کے شہر تک اُسے خراج ادا کرتے تھے۔

لیکن اس سلطنت کے پیدا کرنے میں جانیں بہت تلف ہوئیں، نوئینان اور امراء کا جو جتھا ہر وقت پیش میں رہتا تھا اب وہ چھٹنے لگا اور ہمرکاب بھی اب اتنے بہادر نہ رہتے جتنے پہلے رہتے تھے، ختائی بہادر سیر دریا کی برف میں جان بحق ہوا تھا،[1] شیخ علی بہادر جس نے سیر اوردہ کی لڑائی میں سب سے پہلے نیام سے تلوار نکالی تھی ایک ترکمان کے خنجر سے ہلاک ہو چکا تھا،[2] امیر زادہ عمر شیخ تیمور کے منجھلے فرزند کو قفقاز میں ایک نادان شخص کا تیر کھا کر دنیا سے رخصت ہونا پڑا تھا[3]، اسی طرح تیمور کا ایک اور فرزند بھی باپ کے پہلو سے اٹھ چکا تھا، اس کو حسنِ اتفاق سمجھنا چاہیے کہ تیمور ابھی تک موت کے ہاتھوں بچا رہا۔

امیر زادہ عمر شیخ کی موت کی خبر جب سنائی گئی تو تیمور نے ضبط سے کام لیا اور اِنّا لِلّٰہِ و انّا الیہ راجعون کہہ کر سمرقند کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔

راہ میں شہر سبز آیا، یہاں آق سرائے میں یعنی قصر سپید میں جس کی تعمیر اب ختم ہو چکی تھی قیام کیا، یہ محل شہر کے قریب ایک سبزہ زار میں تیار کرایا گیا تھا، یہاں تیمور نے کچھ دن آرام کیا اور دربار اجلاس کرنا کچھ پسند نہ کیا۔

بڑے لڑکے جہانگیر کا مقبرہ تیار کرایا تھا اسے دیکھنے گیا اور حکم دیا کہ اس مقبرہ کو کچھ بڑھا کر عمر شیخ کو بھی وہیں دفن کیا جائے۔[4] اخیر زمانے میں تیمور بہت خاموش رہنے لگا تھا شطرنج کی بساط سامنے رکھے پہروں تک چپ بیٹھا رہنا اسے اچھا معلوم ہوتا تھا، لیکن تدبیریں جو دل میں سوچی تھیں وہ کسی سے نہ کہیں اور عمر شیخ کے مرنے کے بعد لشکر کشی کا حکم دیا اور یہ تیمور کی دور دراز کی فوج کشیوں میں پہلی فوج کشی تھی۔

---

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۷۹-۲۸۰، ختائی بہادر اترار کے قریب جو سیر دریا کے کنارے ہے ارس خان سے لڑائی میں مارا گیا تھا، اس زمانے میں شدت سے برف گری تھی۔

[2] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۵۸۵-۵۸۸۔

[3] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۶۷، ''نادانے از قلعہ تیرے انداخت واز قضا بشاہ رگ او (عمر شیخ) رسید و درجہ شہادت یافت'' صفحہ ۶۶۸ ''واین واقعہ اواسط زمستان در ربیع الاوّل ۷۹۶ دست دادہ''

[4] مقابلہ کیجئے ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۶۶۹-۶۷۰ کی عبارت سے۔

باب ۱۹

یاران ہم پیالہ

اب تک تیمور نے جنوب کے ملکوں کی طرف نظر نہ ڈالی تھی، ہندوستان ہندوکوہ کی پشت پر تھا، سوائے تجارت کے اب تک اس سے کچھ واسطہ نہ تھا اور ایران کی طرف کھاری جھیلوں کا ایک سلسلہ حائل تھا۔

ایران جلوہ گاہ عزو تمکین اکثر جگہ شکستہ حال تھا، ذہین وذکی مے خوار و مے پرست شہزادے اپنے بزرگوں کی سریر سلطنت پر متمکن تھے، سنگ مرمر کے تخت ٹوٹ چکے تھے اور اب اُن کے ٹکڑوں پر یہ تاجدار بیٹھے تھے تخت بھی اُن کے تھے جو اسلام کے اجدّا تھے، مگر اب تو اُن کے یہ نام لیوا شیروں کے مسکن میں گیدڑ ہو کر بسے تھے۔

زائرین بیت اللہ حج کی نیت باندھے ننگے گلے دھوپ میں بیٹھے نظر آتے، بے نوا اور قلندر ڈھول کی آواز پر تھرکتے دکھائی دیتے مگر کشکول کی طرف سے غافل نہ رہتے، کوئی پیسہ ڈالتا تو نظر اُدھر ہی جاتی، رعایا کے مالک امیر و رئیس گھوڑوں پر سوار نکلتے، غلام اور نوکر چتر اور آفتاب گردان کا سایہ اُن پر کیے ہوتے، اکثر حریر اور کتان کی جانمازیں شراب میں تر اور سپید داڑھیاں حشیش میں رنگی ہوئی نظر آتیں۔

زمین ریتیلی تھی، گرد کا اڑنا وبال جان تھا، لیکن رات کو جب پورا چاند آسمان سے خانہ باغوں پر نور برساتا تو حسن و خوشنمائی کی انتہا نہ رہتی، اس کے ساتھ ہی جب صحرا کی سطح سے تپ ولرزے کی ہوا اٹھ کر سایہ دار درختوں کے پتوں میں سرسراتی تو زندگی دشوار کر دیتی، اسی ایرانی زمین کے شہر اصطخر میں وہ ہزار ہاستونوں والا محل تھا جس کے فرش مرمریں پر کبھی دیبی سیمیرامس[1] کی حسین کنیزیں رقص کر چکی تھیں۔ (......فٹ نوٹ اگلہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں!......)

حافظ شیراز نے ایران کی نسبت کہا تھا کہ اس میں مطرب و مغنی بے مثل و نایاب موجود ہیں کیونکہ جو مطرب ہوشمند اور مست شراب دونوں کو اپنی خوش نوائی سے رقص میں لے آئے وہ ضرور نایاب ہوگا۔

ایران نے جسے ہم پرشیا کہتے ہیں مدتوں دولت وثروت کی مصیبتیں جھیلی تھیں، زردار بد باطن اور مفلس خودستا تھے، ایک بادشاہ نے اپنے بیٹوں کو اندھا کر دیا اور جب بھائی مرا تو ہنس کر فرمایا کہ اب روئے زمین پر ہمارا قبضہ پورا ہوا ہے، بالائے زمین میرا اور زیر زمین بھائی کا''۔ اسی ملک کے ایک ظریف نے کہا تھا کہ تقدیر بے وقوف کو عزیز رکھتی ہے اور عالم وہ ہے جسے روزی پیدا کرنے کا سلیقہ نہ ہو، بیگم وہ ہے جس کے بہت سے عاشق ہوں اور گھر کی بیوی وہ ہے جسے کوئی نہ پوچھے۔

اسی ملک میں صوف پوش مشائخ شاعروں کے جلیس بن کر عرفان بافی میں مشغول ہوتے، یہیں یاران ہم کاسہ اور ساقیان مہ پارہ کے جلسے رہا کرتے۔

یہیں مسخرے بے معنی مگر جذبہ انگیز نظموں کے پڑھنے والے الفاظ کے بازیگر اور ثنا گری کے بھان متی، دوشالے اوڑھے ٹکڑ گدا بادشاہوں کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ رہتے تھے، اور انہی میں وہ شاعر بھی ہر وقت کے مصاحب تھے جن کا کلام الہام کے رتبے کو پہنچا ہوا تھا یہ عیش پرست ایرانی دختِ رز کی پرستش کرتے تھے جس کی پرستش حرام کی گئی تھی، شجاعت اور دلاوری کے کارنامے الاپنے پر جان دیتے اور اس رزم سرائی کے شغل کو زرہ پہن کر لڑائی میں جانے سے بہتر سمجھتے، موجودات کو نظر انداز کر کے ہر وقت عالم خیال میں رہتے اور کہتے۔

آن چرخ فلک کہ مادر و حیرانیم — فانوس خیال ازو مثالے دانیم
خورشید چراغ دان و عالم فانوس — ماچو صوریم کا ندرو حیرانیم[2]

---

1. بہت قدیم زمانے میں سیمیرامس ملک شام کی ملکہ تھی، ۴۲ برس حکومت کر کے اپنے بیٹے کو سلطنت سپرد کی اور خود قمری بن کر آسمان کو اُڑ گئی، اہل شام نے اُسے دیبی سمجھ کر پوجا، بابل کا شہر اور مغربی ایران میں میدیا کے باغات اسی نے بنائے تھے چونکہ بہت حسین اور نامور تھی اور ایران میں سلطنت کر چکی تھی، اسی رعایت سے مصنف نے اس کا یہاں ذکر کیا ہے۔ (مترجم)

مذہب کی توہین کرنے والے کو سنگسار کرنے پر تیار ہو جاتے لیکن جب شراب کا دور چلتا تو خود مذہب کی ہنسی اڑا کر اسے بے معنی چیز بتاتے، یہ ایرانی ایشیا کے یونانی تھے کبھی بالکل زنانی طبیعت کے عیش پرست بن جاتے اور کبھی مذہب کے جوش میں مجنوں و مجاہد نظر آتے تاتاریوں سے انہیں خاص عداوت تھی اور ان کو وہ بے دین سمجھتے تھے۔

حافظ شیراز کا مربّی و سرپرست جلال الدین شاہ شجاع حور و شمع، بادہ و نرد کا بے حد شوقین تھا، جب مرنے کا وقت قریب ہوا تو خیال آیا کہ مدت ہوئی امیر تیمور گورگان سے دوستی کا عہد و پیمان کیا تھا[1] مرنے کا سامان بڑی شان سے کیا، کفن اور تابوت بہت اہتمام سے تیار کروایا، اور امیر تیمور کو جس کی صورت کبھی نہیں دیکھی تھی ایک خط بھیجا جس میں موت کے قریب آنے کا حال بڑی متواتر عبارت میں اس طرح بیان کیا۔

''اصحاب رائے پر روشن ہے کہ دار و دنیا محل حوادث و مکانِ صوارف ہے، اہل عقول دنیا کی ناپائدار لذات و محاسن پر کبھی التفات نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہر موجود کو فنا ہے۔۔۔''

خلوص اور صدق کا جو عہد مجھ میں اور آپ میں ہوا تھا اس کے قائم رکھنے میں میں ثابت قدم رہا اور آپ کی دوستی کو اپنے حق میں فتوح روزگار سے سمجھتا رہا اور اب میری بڑی تمنا اگر اس کے بیان کرنے کی اجازت ہو تو یہی ہے کہ

بقیامت برم آن عہد کہ بستم باتو
تادران روز نہ گوئی کہ وفائے تو نبود

بقیہ صفحہ گذشتہ[2] مصنف کتاب نے اس رباعی کا ترجمہ انگریزی میں فٹز جرلڈ کا کیا ہوا نقل کیا ہے جو اصل سے کسی قدر فرق رکھتا ہے لیکن حسن و خوبی میں اپنی ہی مثال ہے اس انگریزی ترجمہ کا ٹوٹا پھوٹا ترجمہ اردو میں یہ ہو سکتا ہے۔

''ہم کچھ نہیں ہیں فقط پرچھائیاں ہیں جو آفتاب سے روشن کئے ہوئے فانوس میں گردش کرتی ہوئی کبھی سامنے آتی ہیں اور کبھی سامنے سے چلی جاتی ہیں، آدھی رات کا اندھیرا چھایا ہے اور اس کون و مکان کا تماشہ گر فانوس اونچا کئے یہ تماشا دکھا رہا ہے''۔

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۳۴۷۔۳۴۸، یہاں شاہ شجاع نے جو تحائف مع ایک خط تیمور کو بھیجے ہیں وہ سب بیان ہوئے ہیں۔

اب بارگاہِ کبریا میں میری طلبی ہوئی ہے، میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ گو ایسی تقصیریں اور گناہ مجھ سے سرزد ہوئے ہیں جو لازمہ وجود انسانی ہیں لیکن کوئی قصور ایسا نہیں ہوا جس پر میرا دل اس وقت نادم ہو کوئی، آرزو ایسی جو تصور بشری میں آ سکتی تھی اس ترپن (۵۳) سال کے نزول منزلِ خاک میں ایسی نہ تھی جو خدا کی عنایت سے پوری نہ ہوئی ہو......

مختصر یہ کہ جس طرح زندہ رہا اسی طرح اب دنیا سے چلنے کو ہوں، دنیا کی ہوا و ہوس کو اب میں نے ترک کر دیا اور میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ اپنی برکتیں اس بادشاہ (تیمور) پر نازل رکھے جو سلیمان منقبت اور سکندر مرتبت ہے، اس کی حاجت نہیں کہ میں اپنے فرزند دلبند زین العابدین (طول اللہ عمرہٗ فی ظلال عنایتکم) کی آپ سے سفارش کروں کیونکہ اس کو میں اپنے خدا اور آپ کے سپرد کر چکا ہوں۔

کورا بخدا و بخدا وند سپردم

اور یہ امر وہ ہے جس میں آپ کی طرف سے عہد شکنی کا گمان مجھے نہیں ہو سکتا۔

اور یہ بھی التماس ہے کہ اس مخلص کو جو حالت وفاداری میں اپنی جان خدا کے سپرد کر رہا ہے آپ فاتحہ اور دعائے خیر سے یاد فرماتے رہیں گے، تاکہ آپ جیسے نامور اور خوش قسمت تاجور کی دعا سے خدائے غفور الرحیم میری بخشش فرمائے اور میرا درجہ مکرمین میں ہو، یہی آپ سے میری درخواست تھی اور یہی میری آخری وصیت ہے جس کے ایفا کے لئے آپ قیامت میں ذمہ دار رہیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی ایک مکتوب شاہ شجاع نے اُسی قسم کے تحائف کے ساتھ جو تیمور کو بھیجے تھے سلطان بغداد کو بھی بھیجا، بادشاہ ایران شاہ شجاع نے جب وقت آیا تو رحلت کی اور اب اس کی سلطنت کے ٹکڑوں پر دس شہزادے ٹوٹ پڑے، ایک کو اصفہان ملا، دوسرے کو فارس، تیسرے کو شیراز اور اسی طرح کسی کو کچھ کسی کو کچھ اور اب یہ شہزادگان بادشاہ ہوتے ہی بادشاہی کی دکان کھول بیٹھے، کسی کسی نے اپنے نام کا سکہ بھی چلایا مگر رعایا پر محصول

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحات ۴۲۵ تا ۴۳۰۔ انگریزی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اس مکتوب میں سے صرف وہی جملے جن سے مضمون کا خلاصہ معلوم ہو جائے اپنی زبان میں ترجمہ کئے ہیں، وہی جملے میں نے بھی اصل فارسی کو سامنے رکھ کر انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر دیئے ہیں۔ (مترجم)

سب نے بڑھایا، اور ایسی چیزوں پر لڑنے لگے جن کا پہلے دعویٰ نہ کیا تھا، یہ شہزادے تاریخ میں آلِ مظفر کے نام سے مشہور ہیں اور ان کی آپس کی عداوتوں نے ''اقارب چوں عقارب'' کا نیش اور تیز کر دیا۔

۱۳۸۶ء ۷۸۹ ہجری میں جب کہ جاڑے کے میلے و مکدر آفتاب نے بساطِ صحرا کی چمک کو دھندلا کر رکھا تھا تیمور سمت شمال سے وارد ہوا، ستر ہزار سپاہ ہمرکاب تھی، لشکر کے لوگ اصفہان کی شان و عظمت دیکھ کر حیران رہ گئے، اس شہر میں صدہا برج اور مینار اور مسقف بازار تھے پلوں پر بھی بازاروں کی سی چہل پہل رہتی تھی، ابن بطوطہ جو اس زمانے سے کچھ پہلے یہاں سے گزرا تھا اس بادشاہی شہر کی نسبت لکھتا ہے ''ہمارا گزر پھلوں کے باغوں اور آبِ رواں کے چشموں اور پُرفضا دیہات میں سے ہوا جہاں سڑک کے کنارے کبوتروں کی چھتریاں دور تک نظر آتی تھیں یہ شہر بہت بڑا اور خوشنما ہے گو مختلف مذہبی فرقوں کی وجہ سے آئے دن لڑائیوں میں مبتلا رہتا ہے، پھلوں میں زردآلو اور خربوزے ہوتے ہیں بہی بھی اچھی ہوتی ہے اور اسی طرح خشک کر کے رکھی جاتی ہے جیسے ہمارے ملک افریقہ میں انجیروں کو سکھا کر کھاتے ہیں، یہاں کے باشندے قدآور ہیں، رنگ گورا ہے اور منہ پر غازا ملتے ہیں، خلیق ہیں اور مہمانوں کی ضیافت کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانی چاہتے ہیں، گو کھلانے کو صرف دودھ اور روٹی کھلاتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ سینیوں میں خوان پوشوں کے نیچے بڑی بڑی قیمتی مٹھائیاں بھی ہوتی ہیں''۔

تیمور اصفہان میں گو لڑائی کی تیاری کر کے آیا تھا مگر لڑنے کی طرف طبیعت مائل نہ تھی شاہ شجاع کا خط بار بار یاد آتا تھا لیکن تیمور کو بڑی شکایت یہ تھی کہ مظفریوں نے اس کے ایلچی کو بلاوجہ روک رکھا ہے، ان شہزادوں کی خانہ جنگی کو بھی تیمور چند سال سے دیکھ رہا تھا، چنانچہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ خود قبضہ حاصل کرنے کے لئے لشکر کشی کرے گا۔

آمد کی خبر سنتے ہی اکابر اصفہان جن کا پیشوا زین العابدین کا خالو (سید مظفر کاشی)

۱ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۴۳۱،
تیمور اس وقت گیلان سے اصفہان آیا تھا۔

تھا سلام کے لئے حاضر ہوا، تیمور نے سب کو انعام اور خلعت دیئے اور اپنے غالیچہ پر ان کو بٹھایا، اس کے بعد گفتگو ہوئی جس میں اصفہان کی قسمت کا فیصلہ کیا گیا۔

تواضع و تعرف کی تقریروں کو قطع کر کے تیمور نے صاف صاف کہا، ''تمہاری رعایا کی جان سلامت رکھی جائے گی اور فوج کو حکم دیا جائے گا کہ تمہارے شہر کو نہ لوٹیں مگر شرط یہ ہے کہ رقم سر بہا ادا کی جائے''۔

جب اس رقم کا تعین ہو گیا تو جانبین نے اُسے منظور کیا، مظفری خوب جانتے تھے کہ اتنا بڑا لاؤ لشکر ایک ہزار میل کی مسافت طے کر کے خالی ہاتھ جانے والا نہیں، انہوں نے تیمور سے درخواست کی کہ محصول وصول کرنے کے لئے شہر میں محصل بھیجے جائیں، چنانچہ ہر فوج ہزارہ سے ایک ایک افسر شہر کے ایک ایک محلے میں روپیہ وصول کرنے کے لئے مقرر ہوا اور ان محصلوں پر ایک بڑا فوجی امیر نگرانی کے لئے نامزد ہوا۔[۲]

دوسرے دن تیمور باضابطہ طریقہ سے شہر میں داخل ہوا، بڑے بازار میں پورے جلوس کے ساتھ اُس کی سواری نکلی، شہر میں سے گزرتا ہوا پھر لشکر میں آیا اور شہر کے دروازوں پر ضبط و محافظت کی غرض سے اپنے لشکری بٹھا دیئے۔[۳]

رات ہونے تک سب خیریت رہی، ستر ہزار سپاہی دو مہینے کا سفر کر کے اصفہان پہنچے تھے اور اس مشقت کی اب تک کوئی ایسی اجرت نظر نہ آئی تھی جس کی طرف خاص توجہ کرتے اصفہان کی روشنیوں کو حسرت سے دیکھتے تھے، سپاہیوں کے دستے جو شہر میں پہرے کے لئے بھیجے گئے تھے وہ بازار کی سیر میں مصروف ہوئے اور ان کے ساتھیوں میں سے بھی جو لشکر میں تھے بہت سے سپاہی کسی نہ کسی بہانے سے شہر چلے آئے، شراب کی دکانوں کے سامنے ان کے ٹھٹ لگ گئے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بیان میں اختلاف ہے، ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ اصفہان کے بعض جاہل اور شریر لوگوں نے طہران کے ایک لوہار کو (جس کا نام علی کچہ پا

۱ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۴۳۱، تیمور اس وقت گیلان سے اصفہان آیا تھا۔
۲ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۴۳۲۔
۳ ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۴۳۲۔

بیان ہوا ہے؎۱! اپنا سر گروہ بنالیا اور بہ آواز دہل پکارتے پھرے ''مسلمانو! اٹھو یہ معاملہ دین کا ہے''۔

دہل کی آواز سنتے ہی لوگ گھروں سے نکلے، بازاروں اور گلیوں میں آدمیوں کا ہجوم ہوگیا، اور اب ان میں اور تاتاریوں میں جو ابھی تک کسی سے نہ بولے تھے لڑائی شروع ہوگئی، شہر کے بعض محلوں میں وہاں کے شرفا نے جو اس موقع کی ذمہ داری کو سمجھتے تھے تیمور کے محصلوں کی جان بچائی، باقی محلوں میں یہ کل افسر جان سے مارے گئے۔

جب اس طرح خون بہتے دیکھا تو بلوائیوں نے اور زیادہ غارتگری پر کمر باندھی، شہر کے اندر تاتاریوں کو قتل کر کے شہر کے دروازوں پر پہنچے اور یہاں تاتاری فوج کے جس قدر دستے پہرا دے رہے تھے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے اور دروازوں کو اندر سے بند کرلیا۔

دوسرے دن علی الصبح جب اس واقعہ کی خبر تیمور کو کی گئی تو وہ غصہ سے تھرا اٹھا تقریباً تین ہزار تاتاری رات کو قتل ہوئے تھے، انھی میں ایک پسر شیخ علی بہادر؎۲ اور دوسرا ایک امیر تھا جو تیمور کو بہت ہی عزیز تھا، تیمور نے فوراً سپاہ کو حکم دیا کہ فصیل شہر پر حملہ کرے، ایرانی شرفاء اور امراء جو اس وقت لشکر میں حاضر تھے انہوں نے سفارش کرنی چاہی، مگر تیمور نے نہ سنا، شہر کے فسادی اب تک تو دوسروں پر حملہ کر رہے تھے، مگر اب ان کو اپنی جان بچانے کی پڑی۔

تاتاریوں نے شہر کے دروازوں پر حملہ کر کے ان پر قبضہ کیا، تیمور نے قتل عام کا حکم دیا، اور لشکر کے ہر ایک سپاہی کو حکم ہوا کہ ایک ایرانی کا سر کاٹ کر حاضر کرے، شہر کے ایسے محلوں سے جو اس فساد میں شریک نہ ہوئے تھے کسی قسم کی باز پرس نہ ہوئی، سادات اور واجب التعظیم لوگوں کو سلامت رکھنے کی کوشش کی گئی، باقی شہر والوں کو مارنا شروع کیا، تمام دن قتل جاری رہا، جو لوگ دن کو قتل ہونے سے بچ گئے تھے وہ سمجھتے تھے کہ رات ہونے پر شہر سے صحیح سلامت باہر نکل جائیں گے۔ لیکن جب رات ہوئی تو برف گرنے لگی، بھاگنے میں قدموں کے نشان برف پر بن گئے، ان نشانوں کو دیکھ کر تاتاریوں نے بھاگنے والوں کا کھوج لگالیا اور اُن سب کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

---

۱ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۴۳۲۔

۲ ظفر نامہ میں یہ نام محمد پسر خطائی بہادر لکھا ہے، اصفہان میں اس قتل عام کے واقعات ظفر نامے کی جلد اوّل میں صفحہ ۴۳۰ سے ۴۳۵ تک بیان ہوئے ہیں۔

بہت سے تاتاریوں نے جو اپنے ہاتھ خون سے رنگنے نہیں چاہتے تھے سپاہیوں سے اصفہانیوں کے کٹے ہوئے سر مول لے کر پیش کردیئے، مؤرخ لکھتا ہے کہ شروع میں ایک سر کی قیمت بیس ہزار کپکی تھی، لیکن جب سروں کی تعداد پوری ہونے کو ہوئی تو یہ قیمت نصف دینار رہ گئی اور جب تعداد پوری ہوگئی تو پھر مال مفت تھا، مقتولوں کے سر پہلے شہر کی فصیل پر چنے گئے، پھر شہر کی بڑی بڑی سڑکوں پر ان کے مینار بنائے گئے۔

اس طور پر ستر ہزار یا اس سے بھی زیادہ آدمی اصفہان کے مارے گئے، یہ قتل پہلے سے تجویز نہیں کیا گیا تھا، صرف انتقام کی غرض سے اپنے آدمیوں کا قتل ہوتا سن کر تیمور نے یہ خون ریزی کی تھی لیکن انتقام ایسا ظالمانہ تھا جس کا پہلے کسی کو گمان تک نہ ہوسکتا تھا، (یہ واقعہ دوشنبہ ۶ ذیقعدہ ۷۸۹ ہجری ۱۳۸۷ء کا ہے؎۱) اصفہان کے علاوہ اور جہاں جہاں مظفری شہزادے حکومت کر رہے تھے وہ اس قتل عام کے واقعہ کو سن کر ڈر گئے، اور انہوں نے بلا مزاحمت تیمور کی اطاعت قبول کرلی، صرف منصور نے (جو شوستر کا حاکم تھا) اطاعت قبول نہیں کی اور پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔

ذی الحجہ ۷۸۹ ہجری میں تیمور شیراز آیا؎۲ شیراز اور مظفریوں کے باقی شہروں نے چپ چاپ سربہا کی رقم ادا کردی۔ (عید کے دن) شیراز میں تیمور کا نام خطبہ میں پڑھا گیا؎۳، اور ہر ایک مظفری شہزادے کو اس کے اختیارات کے متعلق تحریری سند تمغا کے نشان کے ساتھ عطا ہوئی، تمغا ہاتھ کا نشان ہوتا تھا جو سرخی سے کاغذ پر بنا دیا جاتا تھا؎۴ یہ مظفری شہزادے اب تیمور کی طرف سے اپنی اپنی ولایت پر حاکم مقرر ہوئے اور تیمور اب اُن کا بادشاہ اور حاکم بالا دست ہوگیا، ایران کا ملک انہی شہزادوں کا تھا مگر ان کا حاکم رہنا نہ رہنا اب تیمور کی مرضی پر تھا، تیمور کو جس وقت معلوم ہوا کہ ایران کے باشندوں پر محصول و باج

---

۱ ظفر نامہ صفحہ ۴۳۵۔

۲ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۴۳۷۔

۳ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۴۳۷۔

۴ تمغا جو ترکی لفظ ہے، بہت سے معنوں میں آتا ہے۔ ۱۔ نشان یا مہر یا داغ جو گھوڑوں کی ران پر بنایا جاتا ہے۔ ۲۔ محصول جو شہر کے دروازے یا دریا کے گھاٹ پر لیا جائے۔ ۳۔ محصول ادا ہونے کے بعد اجناس پر جو نشان بنایا جائے۔ ۴۔ فرمان سلطانی (مترجم)

سخت لگائے گئے ہیں تو اس سختی کو اُس نے دور کر دیا۔

قصہ مشہور ہے کہ تیمور جب شیراز میں تھا تو اس نے خواجہ حافظ کو اپنے دربار میں طلب کیا، ایران کا یہ صاحب کمال بہت سادہ کپڑے پہنے ہوئے جن سے افلاس برستا تھا تاتاری فاتح کے سامنے حاضر ہوا۔

تیمور نے آواز تیز کر کے پوچھا ''کیا یہ شعر تمہارا ہے'

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا

بخالِ ہندواش بخشم سمرقند و بخارا را''

حافظ نے جواب دیا ''اے امیروں کے امیر یہ شعر میرا ہی ہے''۔

تیمور نے کہا ''کیوں صاحب ہم نے تو برسوں کی کوشش سے سمرقند کو اپنی تلوار سے حاصل کیا اور اس وقت تمام بلاد و امصار سے بہترین چیزیں اس کی زیب و زینت کے لئے لے جا رہے ہیں پھر یہ کیا بات ہے کہ ہمارے ان تمام نوادر کو آپ ایک ''ترک شیراز'' کی نذر کرنے کو تیار ہو گئے''۔

شاعر نے جواب میں کچھ تامل کے بعد مسکرا کر کہا ''اے امیر، انہی فیاضیوں کا نتیجہ ہے کہ آج مجھے آپ اس حالت افلاس میں دیکھ رہے ہیں''۔

اس برجستہ جواب سے تیمور خوش ہوا اور حافظ صاحب کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔

ایران کے چند مطرب تیمور کے ہمراہ سمرقند گئے جنوب کے ملکوں میں جن لوگوں کے ساتھ بادہ نوشی کی تھی ان کی مفارقت کا تیمور کو افسوس ہوا، میران شاہ تیمور کا تیسرا فرزند ہمیشہ سے تندخو اور ضدی طبیعت کا آدمی تھا، شراب پینے کی عادت ڈال لی تھی، مذہب میں بھی کچھ شکی تھا، بعض موقعوں پر بڑے بڑے شجاعت کے کام دکھائے تھے، مگر ظالم انتہا درجے کا تھا، البتہ تیمور کے ساتھ جب لشکر میں رہنے کا اتفاق ہوتا تو کسی بات میں حد سے آگے نہ بڑھتا تھا۔

اس زمانے کے کئی برس بعد تیمور نے بحر خزر کے متصل ملکوں کی حکومت امیرزادہ میران شاہ کے سپرد کر دی لیکن جب تیمور ہندوستان کی لشکر کشی میں ایک سال مصروف رہنے

کے بعد واپس آیا تو سنا کہ بیٹا تقریباً مجنون ہو گیا ہے تاتاری حاکموں نے اطلاع کی کہ شہزادے سے بڑے بڑے شہروں میں بالکل مجنونانہ حرکتیں ظاہر ہوئی ہیں کبھی جھروکوں میں بیٹھ کر لوگوں میں خزانے کا خزانہ لٹا دیا، کبھی مسجدوں میں شراب نوشی کے جلسے کئے میران شاہ کی دیوانگی کی وجہ یہ ظاہر کی گئی کہ ایک دن گھوڑے سے گرنے میں اس کے دماغ کو صدمہ پہنچا تھا شہزادے کا یہ قول بھی نقل کیا گیا کہ ''میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو دنیا پر حکومت کر رہا ہے کیا کوئی کام ایسا نہیں ہے، جس پر دنیا مجھے بھی یاد رکھے''۔

میران شاہ نے حکم دیا کہ تبریز اور سلطانیہ کے محل اور بیمارستان منہدم کر دیئے جائیں پسر تیمور کی زبان کا نکلا ہوا حکم تاتاریوں کے لئے فرمانِ قضا سے کم نہ تھا فوراً دونوں شہروں کے محل ڈھانے شروع کر دیئے۔ ایسے ہی اور احکام شہزادے نے جاری کئے اور ان کی تعمیل ہوتی رہی، اسی کے حکم سے ایک مشہور فلسفی کی قبر کھودی گئی اور اس کی لاش نکال کر یہودیوں کے قبرستان میں دفن کی گئی، شراب اور منشی ادویہ کے استعمال سے میران شاہ کے دماغ میں خلل پیدا ہو گیا تھا۔

لیکن دربار کے امراء یہی عرض کرتے تھے کہ ''دیوانگی منجانب اللہ ہے، کیا شہزادہ جس وقت گھوڑے سے گرا تھا تو اس کا سر زمین سے نہیں ٹکرایا تھا''؟

جب یہ امراء تیمور کے دربار سے رخصت ہوئے تو سراپردے کے دروازے پر ایک عورت آئی منہ پر نقاب تھا، لباس بالکل سیاہ تھا، کوئی ملازم ساتھ نہ تھا، بالکل تنہا تھی، لیکن اس کی زبان کی جنبش پر پاسبان فوراً آداب بجالائے اور دروازہ کھول دیا، اور ایک تواچی نے تیمور کے سامنے آ کر عرض کیا کہ

''شہزادی صاحبہ حضور کے سلام کو باہر کھڑی ہیں اور تنہا ہیں''۔

یہ شہزادی خانزادہ تھی جو اس شکل میں تیمور کے پاس آئی تھی پہلے یہ تیمور کے سب سے بڑے فرزند جہانگیر کی بیوی تھی اس وقت بہت سراسیمہ و پریشان ہو کر تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور کچھ دیر سے منتظر تھی کہ درباری رخصت ہوں تو اطلاع کرائے اس پریشان حالی اور سیاہ لباس نے جونہی وہ نقاب اتار کر تیمور کے قدموں میں گری، چہرہ کے حسن کو دوبالا کر دیا، عرض کرنے لگی کہ

''اے امیروں کے امیر، میں حضور کے فرزند میران شاہ کے پایہ تخت سے آرہی ہوں''۔

اور اب خانزادہ نے بڑی جرأت وجسارت سے گفتگو شروع کی، یہ وہی بانو ہے جس نے تاتاریوں کی یورش پر اپنے عزیزوں کی سفارش تیمور سے کی تھی، ادائے مطلب کے لئے آواز میں ایک قوت اور فیروزی تھی گو الفاظ میں ان ہی چیزوں کو پیدا کرنے کی ہمت نہ ہوئی، خانزادہ نے مع اپنے خدم وحشم کے ایک ایسے شہر میں سکونت اختیار کی تھی جو میران شاہ کی حدود حکومت میں تھا، جس وقت میران شاہ نے غارت گری پر کمر باندھی تو خانزادہ نے اُسے بہت روکنا چاہا میران شاہ خانزادہ کو اپنے محل میں لے آیا شہزادی کے ہوا خواہوں نے بہت مخالفت کی مگر میران شاہ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا، خانزادہ کے حسن پر فریفتہ ہوا اور اس کو اپنی بیوی بنایا اس کے بعد اس پر تہمت لگائی۔ [1]

خانزادہ نے تیمور سے عرض کیا کہ ''اے امیر میں اس وقت پناہ اور انصاف طلب کرنے کے لئے ایک بادشاہ کی حضور میں آئی ہوں''۔

---

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۲۰۵، ۲۰۶، خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ ''امیرزادہ میران شاہ کے تغیر دماغ کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ اس کی طبیعت عیش وعشرت کی طرف بالکل مائل ہوگئی، اکثر شراب پینے اور نرد کھیلنے میں مشغول رہتا تھا اس وجہ سے اور بھی اُمورِ نامناسب اس سے صادر ہونے لگے، ایک دن اثنائے گفتگو میں اپنی حرمِ محترم (خانزادہ) کی نسبت تہمت آمیز الفاظ زبان سے نکالے، خانزادہ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اس تہمت کی تفتیش میں ہر وقت پریشان رہنے لگی، انجام یہ ہوا کہ نہایت غصہ کی حالت میں سمرقند روانہ ہوئی، تیمور اسی زمانہ میں ہندوستان کی فتح کے بعد سمرقند آیا ہوا تھا، واپس آنے پر اہل دربار سے سنا کہ ممالک ایران میں بالخصوص آذربائجان کی حالت بہت خراب ہوگئی ہے، آذربائجان کا حاکم امیرزادہ میران شاہ تھا، اس اطلاع کیساتھ ہی خانزادہ تبریز سے سمرقند پہنچی اور قصر باغ چنار میں تیمور سے ملی، اپنے شوہر میران شاہ کی شکایت کی اور کہا کہ اگر حضور اس کی طرف متوجہ نہ ہوں گے تو صورت خرابی کی ہوگی، کیونکہ حضور کے یاساق اور احکام کی پابندی ترک کردی گئی ہے اور تمام اموال اور خزائن لٹائے جارہے ہیں یہ شکایتیں سن کر امیر تیمور نے ایران کی طرف مراجعت کی''۔
خانزادہ کی پہلی شادی امیرزادہ جہانگیر سے ہوئی تھی جہانگیر کے مرنے کے بعد امیرزادہ میران شاہ سے عقد نکاح ہوا، جہانگیر سے اس شہزادی کے ہاں دو لڑکے ہوئے تھے ایک پیر محمد، دوسرا محمد سلطان، میران شاہ سے امیرزادہ خلیل پیدا ہوا۔

خانزادہ کے پہلے شوہر امیرزادہ جہانگیر کا انتقال ہو چکا تھا اس فرزند سے تیمور کو بہت محبت تھی اور خیال تھا کہ جہانگیر ہی اس کے بعد وارث سلطنت ہوگا، لیکن اب تاتاری قانون کے مطابق میران شاہ کو جو تیمور کے فرزندوں میں اس وقت سب سے بڑا تھا باپ کا تخت پہنچتا تھا، پرانے خانانِ صحرا کے زمانے سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ کسی بادشاہ کے شروع کے چار بیٹے اُس کے وارث ہوسکتے تھے۔ جہانگیر اور عمر شیخ سفر آخرت اختیار کر چکے تھے، بیٹوں میں اب میران شاہ اور سب سے چھوٹا لڑکا شاہ رُخ باقی تھا، شاہ رخ سرائے خانم کے بطن سے تھا جو تیمور کی بیوی اور محل کی مالک تھی، یہ لڑکا امیرزادہ جہانگیر مرحوم کے لڑکوں سے بھی جو خانزادہ کے بطن سے تھے چھوٹا تھا، شاہ رُخ بڑا نیک اور حلیم تھا، سلطنت کے کاروبار سے کہیں زیادہ کتاب بینی کا شوق رکھتا تھا۔

پس تیمور کا جانشین یا تو میران شاہ ہوسکتا تھا یا خانزادہ کا کوئی لڑکا (خواہ جہانگیر سے ہو یا میران شاہ سے) تیمور نے میران شاہ کو بڑی وسیع قلمرو کا حاکم مقرر کر رکھا تھا مگر اس شہزادے نے شراب نوشی اور لہو ولعب سے دنیا درہم برہم کردی تھی، ممکن ہے کہ خانزادہ کا حسن وجمال ہی جس کے شعلوں نے شہزادے کے دل میں آگ بھڑکائی تھی عقد نکاح کا باعث ہوا ہو''۔

ان واقعات کے سالہا سال بعد نوجوان امیرزادہ خلیل ایک ایسے سیاسی نزاع کا باعث ہوا جو خانزادہ کے وہم وگمان میں بھی نہ آسکتا تھا۔

مگر اس وقت تیمور کے سامنے خانزادہ کی ہمت قابل تعریف تھی، آج وہ صاحبقران گیتی ستاں کی حضور میں کھڑی خاص اس کے فرزند کی شکایت کررہی تھی تیمور نے بھی انصاف کرنے میں دیرینہ کی خانزادہ کا جس قدر مالی نقصان ہوا تھا اس کی تلافی کردی، نئے ملازم اس کی خدمت کے لئے مقرر کئے اور اس کی وہ عزت کی جو اپنے فرزند رشید جہانگیر کی بیوہ کی کرنی چاہیے تھی، تیمور گو اس وقت ایک بڑے سفر دشوار سے سمرقند واپس آیا تھا لیکن اُس نے فوراً امراء کو حکم دیا کہ سلطانیہ کی طرف چلنے کی تیاری کریں۔

سلطانیہ پہنچ کر جس وقت وہ تمام خرابیاں تحقیق ہوگئیں جو میران شاہ کی بدنظمی و غارت گری سے پیدا ہوئی تھیں تو تیمور نے بیٹے کی نسبت سزائے موت کا حکم سنادیا۔ امراء

نے جن میں بعض ایسے بھی تھے جن کو میران شاہ کے ہاتھوں نقصان پہنچا تھا شہزادے کی سفارش کی، میران شاہ گلے میں رسی پڑی ہوئی باپ کے سامنے حاضر کیا گیا۔

تیمور نے قتل کا حکم منسوخ کیا لیکن اختیارات کل سلب کر لئے، شہزادہ دل شکستہ بے ملک و بے حکومت ہو کر اسی ولایت میں پڑا رہا جہاں اب اس کی جگہ دوسرے بادشاہی کرتے تھے۔

اس کے تھوڑے زمانہ کے بعد بادشاہِ قشتالیہ کا وزیر و سفیر روئے دی گونز الیز کلاویجو اسپین سے سمرقند کے سفر میں سلطانیہ سے گزرا، اور جو کچھ اُس نے وہاں سنا اسے اس طرح سادگی سے بیان کیا ہے۔

''جب میران شاہ اس قسم کی حرکتیں کر رہا تھا تو اس کے پاس ایک خاتون تھی جس کا نام خانزادہ تھا، یہ خاتون بھیس بدل کر میران شاہ کے پاس سے چلی گئی اور رات دن سفر کر کے امیر تیمور کے پاس آئی اور اُس کے بیٹے میران شاہ کی حرکتوں سے اسے آگاہ کیا، تیمور نے بیٹے کو حکومت سے معزول کر دیا، خانزادہ تیمور کے پاس ٹھہری رہی، تیمور نے اس کی بڑی عزت کی اور پھر اس کو واپس جانے کی اجازت دی، میران شاہ سے خانزادہ کا ایک لڑکا بھی تھا جس کا نام خلیل سلطان تھا''۔

میران شاہ کے مصاحبوں اور درباریوں پر تیمور کا ایسا غضب نازل ہوا جس کی انتہاء نہ رہی، گویئے اور مسخرے اور بعض اچھے شاعر بھی جو شہزادے کیساتھ ہر وقت رنگ رلیوں میں رہتے تھے کشاں کشاں مقتل میں لائے گئے، اور ان میں سے ایک ظریف نے جب اپنے سے عالی مرتبہ لوگوں کو جلاد کے قریب دیکھا کہ وہ بھی قتل ہونے والے ہیں تو اس ہولناک آخری ساعت میں بھی وہ ظرافت سے نہ چوکا اور ان میں سے ایک شخص سے کہنے لگا، ''آپ کو شہزادے کی خدمت میں مجھ پر تقدیم حاصل تھی، اس وقت بھی اس مرتبہ کا خیال رہے، پہلے آپ تشریف لے چلیں۔[1]

---

۱ دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۲۱۳-۲۱۴۔

باب ۲۰

تیمور کی سلطنت

۱۳۸۸ء (۷۹۰ ہجری) میں ترپن برس کی عمر میں تیمور روئے زمین کے اس حصہ کا مالک ہو گیا جسے وسط ایشیائے مرتفع اور ایران کہتے ہیں اور جو ہمیشہ بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کا مولد و مسکن رہا ہے، یوں تو تیمور ہر اعتبار سے شہنشاہ تھا مگر اس کا لقب شہنشاہ نہ تھا، صرف امیر تیمور گورگان کہلاتا تھا، سریر خانی پر ایک شخص چنگیز خان کی اولاد سے جسے ترا خان کہتے تھے متمکن تھا، یہ تیمور کا بادشاہ تھا مگر برائے نام، اس برائے نام بادشاہ یا خان کے ذمہ کوئی کام نہ تھا، لشکر کے صرف ایک حصہ کا سپہ سالار سمجھا جاتا تھا، اور سمرقند میں ایک محل اس کے رہنے کے لئے مخصوص تھا بعض رسموں کے ادا ہونے کے وقت اس کا موجود ہونا ضروری تھا مثلاً جب کبھی کسی ریاست سے اتحاد کا عہد و پیمان ہوتا تھا اور نقرے گھوڑے کی قربانی کی جاتی تھی، یا سالانہ معائنہ فوج ہوتا تھا، جس میں دو لاکھ سپاہ تیمور کے علم کے سامنے سے گزرتی تھی، تاریخوں میں اس ترا خانہ کا نام شاذ و نادر ہی آتا ہے اور جو کچھ وقار یا شہرت اس کے ساتھ وابستہ تھی اسے تیمور کے درخشاں کارنامے بالکل ماند کرتے جاتے تھے، مگر خان اپنی مرفہ الحالی، اچھے کھانے پہننے اور فوجی شان سے جس میں اس کا حصہ ہر سال کم ہی ہو جاتا تھا خوش تھا۔

جس طرح تیمور شہنشاہ نہ کہلاتا تھا اسی طرح اس کی ارضی حدودِ شہنشاہی کا بھی کوئی خاص نام نہ تھا، ماوراء النہر کا امیر اب تک اُسے کہا جاتا تھا اور اسی کے نام کا خطبہ ہر جگہ اس کی مملکت میں پڑھا جاتا تھا، اس مملکت کو ابھی تک کسی نام سے موسوم کرنا باقی تھا۔

اس وسیع سلطنت کے پیدا ہونے کا باعث ایک سادی سی بات تھی، وسطِ ایشیا کے

باشندوں کو اپنا سردار پسند نہ ہوا تو وہ دوسرے سردار کے علاقے میں چلے آتے تھے، اور اپنی جان و مال سب اسی سردار کے سپرد کر دیتے تھے، اگر اس پر بھی اطمینان نہ ہوا تو اپنے ہی قبیلے میں سے کسی کو سردار مان کر اس کے نمک خوار بن جاتے تھے، اور پھر اس سردار کی حمایت میں جان پر کھیل کر لڑا کرتے تھے۔

اپنے نام اور اپنے قبیلے پر انہیں بڑا ناز ہوتا تھا، اور شخصی آزادی یا جو مراعات اور اختیارات ان کو رسم و رواج کی بنا پر حاصل ہوتے تھے انہیں وہ بہت عزیز رکھتے تھے، اور بے حد ہوشیار اور خبردار رہتے تھے کہ کوئی شخص ان کی ان چیزوں میں دست اندازی نہ کرنے پائے، مگر باوجود اس کے ایک مطلق العنان بادشاہ کی حکومت انہیں خوشگوار تھی اور سوائے اس طرز حکومت کے کسی دوسرے طریقے کو وہ پسند نہ کرتے تھے، خانہ بدوش قوموں کی اولاد تھے، اپنے بادشاہ کی پرستش کرتے تھے، رہزنی میں ایسے تھے جیسے پہاڑوں پر شکاریوں کے رستے میں گدھ منتظر بیٹھے ہوں، مگر حضرت سلیمان علیہ السلام ابن داؤد علیہ السلام کی بزرگی کا تسلیم کرنا اور سکندر ذوالقرنین رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و توصیف اور محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے قصے سنانے انہیں خوب آتے تھے، اپنا نسب حضرت نوح علیہ السلام تک پہنچاتے تھے اور انبیائے بنی اسرائیل کی اولاد میں اپنے آپ کو سمجھتے تھے۔

حاجیوں کی بڑی سڑکوں کے کنارے جتنے مقبرے اور مزار آتے تھے ان کے حالات اور تاریخ سے وہ بخوبی واقف تھے، توریت کے بھی وہ عالم تھے، اور جس قدر نقل و استشہاد کی قابلیت رکھتے تھے اسی قدر ردّ و قدح کے سلسلہ کو بھی طول دیتے تھے اور اس پر کچھ تعجب نہ ہونا چاہیے کیونکہ جن قوموں کو وہ معرض بحث میں لاتے تھے ان کی ابتداء طوفانِ نوح کے زمانہ سے تھی، قانون جو ضبط تحریر میں آ چکا ہو اس کی انھیں مطلق پرواہ نہ تھی، لیکن کمزور سے کمزور روایت پر خون بہانے کو تیار ہو جاتے تھے، سود خواری سے انھیں سخت نفرت تھی اور محصول جمع کرنے والوں میں جو کوئی ظلم کر کے ان سے روپیہ لے اس کی پشت پر ایک نہ ایک دن خنجر چلا دیتے تھے۔

تیمور سے وہ اس وقت بھی لڑتے رہے جب کہ ثابت ہو چکا تھا کہ لڑنا بیکار ہے، اس کے بعد تیمور کے نمک خوار بننے کے لئے اس کے پاس حاضر ہو گئے، ایسے لوگوں پر

حکومت کرنے کے لئے پنجہ فولاد کی ضرورت تھی۔

کبھی پہلے وہ کسی بات پر متحد و متفق نہ ہوئے تھے، محمود غزنوی نے ان کے بہت سے قبیلوں کو اپنے علم کے نیچے جمع کیا تھا، چنگیز خان بھی ان میں پہنچا تھا اور بہتوں کو اپنے ساتھ کر لیا تھا، مگر جب چنگیز خان نے رحلت کی تو پھر متفرق ہو کر انہوں نے اپنے لئے نئے نئے سردار نامزد کر لئے۔

صرف ایک چیز تھی جس میں فی الواقع وہ متحد و یکجہت ہو گئے اور وہ یہ تھی کہ تیمور کی دل و جان سے فرمانبرداری کرتے رہیں، ان قبیلوں کو جمع کر کے اپنے تحت میں لانا ایسا ہی تھا جیسے کوئی بہت سے بھیڑیوں کی گردن میں رسیاں ڈال کر سب رسیوں کو اپنے ہی ہاتھ میں رکھنا چاہے، کوئی ضابطہ اور قانون ایسا نہ تھا جو گھوڑوں پر بیٹھ کر شکار کرنے والے کاشغریوں اور ہندوکوہ کے خانہ بدوش پہاڑیوں اور جتہ مغلوں اور سیر اور دہ کے قبیلوں کو جو غارت ہونے سے بچ گئے تھے اور خراسان کے ایرانی شہسواروں اور عرب کے شجاعوں کو اپنا پابند کر لیتا۔

ان قوموں کو قابوں میں لانے کے لئے تیمور بذات خود ضابطہ اور قانون بن گیا، تمام احکام اپنے نئے ماتحت قبائل میں وہ خود جاری کرتا تھا جس کسی میں اتنی ہمت ہوتی تھی کہ سامنے آئے وہ سامنے حاضر ہو سکتا تھا، کسی ایسے شخص کو جو اس کا منہ لگا ہوا اپنی طرف سے حکومت نہ کرنے دیتا تھا، جب کسی سلطنت کو فتح کرتا تھا یا کوئی سلطنت خود ہی اس کی اطاعت قبول کر لیتی تھی تو پھر اسی سلطنت کو اپنے کسی فرزند یا اپنے لشکر کے کسی بڑے سپہ سالار کو بطور جاگیر تفویض کر دیتا تھا۔

جو حکومت یا سلطنت اس طرح تفویض کی جاتی تھی وہ تیمور کی شہنشاہی کا ایک جز یعنی صوبہ سمجھی جاتی تھی، اس صوبہ کے حاکم کو داروغہ کہا جاتا تھا، اور یہ داروغہ جملہ اُمور سلطنت کا تیمور کی حضور میں جواب دہ رہتا تھا، داروغہ کے ساتھ ایک قاضی بھی مقرر کیا جاتا تھا، تاتاری جس قدر تیمور کے لشکر میں شامل ہوتے وہ اپنی مرضی اور خوشی سے ہوتے لیکن اور لوگوں کو فوج میں جبراً شامل ہونا پڑتا تھا، اہل حرفہ اور مزدوروں سے ضرورت کے وقت بلا اجرت کام لیا جاتا تھا، مفتوح قبائل بادشاہ کے دربار میں حاضر کئے جاتے اور ان کو مختلف مراتب جن میں ان کے اختیارات وسیع ہوتے اور بڑی بڑی خدمات سپرد کی جاتیں، اگر

اس پر بھی وہ سرکشی اور بغاوت اختیار کرتے تو ان کو قید یا قتل کر دیا جاتا۔

تیمو کی بیقرار طبیعت کسی بات میں نقص یا خامی دیکھ کر صبر سے نہ بیٹھ سکتی تھی، اگر کسی شکستہ پل پر سے گزر ہوا ہے تو حاکم ضلع کو حکم ہوا کہ فوراً اس کی درستی کی جائے، پرانی کارواں سرائیں جو زدہ حال تھیں ان کی مرمت کرائی، سڑکوں کے کنارے مسافر خانے بنوائے، جاڑے کے موسم میں سڑکیں بند نہ ہوتی تھیں، کھلی رہتی تھیں اور تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر ان پر پاسبان خانے تعمیر کرا دیئے تھے، سڑکوں کے پاسبانوں کے افسر ذمہ دار ہوتے تھے کہ ہر پاسبان خانے پر ڈاک کے گھوڑے مہیا رکھیں، اور اپنی حدود میں قافلوں کے بخیریت گزرنے کے ذمہ دار رہیں، اس حفاظت کے معاوضہ میں قافلے والوں کو ایک رقم چاندی کے سکے میں ادا کرنی ہوتی تھی۔

اسپینی سفیر کلاویجو خراسان والی بڑی سڑک کا حال اس طرح لکھتا ہے:

"سڑک کے کنارے بڑے بڑے مکانات بنے ہیں، ان میں کوئی اور نہیں رہتا صرف مسافر یہاں آ کر آرام کرتے ہیں، ان مکانوں میں پانی بڑے فاصلے سے زمین دوز نالیوں کے ذریعہ سے پہنچایا گیا ہے"۔

"(خراسان کی) سڑک بہت ہموار تھی کہیں کوئی پتھر اس پر پڑا نظر نہ آتا تھا جب مسافر منزل پر پہنچتے تو کھانے پینے کی چیزیں اور تازہ دم گھوڑے موجود ہوتے"۔

"دن بھر کا سفر ختم ہونے پر منزل پر امیر تیمور کے گھوڑے حاضر رہتے، کہیں ان کی تعداد سو اور کہیں دو سو ہوتی، منزل گاہیں سمرقند تک برابر ملتی تھیں اور ہر منزل گاہ پر گھوڑوں کا انتظام تھا"۔

"تیمور جب کسی کو کسی سمت روانہ کرتا یا جو کوئی اس کے پاس بھیجا جاتا وہ انہی گھوڑوں پر سوار ہو کر رات اور دن جہاں تک گھوڑے دوڑ سکتے تھے دوڑاتا ہوا سفر کرتا، صحراؤں میں بھی اسی طرح گھوڑے موجود ملتے تھے اور بالکل غیر آباد مقامات میں بھی مسافروں کے اترنے

کے لئے بڑے بڑے مکان تھے اور ان مکانوں سے جو گاؤں قریب سے قریب ہوتا تھا وہاں سے کھانے پینے کی چیزیں اور گھوڑے دستیاب ہو جاتے تھے، آدمی جو گھوڑوں کی حفاظت اور پرداخت پر مقرر تھے انھیں "انچو" کہتے تھے"۔

جب کسی ملک کے سفیر آتے ہیں تو منزل پر اترتے ہی یہ لوگ ان کے گھوڑوں کو تھام لیتے ہیں اور ان پر کاٹھیاں اُتار کر دوسرے گھوڑوں پر رکھتے ہیں اور دو چار "انچو" گھوڑوں کی نگہداشت کے لئے سفیروں کے ساتھ ہو لیتے ہیں، دوسری منزل پر پہنچ کر وہ واپس چلے آتے ہیں۔

اگر سڑک پر کوئی گھوڑا تھک جاتا ہے اور کسی دوسرے آدمی کا گھوڑا جاتا ہوا ملتا ہے تو تھکے ہوئے گھوڑے کے بدلے اس گھوڑے کو لے لیتے ہیں، دستور یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے جو امیر کی ملاقات کو جا رہا ہو ہر شخص کا فرض ہے خواہ وہ سوداگر ہو یا رئیس ہو یا سفیر ہو کہ فوراً ضرورت کے وقت اپنا گھوڑا پیش کر دے، اور اگر ایسی حالت میں کوئی گھوڑا دینے سے انکار کرے تو اُسے گھوڑے کے بدلے اپنا سر دینا پڑتا ہے، کیونکہ امیر تیمور کا ایسا ہی حکم اور قانون ہے۔

ایسے لوگ جن کو امیر کے پاس جانا ہوتا ہے ضرورت کے وقت لشکریوں سے گھوڑے لے لیتے ہیں، بلکہ خود امیر تیمور کے بیٹے یا بیوی کا گھوڑا بھی ہو تو اُسے لے سکتے ہیں۔

سڑکوں پر ڈاک کے گھوڑے ہی فراہم نہ رہتے تھے بلکہ تمام راستوں پر خبر رساں بھی مقرر ہوتے تھے تاکہ سلطنت کے ہر صوبے سے خبریں چند روز میں امیر تک پہنچا دیں، اگر کوئی شخص ایک دن اور رات میں گھوڑے پر ۵۰ فرسخ چلے اور اس اثنا میں دو گھوڑے اس کی ران کے نیچے مر جائیں تو امیر تیمور ایسے شخص کو بہ نسبت اس شخص کے زیادہ پسند کرتا تھا جو انہی پچاس فرسخوں کو تین دن میں طے کرے، امیر نے اس خیال سے کہ اس کی سلطنت میں فرسخ کا طول زیادہ ہے فرسخ کے دو حصے کر دیئے تھے، اور سڑک کے کنارے پتھر کے چھوٹے چھوٹے ستون ہر فرسخ اور نیم فرسخ پر نشان کے طور پر نصب کرا دیئے تھے اور اپنے

’’زگا تامیوں‘‘ کو حکم دے رکھا تھا کہ بارہ یا کم سے کم دس ایسے فرسخ دن بھر میں طے کیا کریں[1]، یہاں کا ایک فرسخ قشتالیہ کے دو فرسخوں کے برابر ہوتا ہے۔

’’حقیقت یہ ہے کہ جب تک آنکھ سے نہ دیکھا ہو اس بات کا یقین آنا مشکل ہے کہ یہ تاتاری کتنے بڑے بڑے فاصلے رات اور دن مسلسل سفر کر کے طے کیا کرتے ہیں، کبھی کبھی یہ لوگ پندرہ اور بیس فرسخ سے بھی زیادہ مسافت ایک رات اور دن میں چلتے ہیں، جب ان کے گھوڑے بیکار ہو جاتے ہیں تو انہیں ذبح کر دیتے ہیں یا بیچ ڈالتے ہیں، سڑک پر ہم کو بہت سے گھوڑے جو تیز چلانے کی وجہ سے مر گئے تھے پڑے ملے‘‘۔

کلاویجو لکھتا ہے کہ گرمیوں کے موسم میں بعض منزل گاہوں میں ایسے حوض نظر آئے جن میں برف کے ٹکڑے پڑے تھے اور پیتل کے کوزے وہاں رکھے تھے کہ جس کا جی چاہے برف کا پانی ان میں بھر کر پیئے۔

ڈاک کی سڑکوں پر قاصد اور بیک تیمور کو خبریں پہنچانے کے لئے کبھی اِدھر سے اور کبھی اُدھر سے دوڑتے نظر آتے تھے کبھی سرحد کی شتر سوار فوجوں کی کیفیت سے تیمور کو مطلع کرتے تھے اور کبھی سرحد سے بھی کوسوں دور سپہ سالاروں کی طرف سے پرچے لے کر حاضر ہوتے تھے، اور شہروں کے داروغہ جو اطلاعات بھیجتے تھے ان کے لانے لیجانے والے بھی یہی تھے[2] سلطنت کی ہر ولایت اور کاروانی شہروں سے جو سلطنت کی حدود کے باہر تھے خبر

---

[1] یعنی ایک دن اور رات میں پچاس سے لے کر ستر میل تک طے کریں، کلاویجو کے ’’زگا تامی‘‘ وہی لوگ ہیں جن کو تاریخ کی کتابوں میں چغتائی یا جتہ لکھا ہے، یہ بیان ہم نے کسی قدر مختصر کر کے کلاویجو کے سفرنامے سے لکھا ہے، اس کتاب کا نام ہے ’’سمرقند میں امیر تیمور کے دربار میں روی دی گانزو لیز کلاویجو کا سفیر ہو کر جانا اور سفارت کے حالات‘‘ (صفحات ۱۴۰۲۔۱۴۰۳) یہ کتاب ہیکلوٹ سوسائٹی نے شائع کی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ کلاویجو کے اسی بیان کی وجہ سے عام تاریخوں میں یہ غلط بات تحریر ہونے لگی کہ تیمور نے اپنے ہر امیر اور سردار کو روزانہ ۶۰ میل گھوڑے پر سوار ہو کر چلنے کا حکم دے رکھا تھا۔ (مصنف)

[2] دیکھو تزوک تیمور، مقالہ دوم صفحہ ۱۸۰، ۱۸۲۔ مطبوعہ بمبئی جس میں ذیل کی عبارت درج ہے۔
’’وامر نمودم کہ یک ہزار نفر جمازہ سوار و اسپ سوار چیقونچی رونده دوندہ و ہزار نفر پیادہ جلد تعین نمائید کہ اخبار ممالک و سرحد دارادہ و مقاصد سلاطین جوار را تحقیق نمودہ بحضور آیدو خبر رسانند تا آنکہ پیش از وقوع واقع علاج نمایم‘‘

نویس مقرر تھے جو تمام واقعات کا خلاصہ امیر تیمور کے پاس وقت مقررہ پر ارسال کیا کرتے تھے، مثلاً یہ کہ سڑکوں پر کون کون سے قافلے جا رہے ہیں، لڑائیاں کہاں کہاں ہو رہی ہیں، ان خبر نویسوں کو حکم تھا کہ صحیح بات لکھیں اگر کوئی دیدہ و دانستہ غلط خبر لکھتا تھا تو وہ قتل کر دیا جاتا[1]

تیمور کا خبر رسانی کا انتظام مکمل تھا، ریلوں کی ایجاد سے پہلے رسائل کا کوئی محکمہ اس سے زیادہ زود کار اور تیز دست شاید ہی دنیا میں گزرا ہو۔

زمین اور جائداد کے متعلق تیمور کے فیصلے ناطق ہوتے تھے، سپاہ کو لشکر کے خزانچیوں اور بخشیوں سے تنخواہ ملتی تھی[2] کسی سپاہی کو کسی قسم کا محصول رعایا سے لینے کا اختیار نہیں تھا اور نہ کوئی سپاہی بلا وجہ کسی رعیت کے مکان میں داخل ہو سکتا۔[3]

بنجر زمین اور جائداد غیر منقولہ جو لاوارثی ہو وہ سرکار کا مال تصور کی جاتی تھی[4]، اگر کسی کسان یا صاحب مقدرت نے کسی صحرائی زمین میں آب پاشی کر کے کھیتی کی ہے یا اس پر مکانات یا پل بنائے ہیں تو وہ ایسی زمین پر پہلے سال بلا لگان قبضہ رکھ سکتا تھا، دوسرے سال جو لگان خود مناسب سمجھتا وہ دے سکتا تھا، تیسرے سال قاعدہ کے مطابق اس پر محصول

---

[1] تزوک تیمور مقالہ دوم مطبوعہ بمبئی صفحہ ۸۰ میں لکھا ہے کہ
’’امر نمودم کہ در ہر سرحدے دولایتے و شہرے و لشکرے خبر نویس متعین نمایند کہ از اعمال و افعال حکام رعت و سپاہ و لشکر خود و لشکر بیگانہ و مداخل و مخارج مال و منال و ور آمدن و بر آمدن مردم بیگانہ و قوافل از ہر مملکت و اخبار ممالک و سلاطین ہمسایہ و اعمال و افعال ایشان و جماعتہ علماء و افاضل کہ از بلاد بعید روے بدرگاہِ من آوردہ باشند بتفصیل از روئے راستی و درستی بدرگاہ مینوشتہ باشند، و اگر خلافت نمایند و از قرار واقع ننویسند انگشتان اخبار نویسان را قطع نمایند و گر اخبار نویسے کار سپاہے راہ پوشیدہ دارد و در لباس دیگر بنویسد ے را قطع کنند و اگر دروغے را بر بنائے تہمت و غرضے نوشتہ باشد او را بقتل رسانند و امر نمودم کہ اخبار مذکور روز بروز و ہفتہ بہفتہ و ماہ بماہ بعرض رسد‘‘۔

[2] دیکھو تزوک تیمور مقالہ دوم صفحہ ۱۲۳۔

[3] دیکھو تزوک تیمور مقالہ دوم صفحہ ۱۷۹۔
’’و امر نمودم کہ سر شماری و خانہ شماری از ہیچ شہر و قصبہ نگیرند و ہیچ کس از سپاہ در خانہ رعیت بزور نزول نکند و چہار پایان و اولاغ رعایا نہ گیرند‘‘۔

[4] دیکھو تزوک تیمور مقالہ دوم صفحہ ۱۹۰۔
’’امر نمودم کہ اموال اموات را بوارث رسانند و اگر وارث نباشد در ابواب خیرات صرف نمایند‘‘۔

لگایا جاتا تھا۔[1]

زمین کا محصول فصلیں کاٹنے کے بعد لیا جاتا تھا، معمولی شرح لگان پیداوار کا ایک تہائی حصہ یا اتنے ہی حصہ کی قیمت چاندی کے سکے میں مقرر تھی، نہری زمین پر محصول زیادہ تھا، اور بارانی پر کم تھا، بڑے تالابوں سے پانی لینے پر زمینداروں کو آبیانہ دینا ہوتا تھا۔[2]

تاجر جو ملک میں آتے تھے وہ تجارت کے مال پر محصول دیتے تھے، اس کے علاوہ انہیں سڑک کا محصول بھی ادا کرنا ہوتا تھا، یہ محصول اس زمانے میں آمدنی کے بڑے ذریعے تھے کیونکہ مشرق بعید کے تمام کاروان جو یورپ کے قصد سے چلتے تھے وہ مصر سے بچ کر نکلنا چاہتے تھے جہاں کے بادشاہ "سلاطین مملوک" عیسائیوں کے اور عیسائیوں سے جو کچھ متعلق ہو اس کے سخت دشمن تھے۔

تجارت کا مال مغربی ملکوں کو شمال والی سڑک سے دشت گوبی میں سے ہوتا ہوا المالیق سے گزر کر سمرقند آتا تھا، اور سمرقند سے سلطانیہ اور تبریز ہوتا ہوا بحر اسود اور قسطنطنیہ پہنچتا تھا، یہ راہ خراسان والی سڑک سے طے کی جاتی تھی، اس سڑک کی شاخیں زیادہ شمال کی سمت میں بھی گئی تھیں یعنی اور گنج تک پہنچی تھیں، اور گنج سے بحر خزر عبور کرنے پر بعض شاخیں جاری رہ کر روسی سرحد پر اہل جنیوا کی آبادیوں تک گئی تھیں، ایک تیسری سڑک جنوب کی سمت میں ایران سے گزرتی ہوئی ہندوستان کی بندرگاہوں تک آئی تھی۔

سمندر کی راہ سے تجارت بہت کم ہوتی تھی، ایک زمانہ میں عرب کے لوگ ہند کے گرد چکر کاٹ کر "جزیرہ نمائے زریں[3]" اور چین کو جاتے تھے، اور چین کے جہاز اکثر بنگال کے ساحل تک آتے تھے لیکن اس قسم کے بحری سفر گاہے گاہے جہازوں کے مالکوں اور دولتمند سیاحوں کی ہمت کا نتیجہ ہوتے تھے، دریاؤں کے رستے البتہ تجارت کا بڑا سلسلہ

---

[1] تزوک تیمور ایضاً مقالہ دوم صفحہ ۱۸۸۔
"وامر نمودم کہ ہر کس صحرائے آباد کند یا کاریزے احداث نماید یا باغے سبز کند یا موضع ویرانے را نو آباد سازد در سال اوّل چیزے نہ گیرند و در دوم انچہ رعیت برضائے خود دہد گیرند و در سال سوم موافق تزوک مال بگیرند"۔

[2] تزوک تیمور صفحات ۱۸۶۔۱۸۷۔

[3] غالباً جزیرہ نمائے ملایا سے مطلب ہوگا۔

قائم تھا، دریائے آمو کے ذریعہ اور گنج تک اور ہندوستان میں دریائے سندھ کے ذریعہ سمندر تک اور اسی طرح دجلہ اور فرات کے ذریعہ تجارت بہت ہوتی تھی۔

ہندوستان پہنچنے کے لئے تیمور نے اب دو رستے کھول دیئے تھے، ایک کابل سے چل کر درۂ خیبر والا تھا اور دوسرا قندھار سے شروع ہو کر اُس بے برگ و بار علاقے میں سے گزرتا تھا جس کا سلسلہ دریائے سندھ پر ختم ہوتا تھا، شاہ بجستان کو تیمور نے صرف ایک لڑائی لڑ کر اپنا مطیع کر لیا تھا، یہ وہی بادشاہ تھا جس کی ملازمت ایک زمانے میں تیمور نے ایک رزم آزما کی حیثیت سے اختیار کی تھی اور جس کی خدمت گزاری میں عمر بھر کو لنگڑا ہوا تھا۔

ایک دوسری لڑائی میں تیمور کو ایک ویران ملک سے گزر کرنا پڑا تھا جو شیراز سے خلیج فارس کی بندرگاہوں تک پھیلا ہوا تھا، ان بندرگاہوں سے جہاز بغداد تک اور دریائے سندھ کے دہانے تک جاتے تھے۔

مغرب میں تیمور نے ترکمان سیاہ میش کا قلعہ[1] اور موصل کا شہر جس میں سنگ مرمر کی عمارتیں تھیں فتح کر لیا تھا، دریائے دجلہ کے قلعوں پر جو سمرقند سے ڈیڑھ ہزار میل کے فاصلے پر تھے تیمور قابض ہو گیا، اور یہاں اپنی وسیع سلطنت میں تبریز کے شہر کو اس نے تجارت کا بہت بڑا مقام بنا دیا، اس بڑے شہر کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ تھی، اسی شہر میں تجارت کی شمالی اور جنوبی سڑکیں خراسان کی بڑی سڑک پر آ کر ملی تھیں، صرف تبریز سے جس قدر آمدنی تیمور کو تھی وہ بادشاہ فرانس کی سالانہ واصلات سے زیادہ تھی۔[2]

بظاہر اتنے بڑے شہر کے باشندے کوئی ایسا محصول جو ہر فرد پر عائد ہوتا ہو ادا نہ کرتے ہوں گے لیکن شہر کی مجلس ایک سالانہ رقم تیمور کے داروغہ کو ادا کیا کرتی تھی، اس کی شکل خراج کی ضرور تھی، کیونکہ جب تک یہ رقم ادا ہوتی رہتی تھی شہر کو کوئی خطرہ نہ تھا۔

کاروانی تاجروں کے حق میں تیمور کی سلطنت ایک بڑی برکت تھی، کیونکہ وہ امیر

---

[1] غالباً قراحصار سے مراد ہے جو صوبہ آذربائجان میں واقع تھا۔ (مترجم)

[2] جس قدر شہادت دستیاب ہوتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چین کے ملک سے قطع نظر کر کے تبریز دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا، سمرقند دمشق اور بغداد اس سے چھوٹے تھے، گو ان کی عمارتیں زیادہ قابل تعریف تھیں چودھویں صدی عیسوی کی یہ عمارتیں ان عمارتوں سے جو روما اور وینس میں تھیں زیادہ شاندار تھیں (مصنف)

تیمور کے ملکوں میں سڑک کے پاسبانوں کی حفاظت میں سال میں پانچ مہینے سفر کیا کرتے تھے اور چنگی کا محصول انہیں صرف ایک جگہ ادا کرنا ہوتا تھا۔

چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں اور زمینداروں کے حق میں بھی تیمور کی حکومت اس وجہ سے نفع کی چیز تھی کہ وہ امرائے وقت کی زیادتیوں سے محفوظ ہو گئے تھے، تیمور اس معاملہ میں بہت صاف تھا، جب کوئی انسان تباہ کر دیا جاتا تھا تو پھر وہ کسی مصرف کا نہ رہتا تھا، اسی طرح جب کوئی ریاست غارت کر دی جاتی تھی تو پھر تیمور کے خزانے کو اس سے کوئی نفع نہ پہنچ سکتا تھا، خزانے سے فوج کو قوت پہنچتی تھی اور فوج سلطنت کی بیخ و بنیاد تھی، لشکری جہاں اُن کا جی چاہتا تھا اپنے گھوڑوں کو پانی پلاتے تھے، کھیتیوں کو روندتے ہوئے نکل جاتے تھے جس طرف سے کوچ کرتے تھے اگر ضرورت ہوتی تھی تو تیار فصلیں کاٹ لیتے تھے، کاشتکاروں کو اس سے بہت نقصان پہنچتا تھا۔

تیمور کمزوری پسند نہ کرتا تھا، تمام شہروں میں فقیروں کی کثرت ہو گئی تھی، تیمور نے گداگری کی ممانعت کر دی[1]، اور محتاجوں کے لئے وظیفے مقرر ہونے کا حکم جاری کیا اور انھیں روٹی اور گوشت تقسیم کرایا، مگر ان فقیروں نے اس آذوقے کو اپنی جاگیر سمجھ کر پھر گلی گلی بھیک مانگنی شروع کی جہاں جاؤ یا حق، یا حق۔ اللہ کریم، اللہ رحیم کی صدا زبان پر اور ہاتھ میں بھیک کا پیالہ نظر آتا تھا۔ خیرات کرنے والے کھانے کے وقت ان کے پیالہ میں آٹا روٹی کا ٹکڑا کچھ ڈال دیا کرتے تھے، قلندر اور بے نوا، بازاروں میں کھڑے ہو کر اپنی کرامات بیان کرنے والے لوگ، مبروص اور قلاش اب بھی بھیک مانگنے سے باز نہ آئے، کیونکہ فقیر کو روٹی پیسہ دینا مسلمانوں کے ہاں ایسا رواج تھا جو بدل نہ سکتا تھا۔ تیمور کے سپاہی اکثر ان فقیروں کو قتل کر دیتے مگر اس سے کچھ حاصل نہ ہوتا۔

چوری کے بند کرنے میں تیمور کو زیادہ کامیابی ہوئی، شہروں میں وہاں کا کوتوال اور سڑکوں پر پاسبانوں کے افسر جتنی چوریاں ان کے علاقے میں ہوں سب کے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے۔ کوئی چیز چوری جاتی تھی پاسبانوں اور ان کے افسروں کو ویسی ہی چیز

---

[1] تزوک تیمور صفحہ ۱۷۹۔ ''وامر نمودم کہ گدایان ہر ملک را وظیفہ مقرر گردانند تا رسم گدائی برافتد''۔

اس کی جگہ دینی پڑتی تھی۔[1]

لیکن تیمور کے تزوک و قوانین خود اس کی مرضی اور حکم کے سوا اور کچھ نہ تھے، اس کے خاص ملک کے باہر یہ قوانین ابھی تک نئی بات سمجھے جاتے تھے اور ان پر عمل در آمد بھی ابھی تک شروع نہ ہوا تھا۔ کہیں کہیں بغاوت بھی ہوتی تھی اور تیمور اس قسم کی بدنظمیوں کو رفع کرنے کے لیے ہمیشہ نقل و حرکت میں رہتا تھا تیمور کی قوت اور تدبیر نے اس کے لشکر کو ایک باقاعدہ مشین بنا دیا تھا جس کے چلانے والے بڑے آزمودہ کار سپاہی تھے اور فتح اور ظفریابی جس کا ایک معمول تھا۔

اس لشکر اور فوج پر تیمور کو ناز تھا اور اسی فوج سے اب اس نے کل ایشیا کو فتح کرنا چاہا۔[2]

---

[1] تزوک تیمور صفحہ ۱۷۸۔۱۷۹ ''وامر نمودم کہ دزدان و اقطاع الطریق (رہزن) ہر ملک را یاسا رسانند و مفسدان و اشرار و بدنفسان را از ملک اخراج نمائید و ہرزہ کاران را در شہر و ملک نگہدارند، کوتوالے بہر شہر و قصبہ تعین کنند کہ نگاہبان رعیت و سپاہ باشد و آنچہ از کس بدزدی رود در عہد کوتوال باشد، وامر نمودم کہ بر سر راہہا ضابطان تعن نمائند کہ حارس و پاسبان راہا بودہ اموال و اسباب و امتعہ مترددین تجار و مسافران را منزل بمنزل برسانند و اگر فوتی و فرد گناشتی دوران بشود از عہدہ جواب آن برآئندہ''۔

[2] دیکھو تعلیقہ شمار ۱۷

باب ۲۱

گھوڑے کی کاٹھی اور تیمور

اب ایسا زمانہ آیا کہ اس لنگ کرنے والے کشورستان کو اس مثل کا مصداق بن کر اس کا مزہ چکھنا پڑا کہ ''جس نے پاؤں رکاب میں رکھ لیا اُس کو کاٹھی پر پہنچنا ہی پڑتا ہے''۔

سمرقند میں قیام کرنے یا پہاڑوں میں شکار کھیلنے کا اب بہت کم اتفاق ہوتا تھا، تیمور کی (دوسری بیوی یعنی) پہلی ملکہ سرائے ملک خانم سفر وحضر دونوں میں بڑے جاہ وحشم سے رہتی تھی، جب برآمد ہوتی تو حبشنیں قبا کے دامن اٹھائے اور خوبصورت کنیزیں کلاہ کے مرصع پروں کو دائیں بائیں سہارا دیئے چلتیں، نئے نئے کاشی کاری کے محل فیروزی چھتوں والے بہت کشادہ اور وسیع اس کے قدم رنجہ فرمانے کے لئے تیار ہو چکے تھے، خود تیمور نے ایرانی مہندسوں کی مدد سے ان محلوں کے نقشے بنائے تھے، تعمیر کے زمانہ میں کبھی کبھی قلیل مدت کے لئے معماروں اور مزدوروں میں کام کی ہل چل ڈالنے یا ملکِ چین اور ہندوستان کے ایلچیوں کو شرفِ حضوری بخشنے یا پوتوں کا سلام قبول کرنے سمرقند چلا آتا اور یہاں خوب جشن وطوی کر کے واپس چلا جاتا۔

ایام سفر میں خیمہ وخرگاہ کا سامان دوہرا ساتھ رہا کرتا تھا، جب ایک خیمہ گاہ میں آرام کرتا تو اسی رات کو دوسرا خیمہ وسراپردہ بار برداری کے جانوروں پر رکھا ہوا آگے کی منزل پر لیجا کر نصب کر دیا جاتا، جب تیمور دوسرے دن وہاں پہنچتا تو کوشک شاہی تیار ملتا، خیموں کی ریشمی طنابیں کھنچی ہوتیں، اندر قالینوں کا فرش ہوتا، چوبوں سے اپنی اپنی جگہ پردے لٹکے ہوتے، اور تمازت آفتاب سے پناہ کے لئے بڑا سائبان سامنے لگا ہوتا، اور بارگاہِ دولت کے قریب بارہ ہزار قلچیوں کے ڈیرے ہوتے جو بادشاہ کے قریب بطور محافظ

کے حاضر رہتے۔[1]

قلچیوں کے سردار ''بہادروں'' میں سے منتخب ہو کر مقرر کئے جاتے تھے، یہ سب بڑے دلاور اور طاقتور ہوتے تھے، کوئی مشکل کام ایسا نہ تھا جس میں ان کی آزمائش نہ ہو چکی ہو اور اتنا انعام نہ دیا گیا ہو جس سے ان کی اور دوسروں کی ہمت افزائی ہوئی ہو۔

تیمور نے حکم دیا تھا کہ ''ایسا سپاہی جو خدمت کرتے کرتے عمر رسیدہ ہو گیا ہو اس کے درجے اور تنخواہ میں کبھی کمی نہ کی جائے، کیونکہ پرانے سپاہی جو عارضی عزت کے لئے اپنی دائمی خوشی قربان کر دیتے ہیں وہ قابلِ انعام ہوتے ہیں'' تیمور کو اپنے پرانے سپاہیوں کی قدر افزائی پر ہمیشہ اصرار رہا[2]، اور جس طرح پہلے ایک ہزار سپاہیوں کے نام جنھوں نے ایک سخت مہم میں ساتھ چلنے پر رضامندی ظاہر کی تھی لکھ کر اپنے پاس رکھ لئے تھے، اب اپنے تومانوں کے افسروں اور ان کے بیٹوں کے نام ایک فہرست میں لکھ لئے، اگر کسی سردار سے کوئی کام شجاعت کا عمل میں آتا تو سرکاری کاتب اُس کے اعمال نامے میں اس کام کو درج کر دیتے۔

لشکر میں اگر کوئی سپاہی، دلیری کا کام کرتا تو وہ دس سپاہیوں کا افسر یعنی اُون باشی

---

[1] تزوک تیمور صفحہ ۱۵۲۔

''دوازدہ ہزار قلچی شمشیر بردار بہ ایراق وسلاح در یمین و یسار و پس و پیش دیوانخانہ در کشک حاضر باشند۔۔۔'' (مترجم)

[2] تزوک تیمور، صفحہ ۱۴۳۔

''وحق سپاہی را ضایع نہ سازند و ہر سپاہی کہ بہ پیری رسد دے را از علوفہ و مرتبہ محروم و معزول نہ گردانندس وکار ہر سپاہ را پوشیدہ نہ دارند و مردم سپاہے کہ حیات باقی خود را بمال می فردشند مستحق جلدو باشند ولائق انعام و تربیت اگر دے را از انعام محروم سازند و کارش را پوشیدہ دارند بے انصافی کردہ باشند''۔

تیمور کہتا ہے کہ سپاہی اپنی باقی زندگی کو مال کے عوض میں بیچتا ہے، انگریزی مصنف نے اس خیال کو اس طرح ادا کیا ہے کہ سپاہی چند روزہ عزت کے لئے دائمی خوشی کو قربان کرتا ہے، قوم پرستی کے اعتبار سے مصنف کے الفاظ تیمور کے الفاظ سے زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں، زندگی کو مال کے لئے بیچنا اتنا بھلا نہیں معلوم ہوتا جتنا کہ عزت کے لئے خوشی کو قربان کرنا، سپاہی کا ہمدرد تیمور بھی ہے اور مصنف بھی، بات کہنے کا فرق ہے (مترجم)

کر دیا جاتا، اور دس سپاہیوں کے افسر کو عمدہ خدمت کے صلہ میں سو سپاہیوں کے افسر یعنی یوز باشی کا درجہ ملتا، اور خاص قسم کا نشان اور انعام بھی دیا جاتا، مثلاً کمر بند یا مرصع جبہ معہ گلوبند، بعض وقت تلوار اور گھوڑا بھی ملتا، ایک ہزار سپاہیوں کے سردار یعنی مینگ باشی کو علم اور نقارہ دیا جاتا، اور امیر الامرا کو "دہ ہزاری علم" اور "شیر علم (تومان طوغ اور چر طوغ) اور نقارہ ملتا، ان امیروں میں سے ہر ایک کو سو گھوڑے اپنے ساتھ رکھنے کا حق حاصل تھا۔

جب یہ فوجی سردار کوئی لڑائی فتح کرتے تھے تو اُن کو اور بھی بھاری انعام دیئے جاتے تھے، مثلاً کسی شہر یا ملک کی حکومت مع اس کی آمدنی کے جاگیر میں ملتی، فوج کے امراء بعض صورتوں میں شاہی گھرانے کے لوگ ہوتے تھے مگر ترقی ہمیشہ حسنِ خدمت کے صلہ میں ملتی تھی، لڑائیوں کے بعد جو فوجی سردار زندہ بچے تھے ان میں ایک بڈھا امیر جاکو برلاس تھا جو بڑی عزت و منزلت کے ساتھ امیر الامراء کا درجہ اور بلخ کی حکومت انعام میں پاکر جنگی خدمات سے سبکدوش ہوا تھا۔

تیمور ایسے آدمی کو ناپسند کرتا تھا جو کسی معرکہ میں ناکام رہ کر ناکامی کے متعلق عذرات پیش کرے، یا عین خطرے کے وقت اوروں سے پیچھے رہ جائے یا آگے بڑھنے سے پہلے بھاگنے کا راستہ سوچ رکھے، بیوقوفی اور نادانی پر اس کو غصہ آیا کرتا تھا، اور اکثر یہ جملہ کہ "دشمنِ دانا بہ از دوست نادان"۔ اس کی زبان پر آتے سنا گیا تھا۔

ایک مؤرخ نے جس کا نام ابن عرب شاہ تھا تیمور کی صورت شکل اس زمانے کے بہت صاف اور روشن الفاظ میں اس طرح بیان کی ہے۔

یہ فاتح دراز قد تھا، سر بڑا اور پیشانی چوڑی تھی، جسمانی طاقت اور دلاوری میں نہایت ممتاز تھا، فطرۃً عمدہ قابلیتیں اس میں موجود تھیں، اس کی جلد سفید تھی، چہرہ کا رنگ

---

1. تزوک تیمور صفحہ ۱۵۰۔

"دامر کردم کہ بہادرے کہ شمشیر زند کلنک یا اتاقہ مرصع و کمر و شمشیر و اسپ بجلدوے وے ارزانی دارند بمرتبہ اُن باشی امتیاز دہند تا آنکہ در شمشیر دوم و سوم بمرتبہ یوز باشی و مینگ باشی برسد"۔۔۔ وامر نمودم کہ ہر یک از امرائے ادوازدہ گانہ (قلیچی) یک علم و نقارہ بدہند و با امیر الامرا علم و نقارہ و تومان طوغ و چر طوغ ارزانی دارند وغیرہ وغیرہ (مترجم)

صاف تھا، ہاتھ پاؤں بہت مضبوط تھے، سینہ چوڑا تھا، اور انگلیاں بہت سخت تھیں، داڑھی لمبی تھی اور ہتھیلیاں خشک رہتی تھیں، دائیں ٹانگ سے لنگ کرتا تھا، آواز بھاری تھی۔

"میانہ عمری میں بھی جوش طبیعت اور جسم میں طاقت، دلیری اور عزم وہی تھا جو جوانی میں تھا، اس کی مثال ایک کوہ راسخ کی تھی، جھوٹ بولنا اور مسخراپن کرنا بہت ناپسند کرتا تھا ہمیشہ سچی بات سننی چاہتا تھا چاہے تلخ ہی کیوں نہ ہو، کسی ناکامی پر افسردگی یا کامیابی پر کوئی خاص خوشی اسے نہ ہوتی تھی۔

تیمور کی مہر پر فارسی کے دو لفظ کندہ تھے "راستی روستی" (سچائی طاقت ہے) کم سخن تھا، کبھی آدمیوں کو قتل کرنے یا لوٹنے یا عورتوں کو ان کے گھروں میں بے عزت کرنے کا کوئی جملہ اس کی زبان پر نہ آیا تھا، بہادر سپاہیوں سے اُسے بے حد الفت تھی"۔

تیمور کے بال جلد سفید ہونے شروع ہو گئے تھے، بعض مؤرخوں نے اس کے چہرہ کا رنگ گندمی لکھا ہے لیکن ایک عرب کو گندمی رنگ گورا ہی معلوم ہوا ہوگا، تعجب یہ ہے کہ تیمور کا یہ حال ابن عرب شاہ کا لکھا ہوا ہے جسے تیمور خانہ کوچ کر کے سمرقند لایا تھا، ابن عرب شاہ کو تیمور سے خاص عداوت تھی۔

تیمور کے لشکر میں بہت کم لوگ ایسے تھے جن کو آق بوغا کی طرح یک لخت ترقی اور درجہ ملا ہو، معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاتاری بہادر بہت ہی قوی ہیکل اور مضبوط آدمی تھا، بازو پر آہنی سپر اور ہاتھ میں پانچ فٹ کا لمبا برچھا رہا کرتا تھا، صرف دس سپاہیوں کی افسری یعنی اُون باشی کا درجہ رکھتا تھا، گھوڑا فقط ایک ہی پاس تھا، اور اس کی بڑی لیاقت دوستوں میں یہ مشہور تھی کہ مینڈھے کا کھوکھلا سینگھ دودھ اور شراب سے پورا بھر کر چڑھا جاتا ہے۔

بیان ہوا ہے کہ ایران پر دوبارہ فوج کشی کے زمانے میں آق بوغا بغیر کسی ساتھی کے سڑک کے کنارے ایک گاؤں میں بلکہ وہ سمجھے کہ اس گاؤں کی سرائے میں جا اُترا، چونکہ دشمن کے ملک میں تھا اس لئے گھوڑا کسا کسایا بالکل تیار سرائے کے دروازے پر کھڑا رکھتا تھا، ایک دن اس طرح چھپا چھپایا سرائے میں کمر کھولے آرام سے بیٹھا کچھ کھا پی رہا تھا

کہ گاؤں کا ایک پاسبان گھبرایا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ پچاس ایرانی سوار گاؤں کے حوض کے پاس گھوڑوں سے اُتر رہے ہیں۔

یہ سن کر آق بوغا بولا۔ ''اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے، جاؤ اور گاؤں کے سپاہیوں کو جمع کرو، پھر ان ایرانیوں پر حملہ کیا جائے گا''۔

پاسبان نے عذر کیا کہ ایرانی سوار بہت زیادہ ہیں، اُن سے لڑنا مشکل ہے، بہتر ہے کہ آپ یہاں سے کسی طرف بھاگ جائیں، مگر آق بوغا کب بھاگنے والا تھا، پاسبان سے کہنے لگا۔

''اگر تم نے ان ایرانیوں پر حملہ نہ کیا تو پھر ان کے گھوڑے اور گھوڑوں کے زین کیونکر ہاتھ آئیں گے، واللہ تم میں ذرا عقل نہیں، یہ ایرانی سب گیدڑ ہیں، جب مجھ بھیڑیئے کو اپنی طرف آتے دیکھیں گے تو نوک دُم ہو جائیں گے، اور ایرانیوں کا بھاگنا میں خوب دیکھ چکا ہوں، جاؤ اپنے سپاہیوں کو جمع کر کے یہاں لے آؤ''۔

آق بوغا کھانے میں مصروف رہا، گاؤں والے آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے، یہ لوگ ایرانی سواروں سے تو ڈرتے ہی تھے مگر، اس مسلح تاتاری دیو سے بھی ان کی جان نکل رہی تھی، قصہ مختصر تھوڑی دیر میں گاؤں کے تقریباً دس آدمی ٹٹوؤں پر سوار سرائے کے دروازے پر آئے، آق بوغا فوراً اٹھا کمر کسی، سر پر خود رکھا، داڑھی ہٹا کر گلے میں چمڑے کا سینہ بند باندھا اور کندھوں پر چرمی شانہ پوش لگائے اور ہاتھ میں لمبا برچھا سنبھال گاؤں کے سواروں سے کہنے لگا۔ ''دیکھو جس وقت میں سورن کا نعرہ لگاؤں فوراً آندھی کی طرح گھوڑے سرپٹ ڈال دینا، خبردار ذرا توقف نہ ہو، آنکھوں میں خاک بھی پڑے تو اُسے نکالنے کو نہ رُکنا''۔

اب آق بوغا خود آگے آگے ہے اور گاؤں کے سوار پیچھے پیچھے ہیں، سرائے والی گلی سے نکل کر مسجد اور مسجد سے آگے سڑک والے حوض کی طرف چلے، ایرانی سواروں کو دیکھتے ہی کہ حوض پر گھوڑوں کو پانی پلا رہے ہیں آق بوغا نے گھوڑے کو چابک لگا کڑک کر سورن کا نعرہ لگایا۔

گاؤں والوں کے لئے جو گھوڑوں پر سوار آق بوغا کے پیچھے تھے ایرانی سواروں کی ننگی تلواروں کی چمک ہی دیکھنی بہت تھی، فوراً پیٹھ پھیر جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی بھاگے، اب آق بوغا کے ہوش درست ہوئے، مگر وہ بھاگنے والی اسامی نہ تھا، اکیلے نے ایرانی سواروں پر دھاوا کیا۔

ایرانی یا تو یہ سمجھ کر کہ اس تاتاری کے پیچھے کوئی تاتاری لشکر بھی ضرور ہے یا ''سورن'' کے ہیبت ناک نعرے کو سن کر فوراً اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور سرپٹ بھاگے، آق بوغا نے اپنا گھوڑا ان کے پیچھے ڈالا، ایرانی سواروں میں کوئی اِدھر بھاگا کوئی اُدھر کہتے ہیں کہ ان کے گھوڑے بہت مضبوط تھے، آق بوغا پکارتا ہی رہا کہ ٹھہرو ٹھہرو، ذرا دو دو ہاتھ تو ہو جائیں مگر ایرانی نہ پلٹے، آق بوغا آخر کار مجبور ہو کر واپس آیا فتح ضرور ہوئی مگر خالی ہاتھ آنا پڑا، آتے ہی گاؤں والوں سے کہنے لگا کہ ایرانی تو گیدڑ تھے ہی مگر تم نرے خرگوش نکلے''۔

اس فوج کشی میں تیمور بہت تیزی سے جنوب کی سمت میں منزلیں طے کرتا ہوا ایران میں داخل ہوا تھا، تیمور نے مظفری شہزادوں کو مختلف شہروں کی سند حکومت عطا کر دی تھی، مگر اس کے بعد پھر یہ شہزادے آپس میں خانہ جنگیاں کرنے لگے، یہاں تک کہ ان ہنگاموں میں شاہ منصور اصفہان اور شیراز کا مالک ہو گیا، مظفریوں میں شاہ منصور اُن شہزادوں میں تھا جو تیمور کی اطاعت قبول کرنے حاضر نہیں ہوئے تھے، اب وہ اپنے سب بھائی بندوں پر حاکم ہو گیا تھا اور ان میں سے زین العابدین پسر شاہ شجاع کو گرفتار کر کے اور آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر قید میں ڈال چکا تھا۔

مظفریوں کی خانہ جنگی فرو کرنے جس وقت تیمور چلا تھا تو راستے میں ایک مقام پر کوہستان کے ایک خاص قسم کے قتل پیشہ لوگوں کو غارت کرنے کے لئے اُسے ٹھہرنا پڑا تھا[1]

---

[1] یہ قاتل فرقہ اسماعیلیہ کا ایک گروہ تھا، انہوں نے یورپ والوں کا جو عیسائی مذہب کی حمایت میں ایشیا میں لڑنے آتے تھے ناک میں دم کر دیا تھا، انہی یورپ کے نووارد عیسائیوں نے اس گروہ کا نام حشیشی یعنی بھنگڑ رکھا تھا، مارکو پولو یورپ کا مشہور سیاح ان کے قلعوں کی طرف سے گزرا تھا اور اُس نے اس گروہ کے سردار کو شیخ الجبل کے نام سے لکھا ہے، اسی زمانہ میں تیمور عربوں اور کردوں کے قلعوں کو فتح کرنے میں مصروف تھا، دیکھو اس کتاب کا تعلیقہ نمبر ۱۱ (مصنف)

قاتلوں کا یہ گروہ حشیش کے استعمال سے اپنی طبیعت میں جوش و خروش پیدا کیا کرتا تھا، ان قاتلوں کے خنجر ایسے تھے جن کے خوف سے ''ایشیا سے قریب'' کے تاجدار لرزتے تھے، اس وقت تیمور کے پاس لشکر کے صرف تین قشوں تھے، ایک کا سپہ سالار شہزادہ شاہ رُخ تھا اور باقی تیمور کے دو بڑے پوتوں کی سرکردگی میں تھے، یہ دونوں شہزادے خانزادہ کے بطن سے تھے۔

جب تیمور ایران میں داخل ہوا تھا تو شاہ منصور نے اپنے لشکر کا نصف حصہ ایک سردار کے سپرد کر کے قلعہ سفید میں مقیم کر دیا تھا، یہ قلعہ ایران کا ایسا تھا جو رستم داستان کے زمانے سے اب تک کسی کے ہاتھ فتح نہ ہوا تھا یہیں زین العابدین پسر شاہ شجاع نابینا قید میں تھا، غرض تیمور اب اسی قلعہ سفید کی طرف بڑھا۔

اس قلعہ کو دراصل ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی سمجھنا چاہیے، مؤرخ اس کا حال اس طرح لکھتا ہے کہ ''ایرانی اس مقام پر بہت بھروسہ کرتے تھے اور اس سے بہت کچھ اُمید رکھتے تھے، کیونکہ وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا، اور اس تک پہنچنے کا راستہ بھی صرف ایک ہی تھا، پہاڑ کی یہ چوٹی ہموار زمین کا ایک بہت ہی خوشنما قطع تھا، جو عرض و طول میں ایک ایک فرسخ تھا، یہاں ایک دریا تھا اور چشمے تھے اور میووں کے درخت اور مزروعہ زمینیں تھیں اور ہر قسم کے چرند اور پرند بھی وہاں موجود تھے۔

امیروں نے اس پر تفریح کے لئے مکانات بنائے تھے، ان کو نہ یہاں آگ کا ڈر تھا نہ پانی کا نہ سرنگ کا خوف تھا، نہ عرّادہ اور منجنیق کا، کسی بادشاہ کو اس کی تسخیر کا خیال تک نہ گزرا تھا، کیونکہ یہ قلعہ بہت بلند تھا، اور اس پر حملہ کرنے کے لئے کسی قسم کے آلات حرب نصب نہیں کئے جا سکتے تھے، پہاڑ ایسا سخت تھا کہ اُسے کھود کر نقب لگانی بھی ممکن نہ تھی اس کے اوپر چڑھنا اور اس کو فتح کرنا بھی امکان میں نہ تھا، راستہ جو چوٹی پر جانے کا تھا اس طرح بنایا تھا کہ اگر اس کے کسی تنگ مقام پر تین سپاہی کھڑے ہو جائیں تو ایک ہزار دشمن کا مقابلہ کر لیں۔ [1]

[1] ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۶۰۰-۶۰۱ اس قلعہ کی کیفیت کے متعلق جو اشعار آئے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔

دژے بود کش خواندے سپید ۔۔۔ بدان دژ بدے ایرانیان را امید
عجب گو نہ کوہے خدا آفرید ۔۔۔ کہ مانند آن کس بگیتی ندید
رہش تند و لرزاں زنگ تا فراز ۔۔۔ چو زلفِ بتاں پیچ پیچ و دراز

اس قدرتی استحکام کو بھی ایرانیوں نے کافی نہ سمجھا تھا، اس کے راستے میں جو موڑ آئے تھے، وہاں گچ اور آہک سے سنگین دیواریں اور مورچے بنا دیئے تھے، چونکہ چوٹی پر کھیتی کی ایسی زمینیں موجود تھیں جن کی پیداوار قلعہ کے رہنے والوں کے لئے کافی ہو اور چوپائے اور پرند بھی وہاں اتنے تھے کہ گوشت ضرورت پر مل سکتا تھا اس لئے یہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ دشمن قلعہ کا محاصرہ کر کے اور اس کی راہیں سب طرف سے بند کر کے لوگوں کو فاقہ کشی کی مصیبت میں مبتلا کر دے، صرف موت ایسی چیز تھی جو ان کے ہلاک کرنے پر قدرت رکھتی تھی۔ بیت

زسوئے زمین ایمن است از خلل
مگر ز آسمان تیغ بارد اجل

جس دن تیمور کی فوجیں اس پہاڑی قلعہ کے نیچے پہنچیں اسی دن تیمور نے حملہ کا حکم دیدیا، [1] جس پہاڑ پر قلعہ تھا اس کے قریب ہی ایک اونچے پہاڑ پر تیمور نے اپنا خیمہ نصب کرایا، تاتاری سوار پہاڑ پر چڑھ کر قلعہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے، یہاں گھوڑوں سے اتر کر پہاڑ پر اس طرح پھیلے جیسے مٹی کے ڈھیر پر چیونٹیاں پھیلی ہوں، اور سڑک کے موڑوں پر جہاں برج اور مورچے تھے حملہ شروع کر دیا۔

امیر تیمور نے جس پہاڑ پر اپنا خیمہ نصب کیا تھا وہاں سے وہ دیکھتا تھا کہ جہاں جہاں دھوپ میں چمکتے تیر زیادہ اڑتے نظر آ رہے ہیں وہیں اس کے سپاہی جن کے خود

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

برآن سر کہ ازا بر بالا تراست ۔۔۔ یکے دشتِ ہموار پہنا وراست
زیک فرسخ افزون بطول و بعرض ۔۔۔ زمینِ دگر بر فلک کن تو فرض
بہر سو روان چشمۂ خوشگوار ۔۔۔ درختانِ پر میوہ و کشت زار
شکارے بیحد در آن پہن دشت ۔۔۔ شدہ یار جدی و حمل گاہ گشت
سران برسرش خانہا ساختہ ۔۔۔ بے مسکن طرفہ پر داختہ
نیابد گزند از غریق و حریق ۔۔۔ نہ از نقب و عرادہ و منجنیق
امیدِ سلاطین گیتی ستان ۔۔۔ گسستہ بکلی ز تسخیرِ آن

[1] قلعہ سپید پر تیمور ۱۰ جمادی الاول ۷۹۵ ہجری کو پہنچا تھا اور اسی دن حملہ کر دیا تھا، دیکھو ظفر نامہ جلد اول صفحہ ۵۹۹-۶۰۰۔

بہت چھوٹے چھوٹے دکھائی دیتے تھے، کیڑوں کی طرح پہاڑوں میں اوپر رینگتے جا رہے ہیں اور وادی کے شکم سے بخارات دھواں بن کر اوپر کو اٹھ رہے ہیں، تیمور کے قریب ہی نقارے گرج رہے تھے، تاتاری سپاہی تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں چٹانوں کے کونوں اور ریخوں پر پاؤں جمائے کبھی کبھی سورن کی ندائے ہیبت ناک دور سے بلند کرتے ہیں اور ان کی خفیف سی آواز تیمور کے کانوں تک آتی ہے۔

رات ہوگئی اور اب تک کچھ نہ ہوسکا، اوپر پہنچنے کا کوئی دوسرا راستہ بھی نہ نکلا، جب اُن لاشوں کو شمار کیا جو مورچوں کی خاک ریز سے پہاڑوں کے نیچے گرائی گئی تھیں تو تاتاری امرائے فوج کے تیور بگڑنے لگے، تیمور کے سپاہی جہاں جہاں تھے اُن سب نے وہیں پہاڑوں کی گگروں اور چٹانوں کے سایہ میں رات بسر کی، جب آفتاب نکلا تو فوج کے سردار اپنے اپنے جوانوں کو لے کر پھر حملے میں مصروف ہوئے، تیشہ و تبر چلانے میں کسی چیز کی خبر نہ تھی یہاں تک کہ پاؤں پھسلتا تھا اور لڑکتے ہوئے پہاڑ کے نیچے پہنچتے پہنچتے ختم ہو جاتے تھے، تیمور کے نقارچیوں نے پھر نقارے پر چوب لگائی اور حملے کی شدت بڑھ گئی۔

اور اب ان تاتاریوں نے راستے والے ایک برج کے اوپر سے جس پر وہ سب سے پہلے چڑھے تھے اپنے سروں سے اونچی ایک چٹان سے ایک گونجتی اور گرجتی آواز سنی، ''فتح ہمارے امیر کی ہوئی اور ایرانی کتے غارت ہوئے''۔

نظر اونچی کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑ کی ہموار چوٹی پر جہاں قلعہ تھا اور جو مقام ان لوگوں سے دو سو فٹ اونچا تھا اور قلعہ کے راستے سے بھی ایک تیر پرتاب سے زیادہ فاصلہ رکھتا تھا آق بوغا اکیلا کھڑا ہے، پہاڑ میں ایک جگہ ریخ تھی، کسی تاتاری یا ایرانی کی نظر ادھر نہ گئی تھی، سب سمجھتے تھے کہ اُس طرف کے پہاڑ سے اوپر چڑھنا ممکن نہیں مگر اسی ریخ میں سے آق بوغا ہاتھ میں سپر اور دوش پر کمان لٹکا کر چڑھتا ہوا چوٹی پر پہنچا اور اپنے وہاں پہنچنے کی خبر جو کوئی سنے اُسے سنانے لگا، اور یہاں دو چٹانوں کے بیچ میں سپر کو آڑ بنا کر اس طرح تیر چلانے لگا کہ جو ایرانی قریب تھے ان میں سے کسی کی بھی ہمت اس تک پہنچنے کی نہ ہوسکی، آق بوغا کو اس حال میں دیکھ کر شاہزادہ شاہ رُخ نے جو پہاڑ پر راستے والی فوج سے آملا تھا حکم دیا کہ قلعہ کے برجوں پر فوراً اس طرح یورش کی جائے کہ دشمن وہاں سے جواب کرتا

رہے مگر ہٹے نہیں، اس اثنا میں تاتاری جو پہاڑ کی ریخ سے قریب تھے آق بوغا کی مدد کو اوپر پہنچ گئے۔

اب جو دیکھتے ہیں تو پہاڑ کی چوٹی آدمیوں سے خالی ہے، ایرانی بھاگ رہے ہیں اور آق بوغا ہاتھ میں تلوار لئے ان کے پیچھے دوڑتا ہے جب کل تاتاری فوج اوپر آلی تو شاہ رُخ کے علم قلعہ کے برجوں کے نیچے بلند کئے گئے اور نقاروں نے تمام وادی میں غلغلہ ڈال دیا کہ بس اب خاتمہ قریب ہے۔[1]

ایرانی قلعہ سے نیچے کے برجوں کو جو راستے کے موڑوں پر تھے چھوڑ کر چوٹی پر پہنچے جہاں قلعہ تھا، لیکن تیمور کے سپاہیوں نے جو پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے ایرانیوں کو ایک ایک کر کے پہاڑ کے نیچے گرا دیا، شاہ منصور کے قلعہ دار کو بھی پکڑ کر پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دیا جہاں چٹانوں میں وہ کپڑوں کی ایک بے جان گٹھڑی پڑا نظر آیا، قلعہ سپید تاتاریوں کے ہاتھ فتح ہوگیا۔[2]

---

[1] ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۷۰۴۔۷۰۵ قلعہ سپید کی فتح کے حالات میں یہ عبارت آتی ہے جس سے انگریزی مصنف کا بیان بہت کچھ مطابق ہوتا ہے۔
''حسب فرمان قضا جریان شاہ زادگان و امراء و سائر بہادران نبرد آزمائے جنگ را آمادہ گشتہ کمر کین در بستند، از صدائے کورگہ و غریو سورن جنگ در پیوستند، از شست و چنگ مخالفان حصار تیر و سنگ چون باران آذری، باریدن گرفت و موافقانِ دولت جان شیرین فدائے کار خسرو کردہ فرہاد وار بکوہ دویدن آغاز نہادند ناگاہ از نوکران شیخ ایکوتمور آق بوغا نامی بجائے کہ اصلا متصور نہ بود کہ ہیچ آفریدہ از آنجا تواند بر آمد بالا رفت و صلوات فرستاد۔

برآمد بہ بالا چو پران عقاب   خروشان جو رعد از فرازِ سحاب
کہ صاحبقران باد فیروزہ گر   بداندیش او زار و خونیں جگر

واز سر تہور و پردلی خروش بر آوردہ بسر بازی مشغول شد، اہل قلعہ را از مشاہدہ آن حال کہ در ضمیر ایشان نہ گذشتہ بود پشت دل بشکست و زور از بازوئے جسارت رفت و از غایت دہشت و سراسیمگی دست از جنگ باز داشتند دلشکریاں امیر زادہ محمد سلطان از راہ دروازہ بہ بالا رفتند و تو قہارا باوج نصرت و فیروزی گردانیدہ قلعہ را مسخر ساختند و ہر کہ در آنجا بود از لشکری و سپاہی از کوہ در انداختند۔ (مترجم)

[2] امیر تیمور تو بنجان سے دوشنبہ کے دن ۱۰ جمادی الاول ۷۹۵ ہجری کو قلعہ سپید پہنچ گیا، اور دوسرے دن سہ شنبہ ۱۱ جمادی الاول کو قلعہ فتح کر کے شام کو نو بنجان واپس ہوا، ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۵۹۹، ۶۰۷ نو بنجان شیراز سے شمال مغرب میں بخط مستقیم پچاس ساٹھ میل کے قریب ہوگا، دیکھو لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی نقشہ نمبر ۶ فارس اور کرمان کے صوبے۔ (مترجم)

جب لڑائی ختم ہوئی تو آق بوغا کی ڈھنڈیا پڑی جب ملا تو اسے پکڑ کر صاحبقران کے سامنے لائے، صاحبقران نے اُسے خلعت میں ریشمی اور زریں کپڑے، خیمے اور ڈیرے، خوبصورت کنیزیں بہت سے گھوڑے، خچر اور اونٹ اور نقد روپیہ اتنا دیا کہ وہ بالکل حیرت زدہ ہو کر امیر کے سامنے سے باہر آیا جس قدر سامان ملا تھا جب اُسے پیچھے آتا دیکھتا تھا تو سر ہلا کر رہ جاتا تھا، جب لوگوں نے چلتے چلتے روک کر اس کی بہادری کی تعریف کی تو کہنے لگا۔

''خدا گواہ ہے کہ کل میرے پاس ایک گھوڑے سے زیادہ نہ تھا، آج یہ کل ساز و سامان میرا کیونکر ہو سکتا ہے''۔

آق بوغا کو امیر زادہ محمد سلطان کی فوج عقب میں سرداری کا درجہ ملا، جب تک زندہ رہا بڑی شان سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا رہا، اور اس دن سے کبھی اس طرف سے پشت نہیں کی جہاں امیر تیمور ہو، اور ہمیشہ خیال رکھا کہ سوتے میں اپنا چہرہ بارگاہِ امیر کی طرف ہو اور مرتے وقت وصیت کی کہ جب قبر میں رکھا جاؤں تو میرا چہرہ دولت کدۂ امیر کی طرف کر دیا جائے۔

مظفری شہزادوں کا تعاقب شروع کرنے پر امیر تیمور کو اطلاع ملی کہ شاہ منصور فرار ہو گیا ہے لشکر سے برنغار اور جرنغار کو اپنے دو پوتوں سلطان محمد اور پیر محمد کی سرکردگی میں دے کر باقی لشکر کو اپنے ہمراہ لئے تیزی سے شیراز کی طرف چلا، اس فوج کی تعداد تیس ہزار تھی، امیر زادہ شاہ رخ جو ہمیشہ باپ کے ساتھ رہتا تھا بدستور مع اپنے ملازمین کے خدمت میں حاضر تھا، چلتے چلتے ایک گاؤں کے باہر باغات نظر آئے اور دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہاں چار ہزار ایرانی سوار صف بستہ کھڑے ہیں ہر ایک سوار زرہ بکتر پہنے ہے، چہار آئینہ کا متن چرمی اور حاشیہ آہنی ہے اور گھوڑوں پر کجیم[1] پڑے ہیں۔

واقعہ یہ تھا کہ پہلے تو شاہ منصور اس فوج کو لئے ہوئے شیراز سے بھاگا تھا مگر اس وقت وہ ارادہ بدل کر شیراز کی طرف واپس آ رہا تھا اور اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ جب شیراز

---

[1] کجیم گھوڑے کی پوشش۔

سے بھاگ کر ایک گاؤں میں منزل کی اور وہاں چند لوگوں سے پوچھا کہ شیراز کے لوگ اس کی نسبت کیا کہتے ہیں تو انہوں نے کہا ''واللہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے تھے جن کے پاس بڑی بڑی ڈھالیں تھیں اور ان کے ترکش بھاری تھے لیکن وہ اس طرح بھاگے جیسے بھیڑیئے کو دیکھ کر بکریاں بھاگتی ہیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی چھوڑ کر دشمن کے حوالے کر گئے''۔ اس طعنہ پر شاہ منصور کا چہرہ سرخ ہو گیا اور گھوڑے کا رخ پھیر شیراز کی طرف واپس چلا، راستے میں ایک گاؤں کے قریب باغوں میں وہ اور اس کے سوار اترے ہوئے تھے کہ تیمور کی فوج نے جو شیراز کی طرف آ رہی تھی ان کو دیکھا، شاہ منصور نے جان پر کھیل کر اپنے سواروں کو لے کر تیمور کی فوج پر حملہ کر دیا، منصور کے بعض رسالے بے ترتیب ہو کر پیچھے ہٹے مگر دو ہزار کا رسالہ ایسا تھا جو تاتاریوں کی صفوں کو توڑتا ہوا ان کے عقب میں پہنچ کر بعض بلند مقامات پر قابض ہو گیا، شاہ منصور نے اس پر بس نہ کی بلکہ پلٹ کر وہاں حملہ کیا جہاں تیمور کا علم نصب تھا۔[1]

---

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۰۸، نیز روضۃ الصفا جلد چہارم صفحہ ۱۶۹، روضہ الصفا کا بیان یہ ہے کہ قلعہ سپید کی فتح کے بعد تیمور جب شیراز کی طرف بڑھا تو موضع جویم میں پہنچ کر اس نے شاہ منصور کا حال دریافت کیا، صرف یہی معلوم ہو سکا کہ شاہ منصور فرار ہو گیا ہے، اور یہ سچ تھا کیونکہ جب شاہ منصور کو تیمور کے نزدیک پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو وہ شیراز سے نکل کر مع فوج کے بھاگا، شیراز کے باہر پل فسا کے گاؤں تک پہنچا تھا کہ چند شیرازی اسی کی طرح شیراز سے بھاگے ہوئے اس سے ملے منصور نے ان سے پوچھا کہ شیراز کے لوگ اس کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں ان لوگوں نے کہا کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ ''جن کے پاس پچاس من کا ترکش اور دو من کا چماق تھا وہ اس طرح بھاگے ہیں جیسے بکری بھیڑیئے کو دیکھ کر بھاگتی ہے، اتنا سن کر منصور کو غیرت آئی اور وہ فوراً واپس ہو کر شیراز آیا اور فوج درست کر کے لڑنے کی تیاری کی، دوسرا قول یہ ہے کہ شاہ منصور نے جب سنا کہ تیمور قریب آ گیا ہے تو اس نے تین ہزار فوج آراستہ کی اور شیراز دے سے باہر تیمور کے مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔
ظفر نامے کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ سپید کی فتح کے بعد تیمور فوجوں کو پوری تربیت دے کر شیراز کی طرف بڑھا، تیمور کے فوجی افسر امیر عثمان نے منصور کے قراول کو دیکھا، عثمان کمین گاہ میں بیٹھ گیا اور قراول کے ایک آدمی کو پکڑ کر تیمور کے پاس لے گیا، تیمور نے اس سے منصور کا حال اور اس کی فوج کی تعداد دریافت کی، اور آگے بڑھا، کوئی ایک فرسخ گیا ہو گا کہ شہر کے باغستان میں تین چار ہزار سوار مکمل زرہ بکتر لگائے صف آراستہ نظر آئے۔۔۔۔
انگریزی مصنف نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں بیانوں کو ملا کر اپنے طور پر قصہ بیان کیا ہے۔ (مترجم)

امیر تیمور فوج سے کچھ ہٹا ہوا ایک علیحدہ مقام پر چند ہمراہیوں کے ساتھ ایرانیوں کے اس حملہ کو جو اچانک پیش آیا تھا دیکھ رہا تھا، جب منصور بڑھ کر تیمور کی طرف آیا تو تاتاری سرداروں نے امیر کے گرد حلقہ باندھ کر ایرانیوں سے دست بدست لڑائی شروع کر دی۔

تیمور نے پیچھے ہاتھ دوڑایا کہ نیزہ پکڑے جو ہمیشہ نیزہ بردار کے پاس رہا کرتا تھا، لیکن نیزہ بردار پر حملہ ہوا تھا اور وہ نیزہ لئے پیچھے ہٹ گیا تھا، جب نیزہ نہ ملا تو تیمور نے تلوار کھینچی، تلوار پوری کھینچنے بھی نہ پایا تھا کہ شاہ منصور اس کی طرف جھپٹا۔

ایران کے بادشاہ نے تاتاری فاتح پر تلوار کے دو وار کئے، ایک تیمور کے سر پر کیا تیمور نے سر پھیر لیا، اور شاہ منصور کی تلوار اس کے خود کو چھوتی ہوئی نکل گئی، تیمور کا خود سر سے گر کر گود میں آ پڑا، مگر وہ خود گھوڑے پر بالکل بے حس و حرکت بیٹھا رہا، اتنے میں ایک تاتاری سردار نے اپنی سپر آقا کے سر پر چھادی اور دوسرا سردار اپنا گھوڑا تیمور اور منصور کے مرکبوں کے بیچ میں لے آیا۔

آخر کار شاہ منصور پیچھے ہٹا اور بھاگا، شاہ رخ کے ملازموں نے اس کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ اسے گرفتار کر کے قتل کیا، شہزادہ شاہ رخ شاہ منصور کا سر لئے آیا اور باپ کے قدموں میں اُسے ڈال دیا۔ [1]

ایران کا تیمور کے مقابلے پر آنا اب ختم ہوا، اور مظفریوں کا آخری وقت آ گیا، تیمور نے حکم دیا کہ آل مظفر سے جس قدر لوگ مرنے سے بچ گئے ہیں ان کو تلاش کر کے گرفتار کیا جائے، اس گرفتاری اور قید کے کچھ دنوں بعد وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ [2]

صرف زین العابدین اور شبلی کے ساتھ جن کو ان کے عزیزوں نے اندھا کر دیا تھا، تیمور نے اچھا برتاؤ کیا، اور ان کو سمرقند روانہ کر دیا جہاں ان کو مکانات اور زمینیں دی گئیں اور وہ امن سے زندگی بسر کرتے رہے، شیراز اور اصفہان سے اچھے کاریگر اور پیشہ ور اور بڑے بڑے عالم اور فاضل بھی جمع کر کے سمرقند روانہ کئے گئے تا کہ تیمور کے دربار کی شان بڑھائیں۔ [3]

---

1. اس لڑائی کے حالات کے لئے دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۱۰۔۶۱۲۔
2. ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۲۰۔
3. ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۱۹۔

باب ۲۲

......بادشاہِ بغداد......

سلطان احمد

اب ضروری بات تھی کہ مختلف والیانِ ملک میں تیمور کے خلاف ایک سازش اور اتحاد قائم ہو جائے، تیمور اکثر مشرق کی سمت سے نمودار ہوا کرتا تھا، دشت قزل قم و قراقم سے نکل کر جو اس کی حکومت میں تھے شہروں پر کالی آندھی کی طرح چھا جاتا اور ان کو غارت اور تباہ کرتا ہوا آگے بڑھتا، جس طرح آندھی کی خبر نہیں ہوتی کہ کب آئے گی اسی طرح تیمور کی لشکر کشی کا حال بھی کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ کب ہو گی اور کہاں ہو گی۔

مغرب کے باشاہوں میں سفارتوں کی آمد و رفت جاری ہوئی، ترکوں کے قیصر نے جو یہاں سے دور یورپ میں سکونت رکھتا تھا، اس اتحاد کی طرف اس وقت کوئی خاص توجہ نہ کی، لیکن سلطان مصر نے جو شام اور دمشق اور یروشلم کا مالک تھا اور بادشاہ بغداد نے تیمور کی مخالفت کا آپس میں معاہدہ کر لیا، اور قرا یوسف جس کے ترکمانوں پر مغرب میں تیمور کی فوجوں نے ترک و تاز کیا تھا سب سے زیادہ آمادہ تھا کہ سلاطین مصر و بغداد کے ساتھ تیمور کی مخالفت میں اپنا علم بلند کرے۔

بغداد تاتاریوں کی فوج کشی کے راستے میں پڑتا تھا، اب یہ شہر ہارون الرشید اور برامکہ کے زمانے کی طرح سلطنت اسلامیہ کا قلب و جگر نہیں رہا تھا، آج کل وہ دجلے کے کنارے ایک بھاری اور بے جان لاش کی طرح ڈھیر ہوا پڑا تھا، لیکن اب بھی وہاں زائرین اور مالدار تاجروں کا مجمع رہتا تھا ابن جبیر لکھتا ہے، کہ بغداد میں اس وقت بھی شوکتِ ماضی کے آثار و نشانات اس طرح نظر آتے ہیں جیسے کسی شباب رفتہ عورت کے حسن کا پتا چلتا ہو، اب تو وہ ایک اونگھتی بڑھیا کی طرح اس دریا میں اپنا منہ دیکھتا معلوم ہوتا تھا جو کبھی اس کے

حسن کے لئے آئینے کا کام دیا کرتا تھا۔

بادشاہ بغداد سلطان احمد جلایر کو اب بھی ''حامیِ دین وملت'' کہا جاتا تھا اور قریش کا سیاہ لباس جامع مسجد میں نمایاں رہتا تھا، لیکن بغداد کا اصلی محافظ سلاطین مملوک میں سے بادشاہ مصر تھا، سلطان احمد بدگمان و بدظن طبیعت کا آدمی تھا، اوروں پر ظلم کر کے اپنا غصہ ٹھنڈا کیا کرتا تھا، کبھی خزانے میں جو زر و جواہر جمع تھا اس کی طرف سے خوف میں رہتا اور اس سے بھی بڑھ کر ان غلاموں سے خوف کھاتا جو اس خزانے کے محافظ تھے، اس حالت خوف میں جب کبھی میدان سے گرد اڑتی نظر آتی تو مشرق کی طرف نگاہ دوڑاتا اور دل میں ڈرتا کہ کہیں تیمور کے تاتاری تو نہیں آئے۔

بغداد کے بڑے مفتی صاحب کو تیمور کے پاس ایسے بیش بہا نقوذ و تحائف کے ساتھ روانہ کیا جن کا پیش کرنا سلطان احمد ہی کی قدرت میں تھا، اور اُسی قسم کے تحائف و ہدایا قرا یوسف کے پاس بھیجے جسے ضرورت کے وقت کا دوست بنایا تھا ایک بیان یہ ہے کہ تیمور نے مفتی صاحب کو بہت اخلاق کے ساتھ مگر نامراد واپس کر دیا، دوسرا بیان ہے کہ شاہ منصور کا کٹا ہوا سر جواب میں روانہ کیا گیا، بہر کیف ان دونوں میں سے کوئی ایک بات ضرور پیش آئی، سلطان احمد کے تحائف قبول کرنے کی ضرورت تیمور کو نہ تھی، جو کچھ ضرورت تھی وہ بغداد کی تسخیر تھی اور یہ کہ تیمور کے نام کا خطبہ بغداد میں پڑھا جائے اور اسی کے نام کا سکہ مضروب ہو۔ [1]

---

[1] ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۶۲۸، ۶۲۹۔

''۳ شوال ۷۹۵ ہجری'' ''شیخ الاسلام اعظم شیخ نور الدین عبدالرحمٰن اسفراینی کہ از اکابر مشائخ روزگار بود از طرف بغداد از پیش سلطان احمد جلایر برسم رسالت بپایہ سریر خلافت مصیر آمد، صاحبقران مقدم آن بزرگ دین را بہ اعزاز تلقی فرمود و شیخ پیغام سلطان احمد بعرض رسانید مشتمل بر آنکہ کمر مطاوعت و خدمتگاری برمیان جان بستہ ام، اما از دہشت شکوہ آن حضرت قوتِ احراز سعادت بساط بوس ندارم، واگر بہ بغداد می فرماید مراحدِ مقاومت نیست وقصد محاربہ در خاطر نہ، نقوز ہا د پیش کشہا کہ با شیخ فرستادہ بود از جانوران مرکن و بارس شکار افگن و اسپان نامی بازین ہائے زر بمحل عرض رسانید، لیکن چونقد اخلاص بہ التزام سکہ وخطبہ کہ (تیمور) متوقع آن بود رواج نیافتہ بود تحف و ہدایا ملحوظ خاطر التفات و قبول نگشت و شیخ نور الدین را اعزاز فرمودہ خلعت خاص ارزانی داشت واسپ و زر دادہ باز گردانید''۔
(مترجم)

اس اثنا میں سلطان احمد نے بنظر احتیاط بہت کچھ اہتمام کر لیا، ترکمانوں سے جنھیں پہلے ہی دوست بنا لیا تھا اور والی دمشق سے مراسم دوستی جاری رکھے اور ایک جماعت مضبوط سواروں کی جن کے گھوڑے بہت تیز تھے اس غرض سے تیار کی کہ اگر بغداد سے فرار ہونا پڑے تو یہ سوار اُس کے ساتھ رہیں اور اس کے اہل وعیال اور خزانے کی حفاظت کرتے ہوئے چلیں، بغداد سے اسی میل اپنی سرحد پر کبوتر بھیجے تا کہ تیمور کی آمد کے آثار دیکھتے ہی ان پرندوں کو قاصد بنا کر فوراً اطلاع دیجائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ تیمور کے جاسوسوں نے بادشاہ بغداد کی ان تمام پیش بندیوں کا پتہ چلا کر تیمور کو اطلاع کر دی، بہر حال بغداد پر قبضہ کرنے کا تیمور نے اب قطعی ارادہ کر لیا، پہلے اپنی فوج کے ایک حصہ کو اس غرض سے آگے بھیجا کہ ترکمانوں میں ہلچل ڈال کر ان کو لڑنے میں مصروف کر لے، اس کے بعد خود تیمور اس طرح آگے بڑھا کہ گویا بغداد پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔

لیکن سیدھا بغداد نہ گیا، راستے میں ایک مقام پر لشکر سے علیٰحدہ ہو کر تیز منزلیں طے کرتا ہوا ولایت جبال میں داخل ہوا، رات ہوئی تو ساتھ کے سواروں نے مشعلیں روشن کیں اور ان کی روشنی میں تنگ و تاریک پہاڑی راستوں کو طے کر کے سب باہر آئے، تیمور محفہ میں سوار ہو کر ان تنگ دروں میں سے گزرا، لشکر پیچھے چھوڑا تھا صرف چند منتخب بہادر اور بہت سے کوتل گھوڑے ساتھ رکھے تھے۔

سلطان احمد کے آدمیوں نے جو ولایت جبال کے گاؤں اور قصبات میں جابجا موجود تھے دور سے گرد اڑتی دیکھی اور فوراً اس مضمون کا پرچہ لکھ کر کہ تیمور نظر آ گیا ہے پرچہ کو کبوتر کے پر میں باندھ کر اُسے اڑایا، تیمور جب ایک گاؤں میں پہنچا (جس کا نام قبہ ابراہیم لک تھا) تو وہاں کے لوگوں کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تم نے کوئی خبر بغداد بھیجی ہے، لوگ انکار کرتے ہوئے ڈرے، اور جو خبر بھیجی تھی وہ بیان کر دی تیمور نے کہا اچھا، اب دوسرا پرچہ اس مضمون کا روانہ کرو کہ ''جن سواروں کو ہم نے دیکھا تھا وہ دراصل ترکمان تھے جو تاتاریوں کے خوف سے بھاگ رہے تھے''۔

کبوتر ان پرچوں کے ساتھ پھر اڑائے گئے، تیمور نے کچھ دیر قبہ ابراہیم لک میں

آرام کیا اس کے بعد سو بہادروں کو جمع کیا اور بہترین مرکبوں پر انھیں سوار کر کے بغیر کہیں دم لئے اسی میل (۲۷ فرسخ) کی مسافت طے کر کے علی الصبح بغداد کے مضافات میں جا پہنچا۔ ۱؎

سلطان احمد نے پہلی خبر پر فرار ہونے کی تیاری کر لی تھی، اور اپنا تمام مال اور اسباب ہالی موالی دجلے کے پار بھیج دیئے تھے اور جو سپاہ ساتھ جانے والی تھی اُسے ہوشیار کر دیا تھا، دوسری خبر جب آئی تو یہ خبر اُسے پورا دھوکا نہ دے سکی، اور جب تک تیمور کی آمد کا پورا یقین نہ ہو گیا بادشاہ بغداد ہی میں رہا، جب معلوم ہوا کہ تیمور فی الواقع آن پہنچا ہے تو دجلے کو عبور کیا اور عبور کرنے کے بعد پل کو فوراً تڑوا دیا۔ ۲؎

تیمور کے سوار گھوڑے سرپٹ ڈالے اُن محلوں تک پہنچے جو کبھی خلفائے عباسیہ کے دولت کدے تھے، ان سواروں نے کسی طرح پتہ چلا لیا کہ سلطان احمد دریا کی طرف گیا ہے، فوراً دریا میں گھوڑے ڈال پار پہنچے۔

بادشاہ بغداد ان سواروں سے صرف چند گھنٹے پہلے بغداد سے نکلا تھا، اور دریا اترتے ہی دشت کربلا کی طرف فرار ہوا تھا، اب تیمور کے سواروں نے ریگستان شام میں سلطان احمد کا تعاقب شروع کیا، تاتریوں نے دریا سے گزرتے وقت سلطان احمد کی کشتی خاصہ (شمس نامی) جس پر ایک رات پہلے جلوس کیا تھا گرفتار کر کے تیمور کی سواری کے لئے کنارے بھجوا دی، تاتاریوں نے ایک دن اور ایک رات اور پھر ایک دن ریتیلے خشک میدانوں کو گھوڑے تیز دوڑا کر قطع کیا، یہاں تک کہ نرسلوں کے بن میں فرات کے کنارے پہنچ گئے۔

فرات اترنے کے لئے اب ان کو کشتیاں ڈھونڈنی پڑیں، کشتیاں ملتے ہی ان کو کھیتے ہوئے دریا پار پہنچے، گھوڑے بھی ان کے پیچھے پیچھے تیرتے ہوئے آئے، اس میں شک نہ تھا کہ وہ سلطان احمد کے قریب آتے جاتے تھے، کیونکہ راستے میں انہوں نے اس

۱؎ ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۶۳۱۔۶۳۲۔ ''آن مسافت کہ بست وفت فرسخ شرعی است بیک نہضت قطع کردہ صبح گاہ روز سہ شنبہ بست ویکم ماہ شوال ۷۹۵ ہجری بہ بغداد رسید''۔ (مترجم)

۲؎ ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۳۴، نیز دیکھو روضۃ الصفا جلد ششم ۶۵۔۶۶۔

بادشاہ کا بہت سا سامان اور خزانہ پڑا دیکھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ جن گھوڑوں پر یہ سامان رکھا تھا وہ میدان میں آرام سے چر رہے ہیں اور کوئی ان کا نگہبان موجود نہیں، تاتاریوں کو راستے میں کسی گاؤں میں تازہ دم گھوڑے نہ مل سکے، اس وجہ سے معمولی سواروں نے رستے ہی سے ساتھ چھوڑ دیا، کیونکہ اُن کے گھوڑے اتنے اچھے نہ تھے جتنے کہ ان کے سرداروں کے تھے، قصہ مختصر تیمور کے تاتاری جو تعاقب میں نکلے تھے وہ اب تعداد میں چالیس یا پچاس سے زائد باقی نہ رہے اور یہ سب امراء اور سردار تھے، تاتاری یہ کہہ کر نکلے تھے کہ بادشاہ بغداد کو زندہ گرفتار کر کے صاحبقران کی حضور میں پیش کریں گے، چنانچہ انہوں نے اس خشک اور بنجر ملک کے ٹیلوں اور ریگ زاروں میں سلطان احمد کا تعاقب برابر جاری رکھا۔

اس اثنا میں سلطان احمد نے راستے میں اپنی فوج کے کچھ آدمی ان تاتاریوں کو روکنے کے لئے پیچھے چھوڑ دیئے تھے، چنانچہ تاتاری جب ایک مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ سو کے قریب سوار ان کا رستہ روکنے اور مقابلہ کرنے کو تیار کھڑے ہیں، تاتاریوں کو دیکھتے ہی ان سواروں نے ان پر دھاوا کیا، مگر تاتاریوں نے تیر برسا کر ان سواروں کی صفوں کو پراگندہ کیا، اور جب بغداد کے یہ سوار ادھر اُدھر ہوئے تو تاتاری بدستور سلطان احمد کے تعاقب میں اور بھی تیز رفتاری سے آگے بڑھے۔

آگے چلے تو پھر ایک مرتبہ تاتاریوں پر حملہ ہوا، تاتاری گھوڑوں سے اتر اُن کی پیٹھ کی آڑ لے کر بغدادیوں پر تیر چلانے لگے، یہاں تک کہ بغدادی پھر متفرق ہوئے اس کے بعد مفروروں کا پتہ تاتاریوں کو نہ چلا، تیمور کے امراء سردار اور اس وقت پیاس سے بیتاب تھے اُن کے گھوڑے بھی تھک کر چُور ہو گئے تھے اور اب سب کو پانی کی تلاش ہوئی۔ ۱؎

سلطان احمد زندہ و سلامت دمشق پہنچ گیا، لیکن اس کے اہل و عیال کو تاتاریوں نے گرفتار کر لیا اور یہ سب امیر تیمور کے سامنے بغداد میں لائے گئے، بغداد نے سربہا کی رقم ادا کی اور تیمور کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا، تیمور نے اپنی طرف سے بغداد کا ایک حاکم مقرر کیا اور اب تاتاری فوج کش ایسے ہی جلد غائب ہو گئے جیسے کہ جلد ظاہر ہوئے تھے، روانگی سے

۱؎ دیکھو ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۶۳۶۔۶۳۷ اور روضۃ الصفاء جلد ششم صفحہ ۶۶۔

پہلے بغداد میں جس قدر شراب موجود تھی وہ دجلے میں ڈال دی گئی اور شہر کے تمام مہندسوں اور منجموں کو خانہ کوچ کر کے تیمور اپنے ساتھ سمرقند لے گیا تا کہ ہنرمندوں کی جو جماعت وہاں موجود تھی ان میں یہ بھی شامل ہوں۔ [1]

سلطان احمد ادیب وشاعر تھا، چنانچہ اپنی مصیبت پر ایک شعر اس مضمون کا کہا:

''لوگ کہتے ہیں کہ لڑنے سے بچنے کے لئے میں لنگ کرتا ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ بھاگنے میں میں لنگ نہیں کرتا''۔

طوفان سر سے گزر گیا مگر سلطان احمد کو عزت آبرو سر وسامان سب سے محروم کر گیا سلطان مصر نے قاہرہ میں سلطان احمد کو پناہ دی، غلام اور کنیزیں خدمت کے لئے پیش کیں [2]، مگر اسی زمانہ میں امیر تیمور کے ایلچی امیر تیمور کا پیغام لے کر آئے اور اس طرح بیان کیا۔

''چنگیز خان کے زمانے میں ہمارے بزرگ تمہارے بزرگوں سے لڑے تھے، پھر ان میں مصالحت ہوگئی تھی، اس کے بعد تمام ایران بدعملی اور خانہ جنگی کا شکار ہوگیا، ہمارے امیر نے ایران میں جس کی سرحد تمہارے ملک سے ملی ہوئی ہے امن وامان پیدا کیا، پس اُس نے یہ سفارت تمہارے پاس اس مراد سے بھیجی ہے کہ تاجر آمد ورفت رکھ سکیں اور کوئی نزاع پیدا نہ ہو والسلام !الحمد للہ رب العالمین''۔ [3]

---

[1] روضہ الصفاء جلد ششم صفحہ ۶۷

[2] روضہ الصفاء جلد ششم صفحہ ۴۷

[3] ظفر نامہ جلد اوّل صفحات ۶۴۲-۶۴۳۔

''شیخ سادہ را بجانب والی مصر وشام ملک الظاہر برقوق برسم رسالت روانہ فرمود، مضمون رسالت آنکہ پیش ازیں بادشاہان کہ از نسل چنگیز خان بودند با ملوک، آن ممالک منازعت داشتند و در آخر میان ایشان رسل اور رسائل متواتر شد وقضیہ بمصالحت انجامید وچون ابوسعید بہادر بجوار رحمت حق پیوست واز نسل چنگیز خان بادشاہ ہے صاحب حکومت نافذِ فرمان در ایران نہ ماند ملوک الطّوائف پدید آمدند، ہرج ومرج بحال عام راہ یافت این زمان چون تمام ممالک ایران تا عراق کہ در جوار آن مملکت واقع است مسخر فرمان ما گردانیہ خیر اندیشی خلائق اقتضائے آن میکند کہ حق ہمسائیگی رعایت کردہ ابواب مراسلہ ومکاتبہ مفتوح گردد وایلچیاں از ہر دو جانب در آمد وشد باشند تا راہہا ایمن شود وتجار جانبین باامن وحضور تردد توانند نمود واین معنی ہر آئینہ مستلزم معموری بلاد وآسائش عباد تواند بود، والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ والحمد اللہ رب العالمین''۔ (مترجم)

سلطان مصر نے تیمور کے ایلچیوں کو قتل کر دینا پسند کیا، بغداد پر قبضہ ہوجانے سے تیمور مغرب کی سلطنتوں سے نزدیک ہوگیا تھا، اور اب بادشاہ مصر کی فوجیں حرکت میں آئیں اور اس موقع پر ان فوجوں کو ایک بڑا قوی اور زبردست دوست اتفاق سے مل گیا۔

ایشیائے کوچک کے معاملات میں ایک تاتاری لشکر نے دست اندازی کی تھی، اس وجہ سے امیر تیمور ترکوں کے سلطان بایزید کا مورد عتاب ہوا، مغرب کے بادشاہوں نے تیمور کے خلاف جو اتحاد قائم کیا تھا وہ مکمل ہوگیا تھا، اور خیال یہ ہوا تھا کہ مغرب کی سمت میں تیمور کے حملوں کا اب خاتمہ ہوگیا، ان بادشاہوں کی فوجوں کو ایک طرف ترکمانوں اور دوسری طرف شام کے عربوں سے مدد پہنچی، اور یہ بادشاہ اب مشرقی ملکوں کی طرف بڑھے، دریائے فرات اور بحرخزر تک کوئی ان کا مزاحم نہ ہوا۔ [1]

مصر کے سلاطینِ مملوک سلطان احمد کو ساتھ لئے دجلے کی راہ کشتیوں میں سوار ہو کر بغداد آئے اور انہوں نے سلطان احمد کو دوبارہ اس کے محل میں تخت پر بٹھایا [2] مگر اب سلطان احمد کو حکومت اس حیثیت سے سپرد کی کہ گویا وہ ان سلاطین مصر کا مقرر کردہ حاکم اور والی (عراق) ہے، لیکن جب مصر کے بادشاہ رخصت ہوئے اور موصل سے جو ترک آئے تھے وہ بھی اس کارگزاری سے خوش ہو کر واپس ہوئے تو سلطان احمد تنہا رہ گیا، اب جو کچھ وہ کرتا خود ہی کرتا، چنانچہ تیمور کی خبریں دینے کے لئے اس نے چند آدمی سمرقند روانہ کئے، یہ لوگ جو خبریں وہاں کی دیتے تھے وہ عجیب ہوتی تھیں، ایک مرتبہ خبر دی کہ!

''ہم نے جو کچھ دیکھا، شہر کی شکل وصورت اب وہ نہیں ہے جو پہلے تھی، جہاں پہلے اونٹ بندھا کرتے تھے وہاں کاشی کاری کے نیلے گنبد اور سنگ مرمر کے فرش ہیں، ہم

---

[1] یہ سال وہ تھا جب کہ میران شاہ شراب خواری سے مجنون ہو کر بحرخزر کے جنوب میں تاتاریوں کے مفتوحہ ملکوں کو اپنی حرکتوں سے تباہ وبرباد کر رہا تھا، اور تیمور ان ملکوں سے بہت دور لڑائی میں مصروف تھا، یعنی پہلے شمال میں توقتمش کے آخری حملہ کا جواب کیا تھا اور پھر ہندوستان کی فتح کو روانہ ہوگیا تھا، تیمور کی لڑائیوں کو زمانے اور وقت کی پابندی سے پڑھنے میں راستوں کے متعلق ایک پوری کتاب اور ایسے نقشوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر وقت ترمیم کے محتاج ہوتے ہیں، اس لئے اب تک ہر واقعہ کی کیفیت کسی سلسلہ میں نہیں بلکہ علیٰحدہ کر کے دکھائی گئی ہے۔ (مصنف)

[2] دیکھو روضۃ الصفا جلد ششم صفحہ ۴۷ سطر ۱۸۔ (مترجم)

نے امیر تیمور کو اس وقت دیکھا جب کہ وہ ایک محل کی تعمیر ملاحظہ کرتا تھا، معماروں نے جس قدر کام کیا تھا وہ ناپسند خاطر ہوا، حکم دیا کہ جس قدر عمارت تیار ہوئی ہے وہ گرادی جائے، اس کے بعد بیس دن تک روزانہ گھوڑے پر سوار ہو کر کام دیکھنے آیا، اور واللہ ہم سچ کہتے ہیں کہ اس بیس دن میں محراب کا آخری پتھر اور گنبد کی آخری اینٹ تک لگا کر پورا محل تیار کر دیا گیا، پیش طاق بلندی میں ۲۴ نیزوں کے طول کے برابر تھا اور اس کے عرض میں پچاس آدمیوں کی صف کھڑی ہو سکتی تھی''۔

سلطان احمد نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ ''اور کیا دیکھا؟'' جواب ملا کہ
''امیر تیمور سنی اور شیعہ علماء کی مجلس میں بیٹھ کر ان سے کہتا ہے کہ......

سلطان احمد نے ایک بار پوچھا کہ:
''ہمارے متعلق بھی اس نے کچھ کہا؟ اور آج کل وہ کس کام میں مصروف ہے؟''
جواب ملا: ''واللہ! تیمور نے اس وقت ہندوستان کی طرف مراجعت فرمائی ہے''۔

سلطان احمد کو یہ معلوم ہو گیا کہ تیمور میں اور اس میں اس وقت ایک ہزار میل کا فاصلہ حائل ہے مگر طبیعت کو کسی طرح چین نہ تھا، بغداد سے نکل کر بادیہ کربلا میں اپنا بھاگنا اور تاتاریوں کا تعاقب کسی طرح نہ بھولتا تھا، رفتہ رفتہ حالت یہ ہوئی کہ اپنے وزیروں کا اعتبار بھی جاتا رہا اور اُن میں سے دو چار کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، حرم سرا تقریباً عورتوں سے خالی ہو گئی، خوف اور پریشانی اتنی بڑھی کہ محل میں دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا، صرف چرکسی غلام اور حبشی شمشیر بردار قریب آ سکتے تھے۔

حرم سرا کے بالا خانے پر سنگ مرمر کی جالیوں کے پیچھے سے جہاں کبھی اُس کی بیویاں رہتی تھیں دجلے کی طرف دیکھا کرتا تھا کہ کشتیوں کے پل سے کون گزرتا ہے، آٹھ گھوڑے دریا پار ایک اصطبل میں خفیہ طور پر بندھوا رکھے تھے اور ان کی حفاظت پر چند آدمی جن کا اعتبار کرتا تھا مقرر کر دیئے تھے، اس کے بعد حکم دیا کہ کوئی ہمارے سامنے نہ آئے،

۱۔ دیکھو ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۲۳۳۔۲۳۴۔

جن کمروں میں رہتا تھا اب ان میں غلام اور خدمت گار بھی پاس نہ آ سکتے تھے، اس حال میں

مبتلا کبھی اس جھروکے سے اور کبھی اُس جھروکے سے باہر کی طرف دیکھا کرتا، جو لوگ اس کی حفاظت پر متعین تھے اب ان پر بھی اس کو بھروسہ نہ رہا، خوف سے طبیعت بالکل مغلوب ہو چکی تھی، کھانا صرف ایک خوان میں لایا جاتا تھا، اور وہ بھی کمرے کے بند دروازے کے پاس رکھ دیا جاتا تھا، جب خدمتگار چلا جاتا تو وہ دروازہ کھول کر خود خوان اٹھا کر اندر لے جاتا۔[1]

رات کے وقت اُس راستے کو چل کر آزماتا تھا جو بھاگنے کے لئے سوچ رکھا تھا سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹا ہوا دریا اتر کر اصطبل میں پہنچتا جہاں آٹھ گھوڑے بندھوا رکھے تھے، غالباً اسی حال میں اس کو کسی نے ایک کاغذ دیا جو نہایت پاکیزہ فارسی میں لکھا ہوا تھا، یہ حافظ شیراز کا لکھا ہوا قصیدہ تھا، سلطان احمد مدت سے انھیں بغداد بلا رہا تھا، خواجہ حافظ نے معذرت کی اور تعریف میں لکھا:

احمد اللہ علی معدلۃ السلطان — احمد شیخ اویس حسن ایلکانی
خان بن خان، شہنشاہ، شہنشاہ نژاد — آنکہ می زیبد اگر جان جہانش خوانی
پرشکن کاکل ترکانہ کہ در طالع تست — بخشش و کوشش قاآنی و چنگیز خانی

ایک سال گزر لیا، سلطان احمد بادشاہ بغداد سمجھا کہ اب وہ بالکل محفوظ ہے، مگر یہ اطمینان خاطر ایک روز دفعتہً ایک نقارے کی آواز نے غارت کر دیا۔

۱۔ ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۲۳۴۔

باب ۲۳

محفوظ شہر سمرقند

دس برس تک سمرقند لڑائیوں سے بالکل محفوظ رہا اور اس زمانے میں تیمور کے عزم اور ارادے نے اس شہر کے حق میں بہت کچھ کر دکھایا۔

جس وقت سمرقند پر تسلط ہوا تھا وہاں سوائے کچی اینٹوں اور لکڑی کے مکانوں کے اور کچھ نہ تھا مگر یہی کچی اینٹوں اور لکڑی کا شہر تیمور کے ہاتھوں میں آ کر ایشیا کا روما بن گیا، غیر ملکوں میں جس قدر نفیس چیزیں پسند خاطر ہوئیں، انھیں لا کر شہر کو زیب و زینت بخشی، مالِ غنیمت میں بڑے بڑے عالم اور فاضل بھی آئے، ہر فتح کی یادگار میں ایک نئی عمارت تعمیر ہوئی، ارباب علم و فضل کے لئے بڑے بڑے مدرسے اور کتب خانے تیار ہوئے اور اہل صنعت و حرفت کے لئے ان کی باضابطہ جماعتیں تجارت کے بڑے مقامات پر قائم کیں، علمائے ہیئت کے لیے رصد خانے بن گئے اور تماشائیوں کے لئے ایک باغ وحوش تیار ہوا جس میں درندے اور پرندے قدرتی حالت میں نظر آتے تھے۔

سمرقند بالکل اسی نقشہ پر تیار ہوا جو تیمور نے اپنے ذہن میں کھینچا تھا، لڑائیوں میں بے حد سرگرم رہتا تھا مگر یہ سرگرمی اتنی نہ تھی کہ عمارت کا کوئی سامان جو سمرقند کی زیبائش کا باعث ہو سکے نظر سے بچ جاتا تبریز کا برف سا اجلا سنگ مرمر، ہرات کی رنگین روغنی پڑیاں، بغداد کا نازک نقرئی کام، ختن کا پاکیزہ یشب یہ سب چیزیں سمرقند میں موجود تھیں کسی کو خبر نہ ہوتی تھی کہ آگے کون سی عمارت بننے والی ہے، اور خبر کیونکر ہوتی کیونکہ سمرقند کا پورا نقشہ سوائے تیمور کے اور کسی کے دماغ میں تھا نہیں، اس شہر سے اس کو ایسی محبت تھی جیسے بڈھے شوہر کو جوان بیوی سے ہو، اس زمانہ میں وہ سمرقند کو متمول بنانے کے لئے ہندوستان کی

دولت لُوٹ رہا تھا، بہر کیف اس دس برس میں جو کام تیمور نے کئے اُن پر نظر ڈالنی لطف سے خالی نہ ہوگی۔

۱۳۹۹ء، ۸۰۲ہجری میں بہار کا موسم شروع ہوا ہے، تیمور آج کل ہندوستان میں براجتا ہے قاصدوں کی آمد و رفت درۂ خیبر اور کابل کی راہ سے جاری ہے، ایک دن یہی قاصد گھوڑوں پر سوار جنوب کی سڑک سے سمرقند کو آ رہے تھے کہ شہر سبز سے گزرنے کے بعد کچھ دُور آگے ایک میدان میں جا بجا درختوں کے نیچے صدہا خیمے ڈیرے اور پھونس کی جھونپڑیاں نظر آئیں، خلقت کا ایک ہجوم لگا دیکھا پوچھا تو معلوم ہوا کہ باہر کے ملکوں سے جو لوگ خانہ کوچ کر کے سمرقند میں لائے گئے تھے ان میں کے یہ باقی لوگ ہیں جو دیر میں پہنچے ہیں، اس ہجوم میں بہت سے اسیران جنگ ہیں، بہت سے آوارہ گرد ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو سمرقند کی شہرت سن کر اپنی قسمت آزمانے آئے ہیں، زبانیں سب کی جدا جدا ہیں اور مذہب بھی مختلف ہیں، غیر مذہب والوں میں نصرانی اور یہودی، عربی نژاد نسطوری اور مَلکی عیسائی، مسلمانوں میں سنی اور شیعہ سب موجود ہیں، بعضوں کی صورت پر وحشت و پریشانی برس رہی ہے، منہ خشک ہے، آنکھوں میں حلقے پڑے ہیں، بعض اس دہشت میں کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے ایسے بے چین و بے قرار ہیں جیسے شراب کا نشہ چڑھا ہو۔

یہاں گھوڑوں اور اونٹوں کے سوداگروں نے اپنے اپنے جانور قطاروں میں باندھ رکھے ہیں اور ان کے پاسبان بھوسے اور گھاس کے گرد و غبار میں ہتھیار لگائے کھڑے ہیں، سڑک کے ایک طرف چشمے کے قریب ایک چھوٹی سی سنگین عمارت ہے، یہ نسطوری عیسائیوں کا گرجا ہے، غرض جب خلقت کے اس عجیب و غریب ہجوم سے قاصد آگے بڑھے تو امرائے سمرقند کے علاقے اور کشت زار نظر آئے، جا بجا صنوبر کے درخت کھڑے تھے، ایک جگہ ان کی ہری ہری کونپلوں میں سے ایک محل کی سپید دیوار دکھائی دی، شہر ابھی ایک میل تھا کہ اس کے مضافات میں داخل ہوئے اور یہاں سے انہوں نے دور ایک مدرسہ دیکھا اور اس کی لاجوردی پیش طاق پر اللہ اکبر اور کلمہ لا الہ الا اللہ موٹے موٹے حرفوں میں لکھا ہوا پڑھا۔

یہاں سڑک کے دونوں طرف چنار کے اونچے اونچے درختوں کی صفیں کھڑی

تھیں، بائیں ہاتھ کو چشمے اور نہریں اور نہروں پر پل تھے، پھولوں کی کیاریاں وضع وضع کی تھیں۔

پھلواریوں کی روشیں بھول بھلیاں معلوم ہوتی تھیں، یہاں سے باغ دلکشا شروع ہو جاتا تھا، سنگ تراش ابھی تک یہاں کام کر رہے ہیں، ایک طرف سروستان اور میوہ دار درختوں کے پھولوں میں سے ایک دیوار نظر آئی جس کا طول پانچ سو قدم تھا، مگر یہی ایک دیوار نہیں ہے، مربع عمارت کا یہ فقط ایک ضلع ہے، ہر ضلع کے وسط میں اکہری محراب کا ایک دروازہ ہے اور کمان کی چھت میں چھوٹی چھوٹی محرابوں اور طاقوں کا ایک ابھرا ہوا جال سا بنا ہے، پیش طاق کے ستون پتھر کے شیر ہیں جو پچھلے پاؤں پر سیدھے کھڑے ہیں۔

باغ کے اندر باغبان بیلچے لئے چمن درست کرتے ہیں، مزدور چونے اور اینٹوں کے ڈھیر اٹھا کر زمین صاف کرتے ہیں یہاں سے سنگ مرمر کی ستونوں والی روش شروع ہو جاتی ہے اور اس کے سامنے ہی قصر ہے، یہ تین منزل کی عمارت ہے، بڑے بڑے مشہور مہندسوں نے اس کے نقشے بنا کر پیش کئے تھے، جو بہتر سے بہتر ثابت ہوا اس کے مطابق عمارت تیار کی گئی۔

قصر کے داخلے کے کمرے میں اب تک بڑے نقاش بیٹھے اپنا ہنر دکھا رہے ہیں، ہر ایک کے لئے دیوار کا ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے، ایک طرف چین کا مصور جو رنگین کام پسند نہیں کرتا اپنے مُوقلم سے سادے نقش و نگار بنا رہا ہے اس کے قریب ہی شیراز کے شاہی نقشے نویس نے کس قدر ضرورت سے زیادہ تیز رنگوں میں گل بوٹے بنا کر اپنی استادی دکھائی ہے، اس سے آگے ہندوستان کا کاریگر کھڑا ہے، اسے تصویر کشی تو آتی نہیں مگر گچ پر سونے اور چاندی کا کام کرنے میں کمال رکھتا ہے، سر پر چھت کی طرف دیکھئے تو پھولوں کا چمن کھلا ہے اور پھول بھی سب سونے اور لاجورد میں پچی کاری کے گلدستے ہیں، دیواریں اس طرح چمک رہی ہیں جیسے چینی کا برتن ابھی دھو کر رکھا ہو۔ [1]

شہر سمرقند کے شمال میں ایک باغ ت۔ور نے ہندوستان جانے سے پہلے بنوایا تھا

---

[1] باغ دلکشا اور اس کے قصر کی تعمیر کے متعلق دیکھئے ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۷ تا ۹۔

مؤرخین جو تیمور کے حالات روزانہ لکھتے تھے اس باغ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

''باغ شمال میں ایک شب حضرت صاحبقران نے خیمہ و بارگاہ نصب کرا کے استراحت فرمائی یہ عمارت کھیل تماشے، جشن و تفریح کے لئے تیار ہوئی تھی، بہت سے ماہرانِ تعمیر کے نقشوں میں سے بہترین نقشے پر یہ باغ اور اس کی عالی شان عمارت بنائی گئی تھی، زمانہ تعمیر میں عمارت کے ایک ایک رکن کی نگرانی چار امیروں کے سپرد ہوئی، حضرت صاحبقران کو اس باغ اور اس کے قصر کی طرف اتنی توجہ تھی کہ ڈیڑھ مہینے تک وہیں مقیم رہے تاکہ تعمیر کا کام جلد سے جلد ختم ہو تبریز کے سنگ مرمر کا ایک ایک مینار عمارت کے چاروں گوشوں پر تعمیر کیا گیا تھا''۔

''بغداد اور اصفہان کے نقاشوں نے قصر کی دیواروں پر نقش و نگار بنائے اور اس خوبی اور نفاست سے بنائے کہ تیمور کے ایوان خاص کی زیبائش اور حسن کو بھی مات کر دیا جو نادر و نفیس چیزوں سے نگارستان چین بنا ہوا تھا، صحنوں میں سنگِ مرمر اور سنگِ کوہ نور کا فرش تھا، اندر کے ایزارے اور باہر کی دیواریں کاشیکاری سے آراستہ کی گئیں، اس باغ اور قصر کا نام باغ شمال ہوا''۔ [1]

ان پُر فضا باغوں اور عالی شان محلوں کے وسیع حلقے میں شہر سمرقند آباد تھا، اس کی شہر پناہ کا دور پانچ میل کا تھا، قاصد چلتے چلتے باب لاجورد کے سامنے آیا تو ملاؤں کا ایک غول کا غول خچروں پر سوار ملا، قاصد کسی طرح اپنا راستہ ان میں سے نکال کر آگے بڑھا، ہتھیار لگائے گھوڑے پر سوار تھا اور گھوڑا پسینے میں غرق تھا، کف اُڑ اُڑ کر سینے اور پٹھوں تک آیا تھا سوار کے چہرے پر گرد پڑی تھی، آنکھیں سرخ تھیں اور چابک والا ہاتھ بغیر قصد اور ارادے کے برابر گھوڑے کی پیٹھ پر چل رہا تھا، ایک دفعہ ہی غل ہوا کہ ہندوستان کے لشکر

---

[1] باغ شمال اور اس کے قصر کی تعمیر کے مفصل حالات دیکھنے ہوں تو دیکھئے ظفر نامہ جلد اول صفحات ۸۰۰۔۸۰۳۔

سے قاصد آیا ہے۔

دروازے کے قریب جس قدر لوگ چل پھر رہے تھے وہ دوڑے، سوار نے بھیڑ میں سے راستہ نکالا، خلقت بھی پیچھے پیچھے ہولی، ارمنی محلے سے نکلا تو یہاں بہت سے کلجھائے چہروں کے آدمی سیاہ سمور کے پوستین پہنے کھڑے تھے، اس محلے سے نکل کر زین سازوں کے بازار میں آیا، چاروں طرف چمڑے اور تیل کی بوتھی، غرض چلتے چلتے دارالوزراء تک پہنچ گیا، یہاں کاتب منتظر تھے کہ مراسلات شاہی کے وصول ہوتے ہی ان کی نقلیں جاری کریں، خلقت جو قاصد کے ساتھ تھی وہیں رک کر جم گئی اس امید میں کہ شاید کوئی خبر معلوم ہو، کیونکہ خبر دیواروں میں بھی مقید نہیں رہا کرتی، مگر اس وقت اتنا ہی معلوم ہوا کہ مراسلات جو آئے ہیں وہ اشد ضروری ہیں۔

چاروں طرف غل پڑ گیا کہ حضرت صاحبقراں کی حضور سے فرمان آیا ہے، مگر اس فرمان کا مضمون کیا ہے، اس کا پتہ ابھی تک کسی کو نہ تھا، حاکم شہر کے اہل کار گھوڑوں پر سوار گھروں سے نکل کر آتے ہیں، سو زبانیں اور سو باتیں۔

مسلح تاتاری سپاہی قلعہ پر جو پہاڑ کی بلندی پر ہے راستہ روکے کھڑے ہیں، یہاں بیگمات شاہی کے محل ہیں، ہر بیگم کے محل کے ساتھ ایک خانہ باغ اپنا علیحدہ ہے، انھی باغوں میں سے ایک باغ میں آج جشن ہو رہا ہے۔

محل کے سامنے سوسن اور گلاب کے تختے کھلے ہیں، تختے کیا ہیں پھولوں کے جنگل لہلہا رہے ہیں، نو وارد دیکھتا ہے کہ محل کی چھت دو پاکھی ہے اور چینیوں کے معبد کی طرح سامنے سے گولائی لیتی ہوئی اوپر کو نوک دار ہو گئی ہے، اندر جائیے تو ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں رستہ ہے، ہر محراب میں گلابی ریشم کے پردے لٹکے ہیں، چھت اور دیواروں میں چاندی کے پترے جڑے ہیں اور ان پر موتیوں سے گل بوٹے بنائے ہیں، ریشم کے طرّے جا بجا ہوا سے اڑ کر پھولوں کے گچھوں کی طرح جھوم رہے ہیں۔

اونچے اونچے برچھے نصب کر کے ان پر شامیانے تانے ہیں اور شامیانوں کے نیچے نشست کے لئے دیوان بچھے ہیں، فرش بخارا اور فرغانہ کے قالینوں کا ہے چوکیاں سالم سونے کی ڈھلی ہوئی سلیقے سے رکھی ہیں اور ان پر عطر کی مرصع شیشیاں آراستہ ہیں، کسی پر لعل

جڑے ہیں کسی پر فیروزے اور زمرد، سونے اور بلور کی صراحیاں بھی عرق و نبید سے بھری موجود ہیں۔ شیشوں میں سے کسی میں شراب شیریں ہے اور کسی میں بادۂ تلخ، بلور کی صراحیوں میں موتی پڑے ہیں، ایک صراحی کے گرد کئی جام بلوریں شراب سے پُر آراستہ ہیں، اور ہر ایک میں ایک ایک عقیق دو دو انگشت چوڑا پڑا جھمک رہا ہے۔

مگر جشن سراپردوں میں ہو رہا ہے، ان کے گرد سائبان ہیں، سائبان میں سن امیر موید ارلات اور چند تاتاری ایران کے بہت سے شاہزادے، عرب اور افغان سردار جو مہمان آئے ہیں حاضر ہیں، سراپردہ شاہی میں جب سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ لئے اور منتظر ہوئے تو حضرت مخدرعلیا ملکہ سرائے ملک خانم تشریف لائیں۔

آگے آگے حبشنیں نقیب بنی چلتی ہیں دائیں بائیں خواصیں نیچی نظریں کئے ساتھ ہیں اور یہ محلوں کی بڑی ملکہ سر پر سرخ تاج رکھے خراماں خراماں آ رہی ہے، تاج جس کی صورت خود کی سی ہے جواہرات کی وجہ سے بہت وزنی ہو گیا ہے، مگر ملکہ سر اونچا کئے ہے، پیشانی کے گرد سونے کا ایک حلقہ ہے جو بھنوؤں تک آیا ہوا ہے، تاج کے اوپر کا حصہ جواہرات کا ایک چھوٹا سا قلعہ معلوم ہوتا ہے اور اس میں سفید رنگ کے بڑے بڑے پر لگے ہیں، تاج میں پروں کی کثرت ہے کہ بعض اڑ اڑ کر رخساروں سے مس کرتے ہیں اور باریک باریک سونے کی زنجیریں ان پروں کے بیچ میں چمکتی ہیں۔

قبا کا رنگ بھی سرخ ہے، حاشیہ زری کا ہے پندرہ کنیزیں قبا کے دامن اُٹھائے ہیں ملکہ کے چہرے پر غازہ ملا ہے، زرد ابریشم کی نقاب منہ پر خاص انداز سے پڑی ہے، شانوں پر سیاہ زلفیں بکھری ہیں۔

ملکہ سرائے خانم جب بیٹھ لیں تو ایک دوسری ملکہ آئیں، یہ سن اور دبدبے دونوں میں کم تھیں، لیکن متانت اور بزرگوں کا ادب ہر ادا سے ظاہر تھا، گندمی رنگ آنکھوں کے گوشوں کا کن پٹیوں کی طرف اونچا ہونا ظاہر کرتا تھا کہ مغلوں کی نسل سے ہے اور درحقیقت وہ منگلی خان کی بیٹی اور تیمور کی سب سے آخری ملکہ تھی۔

خدمتگار سونے کی کشتیوں میں بلور کے پیالے شربت سے بھرے ہوئے بیگمات کے سامنے لائے، خدمتگاروں کے ہاتھوں میں سفید رومال لپٹے ہیں تا کہ کشتی کو ہاتھ نہ لگے،

گھٹنا زمین پر ٹیک کر دونوں ہاتھوں سے کشتی پیش کرتے ہیں، اور جب بیگمات پیالے اٹھا کر ایک آدھ گھونٹ پی لیتی ہیں تو پیچھے ہٹ جاتے ہیں، مردوں کے لئے اسی طرح کشتیاں آئیں، ہر ایک نے ساغر اٹھا کر پیا اور پینے کے بعد اُسے الٹ کر بھی دکھا دیا کہ کوئی قطرہ باقی نہیں ہے اور یہ اس امر کا اظہار تھا کہ وہ اپنے میزبان کی تواضع و مدارات کی پوری قدر اور عزت کرتے ہیں۔

تیمور کی سکونت کے مقامات قلعہ سے باہر دوسری جگہ تھے، قلعہ میں آج کل اُن امراء کے خیمہ وخرگاہ نصب ہیں جو لشکر کے ساتھ ہندوستان نہیں گئے ہیں، یہیں سرکاری عمال اور خزانچی بھی رہتے ہیں قلعہ سب سے علیحدہ ایک نشیب کے کنارے بلندی پر بنایا گیا تھا، اس میں دارالصنعت اور سلح خانہ بھی تھا۔

اسلحہ خانے میں ہر قسم کے عجیب وغریب ہتھیار آراستہ ہیں۔ ایک طرف مہندسوں کا کمرہ ہے جہاں وہ عمارتوں کے نقشے تیار کرتے ہیں، میزوں پر عرادوں، منجنیقوں اور آتش بار آلوں کے نمونے رکھے ہیں، منجنیقوں کے نمونے دونوں قسم کے ہیں یعنی ایک وہ جو اوپر سے نیچے بھاری وزن گراتے ہیں اور ایک وہ جو بل دی ہوئی رسیوں کی قوت سے وزن دور پھینکتے ہیں۔ اسی مکان میں چند کمرے ہیں جن میں تلواروں کے بنانے والے تلواروں کا امتحان کرتے ہیں، صدہا کاریگر جو غیر ملکوں سے اسیر ہو کر یہاں آئے ہیں اس وقت زرہ بکتر اور خود بنانے میں مصروف ہیں، آج کل وہ ہلکی قسم کا ایک مغفر تیار کر رہے ہیں جس میں ایک پرزہ ایسا لگانا چاہتے ہیں کہ اگر اُسے نیچے کھینچ لیا جائے تو چہرہ محفوظ ہو جائے اور جب اوپر اٹھا دیں تو چہرہ کھل جائے۔

خزانے میں داخل ہونے کا حکم کسی کو نہیں لیکن کچھ دور آگے چل کر باغ وحوش کے قریب سنگ مرمر کی ایک عمارت ملتی ہے جو بطور عجائب خانے کے ہے، یہاں صاحبقران کبھی کبھی آرام بھی کرتے تھے، اس کے صحن میں ایک درخت تھا جو دھوپ میں بے حد چمکتا تھا، اُس کا تنا سونے کا شاخیں اور پتے چاندی کے تھے اور شاخوں میں میوے کی جگہ بڑے بڑے موتی اور ہر رنگ اور وضع کے چیدہ جواہرات آلوچوں کے برابر آویزاں تھے، اس درخت پر چڑیاں بھی چاندی سونے سرخ وسبز مینا کاری کی اس طرح پَر کھولے بیٹھی تھیں کہ

گویا اب پھل کھانے کے لئے آگے بڑھنے کو ہیں، خزانے کے مکان میں چار چار برجوں کے چھوٹے چھوٹے قلعے چاندی کے جن پر فیروزے جڑے تھے رکھے تھے، گویہ کھلونے کاریگروں کی استادی کے نمونے تھے، مگر دولت کا پتہ ان سے چلتا تھا۔

سفری مسجد روانہ ہو چکی ہے، یہ لکڑی کی ایک صنعت نیلے اور سرخ رنگ کی ہے، اس مسجد کو کرسی دے کر نصب کرتے ہیں اور سیڑھی لگا کر اس کے اندر جاتے ہیں، رنگین شیشوں کی روشن دانوں سے روشنی چھنتی ہوئی اس میں آتی ہے، یہ چوبی مسجد ٹوٹتی ہوئی ہے یعنی اس کے پرزے علیحدہ ہو جاتے ہیں، حالت سفر میں اُسے توڑ کر اس کے پُرزے گاڑیوں میں رکھ لیتے ہیں، آج کل یہ مسجد تیمور کے ساتھ ہندوستان کے سفر میں ہے، وہاں نماز کے وقت لگادی جاتی ہے اور کوچ کے وقت پھر توڑ کر گاڑیوں میں رکھ لیتے ہیں۔

اس وقت تیسرا پہر ہے، بازاروں میں گرمی اور ہجوم ہے، غل اور گرد کی بھی حد نہیں چھوٹی بڑی کوئی چیز ایسی نہیں جو تاتاریوں کو ان بازاروں میں نہ مل جاتی ہو، ترنجبین سے لے کر مہ جبین تک مول لے لیجئے، لیکن آج تاتاری کثرت سے بی بی خانم کے مقبرے کو جا رہے ہیں، بڑی سڑک سے بچتے ہوئے گلیوں گلیوں مقبرے کی طرف چلے ہیں، کیونکہ آج اس سڑک پر بڑا ہجوم ہے، چین والی شاہراہ سے اونٹوں کی قطاریں ابھی ابھی گزری ہیں، اونٹوں پر خوشبودار مسالے ٹاٹ کی بوریوں میں بھرے رکھے تھے، یہ مال یہاں سے ماسکو اور ماسکو سے جرمانیہ کے ہانسی شہروں[1] کو جا رہا ہے بوریوں پر چینی اور عربی حروف میں کچھ کچھ عبارت لکھی ہے اور تاتاری چنگی خانوں کی مہریں بھی پڑھی جاتی ہیں۔

بی بی خانم کے مقبرے سے ملی ہوئی ایک آبادی پہاڑی پر واقع ہے، یہ بی بی خانم کا گنج مشہور ہے، پہاڑی کے گرد چنار کے پتلے پتلے تنوں کے اونچے اونچے درخت کھڑے ہیں عمارتوں میں ایک مسجد اور مسجد کے ساتھ مدرسہ اور طلبہ اور معلموں کے رہنے کے مکانات ہیں، یہ کل عمارتیں اتنی وسیع ہیں کہ صرف دور سے ان کی وسعت اور وضع کا اندازہ ہو سکتا ہے

---

[1] ہانسی شہروں یعنی سوداگروں کے شہروں کو جا رہا ہے، جرمنی میں خاص خاص شہر تھے جہاں تحفظ تجارت کے لئے تجار کو خاص حقوق حاصل تھے، ہانسی شہروں میں لیوبک Lubek ہیمبرگ Hamburg اور بیمن Bemen اب بھی باقی ہیں۔ (مترجم)

ان میں بعض کی تعمیر ابھی ختم بھی نہیں ہوئی ہے، مسجد کا پھیلاؤ روما کے سینٹ پیٹر والے گرجا کے برابر معلوم ہوتا ہے، بیچ کا گنبد البتہ نہیں ہے مگر چاروں گوشوں پر دو دو سوفٹ بلندی کے مینار کھڑے ہیں، صحن میں پتھر کا فرش ہے اور بیچ میں سنگ مرمر کا ایک حوض ہے صحن سے گذر کر مسجد کے دالانوں میں بڑے بڑے مولوی اور ملّا ارباب علم وفضل سروں پر بھاری بھاری عمامے رکھے جو خاص علمائے بخارا کی وضع ہے بیٹھے ہیں ان کے قریب ہی چند فلسفی بھی موجود ہیں جو حکمت کے علاوہ طبیعیات کی کتابیں بھی مطالعہ کر چکے ہیں اور اس وقت ملّاؤں سے بحث کرتے ہیں، یہ ملا ایسے ہیں جنہیں کتاب کے اوراق سے باہر کسی بات کا علم نہیں۔

ایک عربی نژاد سیاہ جبہ پہنے عالم نے سوال کیا، ''فرمائیے بوعلی سینا کو طب کس نے سکھائی، کیا وہ خود مشاہدے اور تجربے نہیں کیا کرتا تھا''۔

اس پر حلب کے ایک فلسفی جن کی ناک توتے کی چونچ معلوم ہوتی تھی بولے، ''طب سیکھنی کیسی طب پر ایک کتاب تصنیف کر گیا ہے''۔

ایک تیسرے صاحب نے فرمایا، ''یہ درست ہے مگر بوعلی سینا نے ارسطو کی طبیعیات بھی تو پڑھی تھی''۔

یہ سن کر ایک ملّا جنہیں علماء کے ممتاز حلقے میں اپنی لیاقت کے اظہار میں کسی قدر حجاب تھا بولے۔ ''لیکن اس کفر کے پڑھنے سے فرمائیے کہ اس حکیم کا کیا انجام ہوا، خاتمہ کس طرح ہوا''۔

سیاہ جبے والے عرب ہنسے اور کہنے لگے ''کتاب کے خاتمے کا حال تو معلوم نہیں لیکن خود بوعلی سینا کو تو عورتوں کے عشق نافرجام اور اس کی شدت نے ختم کر دیا''۔

اتنے میں ایک صاحب بہت ہی گرج کر بولے ''عقل کے دشمنو! ہم سے پوچھو کہ بوعلی سینا کا خاتمہ کیونکر ہوا، اس طبیب حاذق نے جب مرنے کا وقت قریب آیا تو درخواست کی کہ قرآن پاک اس کے سامنے بہ آواز بلند پڑھا جائے پس اس طرح اُس نے ذریعہ بخشش اپنے لئے پیدا کر لیا''۔

یہ سن کر حلب کے فلسفی نے سر اونچا کیا اور کہا ''غور اور تبصر کے چہرے کو دلیل اور حجت کی گرد سے آلودہ نہ کرو، ہم تم کو دلیل اور حجت کے بیکار ہونے کا ایک قصہ حضرت

صاحبقران امیر تیمور گورگان کا سناتے ہیں''۔

سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فلسفی نے کہنا شروع کیا ''دو سال کا عرصہ ہوتا ہے، کہ بارگاہِ امیر میں سمرقند کے علمائے سنت جماعت اور ایران کے علمائے شیعہ چند مسائل کی بحث کے موقع پر جمع تھے، یہ ناچیز بھی وہاں حاضر تھا، اپنے کانوں سنی بات کہتا ہوں کہ حضرت صاحبقران نے سوال کیا، کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارے میں کہ فلاں جنگ میں جو لوگ ہمارے مارے گئے وہ شہید ہوئے یا جو لوگ دشمن کے مارے گئے وہ شہادت کا درجہ پانے کے مستحق ہوئے؟ سوال تو سب نے سن لیا مگر اب جواب دینے کی ہمت کسی میں نہ ہوئی سب خاموش بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک قاضی صاحب سے نہ رہا گیا، فرمانے لگے کہ اس سوال کا جواب پہلے بھی دیا جا چکا ہے، چنانچہ یہ ایک قول ماثور ہے۔

ان الذین یجاهدون لانفسهم الحماستهم اولا علاء کلمتهم لا بنظر الله الیهم یوم القیامة ولکن بنظر الی من جاهد فی الله حق جهاد.

جو اپنی جانیں بچانے کے لئے یا اظہارِ شجاعت کے لئے یا خواہش ناموری کے لئے لڑے، قیامت کے دن اللہ ان کی جانب نہیں دیکھے گا، اللہ کی نظر انھیں پر پڑے گی جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کا حق ادا کیا ہو۔

ملّا صاحب نے پوچھا کہ اس پر صاحبقران نے کیا فرمایا!

فلسفی نے کہا ''حضرت صاحبقران نے قاضی صاحب سے پوچھا کہ ''سن شریف کیا ہے'' قاضی صاحب نے جواب دیا'' چالیس سال'' اس پر امیر نے صرف اتنا فرما کر کہ ''میں دو اوپر ساٹھ برس کا ہوں'' تمام علماء کو جو اس مسئلہ پر بحث میں شریک ہوئے تھے خلعت اور انعام سے سرفراز فرما کر رخصت کیا''۔

سامعین دیر تک اس حکایت پر غور کرتے رہے اور اس کے الفاظ دل ہی دل میں دہراتے رہے تاکہ وقت ضرورت کسی اور مجمع میں انھیں بیان کر سکیں۔

سیاہ پوش عرب کسی قدر تامل کے بعد بولے ''میرا خیال ہے کہ یہ لطیفہ آپ نے مولانا شرف الدین کی کتاب تاریخ میں پڑھا ہوگا''۔

حلب کا فلسفی جس کا نام احمد تھا اپنے الفاظ کی تصدیق میں دلائل پیش کر کے کہنے لگا ''جو کچھ میرے کانوں نے سنا تھا وہی میں نے آپ کے سامنے بیان کیا، مولانا شرف الدین نے خود مجھ سے سن کر اپنی کتاب میں لکھا ہوگا''۔

عرب نے طنزاً کہا۔ ''درست ہے، پستو نے کہا تھا کہ سب کپڑے میرے ہیں، احمد فلسفی یہ تو فرمائیں کہ اس وقت کوئی اور بھی وہاں موجود تھا''۔

احمد نے بگڑ کر کہا ''اگر آپ کو حضرت صاحبقران کے ایمان وعقیدے میں شبہ گزرا ہو تو ذرا اُدھر دیکھئے''۔

یہ کہہ کر احمد نے لمبی آستین میں سے سوکھا ہاتھ نکال کر مسجد بی بی خانم کے پیش طاق کی طرف اشارہ کیا جس کی بلند محراب کی پیشانی پر سونے اور لاجورد میں کلمہ توحید لکھا ہوا بہت دور سے پڑھا جاتا تھا، تیز نیلگوں آسمان کے پردے پر اس رفیع الشان عمارت کے نقش ونگار اس وقت کسی قدر تاریک نظر آتے تھے، نہایت مستحکم بنا تھی، محاذ آسمان عمارت کے خطوط ایسے واضح تھے جیسے صحرا کی زمین سے کوئی اونچی چٹان اٹھی ہو اور اس کی کنگریں اور چوٹیوں کی نوکیں افق کے مقابل میں صاف نظر آتی ہوں، عمارت کے گرد وپیش کسی قسم کے پشتے اور پشتبان نہ تھے جو اس کو بدنما کرتے ہوں۔

مگر عرب صاحب بھی ایسے نہ تھے جو کسی بات پر قائل ہوتے، کہنے لگے، ''واللہ! آپ کا اشارہ مقبرے کی طرف ہے، یہ عمارت امیر کی بیویوں میں سے کسی نے بنوائی تھی''۔

جس بیوی نے اُسے بنوایا تھا یا جس بیوی کے لئے تیمور نے اُسے بنوایا تھا وہ مسجد سے متصل باغ میں ایک سنگ مرمر کے چھوٹے سے گنبد کے نیچے آسودہ ہے، درحقیقت اندر جاتے ہی دہلیز کے نیچے ایک چوکور سفید سنگ مرمر کی سل کے نیچے اس بی بی کی مٹی دبی ہے، اس پتھر پر آنے جانے والوں کے قدم برابر پڑتے رہتے ہیں، یہاں ایک تاتاری سرنگ ننگی تلوار لئے کھڑا پہرا دیتا ہے، اس بیوی کا نام ''خاتون مبارک'' کے سوا اور کچھ مشہور نہ ہوا۔

جو لوگ اس مقبرے کو دیکھنے آتے ہیں وہ سنتے ہیں کہ اس مقبرے میں تیمور کی سب سے پہلی بیوی الجائی خاتون آغا دفن ہے اور اس بیوی کا جنازہ شہر سبز میں سپرد کر دینے کے بعد یہاں لا کر دفن کیا گیا تھا، لیکن ایک بیان یہ ہے کہ چین کی ایک شہزادی تیمور کی بیوی

تھی، اور یہ اس کا مقبرہ ہے[1]، اکثر لوگ یہاں کا ایک قصہ چوروں کا ایک بہت تفصیل سے بیان کیا کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ قبر کے تعویذ کے پاس ایک صندوقچہ جواہرات کا رہا کرتا تھا، ایک رات بہت سے چور اندر آئے اور چاہا کہ صندوقچہ اٹھا لیں مگر مقبرے میں ایک سانپ رہا کرتا تھا، اس نے نکل کر چوروں کو ڈس لیا، چنانچہ جب صبح ہوئی اور پہرہ بدلا تو سپاہیوں نے چوروں کی لاشیں مقبرے میں پڑی دیکھیں۔

مسجد کے صحن میں اب سایہ بڑھنے لگا، سمرقند کے ملاؤں اور عالموں میں حالات حاضرہ پر بحث کا سلسلہ بند ہوا، سب لوگ اُٹھے، بہت سے حمام کرنے روانہ ہوئے، وہاں حمامیوں نے انھیں خوب مشت مال کر کے کیسوں سے نہلایا، پھر کمروں میں جن کی گرمی بتدریج کم ہوتی گئی تھی یہ لوگ پہنچے، نیا لباس پہنا، کسی کسی کی میلی قمیص بھی اس اثنا میں دُھل دھلا اجلی ہو کر پہننے کے لئے حاضر کر دی گئی، اب نہا دھوا جلے کپڑے پہن کوئی کسی امیر کے گھر ضیافت میں شریک ہونے چلا گیا اور کوئی مضافات شہر میں دریائے زرافشان کے کنارے تفریح کو چلا آیا، یہ مقام شہر والوں کی سیر وتفریح کا تھا، بہت لوگ یہاں جمع ہوا کرتے تھے، کبابیوں کی دکانوں میں دہکتے کوئلوں پر سیخیں چڑھی ہوتیں، لوگ خوشبو پر دوڑتے، قابوں میں پلاؤ اور سینیوں میں شیر مالوں اور سادی روٹیوں کے ڈھیر چنے ہیں، حلوائیوں کی دکانیں بھی ہیں، یہاں مصری کے کوزے، خشک میوے، تازہ انجیر ارزاں ملتے تھے، مگر بازار جہاں ختم ہوتا تھا وہاں ایک مے فروش کی دوکان بھی تھی، یہاں بھی بہت سے شوقین بازار کی رونق اور راہ گیروں کا تماشا دیکھنے بیٹھ جاتے۔

دریا کے کنارے کٹھ پتلی والوں نے بھی اپنا ڈیرا ڈال رکھا ہے، ایک سفید چادر تان کر اور خوب روشنی کر کے پتلیاں نچا رہے ہیں، پتلیاں خوب پھدک پھدک کر چلتی اور

---

1. یہ صحیح طور پر دریافت نہیں ہوتا کہ بی بی خانم کون تھی، کیونکہ اس کے متعلق مختلف روایات ہیں، اکثر تاریخوں سے تو یہی ثابت ہے کہ چین کی کسی شہزادی سے تیمور نے شادی نہیں کی تھی، لیکن یہ صحیح ہے کہ منگلی خان کی بیٹی سے تیمور نے عقد کیا تھا، لیکن جب یہ عقد ہوا ہے تو اس سے پیشتر بی بی خانم والی عمارتوں میں سے کچھ تیار ہو چکی تھیں، بہرکیف بی بی خانم سے مراد سرائے ملک خانم کسی طرح نہیں ہو سکتی (جو الجائی خاتون آغا کے مرنے کے بعد تیمور کی سب سے بڑی ملکہ تھی)۔ (مصنف)

بلا کی لڑائیاں لڑتی اور زبان درازیاں کرتی ہیں، کہیں کہیں فانوس گردان بھی رکھے ہیں، ان میں تصویریں گردش کرتی نظر آتی ہیں کہیں نٹ اپنا تماشا دکھا رہے ہیں، آدمیوں کے سروں سے اونچی رسی تان کر اُس پر چلتے ہیں، قلا کرنے والے بھی حاضر ہیں، دری کا ٹکڑا بچھا کر قلا دکھا رہے ہیں، بعض تاتاری تفریح کی غرض سے اناروں کے تختے اور سفید پھولوں والے چمن کو سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں، ان درختوں کی شاخوں میں سرخ اور سبز قندیلیں روشن ہیں، یہاں قالین بچھا کر دوست احباب خورد ونوش میں مصروف ہوتے ہیں، صراحی بھی گردش میں آجاتی ہے یاروں میں گپ شپ تیزی پر ہے، دن بھر میں جتنی خبریں سنی ہیں ان پر زور شور سے بحث ہو رہی ہے، ایک مطرب بھی چلا آیا ہے، عود و رباب شروع کر دیا ہے، ایک شاعر بھی موجود ہیں۔ ادھر اُدھر نظر ڈال کر دوستوں کو متوجہ کر کے ایک رباعی سناتے ہیں جس شاعر و منجم کا یہ کلام ہے اُس سے ابھی لوگ کم واقف ہیں، مگر یہ وہی استاد کامل ہے جو ''خیام'' تخلص کرتا ہے اور کہتا ہے۔ ۱؎

مالعبتگا نیم و فلک لعبت باز از روئے حقیقی ونہ از روئے مجاز
بازیچہ ہمی کنیم بر نطع وجود رفتیم بصندوق عدم یک یک باز

۱؎ میں نے اصل رباعی نقل کر دی ہے، انگریزی میں جس طرح اس کا ترجمہ ہوا ہے اس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔
''ہم کچھ نہیں ہیں مگر شطرنج کے مہرے مشقت میں مبتلا ہیں تاکہ فلک کو خوش کریں جو سب سے بڑا شطرنج کا کھیلنے والا ہے، کچھ دیر اس عالم کی بساط پر وہ ہمیں چلاتا ہے، پھر عدم کے صندوق میں ہم چلے جاتے ہیں''۔

باب ۲۴

عظیم ملکہ اور چھوٹی ملکہ

سمرقند کا شہر اور اس کی عمارتیں تیمور کے طرزِ خیال کے مطابق تیار ہوئی تھیں، اپنی قوم کے دیگر فاتحین کی طرح تیمور نے ایران کے طرزِ تعمیر کی جیسا کچھ بھی وہ اس وقت تھا نقل نہیں اتاری تھی، ایران کی عمارتوں کو دیکھا ضرور تھا، اور جنوب کے ملکوں سے معمار اور مہندس بھی بہت سے سمرقند میں لا کر بسائے تھے، لیکن سمرقند کی یادگار عمارتیں اپنے طرز میں تاتاری تخیل وتصور ہی کا نتیجہ تھیں، ایرانی وضع کی نقل نہ تھیں، ان کے شکستہ آثار اور تیمور کی اور عمارتوں کے شکستہ آثار جو اس نے اپنے زمانے میں سمرقند کے علاوہ اور شہروں میں تیار کرائی تھیں آج تک تاتاری فنِ تعمیر کا بہترین نقش دنیا کی نظروں کے سامنے پیش کر رہی ہیں، ان کھنڈروں میں ایک حسن لازوال کی شان پیدا ہے۔

تیمور کی عمارتیں اگر ان کو تفصیل سے دیکھئے تو بھدی اور بے ڈھنگی معلوم ہوتی ہیں لیکن محرابوں کے رو کار ایسے نظر آتے ہیں جیسے چمن میں پھولوں نے آگ لگا دی ہو، کہیں کہیں استر کاری ناتمام رہی ہے، خالی اینٹیں اور ان کی رنگینیں دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ سب کچھ سہی عمارت میں جس چیز کو سادگی کہتے ہیں وہ درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے، تعمیر میں تیمور حجم واستحکام پر فریفتہ تھا، کم سے کم دو مرتبہ ایسا ہوا کہ پوری عمارت تیار ہونے کے بعد گروا دی، اور اُسے زیادہ وسیع پیمانہ پر دوبارہ تعمیر کرایا، رنگ سے اس کی روح کو فرحت محسوس ہوتی تھی۔

تاتاری عبس وخشک مزاجی کے ساتھ تیمور کی طبیعت میں خانہ بدوش قوموں کا ایک بے زبان شاعرانہ احساس بھی موجود تھا، اس کی عمارتوں میں سختی اور عظمت دونوں

چیزیں پیدا تھیں، سبزے اور آب رواں کو دیکھ کر ایک بادیہ نشین کی طرح اس کا دل باغ باغ
ہوتا تھا اور یہ بات غور کرنے کی ہے کہ تیمور نے جتنے قصر اور محل بنوائے وہ دراصل باغوں کی
آرائش وزیبائش کے لئے تھے۔

سمرقند میں خاص وعام کے لئے ایک وسیع چوک بھی تھا، یہاں لوگ جمع ہو کر خدا
کی باتیں بھی کرتے تھے اور دنیا کے قضیے بھی لے بیٹھتے تھے، امور مملکت اور دور دور کی خبروں
پر گفتگو کرنے کے لئے بھی یہی مقام تھا، بڑے بڑے رئیس اور امیر یہاں جمع ہوتے تھے،
تاجروں، دوکانداروں کے لئے یہ چوک صرافے کا بازار تھا، نام اس چوک کا ''ریگستان''
تھا۔

اُس کے چاروں طرف بڑی بڑی عمارتیں مسجدیں اور مدرسے تھے، اور ان سب
کی تعمیر تیمور کے ذہن رسا کا نتیجہ تھی، قلعہ کے نیچے ایک بلند ہموار قطع پر یہ چوک واقع تھا،
یہاں مصنوعی چشمے تھے جن سے پانی بہت اونچا اٹھتا تھا، اور فوارے تھے جو ہر وقت چھوٹتے
رہتے تھے، جس روز سرائے ملک خانم نے جشن کیا تھا اس کے دوسرے دن علی الصبح اسی
چوک میں بڑی خلقت جمع ہوئی تھی، کیونکہ ایک دن پہلے خبر آئی تھی کہ حضرت صاحقران نے
ہندوستان سے قاصد بھیجا ہے۔

امراء اس امر میں تو متفق تھے کہ حضرت صاحقران کی حضور سے قاصد آیا ہے
لیکن یہ تحقیق نہیں ہوا تھا کہ کیا حکم لایا ہے، باقی سب لوگ خاموش تھے اور کہتے تھے کہ کہیں یہ
خاموشی کسی مصیبت کی پردہ داری تو نہیں کر رہی ہے۔

اب یہ خیال آیا کہ بعض امراء کو ہندوستان جانے میں تامل تھا، اور جب تک تیمور
نے اصرار نہیں کیا وہ جانے پر راضی نہیں ہوئے، محمد سلطان تیمور کے پوتے نے تو یہاں تک
کہا تھا کہ ''ممکن ہے ہم ہندوستان کو فتح کرلیں مگر اس کو فتح کرنے میں بہت سی قباحتیں ہیں
اوّلاً دریا بکثرت عبور کرنے ہوں گے، پھر دریاؤں کے علاوہ غیر آباد ملک اور جنگل بھی بہت
آئیں گے، تیسرے وہاں کی کل سپاہ زرہ پوش ہے، چوتھے وہاں ہاتھی ہیں جو آدمیوں کو مار
ڈالتے ہیں''۔

اس تقریر پر ایک تاتاری نے کہا تھا ''ہندوستان ایسا ملک ہے جو ایک دم سے گرم

ہو کر بالکل تپنے لگتا ہے، وہاں کا گرم موسم ہمارا سا گرم موسم نہیں ہے، اس زمانے میں وہاں
طرح طرح کی بیماریاں پھیلتی ہیں اور ان کے جسم کی طاقت سلب ہو جاتی ہے، پانی وہاں کا برا
ہے اور ہندو ایسی زبان بولتے ہیں جو ہماری زبان کی طرح نہیں ہے، اگر لشکر کو وہاں زیادہ
دن رہنا پڑا تو پھر خدا جانے کیا انجام ہو''۔

اس وقت سمرقند کے چوک میں سلطنت کے معاملات پر بڑے بڑے غور کرنے
والے اور ایسے لوگ موجود تھے جو اس سے پہلے ملکوں پر حاکم رہ چکے تھے، اب البتہ تیمور نے
ان کو دوسری خدمتوں پر مقرر کر دیا تھا۔

مگر اس بات کو سب نے تسلیم کیا کہ ''ہندوستان میں دولت اتنی ہے کہ اگر مل گئی تو
اس سے ساری دنیا فتح ہو سکے گی''۔

سب لوگ سمجھ رہے تھے کہ پہاڑوں کی پشت پر سمت جنوب کی سلطنت سارے
ایشیا کا خزانہ ہے اور تیمور اس لئے وہاں گیا ہے کہ اس خزانے پر اپنا قبضہ کرے، لوگوں کا یہ
خیال بھی تھا کہ تیمور چین کا راستہ کھولنے کا بھی قصد رکھتا ہے، کیا تیمور نے دو تومان جملہ بیس
ہزار فوج ختن سے آگے دشت گوبی کو فتح کرنے روانہ نہیں کی ہے، اسی فوج نے تھوڑا زمانہ
ہوا اطلاع دی تھی کہ ختن سے خان بالغ (پیکنگ) دو مہینے کا سفر ہے، اس کے علاوہ کشمیر کے
متعلق بھی کچھ باتیں تحقیق کی تھیں، کشمیر کے پہاڑوں کا سلسلہ ایسا ہے جو کشمیر اور چین میں
حائل ہے۔

سلطنت کے مشیروں نے اس بات پر بھی غور کیا کہ تیمور نے حال میں منگلی خان
کی بیٹی سے عقد کیا ہے، اور شہنشاہ چین کو فوت ہوئے بھی زیادہ مدت نہیں ہوئی ہے۔

کسی صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ اس وقت دنیا میں چھ بادشاہ ایسے عالی
رتبہ ہیں کہ ان کا تذکرہ ان کا نام لے کر نہیں کیا جا سکتا، یہ قول ابن بطوطہ طنجی کا ہے اور وہ ان
بادشاہوں میں سب سے ملا تھا۔

ایک افسر جو قریب تھا اس نے ہنس کر کہا ''چھ بادشاہ، چھ نہ کہئے، صرف ایک کہئے
اور وہ صرف ہمارے حضرت صاحقران گورگان ہیں''۔

اس پر وہ لوگ جو دنیا کا زیادہ تجربہ رکھتے تھے بولے۔ ''نہیں، ابن بطوطہ کا

قول درست ہے، سنیئے ان چھ فرمانرواؤں میں اس نے کس کس کو شامل کیا ہے، ایک قسطنطنیہ کا تقفور[1]، دوسرا سلطان مصر، تیسرا بادشاہ بغداد، چوتھا امیر تاتار، پانچواں ہندوستان کا مہاراجہ اور چھٹا فغفورِ چین[2]، حضرت صاحبقران سے قطع نظر کیجئے تو یہ پانچ بادشاہ ہوئے اب ان میں سے ہمارے امیر نے صرف ایک بادشاہ یعنی بادشاہ بغداد کو تسخیر کیا ہے''۔

چوک سمرقند میں جو امراء اس وقت جمع تھے اور جن میں پیرانہ سال امیر حاجی سیف الدین اور موید ارلات بھی تھے، ان سب نے فکر مند ہو کر گذشتہ چالیس برس کی لڑائیوں پر غور کیا، اس چالیس برس میں دنیا کے بڑے بادشاہوں میں صرف ایک بادشاہ ایسا تھا جو تیمور کی آمد کی خبر سنتے ہی اپنی سلطنت چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، یہ سلطان احمد بغداد کا فرمانروا تھا، مگر اب وہ بغداد میں واپس آ کر پھر سلطنت کرنے لگا تھا۔

مغرب کے اطراف سے جس قدر خبریں آ رہی تھیں وہ بُری تھیں، قفقاز میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک بغاوت شروع ہو گئی تھی، اور عراق پر سلطانِ بغداد اور سلطانِ مصر پھر مسلط ہو گئے تھے، اس وقت امراء سوچتے تھے کہ اگر کہیں تیمور کو ہندوستان میں شکست ہو گئی تو پھر کیا ہوگا۔

لیکن تیمور کی فوجوں کو فتح پر فتح ہو رہی تھی، فتح کے سوا کسی بات کا انھیں خیال تک نہ گزرتا تھا، پھر یہ امراء اس پر غور کرتے تھے کہ بانوے ہزار فوج درۂ خیبر سے گزر کر

---

[1] تقفو دراصل نیکوفورس کی خرابی ہے، اس نام کے کئی قیصر قسطنطنیہ میں گزرے تھے، عربوں نے اُسے ایک عام نام قیصر قسطنطنیہ کا سمجھ لیا۔ (مترجم)

[2] ابن بطوطہ نے دنیا کے سلاطین اعظم کی جو فہرست دی ہے اُسے یورپ کے لوگ دیکھ کر بھڑکیں گے، لیکن اس فہرست میں سوائے قسطنطنیہ کے قیصر اور بادشاہ بغداد کے جن کا نام اس وقت صرف ان کی گذشتہ عظمت کی وجہ سے بڑا تھا باقی جس قدر نام بڑے بادشاہوں کے بیان کئے گئے ہیں وہ درست ہیں، یورپ اس وقت متعدد چھوٹی چھوٹی حکومتوں اور ریاستوں میں منقسم تھا اور اب تک اپنی حدود سے باہر غیر ملکوں کی تسخیر میں مصروف نہ ہوا تھا، یورپ کے عیسائیوں نے ایشیا میں جنگہائے صلیب شروع کر دی تھیں، لیکن یہ زمانہ وہ تھا کہ آخری جنگ صلیب کے بعد یورپ کے لوگ ایشیا کو چھوڑ کر اپنے اپنے وطن میں چلے آئے تھے ایشیا کے لوگ سمجھتے تھے کہ قسطنطنیہ یورپ کا سب سے ممتاز شہر ہے۔ (مصنف)

ہندوستان میں پہنچ چکی ہے، دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل بندھ گیا ہے، اور ملتان فتح ہو چکا ہے، اور اب تیمور سلطان دہلی سے لڑنے کو بڑھا ہے۔

تاتاری امراء جن کے سپرد اس وقت سمرقند کی حکومت تھی ہاتھیوں کے جنگی اوصاف پر غور کرنے لگے، ہاتھی آج تک ان میں سے کسی نے دیکھا بھی نہ تھا۔

اب اُسی دن ریگستان (چوک سمرقند) میں ایک افواہ اڑی، اور قاصد کی لائی ہوئی خبر سب کو معلوم ہوگئی اور اس خبر کے باعث قلعہ کے سپاہی رات بھر کسی کی تلاش میں سرگرداں رہے، خبر یہ تھی کہ!

''حضرت صاحبقران نے قاصد کی معرفت حکم بھیجا ہے کہ ایک حسین کنیز کو جس کا نام شادی ملک ہے قتل کر دیا جائے''۔

سمرقند کے لوگ حیرت میں ہیں کہ یہ شادی ملک کون بشر ہے، صرف جاننے والے اس کے حال سے واقف ہیں اور ان میں مردِ من امیر حاجی سیف الدین بھی ہیں۔

امراء میں یہ سب سے بڑی عمر کے امیر کسی زمانہ میں ایران سے ایک حسین سیاہ زلفوں کی جوان لڑکی کو لڑائی میں اسیر کر کے سمرقند لائے تھے، یہ ان کی کنیز تھی، سیہ چشم تھی، کسی شاہی حرم سرا کی پروردہ تھی، رنگ صاف اور اجلا تھا، خانزادہ کا جوان بیٹا خلیل اس کے حسن پر فریفتہ ہو گیا، اور امیر سیف الدین نے شہزادے کے کہنے سے شادی ملک کو اُس کی نذر کر دیا، غرض یہ کنیز فنون عصیان کاری میں یکتا امیر تیمور کے سب سے کم عمر پوتے کا پہلو گرم کرنے لگی۔

خلیل عشق کا متوالا رات دن اسی مہ جبین کی صحبت میں گذارتا تھا، بلکہ اس کوشش میں ہوا کہ اس سے شادی ہو جائے اور شادی بھی تمام شہزادوں شہزادیوں اور اہل دربار کے سامنے ہو۔

تیمور نے اس قسم کی درخواست سنتے ہی نامنظور کر دی اور حکم دیا کہ شادی ملک سامنے حاضر کی جائے، یہ حکم سنتے ہی شادی ملک کے اوسان باختہ ہوئے اور وہ یا تو خود کہیں بھاگ گئی یا خلیل نے اُسے کہیں چھپا دیا، غرض شادی ملک سامنے حاضر نہ ہوئی اور اس اثنا میں تیمور ہندوستان کی مہم پر روانہ ہو گیا۔

اوراب ہندوستان سے حکم بھیجا کہ یہ کنیز قتل کردی جائے، اس حالت میں خلیل اس کی کیا مدد کرسکتا تھا، سپاہیوں نے سمرقند کے تمام باغوں کو چھان مارا مگر پتہ کہیں نہ چلا، لیکن سپاہیوں کی نظر سے وہ کب تک چھپی رہ سکتی تھی، کوئی مقام پناہ کا نظر نہ آتا تھا، آخر کار ایک جگہ ایسی سمجھ میں آئی کہ اگر وہاں تک رسائی ہوگئی تو شاید جان بچ جائے، چنانچہ ایک دن منہ پر نقاب ڈال سرائے ملک خانم کے محل کی طرف دوڑی یہ ملکہ سب محلوں کی سرتاج تھیں، شادی ملک قصر میں پہنچتے ہی ملکہ کے قدموں پر گر پڑی اور پاؤں پکڑ کر رو رو کر کہنے لگی کہ کسی طرح میری جان بچا دیجئے، شادی ملک میں تاتاری عورتوں کا سا ضبط اور ان کی سی ہمت نہ تھی۔

ملکہ سرائے خانم اور شادی ملک میں جو باتیں ہوئیں اس کا علم ہم کو کچھ نہیں لیکن اس وقت کی تصویر ضرور سامنے ہے، شادی ملک سر سے پاؤں تک جوانی کے حسن میں ڈوبی ہوئی ہاتھوں میں مہندی لگی، آنسوؤں سے آنکھوں کا سرمہ بہہ کر رخساروں پر آیا ہوا ملکہ سے منتیں کر رہی ہے، ملکہ بے حس و حرکت کھڑی ہے، تاتاری بہادروں کی روایات اور قومی خصائل نے دل پتھر کا کر دیا ہے، شادی ملک جو عیش و نشاط کے لئے مخلوق ہوئی تھی اب اور بھی خوف سے لرزنے لگی، سرائے ملک خانم بیوگی سہاگ اور مامتا تینوں باتوں کا تجربہ رکھتی تھیں، ایسے بیٹوں کی ماں اور پوتوں کی دادی تھیں جو ملکوں پر حکومت کر رہے تھے، پچاس برس کی عمر تھی اور پچاس ہی برس تک زندگی کی کلفتوں اور آلام کا محل رہی تھیں۔

شادی ملک آخر کار پھر زار زار رو کر سر نیچا کر کے بولی ''ملکہ مجھ پر رحم کیجئے، میں خلیل کا حمل رکھتی ہوں''۔

ملکہ نے اتنا سنتے ہی کہا کہ ''اگر یہ بات ہے تو امیر تیری جان بخشی کرے گا''۔

سرائے ملک خانم نے شادی ملک کو فوراً خواجہ سراؤں کی نگرانی میں رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تک اس کا مقدمہ بارگاہ خسروی سے فیصلہ نہ پا جائے خلیل کو اس سے ملنے نہ دیا جائے۔ [1]

---

[1] مصنف نے خلیل اور شادی ملک کا قصہ اپنے طرز خاص میں بیان کیا ہے، اس قصے کے تاریخی حالات اگر پڑھنے ہوں تو ظفر نامے کی دوسری جلد کے صفحات ۶۴۰ و ۶۴۱ دیکھے جائیں۔ (مترجم)

یہ ایک خفیف سا ماجرا ایک جوان لڑکے اور ایک جوان کنیز کے عشق کا تھا جسے کوئی جانتا بھی نہ تھا، لیکن ایک سلطنت کے مستقبل کا اس پر بہت کچھ دارومدار ہوگیا، سرائے ملک خانم اور خلیل کی ماں خانزادہ میں ساس بہو کا بیر تھا، کیونکہ خانزادہ کا اثر و اختیار بھی مہد اعلیٰ سرائے ملک خانم کے اقبال و اقتدار سے کچھ کم نہ تھا، خانزادہ کے مزاج میں جاہ طلبی تھی اور ملکہ سرائے خانم سے وہ بہت زیادہ عقلمند اور ہوشیار بھی تھی۔

سلطنت کے حق میں اچھا ہوتا اگر ملکہ سرائے خانم شادی ملک کو قتل ہو جانے دیتی مگر جب حضرت صاحبقران کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو انہوں نے ملکہ کی رائے سے اتفاق کر کے شادی ملک کو زندہ رہنے دیا۔

اوراب پھر ایک قاصد گھوڑے پر سوار سمرقند آیا اس مرتبہ جو خبر لایا وہ کسی سے پوشیدہ نہ رکھی گئی قاصد نے پاسبان خانے، سرائے اور شہر کے دروازے پر ہر جگہ پہنچتے ہی گھوڑے کی باگیں کھینچیں، گھوڑا چراغ پا ہوا اور قاصد نے آواز لگائی۔

''فتح، فتح، ہمارے امیر کو فتح ہوئی''۔

اب اور بہت سے تاتاری ہندوستان سے سمرقند آئے جنہوں نے بہت سے قصے سنائے مگر وہ سب خونریزی اور ہلاکت کے واقعات تھے، انہوں نے بیان کیا کہ سلطان دہلی سے مقابلہ کرنے سے قبل ہم نے ہندوستان کے ایک لاکھ قیدیوں کو قتل کیا، لڑائی میں دشمن کے لشکر کا قلع قمع کیا اور دہلی فتح کر لی، [1] مشہور ہوا کہ تیمور کے نفط اندازوں نے آگ برسا کر ہاتھیوں کی صفوں کو پراگندہ کر دیا۔

اس مژدہ کو سن کر سمرقند میں جشن ہوا، ''ریگستان'' (چوک) میں راتوں کو خلقت کثرت سے جمع ہوئی، طبقہ علماء نے بھی اظہار مسرت فرمایا، سوچنے لگے کہ ہندوستان کا شمالی

---

[1] ہندوستان پر تیمور کی لشکر کشی ایک عارضی جنگ سے زیادہ نہ تھی، تیمور کو دہلی کا محاصرہ کرنا منظور نہ تھا، اپنی کل فوج کو کھلے میدان میں رکھا، لشکر کے گرد خندقیں کھدوا کر فکر و تردد کی حالت میں مخالف کا منتظر رہا سلطان دہلی تیمور کے اس فریب میں آ گیا، اور شہر سے نکل میدان میں مقابلہ پر چلا آیا، یہی تیمور کا دلی منشا تھا، لڑائی ہوئی ہندوستان کے لشکر نے شکست کھائی اور تیمور نے دہلی کو بہت اطمینان سے لوٹا، اس کے بعد دہلی سے جنوب کی طرف ہندوستان کے شہروں کی طرف جو سرحد پر تھے بڑھا۔ (مصنف)

حصہ اب قبضہ میں آ گیا ہے، ہندوستان کے خزانوں کی مہریں ٹوٹ چکی ہیں، ہندو راجہ پہاڑوں کی طرف بھگا دیئے گئے ہیں ممکن ہے کہ اب ایک وسیع قلمرو خلافت جو بغداد سے لے کر ہندوستان تک کے ملکوں پر محیط ہو قائم ہو جائے، تیمور کی حکومت اور نگرانی میں دولت اور سلامتی دونوں چیزیں حاصل رہیں گی، اور جب یہ چیزیں ضامن ہو جائیں گی تو علمائے دین کے اقتدار میں بھی ترقی ہوگی۔

دوسرے سال موسم بہار[1] میں لشکر بھی جو ہندوستان گیا ہوا تھا شہر سبز اور تخت قراچہ ہوتا ہوا سمرقند واپس آیا، تخت قراچہ سیاہی مائل پتھر کا ایک حصار تھا جسے ایک پہاڑ کی چوٹی پر تیمور نے بنوایا تھا۔[2]

سمرقند کے باب لاجورد میں قالینوں کا فرش تھا، اور یہاں سے قلعہ تک راستے پر سرخ بانات بچھا دی گئی تھی، آرائش کے لئے بالا خانوں اور باغوں کی دیواروں سے دیبا و زربفت لٹکائے گئے، بازاروں میں دکانیں خوب سجائی گئیں، اور اب شہر کے لوگ رنگ برنگ اور بہتر سے بہتر لباس میں ہر طرف چلتے پھرتے نظر آنے لگے۔

سمرقند کے حکام اعلیٰ اور اطراف و جوانب کے امراؤ تو ئیناں اور بیگمات شاہی اپنے اپنے محلوں سے نکل کر امیر گورگان کے استقبال کو حاضر ہوئیں، مہد اعلیٰ ملکہ سرائے خانم اپنے خدم و حشم کے ساتھ موجود تھیں جس وقت سواروں کے دستے زرہ بکتر میں آراستہ سامنے سے گزرنے لگے تو ملکہ کی نظریں اپنے نور بصر امیرزادہ شاہ رخ کو ڈھونڈنے لگیں، اسی طرح شہزادی خانزادہ اپنے پہلے دو فرزندوں یعنی امیرزادہ محمد سلطان اور امیرزادہ پیر محمد کے انتظار میں کھڑی رہیں جس وقت یہ شہزادے وقت سے گزرے تو خلقت نے موتی اور سونا اُن پر سے نثار کیا اور جب حضرت صاحبقران کا مرکب قریب آیا تو اتنا زر و جواہر نچھاور

---

1. روز سہ شنبہ ۲۱ شعبان ۸۰۱ ہجری، ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۱۹۳۔
2. دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۱۹۲ ''تخت قراچہ کہ از مستحدثات معمار ہمت آنحضرت است'' نیز دیکھو لی اسٹرنج کا جغرافیہ خلافت مشرقی صفحات ۲۵۱۔۲۵۲۔

کیا کہ گھوڑے کے قدموں میں جواہرت کا فرش ہو گیا۔[1]

اور پھر خلقت نے جو کچھ دیکھا وہ ایک عجیب حیرت اور تعجب کا منظر تھا، راہ کی گرد اور خاک سے اونچی کالی کالی مسکین ہلتی ہوئی بڑے بڑے ڈیل کے جانور سر سے پاؤں تک طرح طرح کے رنگوں میں رنگے ہوئے جھومتے جھامتے آگے بڑھتے نظر آئے یہ غول کے آگے والے بڑے ہاتھی تھے، پورے غول کی تعداد ستانوے تھی، اور اُن سب پر اپنے پہلے مالکوں کے مال اور خزانے رکھے تھے۔

اس شان اور تجمل سے تیمور کا آٹھواں داخلہ سمرقند میں ہوا، ہندوستان سے جو چیزیں ساتھ رہی تھیں ان میں ایک نقشہ جامع مسجد کا بھی تھا، اور دو سو معمار اور کاریگر بھی ہمراہ تھے، تاکہ اس نقشے کے مطابق سمرقند میں جامع مسجد تعمیر کریں۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ حضرت صاحبقران نے گھوڑے سے اترتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ حمام میں تشریف لے گئے۔

---

1. مصنف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ استقبال اور رسم نثار سمرقند میں ادائی ہوئی تھی لیکن ظفر نامہ جلد دوم کے صفحات ۱۸۹۔۱۹۰ کی عبارت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امراء اور بیگمات دریائے آمو تک استقبال کے لئے گئی تھیں، اور دینار و جواہر وہیں نثار کئے گئے تھے، تیمور نے ۲۱ رجب ۸۰۱ ہجری کو دریائے آمو عبور کر کے ترمذ میں دو دن قیام کیا تھا، سمرقند میں ورود ۲۱ شعبان ۸۰۱ ہجری میں ہوا ہے، ممکن ہے سمرقند میں بھی یہ رسم دوبارہ ادا کی گئی ہو۔ (مترجم)

باب ۲۵

تیمور کی جامع مسجد

ہندوستان فتح کرنے کی یادگار میں تیمور نے ایسی عمارت بنوانی چاہی جو اپنی طرز کی نئی اور قابل شہرت ہو، ضرور ہے کہ اس کا نقشہ بھی کہ وہ کیسی ہو اور کیا ہو پہلے سے سوچ رکھا ہوگا کیونکہ ۲۰ مئی کو تیمور سمرقند میں داخل ہوا اور ۲۸ مئی کو موقع پر کھڑا عمارت کی بنیادیں کھدواتا نظر آیا، بہرکیف یہ عمارت ایک مسجد تھی جس کا نام بعد کو شاہی مسجد ہوا۔

مسجد بھی جامع مسجد تھی، اور مؤرخ لکھتا ہے کہ وہ اتنی وسیع تھی کہ تیمور کے تمام اہل دربار اس میں نماز پڑھ لیں، اب معماروں اور مزدوروں کو رات کو سونا کب نصیب ہوتا تھا، پانچ سو سنگ تراش کھدانوں سے پتھر نکالنے روانہ کیے گئے، پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے پہاڑوں کے کٹے ہوئے بھاری گاڑیوں پر رکھے سڑک پر جاتے نظر آنے لگے، اور ان گاڑیوں کے کھینچنے کے لئے جرثقیل کی جو نئی قوت حال میں دریافت کی گئی تھی استعمال کی گئی یعنی ہاتھیوں کی ٹولیاں اُن گاڑیوں میں جوتی جاتی تھیں، جس وقت تعمیر میں ہاتھیوں سے کام لینے کا مسئلہ مہندسوں کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے نئی نئی قسم کی چرخیاں کانٹے اور قلابے ایجاد کیے۔

مسجد کی دیواریں جب ختم ہوئیں تو ہندوستان کے کاریگر دیواروں پر اندر کے رخ پر بٹھائے گئے، یہ سب دو سو نفر تھے، تیمور کے اوقات یہ تھے کہ کبھی میدان کارزار میں ہوتا اور کبھی تعمیر مسجد کی نگرانی کرتا، لڑائی سے تعمیر اور تعمیر سے لڑائی کی طرف فوراً ذہن کو منتقل کر دینا تیمور کے لئے کچھ مشکل نہ تھا، ہندوستان کو تو ختم کر ہی دیا تھا اب مسجد کی تعمیر ختم کرنی باقی تھی، صرف اخیر جاڑے میں دو لاکھ آدمیوں کی جانیں لڑائی پر کوچ کے راستوں میں تلف

ہوئی تھیں، مگر اس کا کبھی خیال تک نہ آیا، چند سرداروں کو جنہوں نے بڑی بڑی لڑائیاں فتح کی تھیں مسجد کے برجوں اور میناروں کی تعمیر پر نگرانی کے لئے مقرر کیا۔

مسجد میں چار سو اسی ستون پتھر کے لگائے گئے، دروازوں پر پیتل کے نقشین کواڑ چڑھائے گئے چھت سنگ مرمر کی تھی جس پر جلا کی گئی تھی، منبر میں جہاں جہاں لوہے کا کام تھا وہاں چاندی اور سونے کا ملمع کیا گیا، پھول بوٹوں کی جگہ آیات کلام اللہ جابجا کندہ کی گئیں۔

بنیاد کو ہاتھ لگے ابھی تین مہینے بھی نہیں ہوئے تھے کہ پوری مسجد تیار ہوگئی اور مؤذن نے نو تعمیر میناروں سے صدائے اللہ اکبر بلند کی، اور امام نے منبر پر بیٹھ کر امیر تیمور گورگان کا خطبہ پڑھا۔ [1]

تیمور نے کبھی شہنشاہ کا لقب باضابطہ اختیار نہیں کیا وہ ابھی تک صرف تیمور گورگان ہی تھا کبھی ''ترا یعنی چنگیز خانی بادشاہ یا خان ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، فرامین میں تمہید یہ ہوتی تھی امیر تیمور یہ حکم دیتا ہے'' یا اس سے بھی زیادہ سادہ عبارت یہ ہوتی تھی ''میں تیمور بندہ اللہ کہتا ہوں کہ۔۔۔''

لیکن تیمور کے پوتے جو تاتاری شہزادیوں کے بطن سے تھے مرزا، سلطان اور شہزادے کہلانے لگے، ان سب کو تیمور نے سلطنتیں بطور جاگیر کے دے رکھی تھیں محمد سلطان (پسر جہانگیر و خانزادہ) مغول جتہ کے ملک کا اور پیر محمد (پسر جہانگیر و خانزادہ) ہندوستان کا حاکم تھا اور تیمور کا نیک مزاج سب سے چھوٹا فرزند شاہ رخ (سرائے ملک خانم سے تھا) خراسان پر حکومت کرتا تھا، اور ہرات کے شہر میں عالیشان محل اور قصور اپنی طرف سے بنوا رہا تھا، معزول امیر زادہ میران شاہ کے بیٹے مغربی علاقوں پر فرمانروا تھے، ان علاقوں کی حالت اس وقت بدنظمی کی تھی۔

تیمور نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے بعد اس کا جانشین کون ہوگا، ملکہ سرائے ملک خانم جن کی عمر اب زیادہ ہوتی جاتی تھی اس اُمید میں تھیں کہ تخت شہنشاہی ان کے لڑکے شاہ رُخ کو ملے گا، شہزادی خانزادہ نے اپنے فرزند خلیل کے لئے (جو امیر زادہ میران شاہ کے صلب سے تھا) کہ وہ تخت تیمور کا وارث ہو کوئی طریقہ سازش اور تملق کا باقی نہ

---

[1] تعمیر مسجد کے حالات کے لئے دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۱۹۵۔۱۹۸۔

رکھا تھا لیکن بڈھے فاتح اور کشور کشا کے سامنے کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی، اپنے پوتوں کے حق میں وہ ایک غیر متغیر حکم اور ایسا منصف تھا جسے فیصلہ کے وقت کسی قسم کا کوئی ذاتی خیال کسی کی نسبت مطلق پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

تیمور بیگمات کی دنیا طلبی اور حُبِ جاہ کی ریشہ دوانیوں سے بالکل بے پرواہ گھوڑے پر سوار مسجد کی تعمیر میں ہاتھیوں کے بوجھ اٹھانے یا گھسیٹنے کا تماشا دیکھا کرتا تھا، ایک دن خیال آیا کہ شہر والوں کی آمدورفت کیلئے بازار بہت تنگ ہے، خیال آنا تھا کہ فرمان قضا جریان اس مضمون کا صادر ہوا کہ چوک سے دریائے زرافشاں تک ایک بازار بنایا جائے اور اسے تمام ایسے سامان سے مہیا کیا جائے جو تجارت کے بازاروں میں ہوا کرتا ہے، اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ یہ کل کام بیس دن میں ختم کر دیا جائے، سمرقند کے دو معزز شریفوں کو اس کام پر مقرر کر کے ان سے کہہ دیا گیا کہ حکم کے مطابق اگر عمل نہ ہوا تو گردن اڑا دی جائے گی۔

دونوں سردار حکم سنتے ہی کام پر مستعد ہوئے، بازار کا خط تیمور نے ڈال دیا تھا، اس خط میں جس قدر مکانات آئے تھے ان کے ڈھانے کے لئے فوراً ایک فوج حاضر ہو گئی مکانداروں کی طرف سے عذر و معذرت تو کجا جونہی گھروں کی دیواریں گرتے دیکھیں جو کچھ اسباب سمیٹ سکے اُسے اُٹھا بیوی بچوں کو لے گھر چھوڑ کافور ہوئے۔

شہر کے باہر سے معمار اور مزدور چونے اور ریت کے انبار طلب کیئے گئے، گرے ہوئے مکانوں کا ملبہ صاف کیا گیا، پتھر کا فرش لگایا، پانی نکلنے کی موریاں بنائیں، کام کرنے والوں کے دو گروہ تھے، ایک دن کو کام کرتا تھا، دوسرا مشعلیں جلا کر رات کو، مؤرخ لکھتا ہے کہ مشعلوں کی روشنی میں راج مزدور کام کرتے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے زمین پر دیو اور جنات اتر کر مشقت کرتے ہوں، شور اس بلا کا تھا کہ کسی وقت بند نہ ہوتا تھا۔

بازار تیار ہو گیا، دو طرفہ ستونوں کے برآمدے اور دوکانیں اس سرے سے اُس سرے تک بن گئیں، ڈاٹ کی چھتوں میں روشنی اور ہوا کے لئے ہوادان روشن دان سب تیار ہو گئے۔ سوداگر بلائے گئے کہ گاڑیوں میں سامان لا کر فوراً دوکانیں آراستہ کریں، غرض بیس دن کی مقررہ مدت سے پہلے نئے بازار میں آدمیوں کے ہجوم نظر آنے لگے، حضرت صاحبقران گھوڑے پر سوار بازار میں سے گزرے اور کام دیکھ کر خوش ہوئے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی سنیئے، مکانداروں نے جن کے مکان ڈھائے گئے

تھے خاص خاص قاضی صاحبان کے پاس جا کر فریاد کی، ایک دن انہی قضات میں سے ایک صاحب تیمور کی خدمت میں حاضر شطرنج میں مصروف تھے، انہوں نے بہت ہی جرأت اور ہمت کر کے عرض کیا کہ جن لوگوں کے مکان گرائے گئے ہیں ان کو کچھ معاوضہ دے دیا جائے، اتنا سنتے ہی تیمور نے کسی قدر برہم ہو کر کہا ”کیا شہر میرا نہیں ہے“۔

قاضیوں کو اس کا خوف ہوا کہ کہیں گردن نہ اڑا دی جائے فوراً عرض کیا ”شہر حضور ہی کا ہے اور جو کچھ ارشاد ہوا وہ بجا اور درست ہے“ تیمور اس جواب کے بعد خاموش ہو گیا مگر تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد کہنے لگا کہ ”مقتضائے انصاف اگر یہی ہے کہ مکانداروں کے نقصان کی تلافی کی جائے تو آپ کے کہنے کے مطابق میں انھیں معاوضہ دوں گا“۔

ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانہ میں تیمور کو کسی دوسری جنگ کا خیال پیدا نہیں ہوا مگر واقعہ یہ تھا کہ وہ اس زمانہ میں خاص خاص حالات دریافت ہو جانے کے انتظار میں تھا ممالک جس قدر تسخیر کیئے تھے ان پر قناعت کرنے کی کافی وجہ موجود تھی، ہندوستان کی دولت کھینچ چکا تھا، شمال کے ملکوں پر قبضہ کر چکا تھا، البتہ دجلے کے مغربی کنارے کے ملک ہاتھ سے نکل چلے تھے، لیکن اُدھر بھی کوئی بادشاہ ایسا نہ تھا جسے تیموری سلطنت کے قلب پر حملہ کرنے کی جرأت ہو سکتی۔

تیمور کی عمر اب چونسٹھ برس کی ہو گئی تھی، گو جسمانی طاقت وہی تھی جو پہلے رکھتا تھا، لیکن کئی بار بیمار پڑ چکا تھا، دل اور حوصلہ بھی وہی تھا جو میانہ عمری میں رکھتا تھا مگر مزاج میں سختی ضرور پیدا ہو گئی تھی، جامع مسجد تو بے شک تیار ہو گئی تھی لیکن ملاؤں کا قابو اس پر نہ چلتا تھا، تمام عمر خیالات کی ایک کشمکش دل میں رہی تھی، ایک طرف تو خدا رسیدہ باپ کا مذہب اور مولانا زین الدین ابوبکر کی تعلیم جن سے ارادت رکھتا تھا اور احکام قرآن کی پابندی کا خیال تھا دوسری طرف خانہ بدوش آباؤ اجداد کا خون رگوں میں موجود تھا، جنگ آوری کا شوق اور ہاتھوں کی طاقت کہ قتل و غارت میں خون کی بھاپ ان سے ہمیشہ اٹھتی رہے، اس قدر ترقی پکڑ چلی کہ خانہ بدوشوں کے قانون کا پابند ہونے لگا، گویا ثابت کرنے لگا کہ ”دنیا میں انسان کے لئے راستہ ایک ہی ہوتا ہے“۔ اور یہ راستہ لڑنے اور فتح کرنے، ضبط و استیلا کا فخر ہے۔

مغرب کے سلاطین اسلام کے ستون تھے، خلیفہ قاہرہ میں تھا، بغداد کا سلطان اب تک حامیِ دین کہلاتا تھا، اور وہ ہاتھ جس میں تلوار تھی ترکوں کے شہنشاہ کا تھا، تیمور ان

مغربی فرمانرواؤں کی نظر میں ایک وحشی اور نیم کافر تھا۔

ان ذی حشم تاجوروں کے خلاف فوج کشی کرنے کے معنی عالم اسلام میں تفرقہ ڈالنے اور میدانِ جنگ میں دس لاکھ سپاہ کو لڑوانے کے تھے، علمائے دین بے حد مصر تھے مسلمانوں میں امن قائم رکھا جائے، اسلام کی ترقی ہو، تیمور کو انہوں نے غازی کا لقب اس لئے دیا تھا کہ اسلام کا بول بالا کرنے کو اُس نے تلوار اٹھائی تھی اور اسی غازی شہنشاہ کے نام کا خطبہ بھی مسجدوں میں پڑھا جاتا تھا۔

لیکن تیمور کی مضبوط اور خشک طبیعت کا ایک پہلو اور بھی تھا، یہی تیمور تھا جو ارگنج کے دروازے پر یوسف صوفی سے تنہا لڑنے گیا تھا اور اب صورت یہ پیش آئی تھی کہ جو حکام اور والیان ملک تیمور کی حفظ وامان میں تھے، ان کو ترکوں نے ایشیائے کوچک کی سرحد سے باہر کر دیا تھا، فرزندانِ تیمور کے زیر نگیں جو ملک تھے ان پر لشکر کشی کی گئی تھی اور بغداد میں جس عامل کو تیمور نے مقرر کیا تھا اس کو بے دخل کر کے بغداد پر قبضہ کر لیا گیا تھا، مخالفین کی طرف سے یہ تمام باتیں اشتہار جنگ کا کام دینے لگیں۔[1]

مئی ۱۳۹۹ء میں ہندوستان سے واپس ہو کر سمرقند میں داخل ہوا اور اسی سال ماہِ ستمبر میں لشکر جرار لے کر پھر نکل کھڑا ہوا، تین برس تک سمرقند کے لوگوں نے اسے نہ دیکھا۔

---

[1] علاوہ ازیں تیمور اس وقت چین پر چڑھائی کرنے کا قصد بھی رکھتا تھا، لیکن جس حالت میں کہ مغرب کے بادشاہ باہم سازش کر کے اس کی سرحد پر حملہ کرنے کی نیت رکھتے تھے، تو مشرق میں چین پر فوج کشی کرنے کے لئے تیمور کا ہاتھ کھلا نہ تھا۔

اس موقع پر ہمیں کو جنگ و پیکار کے متعلق تیمور کے منصوبے ایسے صاف نظر آ رہے ہیں جیسے شطرنج کی بساط پر مہرے رکھے ہوں، تیمور کا ارادہ یہ تھا کہ پہلے دشت گوبی کے خانان مغل سے ساز باز کر لے پھر چین کی تسخیر کا ارادہ کرے، مگر اس کام میں سمرقند سے برسوں غیر حاضر رہنا ضروری تھا، اس لئے پہلے تو بساط سے ایک مہرہ یہ اٹھایا کہ دہلی کے سلطان کو ختم کیا، کیونکہ ایسے بادشاہوں میں جو کسی وقت میں دشمنی پر آمادہ ہوتے دہلی کا بادشاہ سب سے قریب تھا، دہلی فتح کر کے ہندوستان کی دولت لے کر تیمور مغرب کی طرف بڑھا اور چند اور مہرے مار کر اپنی سلطنت کی سرحدوں کو دشمنوں سے صاف کر دیا، یہ ظاہر ہے کہ جب تک ترک یورپ میں رہے تیمور نے ان سے لڑنا نہیں چاہا، لیکن جب انہوں نے ایشیا میں دخل دینا شروع کیا تو تیمور ان سے لڑنے کو بڑھا اور اس مغربی طاقت کا قلع قمع کر کے فوراً سمرقند واپس آیا، پھر کیا تھا، دو ماہ کے اندر چین پر لشکر کشی کا سامان کر لیا۔ (مصنف)

باب ۲۶

تین سالہ جنگ

اب جس حالت میں اس تاتاری فاتح نے اپنے تئیں پایا وہ عجیب تھی، دشمنوں تک پہنچنے کے لئے ضروری تھا کہ سمت مغرب میں ایک ہزار میل کی مسافت طے کرے، یہاں جن بادشاہوں نے اس کی مخالفت پر اتحاد کیا تھا ان کی سرحد ایک نصف دائرہ کی شکل میں واقع ہوئی تھی، جس کا ایک سرا کوہستان قفقاز میں تھا اور دوسرا سرا بغداد پر۔

سرحد کے اس نصف دائرہ کو ایک ایسا قوس سمجھئے جو بہت ہی لچکدار کمان کی زہ کو اس کے انتہائی درجہ پر کھینچنے سے کمان میں پیدا ہو جائے، اور تاتاری لشکر کو سمجھئے کہ خراسان کی سڑک پر اس کی ایلغار ایسی تھی جیسے تیر اپنے پروالے سرے سے نوکِ پیکان کی طرف کمان کے بیچ سے گزر کر اُڑنے والا ہے، تیمور کا اس وقت مغرب کی سمت میں جانا بالکل ایسا ہی تھا جیسے ۱۸۱۳ء کے موسم بہار میں نپولین کا جنگ لائپ زگ سے قبل مغرب کی سمت میں بڑھنا تھا، مگر شکست کھا کر بہت ہی قابل داد ہوشیاری سے پیرس واپس چلا آیا تھا، اور نتیجہ اس مہم کا یہ ہوا تھا کہ فرانس کے اس زبردست ہادی و پیشوا کی قوت بالکل سلب ہو کر یورپ کی ''شہنشاہی اوّل'' کا خاتمہ ہو گیا۔

نپولین کی طرح تیمور کی بھی بڑی جیت یہ تھی کہ سپاہ نہایت آزمودہ کار رکھتا تھا، اور اس سپاہ کی سپہ سالاری بھی سوائے اپنے دوسرے کے سپرد نہ تھی، اور جن دشمنوں کے مقابلہ میں جا رہا تھا ان میں نفاق تھا، لیکن وہ ملک جن میں سے نپولین اور تیمور کو گزرنا پڑا ایک سے نہ تھے، یورپ کی ہموار اور مزروعہ زمینوں اور کثرت سے اچھی سڑکوں اور جا بجا کھلے دیہات اور قصبات کی جگہ تیمور کو مغربی ایشیا کے دریاؤں، پہاڑی سلسلوں، بیابانوں

اور دلدلوں کی صعوبت اٹھانی پڑی۔

راستے بھی اتنے نہ تھے کہ ان میں سے کوئی ایک بہتر سے بہتر راستہ انتخاب کر کے اس پر کوچ کرنا تجویز کیا جاتا، اور جب ایک راستہ اختیار کر لیا تو پھر اس پر چلنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، کاروانی سڑکیں جن پر چلنا شروع کیا تھا ان کے کنارے قلعے اور حصار رکھنے والے شہر آباد تھے اور ہر شہر اپنی حفاظت کے لئے فوج رکھتا تھا، اس کے علاوہ تیمور کو مہینوں اور موسموں کا بھی خیال رکھنا ضروری تھا کہ فصلیں کب اور کہاں تیار ملیں گی، گھوڑوں کے لئے چراگاہوں میں اچھی گھاس کہاں ہوگی بعض ملک راستے میں ایسے پڑتے تھے کہ جاڑے میں وہاں سے لشکر کا گزرنا ممکن نہ تھا، اسی طرح بعض ملک ایسے آتے تھے کہ موسم گرما میں وہاں سے کوچ کرنا امکان سے خارج تھا، خود نپولین کو انہی قلعوں اور فصیلوں کے شہروں میں سے شہر عکہ سے اور نیز دشت شام کی ناقابل برداشت گرمی سے مجبور ہو کر واپس آنا پڑا تھا۔

سرحد کے اس نصف دائرہ کے کنارے جا بجا دشمنوں کے بہت سے لشکر تاتاریوں کے انتظار میں موجود تھے، سب سے پہلے قفقاز کے گرجستانی جو بڑے جنگجو تھے مقابلہ کے لئے آمادہ تھے ان کے بعد ترکوں کے ایک لشکر نے دریائے فرات کے منبعوں والے ملک میں اپنی صفیں آراستہ کر رکھی تھیں، ترکمان قرا یوسف بھی جیسے کہ ترکمانوں کا قاعدہ تھا ادھر ادھر کسی کمین گاہ میں تاک لگائے بیٹھا تھا، مصر کا لشکر شام میں موجود تھا، اور جنوب میں بغداد تھا اگر تیمور بغداد کی طرف بڑھتا تو ترک شمال کی طرف سے آ کر اس کے لشکر کے عقب پر حملہ کرتے، اگر ترکوں کے ملک میں ایشیائے کوچک کی طرف جاتا تو مصر کا لشکر جنوب سے شمال کی طرف بڑھ کر تاتاری فوجوں کی پشت سے یلغار کرتا۔

یورپ میں بھی جو قلعے پہلے سے ترکوں کے قبضے میں چلے آتے تھے ان کی طرف یا قاہرہ کی طرف جو مملوک مصر کا پایہ تخت تھا تیمور نہ بڑھ سکتا تھا، اور نہ سلطان مصر یا ترکوں کے بادشاہ کو لڑنے پر مجبور کر سکتا تھا، حالانکہ ان سلاطین میں سے جو کوئی بھی چاہتا وہ ایشیا پر فوج کشی کر سکتا تھا[1]

---

[1] حال کی جنگ عظیم میں بھی طرح طرح کی رکاوٹوں سے یہی ارضی مشکلات متحدہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بڑا سوال پانی کا تھا تیمور کے لشکر میں شتر سوار فوج کے علاوہ اب ہاتھی بھی تھے لیکن لشکر کا زیادہ تر حصہ اسپ سواروں کا تھا، ہر سوار کے ساتھ ایک کوتل گھوڑا بھی تھا، پچاس ہزار سے لے کر ڈھائی لاکھ گھوڑوں کو لڑائی پر بھیجنا ایسا کام نہ تھا جس میں پہلے سے احتیاط اور ارضی کیفیتوں سے واقفیت پیدا کرنا ضروری نہ ہوتا، تیمور جس وقت لشکر کے ساتھ کوچ کر رہا تھا تو تاجروں اور ایسے لوگوں سے جو ملک کے جغرافیہ سے واقف تھے روزانہ مشورہ کرتا تھا، لشکر کے آگے آگے غجر جی حرکت میں رہتے اور اس سے بھی آگے قراول روانہ کر دیئے جاتے کہ دشمن جہاں جہاں نظر آئے اس کے مقاموں سے اور پانی کے متعلق برابر خبر دیتے رہیں، علاوہ غجر جیوں اور قراولوں کے جاسوس بھی سرحد پر بھیج رکھے تھے۔

شروع میں تیمور پورے سامان جلوس کے ساتھ آہستہ کوچ کرتا رہا، ملکہ سرائے ملک خانم اور دو اور بیویاں اور کئی پوتے ہمراہ تھے، اور خراسان کی بڑی سڑک حضرت صاحبقران کی شوکت وشہامت کی جلوہ گاہ بنی ہوئی تھی۔

اس اثنا میں امرائے فوج تبریز میں ایسا انتظام کر رہے تھے کہ مغرب میں جس وقت فتوحات شروع کی جائیں تو تبریز فوجوں کا صدر مقام رہے، اور قراباغ ارّان کا میدان ہزارہا گھوڑوں کے بندھنے کے لئے مخصوص ہو جہاں سے ضرورت کے وقت تازہ دم مرکب مل سکیں، اب تیمور نے اپنا کچھ وقت خطوط کے لکھنے لکھانے میں صرف کیا، خاص کر خان تاتار کو چند مکتوب بھیجے، اس خان کا نام ایدکو تھا اور اس وقت ملک روس کے کوہی اور ریگستانی علاقوں میں صاحب حکومت تھا، خطوط کے جوابات جس قدر آئے ان میں ایدکو کا جواب

(بقیہ سابقہ صفحہ)...... طاقتوں کو پیش آئی تھیں روس کی فوجیں شمال کی طرف سے ارض روم کی جانب صرف تھوڑی دور تک بڑھ سکیں، جنوب میں انگریزی فوجوں کو بغداد کے قریب ہتھیار ڈال دینے پڑے، شام میں انگریزی فوجوں اور لارنس والے عربی قبیلوں کو دمشق کے فتح کرنے میں دو برس لگے۔

ان لڑائیوں میں فوجوں کی کمک کے لئے عقب میں بحری قوت موجود تھی اور ترکوں کی بہ نسبت سامان جنگ بھی ان فوجوں کے پاس بہتر تھا، باوجود اس کے ترک اپنی حفاظت کے لئے ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء تک برابر لڑتے رہے، تیمور کے زمانے میں ترک نسبتاً زیادہ قوی تھے، اور شام کے عربوں سے قطع نظر کر کے چرکس، گرج اور ترکمانوں سے ترکوں کا اتحاد تھا، اور یہ سب بڑے زبردست لڑنے والوں میں تھے، (مصنف)

بہت صاف تھا، اس نے لکھا کہ

''اے امیر آپ نے دوستی کا ذکر کیا، میں بیس برس تک آپ کے دربار میں رہا ہوں آپ سے اور آپ کی تدبیروں سے خوب واقف ہوں اگر مجھ کو اور آپ کو دوست رہنا منظور ہے تو تلوار دونوں کے ہاتھ میں رہنی ضرور ہے''۔

باوجود اس تحریر کے روسی زمین کے تاتاری تیمور کی راہ میں مخل نہ ہوئے اور آئندہ جو لڑائی ہوئی اس میں وہ کسی کی طرف نہ بولے۔

شہنشاہ ترک بایزید ایلدرم کو تیمور نے مکتوب کے لکھنے میں اخلاق سے کام لیا،[1] مگر اس بات سے متنبہ کر دیا کہ قرا یوسف اور سلطان احمد جلائر کو جنہوں نے ایلدرم کے پاس پناہ لی ہے اور اس کے معاون بنے ہیں انھیں کسی قسم کی مدد نہ دیجائے، تیمور کو سلطان بایزید سے ابھی تک کوئی ذاتی کاوش نہ تھی، ترکوں کی فوجی قوت کی تیمور دل سے عزت کرتا تھا، اور ممکن تھا کہ اس نواح میں بشرطیکہ ترک یورپ ہی میں رہتے ان کو ان کے حال پر سلامت رہنے دیتا۔

لیکن بایزید ایلدرم کا جواب ایسا نہ تھا کہ مصالحت کی کوئی صورت نکلتی، اُس نے تیمور کو نہایت سخت الفاظ میں لکھا کہ ''اے سگِ خونیں جس کا نام تیمور ہے سن لے کہ ترکوں نے اپنے دوستوں کو پناہ دینے سے نہ کبھی انکار کیا ہے اور نہ دشمنوں سے لڑنے کو کبھی ٹالا ہے، نہ کبھی جھوٹ سے کام لیا ہے اور نہ کبھی خفیہ سازشیں اور چالیں چلی ہیں''۔

اس کے جواب میں تیمور نے جو عثمانی ترکوں کو خانہ بدوش ترکمانوں کی نسل سے بتا چکا تھا ایلدرم کو لکھا کہ ''میں تیری اصل سے واقف ہوں'' تیمور نے یہ بھی لکھا کہ ایلدرم اس معاملہ پر اچھی طرح غور کر لے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے مقابلہ میں آ کر ہاتھیوں کے پاؤں کے نیچے اُسے اپنی ہڈیاں چور کرنی پڑیں''۔ بہرحال ہم تمہیں متنبہ کئے دیتے ہیں گو ہم جانتے ہیں کہ ترکمانوں نے رائے سلیم رکھنے میں کبھی نام پیدا نہیں کیا، اگر تم نے ہماری

---

[1] تیمور کے مکتوب اور اس کے جواب کے متعلق دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۲۵۷۔۲۶۲۔ آخری خط جو تیمور نے ایلدرم کے نام بھیجا وہ جلد دوم کے صفحہ ۳۹۳ میں مذکور ہے، ابن عرب شاہ نے یہ تمام مکتوب اپنی کتاب عجائب المقدور میں صفحات ۲۵۰ تا ۲۵۶ میں بیان کئے ہے۔

نصیحت نہ مانی تو تم کو سخت پشیمان ہونا پڑے گا، پس غور کرو اور جو مناسب سمجھو وہ کرو''۔

اس مکتوب کے جواب میں بایزید نے ایک بڑے خط میں اپنی فتح و فیروزمندی کی داستان لکھی کہ کس طرح وہ یورپ کے بے دینوں کے ایسے شہر اور مقامات جوان کا ملجاء و ماوا ہیں فتح کر رہا ہے اور وہ خود ایسے سلطان کا فرزند ہے جس نے دین پر شہادت دیتے ہوئے اپنی جان دی تھی اور جو اسلام کا ہمیشہ حامی و مددگار رہا تھا، اور لکھا کہ ''مدت سے ہم تم سے لڑنا چاہتے تھے، الحمدللہ کہ اب ہم میں اور تم میں لڑائی قریب ہے، اگر تم خود لڑنے نہیں آتے تو ہم تم سے لڑنے بڑھینگے اور سلطانیہ تک تمہارا تعاقب کریں گے، پھر ہم دیکھیں گے کہ کس کو فتح کی عزت اور کس کو شکست کی ذلت ہوتی ہے''۔[1]

بظاہر تیمور نے اس خط کا جواب فوراً نہیں دیا کچھ دنوں کے بعد مختصر الفاظ میں لکھا کہ ''اگر بایزید قرا یوسف اور سلطان احمد جلائر سے دست بردار ہو جائے، تو بایزید ایلدرم خود اس لڑائی کو روک سکتا ہے''۔

سلطان بایزید ایلدرم نے اس کا جواب نہایت سخت دیا، ایسا سخت دیا کہ تیمور کے مؤرخوں کو اپنی تصانیف میں اسے نقل کرنے کی ہمت نہ ہوئی،[2] بایزید نے مکتوب کی پیشانی پر اپنا نام آبِ زر سے لکھوایا اور سیاہ روشنائی کی سطروں کے نیچے فقط ''تیمور لنگ'' تحریر کیا جہاں اور بدنما باتیں لکھی تھیں ایک یہ بھی تھی کہ تیمور کی چاہیتی بیوی کو بے عزت کریگا،[2] خلاصہ یہ کہ بایزید کا خط ایسا تھا کہ تیمور غصہ سے بیتاب ہو گیا۔

جس زمانہ میں یہ خط و کتابت بڑی غیظ و غضب سے ہو رہی تھی تیمور نے لڑائی کا بہت کچھ سامان کر لیا۔

حفاظت کے خیال سے پہلے تو بیگمات شاہی کو مع ان کے اہالی و موالی کے سلطانیہ

---

[1] ظفر نامہ کی جلد دوم میں یہ مکتوب صفحات ۲۵۷۔۲۵۹، اور صفحہ ۲۶۲ میں نقل ہوئے ہیں بایزید کا جواب پورا نقل نہیں کیا، لیکن ابن عرب شاہ نے پورا خط نقل کیا ہے، دیکھو صفحات ۲۵۱۔۲۵۶۔ (مترجم)

[2] مصنف کتاب کو یہاں سخت غلط فہمی ہوئی ہے، ابن عرب شاہ نے اپنی کتاب عجائب المقدور میں (دیکھو صفحات ۲۵۰ تا ۲۵۶) تیمور اور بایزید خان کے کل خطوط نقل کئے ہیں، بایزید خان کے خط میں اخیر میں لکھا تھا'' تم میرے ملک پر دوڑ پڑو گے میں بھی یہی چاہتا ہوں اور قسم دلاتا ہوں کہ اگر تم نہ آئے تو تمہاری بیویوں پر تین طلاق اور اگر تم آئے اور میں بھاگ گیا تو میری بیویوں پر تین طلاق''۔ اس کے معنی یہ نہیں ہوئے کہ بایزید خان تیمور کی چاہیتی بیوی کو بے آبرو کریگا۔ (مترجم)

روانہ کیا، اور لشکر کے زیادہ تر حصہ کو لڑائی پر چلنے کے لئے قراباغ اڑان میں جمع کیا بعض قشونات کوہستان قفقاز میں گرجیوں سے لڑنے روانہ کئے، اس مہم میں پھر جنگل کاٹ کر سڑک بنانی پڑی اور گرجستانی فوجوں کے جو عیسائی مذہب رکھتی تھیں ٹکڑے اڑا دیئے، گرجستان کو آگ اور تلوار سے بالکل ویران کر دیا، گرجے جلا دیئے اور انگور کے باغوں میں گھس کر درخت جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیئے، کہیں شرائط پر امان نہیں دی اور نہ دشمن کو ایک دم چین سے بیٹھنے دیا، تیمور کا قاعدہ تھا کہ میدان جنگ میں جہاں دشمن کا ہجوم ہو وہاں رحم کرنا کبھی گوارا نہ کرتا تھا۔

انھی حالات میں پندرہویں صدی عیسوی شروع ہو گئی جب پہاڑوں پر برف پگھلنے لگی تو تیمور کی فوجیں ایشیائے کوچک کی طرف وادی ارض روم کی راہ سے بڑھیں ۱۴۰۰ء کے موسم گرما میں سیواس تک کل شہروں پر قبضہ ہو گیا۔

سیواس ایشیائے کوچک کی کنجی تھا، ترکوں کا سرحدی لشکر تیمور کی آمد پر بہت جلد پیچھے ہٹ گیا اور تاتاریوں نے سیواس کی شہر پناہ پر حملہ کیا، فصیل کے نیچے نیچے نقب لگائی اور نقب کے بعد اوپر کی دیوار کو روکنے کے لئے لکڑیوں کا سہارا دینے میں مصروف ہوئے اس کے بعد انہوں نے ان لکڑیوں میں آگ لگا دی، لکڑیوں کے جلنے پر فصیل کی دیواریں زمین پر آ رہیں، شہر سیواس کے مسلمانوں کی جان سلامت رکھی گئی، لیکن چار ہزار ارمنی جنہوں نے تاتاریوں کو بہت ستایا تھا شہر کی خندق میں زندہ دفن کر دیئے گئے۔ [1]

جب شہر فتح ہو گیا تو فصیل کو جہاں جہاں سے توڑا تھا پھر اُسے درست کرنے کا حکم دیا گیا، اس اثنا میں ترکمانوں کے غول بھی حملے کی غرض سے آ گئے، تیمور نے ان سب کو پراگندہ کیا اور نہایت تیزی سے ملطیہ[2] کی طرف کوچ کیا، ملطیہ ممالک جنوب میں داخل ہونے کا دروازہ تھا، اس شہر پر اسی دن دخل ہو گیا جس دن وہاں کا ترکی حاکم مع اپنی فوج کے شہر چھوڑ کر بھاگا۔ اب ایشیائے کوچک میں بڑھنے کے بدلے تیمور نے شام پر حملے کی تیاری کا حکم دیا اس حکم کو سن کر امرائے لشکر سب مل کر تیمور کے سامنے حاضر ہوئے اور عذر

1 ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۲۶۹۔

2 ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۲۷۱۔۲۷۲۔

پیش کیا کہ ہندوستان کی مہم کو سر کئے ابھی ایک سال ہوا ہے، اس مہم کے بعد ان کی فوجیں دوسری دو لڑائیوں کے لئے دو ہزار میل کا کوچ کر چکی ہیں، اب شام کا حکم دیا جاتا ہے، شام میں دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے مناسب ہے کہ ہماری فوجوں اور چوپایوں کو کچھ مہلت آرام کرنے کی دی جائے۔

تیمور نے صرف اتنا جواب دیا کہ ''تعداد کوئی چیز نہیں ہوتی''۔ اس جملے کے بعد اس کے قصد اور ارادے کے تازیانے نے فوجوں کو فوراً جنوب کی سمت ہنکا دیا، ان فوجوں نے حصن عنتاب[1] کو فتح کیا اور آگے بڑھ کر دیکھا کہ حلب[2] پر سلطان مصر ان کا منتظر ہے، یہ دیکھ کر تیمور کی فوجوں نے اپنی رفتار کم کی، ہر روز چپکے چپکے آگے بڑھتے اور خندقیں کھود کر بیچ میں لشکر کا پڑاؤ ڈالتے بناتے رہتے، شامیوں اور سلطان مصر کی فوجوں نے تاتاریوں کی اس کارروائی کو ان کی کمزوری سمجھا، اور حلب کی شہر پناہ سے باہر لڑنے نکل آئے، تاتاری خندقوں اور پشتوں سے باہر نکل ہاتھیوں کی صفیں بیچ میں لیکر لڑنے کے لئے بڑھے، ہاتھیوں پر تیر انداز اور آگ اور نفط پھینکنے والے بیٹھے تھے۔

تاتاریوں نے ابھی پورا حملہ بھی نہیں کیا تھا کہ مخالفوں کی متحدہ فوجیں بے ترتیب ہو گئیں تاتاری لڑتے بھڑتے شہر حلب تک پہنچ گئے، حلب کے قلعہ پر جو پہاڑ پر تھا حملہ کیا اُسے فتح کر کے دمشق[3] کی طرف چلے اب ۱۴۰۱ء کا ماہ جنوری شروع ہو گیا تھا۔

دمشق نے شرائط پر صلح کرنے کی درخواست کی مگر یہ درخواست اس نیت سے تھی کہ اس میں وقت گزرنے تک مصر سے دوسرا لشکر تیمور کے مقابلے کو آ جائے گا لیکن جب تاتاری فوج دمشق کے سامنے سے گزرنے لگی تو عقب سے دشمن کی متحدہ فوجوں نے اس پر حملہ کر دیا، تاتاریوں میں اس سے انتشار پیدا ہوا لیکن تیمور نے فوراً چند قشونوں کو مرتب کر کے افواج مخالف پر سخت یلغار کیا اور بہت جلد میدان صاف کر دیا۔

اب تیمور نے شہر دمشق کی طرف متوجہ ہو کر اُسے لوٹنے کا حکم جاری کیا شہر میں آگ لگا دی گئی جو کئی دن تک لگی رہی مکانات جل کر گرے اور مقتول دمشقیوں کی لاشیں ان

1 ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۲۷۹۔۲۸۶۔

2 ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۳۰۰۔۳۰۶۔

3 ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۳۲۴۔۳۴۵۔

میں دفن ہوگئیں۔

مصری فوجیں جو اس ہلاکت سے زندہ بچیں وہ فلسطین کی راہ مصر کو بھاگیں، سلطان مصر کے حکم سے ایک بار اور تیمور کو روکنے کی کوشش کی گئی، چنانچہ ایک فدائی نے حشیش پی کر تیمور تک پہنچنے اور اسے خنجر سے ہلاک کرنے کی کوشش کی، مگر فدائی فوراً گرفتار ہوا اور اُس کے ٹکڑے اڑا دیئے گئے۔ ۱

شہر میں تو قتل و غارت کا بازار گرم تھا اور تیمور یہاں کے ایک عجیب وغریب گنبد۲ کو بغور دیکھ کر خوش ہو رہا تھا، حکم دیا کہ اس کا نقشہ ابھی تیار کیا جائے، یہ گنبد ایک مسجد کا تھا جو میدان سے نظر آتا تھا تاتاریوں نے اب تک جتنے برج دیکھے تھے وہ نیچے سے بدنما طریقہ پر پھیل کر اوپر کو گادوم ہوتے گئے تھے، مگر یہ گنبد بہت خوبصورت گولائی لئے ہوئے اوپر کو اٹھتا ہوا نوک دار ہوا، شکل اس کی انار سے ملتی تھی۔

ماہرین فن تعمیر کے بنائے ہوئے گنبدوں سے اس کی شکل جدا تھی، تیمور اس کی شان و خوبصورتی دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔

اتفاق سے شہر میں آگ لگی یہ خوبصورت گنبد بھی جہاں شہر کی اور عمارتیں پھکی تھیں جل کر خاک ہوگیا، مگر تیمور اور تیمور کی اولاد نے جو عمارتیں بعد کو بنائیں ان کے لئے یہی گنبد ایک نمونہ ہوگیا، صدیوں بعد یہ نمونہ ہندوستان پہنچا اور اسی کے مطابق مقبرہ ممتاز محل اور شاہان مغلیہ کی اور عمارتوں پر گنبد بنائے گئے، روس کے ہر گرجا کی عمارت میں اسی وضع کا گنبد موجود ہے۔

---

۱ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب تیمور دمشق کی طرف جانے لگا تو دمشق کے ضبط وانتظام اور دشمن سے اُسے محفوظ رکھنے کے لئے ناصرالدین فرخ بن رقون سلطان مصر دمشق آیا جس وقت تیمور دمشق پہنچا تو فرخ نے ایک ایلچی تیمور کے پاس بھیجا یہ ایلچی ایک بڑا مکار آدمی فقیر کے لباس میں تھا، فرخ نے اس کے ساتھ دو فدائی بھی کر دیئے تھے اور ان تینوں کے پاس زہر آلود خنجر تھے ان فدائیوں کو تیمور کے قریب پہنچ جانے کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا لیکن وار کرنے کا موقع نہ ملا، اسی اثنا میں خواجہ مسعود سمنانی کو جو دیوان اعلیٰ کا میر منشی تھا کچھ شبہ گذار، مشتبہ آدمیوں کی تلاشی لی گئی تو ان کے موزوں میں سے زہر آلود خنجر نکلے، تیمور نے فقیر کے قتل کا حکم دیا۔ دونوں فدائیوں کے ناک کان کٹوا کر ان کو ناصرالدین فرخ کے پاس روانہ کیا، دیکھو ظفرنامہ جلد دوم صفحات ۳۱۱۔۳۱۳۔

۲ ظفرنامہ جلد دوم صفحات ۳۳۹۔۳۴۰ یہ جامع بنی اُمیہ کا مینار شرقی تھا۔

باب ۲۷

اسقف یوحنا کی یورپ روانگی

تیمور نے دمشق سے پھر اپنا رخ بدلا چونکہ ترکوں کے ملک میں دور تک بڑھنے سے پرہیز کیا تھا اس لئے واپسی بادیۂ شام کی راہ سے ہوئی، دس ہزار فوج ارض ایلیا کے ساحل کو روانہ کی تاکہ مصر کی بھاگتی ہوئی فوج کا علّہ تک تعاقب کرے، علّہ وہی مقام ہے جسے یورپ کے صلیبی جنگ آوروں نے اکری لکھا ہے اور جو زمانہ آئندہ میں نپولین کے حق میں سنگ راہ ثابت ہوا، اس کے علاوہ کئی ہزارہ جات مشرق کی طرف بغداد پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کئے گئے۔

تیمور خود جس راستے سے دمشق گیا تھا اب اسی راستہ سے حلب تک واپس آیا یہ زمانہ ماہ مارچ 1401ء کا تھا، آہستہ کوچ کرتا ہوا دریائے فرات کے کنارے پہنچا، تاتاری کتنے ہی سخت جان ہوں مگر محنت اور جفاکشی کی بھی ایک حد ہوتی ہے، کچھ آرام اُن کو بھی درکار تھا چنانچہ تیمور نے ان کی تفریح کے لئے شکار کھیلنے کا حکم دیا۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ ہرن کے کباب شراب کے ذائقہ کو تیز کر دیتے تھے۔

حلب آکر تیمور نے زیادہ تفصیل کے ساتھ تبریز سے مراسلت کی، تبریز اس وقت تیموری فوجوں کا سب سے بڑا مقام اور معسکر تھا، امرائے لشکر جو تبریز میں متعین تھے ان کے پاس سے بھی مفصل اطلاعات موصول ہوئیں، نیز سمرقند سے کاغذات اور سیوا اس سے ہفتہ وار کیفیتیں جس قدر آئیں ان کو ملاحظہ کیا، سیوا اس کی خبروں پر کسی قدر زیادہ غور کیا، کیونکہ یہ شہر سلطان بایزید ایلدرم کی مملکت میں داخل ہونے کا رستہ تھا، اور تیمور نے ایسا اہتمام کیا تھا کہ اس شہر سے دو سو میل کے اندر اندر اپنی فوجی قوت بخوبی مجتمع رہے۔

لیکن بغداد کے محاصرے کے لئے جو ہزارہ جات روانہ کئے تھے ان کے سپہ سالاروں نے کچھ ایسی خبریں بھیجیں کہ تیمور جنوب کی سڑک سے بغداد روانہ ہو گیا، معلوم ہوتا ہے کہ حاکم بغداد فرج نے جو سلطان احمد جلائر کی طرف سے مقرر تھا شہر کو تاتاری فوجوں کے حوالے کرنے سے انکار کیا اور ان کے حملے سے اُسے بچانا چاہا، اس زمانہ میں سلطان احمد جلائر بغداد سے بھاگ کر سلطان بایزید خان کے پاس چلا گیا تھا، اور فرج کو یہ حکم دیتا گیا تھا کہ اگر تیمور خود بغداد آئے تو شہر اس کے حوالے کر دیا جائے، لیکن اگر وہ خود نہ آئے تو جب تک ترکی فوجیں تاتاریوں سے لڑنے نہ آ جائیں شہر کو دشمنوں سے بچایا جائے۔ [1]

تیمور فوراً سمت جنوب میں بغداد روانہ ہوا، محفہ میں سوار ہو کر بڑی تیزی سے منزلیں پے سپر کیں۔ جس وقت بغداد کے سامنے آیا تو سلطان احمد کے مقرر کردہ افسرانِ شہر کو جو شہر کے اندر تھے تیمور کے آنے کی اطلاع کی گئی، حاکمِ شہر فرج نے اپنے آقا سلطان احمد کی عدول حکمی کی اور بغداد تیمور کے حوالے نہیں کیا گیا، اس کا باعث کچھ تو یہ خوف تھا کہ تیمور کے آتے ہی فوراً شہر کا دروازہ اُس کے لئے نہیں کھولا گیا تھا، اور کچھ یہ خیال ہوا کہ گرمی شدت کی پڑ رہی ہے دجلے کی تمام وادی آگ کی بھٹی بنی ہوئی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ موسم کی سختی سے تاتاری مجبور ہو کر خود ہی واپس چلے جائیں، مگر حاکم شہر کو یہ یاد رکھنا چاہیے تھا کہ چالیس برس سے تاتاریوں نے کسی قلعہ یا شہر کا محاصرہ کرنے کے بعد اسے بغیر فتح کئے نہیں چھوڑا تھا۔

بغداد کے لوگ اس خیال میں رہے کہ شہر پناہ سنگین اور مضبوط ہے تاتاریوں کے حملے اُس پر کارگر نہ ہوں گے، مگر تیمور نے ارادہ کر لیا تھا کہ کچھ ہو بغداد پر قبضہ ضرور کیا جائے گا، تقریباً دو برس سے فوجیں لڑائیوں میں برابر مصروف رہی تھیں، آرام کا موقع مطلق نہ ملا تھا، لشکر کا بڑا حصہ اس وقت تبریز میں تھا جسے فوجوں کا صدر مقام اس خیال سے قائم کیا تھا کہ ترکی فوجیں حملہ کرنے کے لئے آنے والی ہیں، تیمور اس خیال میں تھا کہ اس زمانے تک وہ تبریز پہنچ چکا ہوگا، مگر باوجود شدید عجلت کے جو بغداد آنے میں کی یہ ممکن نہ ہوا کہ تیز گرمی شروع ہونے سے پہلے وہ بغداد سے فارغ ہو جاتا، اب جلتے اور تپتے میدان اور آدمیوں کے لئے خوراک اور جانوروں کے لئے چارے کی قلت کا سامنا ہوا۔

---

1. ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۳۵۷۔

لیکن بغداد ان ملکوں میں داخل ہونے کا راستہ تھا جو دجلے سے متصل واقع ہوئے تھے، اس کے علاوہ ضروری تھا کہ مصر سے جتنی فوجیں آئیں گی وہ بغداد ہی کو اپنا صدر مقام قرار دیں گی، ان وجوہ سے بغداد ایشیا میں تیمور کے دشمنوں کا سب سے آخری مستحکم شہر ہو گیا تھا۔

تیمور کو اپنے قصد میں ترمیم کرتے کیا دیر لگتی تھی، کچھ سوچ کر ایک گھنٹے میں اپنا ارادہ بدل دیا، فوراً امیر زادہ شاہ رخ کے پاس قاصد اس پیغام سے دوڑایا کہ شمال سے ایک لاکھ فوج لے کر مہندسوں اور قلعہ گیر آلات کے ساتھ بغداد میں حاضر ہو، ایک قشون ایشیائے کوچک روانہ کیا کہ ترکوں کی نقل و حرکت سے خبردار رہے، ایک حکم امیر زادہ محمد سلطان کو سمرقند بھیجا کہ سمرقند میں جس قدر لشکر ہے اسے لے کر مغرب کی طرف کوچ کرے۔ [1]

جس وقت شمال سے امیر زادہ شاہ رخ فوجیں لئے ہوئے بغداد آیا تو ظاہر بغداد میں تیمور نے افواج سوارہ کا معائنہ کیا، عَلَم و رایت بلند ہوئے، نقارے اور کوس بجائے گئے اور بغدادیوں کے سامنے سے ایک لاکھ تاتاری فوج گزری، مگر اس کا اہل شہر پر کچھ اثر نہ ہوا اور تیمور نے اب بڑے غضب اور عتاب کی حالت میں بغداد کا محاصرہ شروع کر دیا۔ [2]

شہر کے جنوب میں دجلہ پر کشتیوں کا پل ڈالا گیا، تاکہ محاصرہ کرنے والے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچ سکیں، اور شہر سے نکلنے والوں کا دریائی راستہ بند کر سکیں، مضافات شہر پر حملہ کر کے اسے منہدم کر دیا اور اب یہاں تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا، شہر کے گرد بارہ میل کے دور میں جس قدر زمین تھی وہ حملہ آوروں کے تصرف میں آ گئی، دور کے

---

1. ۱۳۹۹ء کے موسم خزاں سے ۱۴۰۱ء کے موسم خزاں تک تیمور نے اپنی فوجوں کی ترتیب میں اس بات کا ہمیشہ لحاظ رکھا کہ سلطان بایزید اس پر فوج کشی کرنے والا ہے، اس وقت جب کہ تیمور بغداد کے محاصرہ میں مصروف تھا سلطان بایزید ایلدرم سست رفتاری سے یورپ سے ایشیا آ رہا تھا، اگر بایزید اس موقع پر زیادہ تیز روی سے کام لیتا اور بغداد کے فتح ہونے سے پہلے تبریز پہنچ جاتا تو تبریز کو تاتاریوں سے خالی پاتا مگر اس کے ساتھ یہ بھی تھا کہ تاتاری قشون جو خبر رسانی پر مقرر تھا جس وقت بایزید کے نقل و حرکت سے اطلاع کرتا تو تیمور سمرقند کی تازہ دم فوجوں سے مل کر چند ہفتوں میں بایزید کے مقابلہ میں آ جاتا۔ (مصنف)
2. فتح بغداد دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۳۵۹۔۳۶۹۔

جنگلوں سے بڑے بڑے درخت کاٹ کر لائے گئے اور شہر کی دیوار کے قریب انھیں نصب کر کے اونچے اونچے مینارے بنائے اور ان میناروں پر قلعہ شکن آلات اس طرح رکھے کہ فصیلوں پر اور شہر کے اندر سنگ باری کی جا سکے۔

اسی اثنا میں نقب چیوں نے شہر پناہ کی بنیادوں کو کھودنا شروع کیا، تھوڑی دیر میں باہر والی شہر پناہ کی دیواریں نقب لگانے سے گر پڑیں، لیکن اہل شہر جہاں سے دیوار گرتی تھی اس کے پیچھے رخنے بند کرنے کی غرض سے گچ اور پتھر کی نئی دیوار بنا دیتے تھے، اور دشمن پر آگ برسا کر ان دیواروں کی حفاظت کرتے تھے۔

تیمور کے فوجی افسروں نے درخواست کی کہ شہر پر ہر طرف سے حملہ کرنے کی اجازت دی جائے کیونکہ اب التوا مناسب نہیں، گرمی بہت بڑھتی جاتی ہے، مؤرخ لکھتا ہے کہ گرم ہوا کا یہ حال تھا کہ آسمان سے پرندے بے ہوش ہو کر زمین پر گرتے تھے، سپاہی جو تپتی زمین اور جلتی شہر پناہ کی دیواروں کے قریب کام کرتے تھے وہ اپنے جبوں اور زرہ بکتر میں گرمی سے اس طرح پک رہے تھے جیسے تنور میں روٹی پکتی ہو (شعر)

زمین چوں دیگ بر آتش خروشاں
میانِ استخوانہا مغز جو شاں

تیمور نے اس رائے کو پسند کیا اور حکم دیا کہ تمام اطراف سے یکبارگی حملہ کر کے قہر و غلبے سے شہر فتح کرنے کے لئے کوس و نفیر بجائے جائیں[1] اس حال میں ایک ہفتہ گزر لیا ہے۔ عرادے اور منجنیق شہر پر سنگ باری اور شہر کی دیواریں توڑنے میں اپنا کام کر رہے ہیں، دوپہر اور تیسرے پہر جب گرمی حد سے گزرتی ہے تو سپاہی سایے میں چلے آتے ہیں۔

لیکن آج ٹھیک دوپہر تھی کہ تیمور نے بغیر کسی اطلاع کے یکلخت شہر پر حملہ کر دیا۔ یہ وقت ایسا تھا کہ بغداد کی سپاہ جو باہر والی فصیلوں کی حفاظت کر رہی تھی گرمی کی شدت سے مجبور ہو کر اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی، صرف چند پاسبان وہاں رہ گئے تھے، جونہی یہ لوگ ہٹے تاتاریوں کی فوج نردبان لئے سایہ سے باہر آئی اور دیواروں پر سیڑھیاں لگا شہر پر حملہ کر دیا

[1] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۳۶۳۔

بغداد کے لوگ اس حملے سے ششدر رہ گئے اور تیمور کی فتح ہو گئی، امیر نور الدین جس نے توقتمش کے حملہ کے وقت تیمور کی جان بچائی تھی دیوار پر چڑھ گیا اور وہاں تیمور کا رایت جس پر طرّہ اور سونے کا ہلال تھا نصب کر دیا گیا۔

اور اب بڑے نقارے کی آواز کے ساتھ سورن کا نعرہ بلند ہوا، اور جس قدر تاتاری فوج شہر کے اس طرف تھی شہر پر دوڑ پڑی، نور الدین دیوار سے شہر میں اتر گیا اور اس کے پیچھے تاتاری زرہ پوش بھی ہو لئے، تیسرا پہر ختم نہ ہونے پایا تھا کہ باوجود سخت گرمی وحدت کے شہر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا اور اب شہر کا وہ حصہ جو دجلہ کے پار تھا تاتاریوں کے قہر و غضب کا نشانہ بنا، جو شدائد اور ظلم اس موقع پر ہوئے ہیں وہ ناگفتہ بہ ہیں، تیمور کے سپاہی اپنی مصیبت، جفاکشی اور نقصان کا خیال کر کے مجنونانہ طور پر سے بالکل بھوت بن کر آدمیوں کا خون بہانے میں مشغول ہو گئے۔

تاتاریوں کا مؤرخ لکھتا ہے کہ ''بغداد جسے اب تک دارالسلام کہتے تھے آج دارالاظلام ہو گیا تھا۔[1]، حاکمِ بغداد فرج کشتی میں سوار ہو کر بھاگا لیکن کنارے پر تاتاری کمانداروں نے تیروں سے کشتی ہی میں اس کا کام تمام کر دیا اور اس کی لاش پانی سے کھینچ کر کنارے پر لائی گئی، ایک سو بیس مینارے مقتولوں کے سروں کے تعمیر کئے گئے اور غالباً نوے ہزار جانیں اس معرکہ میں تلف ہوئیں۔

تیمور نے حکم دیا کہ شہر پناہ منہدم کر دی جائے، اور مسجدوں اور خانقاہوں کے سوا جس قدر عمارتیں ہیں ان میں آگ لگا دی جائے اور ان کو ڈھا دیا جائے۔

اور اب دنیا کا مشہور شہر بغداد اس طرح تاریخ کے صفحوں سے محو ہو جاتا ہے[2] بغداد کے ویرانے پر پھر آبادی ہوئی لیکن دنیا کے معاملات میں اب اُسے کسی طرح کا دخل یا اقتدار نہ رہا، بغداد کی تباہی کی خبر تیمور کی سلطنت میں ہر جگہ بھیجی گئی، سلطان بایزید ایلدرم کو بھی مطلع کیا گیا۔

بغداد کا بادشاہ سلطان احمد جلائر جو اس وقت بغداد سے غیر حاضر تھا طوفان کے

[1] ظفر نامہ جلد اوّل صفحہ ۲۶۳۔

[2] دیکھو اس کتاب کے آخر میں تعلیقہ نمبر ۱۶ اور ۱۷۔

گزر جانے کے بعد پھر اپنے پائے تخت میں چلا آیا، تیمور کو جب اس کی واپسی کی خبر ہوئی تو ایک رسالہ سواروں کا اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا، مؤرخ لکھتا ہے کہ سلطان احمد کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو ایسا خوفزدہ ہوا کہ صرف ایک قمیص پہنے ہوئے دریا کے رستے شہر سے بھاگا اور سلطان بایزید ایلدرم کی پناہ اور حفاظت میں چلا آیا۔ [1]

اب تیمور لشکر کے بڑے حصے اور قلعہ گیری کے سامان اور اسباب کو چھوڑ کر کہ پیچھے سہولت سے آتا رہیگا، بہت جلد تبریز پہنچا، داخلہ کے وقت امیرزادہ شاہ رخ اور چند امرائے فوج ساتھ تھے بغداد جون ۱۴۰۱ء (ذی قعدہ ۸۰۳ ہجری) میں فتح ہوا تھا اور اس کے دوسرے ہی مہینے یعنی جولائی میں تیمور صدر معسکر یعنی تبریز میں واپس آ گیا، تیمور کے پوتے محمد سلطان نے خراسان کی سڑک سے نیشاپور پہنچتے پر دادا کو اطلاع کی کہ وہ سمرقند سے فوجیں لے کر حاضر ہو گیا ہے، شاہ رخ کا لشکر بھی تبریز سے قریب تھا، غرض اب جنگ سہ سالہ کا ایک مرحلہ طے ہو گیا۔

دشمنوں کی سرحد جو قوس کی صورت رکھتی تھی اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تیمور پہنچ لیا تھا، چودہ مہینے میں دو بڑی اور متعدد چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑیں اور اسی زمانے میں تقریباً بارہ ایسے شہر جن کے گرد فصیلیں تھیں فتح کئے، فنون جنگ کے اعتبار سے یہ کام حیرت انگیز تھا، اور اب قبل اس کے کہ بایزید موقع پر لڑنے آئے تیمور کی ان فتوحات نے بایزید کے معاونوں کو اس سے جدا کر دیا۔

موسم کی حالت اب ایسی نہ تھی کہ تیمور ترکوں سے لڑنے کے لئے حرکت کرتا، تاتاریوں نے بہت اطمینان خاطر سے لڑائی کو سال آئندہ پر ملتوی رکھا، اسی زمانہ میں ایک دن امیرزادہ محمد سلطان کے کوس و نفیر اس سڑک پر سنائی دیئے جو تبریز کو آئی تھی اور جہاں تیمور کا لشکر پڑا تھا، یہ محمد سلطان کا وہی پوتا ہے جس نے نیشاپور سے اطلاع دی تھی کہ سمرقند کی فوجوں کو لے کر حاضر ہو گیا ہوں۔ جب اس کی فوجیں سامنے آئیں تو تیمور کے پرانے پرانے سپہ سالار ان فوجوں کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

---

[1] ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۳۸۶۔

سمرقند کی چلی ہوئی ہزارہ جات کی فوجیں ایک نئی شان سے اس وقت سامنے آئیں ہر فوج کا رایت علیحدہ رنگ کا تھا، کوئی سبز تھا، کوئی سرخ، کوئی کسی اور رنگ کا، اور اسی طرح ہر رسالے کے سواروں کے جُبے، گھوڑوں کے زین اور ساز یہاں تک کہ ان کے قربان اور سپر سب ہمرنگ [1] تھے، تیمور کے امرائے عسا کر نے جو زیادہ تجربہ رکھتے تھے اور ان سپہ سالاروں میں سے جنہوں نے ہندوستان سے لے کر بحر اسود تک اور بحر اسود سے فلسطین تک اپنے گھوڑے دوڑائے تھے جو بہادر اس وقت زندہ تھے انہوں نے یہ تماشا خوش ہو کر نہ دیکھا بلکہ اس نئی نمود پر گو دل میں رشک کرتے ہوں بظاہر معترض ہوئے۔

اس زمانہ میں تیمور نے ایک پرانی نہر [2] کو جو کسی زمانے میں یونانیوں نے دریائے ارس سے نکالی تھی اور اب وہ مٹی سے اٹ گئی تھی صاف کرا کر اس میں پانی جاری کرایا، اور یہاں اُس نے افریقہ اور یورپ کے اُن راستوں کے متعلق واقفیت پیدا کی جن سے تجارت کا مال ان ملکوں میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو پہنچتا تھا، اسی زمانہ میں تیمور نے ایک خط بادشاہِ فرانس چارلس ششم کے پاس یوحنا اسقفِ سلطانیہ کی معرفت اظہار خوشنودی کا روانہ کیا۔ [3]

جنیوا کے گماشتے جو بہت دور دور کا سفر کیا کرتے تھے اس شوق میں کہ اپنے

---

[1] ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۴۱۲۔ ''وطائفہ را اہتمام علم و سنجق و جبہ و زین و کجیم و مجموع اسلحہ و اسباب از ترکش و کمر و نیزہ و سپر و چماق ہمہ سرخ بود و طائفہ را ہمہ زرد و جمعے را ہمہ و بعضے را ہمہ بنفش و دیگر الوان بہ ہمیں قیاس۔۔۔۔۔''۔

[2] اس نہر کے حالات کے متعلق جس کا نام نہر برلاس ہوا دیکھو ظفرنامہ جلد دوم صفحات ۳۹۴۔۳۹۵۔

[3] تیمور نے بادشاہ فرانس کو دو خط بھیجے تھے، اکثر مؤرخوں کا بیان ہے کہ تیمور نے چارلس کو لکھا تھا کہ میں دنیا پر حکومت کرنے میں تمہارا برابر کا شریک بننا چاہتا ہوں، لیکن تیمور کے کسی خط سے بھی یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ اس نے ایسا لکھا تھا، اتنی بات ضرور تھی کہ یوحنا اسقف نے تیمور کو یہ باور کرا دیا تھا کہ ''یورپ کا سب سے بڑا بادشاہ چارلس ہے جیسے آپ ایشیا کے سب سے بڑے بادشاہ ہیں''۔ تیمور نے اس خط میں لکھا تھا کہ میں سلطان بایزید ایلدرم کے مقابلہ کو اٹھا ہوں جو تمہارا دشمن ہے، اور یہ کہ ہماری اور آپ کی رعایا میں سے تجارت پیشہ لوگ ہم دونوں کی قلمرو میں تجارت کی غرض سے بے تکلف آمد و رفت رکھ سکتے ہیں، تیمور نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ ''یوحنا اسقف مذہب کے علاوہ اور تمام اُمور پر میری طرف سے آپ سے گفتگو کرے گا''۔ (مصنف)

سلطان بایزید درحقیقت قسطنطنیہ کا مالک ہوگیا تھا گو قیصر نہ کہلاتا تھا، یہ نام ابھی تک قسطنطنیہ کے عیسائی شہنشاہ کے لئے مخصوص تھا، بایزید کا علاقہ قسطنطنیہ کی فصیلوں تک آ گیا تھا، اور اس شہر کی بہت سی عدالتوں میں بایزید کے قاضی مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، شہر میں دو مسجدیں بھی تعمیر ہوگئی تھیں جن کے میناروں سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہو کر ترکوں کو نماز کے لئے بلاتی تھی اس وقت قسطنطنیہ کا عیسائی قیصر مانیول تھا، یہ قیصر قسطنطنیہ پر قبضہ رکھنے کے معاوضہ میں سلطان بایزید کو خراج ادا کرتا تھا، وینس اور جنیوا کی ریاستیں جو اس نواح میں قائم ہو چکی تھیں اُن کا برتاؤ بھی سلطان بایزید کے ساتھ ایسا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ سلطان ایک دن اُن کا بادشاہ ہونے والا ہے، ترکوں کی نظر میں قسطنطنیہ کا شہر مع اس کے باغات اور سنگ مرمر کے محلوں کے اُن کے لئے بڑی توقعات کا مقام تھا، اور ان کے علاقہ استنبول میں گویا قسطنطنیہ بھی شامل تھا۔

اسلام مکہ سے چل کر نصرانی قیصروں کے اس مشہور و معروف شہر کے گرد اپنی چھاؤنی ڈال چکا تھا، مگر شہر کی اونچی فصیلیں اور سمندر کی طرف دول یورپ کے جہاز ابھی تک شہر کی حفاظت کرتے تھے، سلطان بایزید اس حفاظت کو توڑ کر اس پر قبضہ کرنے کے لئے بالکل آمادہ تھا، بلکہ یہ سمجھئے کہ جس وقت یورپ میں جنگ صلیب پر چلنے کی صدائیں گونجی ہیں، ایلدرم قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے تیاری کر چکا تھا، یہ صلیبی لڑائی یورپ نے خاص ترکوں سے لڑنے کے لئے کی تھی، بایزید کی ترقی سے سب سے زیادہ خطرہ ہنگاریہ کے بادشاہ سیکس مند کو محسوس ہوا تھا اور اسی خطرہ کو رفع کرنے کے لئے اس نے جنگ صلیب پر یورپ کو آمادہ کر کے اس لڑائی کا کل اہتمام اپنے ذمہ لیا تھا، برگنڈی کے بادشاہ فلپ نے اس لڑائی کے بارے میں ہنگاریہ کے بادشاہ سیکس مند کی تائید کن وجوہ کی بنا پر کی تھی اس کا حال فلپ ہی کو معلوم ہوگا۔

کچھ زمانے سے مختلف حکومتہائے یورپ میں امن چلا آتا تھا، اس وقت جو امور اہل یورپ کے پیش نظر تھے ان میں ایک پروٹسٹنٹ مذہب تھا جو نیا نیا پیدا ہوا تھا اور جس کا نام یورپ میں ''بدعت کبیرہ'' رکھا گیا تھا، اس کے علاوہ ''جنگ صد سالہ'' پر بھی بحثیں چھڑی رہتی تھیں ''شہنشاہی مجالس'' کے قضیوں پر بھی غور کیا جاتا تھا، وبائے عام جس کا نام ''کالی

مری'' ہوگیا تھا جب رفع ہوئی تو رعایا اس اُمید میں جینے لگی کہ اب اُسے مال و جائیداد کے حقوق حاصل ہو جائیں گے، مگر یہ کل اُمور کچھ ایسی حالت میں تھے جیسے بساط شطرنج پر بادشاہ زچ ہو گیا ہو، اور چلنے کو کوئی گھر نہ ملتا ہو، دول یورپ کے اکابر و اشراف کلیسہ کی طرف متوجہ ہو چلے تھے۔

بادشاہ فرانس نے جسے جنون کے دورے اٹھا کرتے تھے بادشاہ ہنگاریہ کی مدد کی جو صاحب عقل و ہوش تھا مگر ترکوں سے ڈرا ہوا تھا، دینِ عیسوی کے جوش حمیت میں انگلستان اور نیدرستان (نیدرلینڈ) سے لوگ بغیر کسی معاوضہ کی اُمید کے لڑنے چلے آئے، آخری زمانے کی صلیبی لڑائیوں میں جو عیسائی قومیں شریک ہوئیں اگر ان کی فہرست ملاحظہ کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ یورپ کی کل قوموں کا شجرۂ نسب سامنے رکھا ہے، سیوائے کا افسرِ فرسان، پروشا کا رئیس اعظم ہوہن زولرن کا سرخاندان فریڈرک، جزیرہ رودس کے مسیحی شہ سواروں کا مقدم اعلیٰ، شنت یوحنا کے جہاز ران شہسوار، جرمانیہ کے نوابانِ عظمیٰ جو شہنشاہوں کو منتخب کر کے تخت پر بٹھاتے تھے بڑے بڑے عیسائی شرفاء اور بادشاہوں کی طرف سے اختیار یافتہ لوگ اس فہرست میں درج تھے سب سے زیادہ مضبوط اور قوی اور تعداد میں بھی زیادہ لڑنے والے فرانس سے آئے تھے، ان میں بار ارتوائے برگنڈی اور سنت پول کے بڑے بڑے خاندانوں کے لوگ تھے، فرانس کی برّی اور بحری فوجوں کے افسر اور فرانس کا سب سے بڑا حاکم شرطہ بھی صلیب پر جان فدا کرنے کو حاضر تھا اور یہ کل مجمع کونٹ نیور جان ویلیو[1] کی سرکردگی میں تھا۔

بیس ہزار نصرانی سوار مع اپنے خادمانِ خاص اور مسلح ملازمین کے گھوڑوں پر سوار ہو مشرق کی طرف بڑھے اور سکس مند بادشاہ ہنگاریہ کی فوجوں سے جا ملے، اور اب ان جنگ آورانِ صلیب کی مجموعی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہوگئی، معلوم ہوتا ہے کہ یہ لشکر عورتوں اور شراب سے بھی بخوبی مہیا تھا، اس بارعب و عظیم الشان جمعیت کی تعداد اتنی تھی کہ عیسائی شہسوار خود کہتے تھے کہ اگر آسمان بھی گرے گا تو ہم اسے اپنے نیزوں پر روک لیں گے۔

---

1. جان ویلیو بادشاہ برگنڈی فلپ کا بیٹا اور بادشاہ فرانس کا نواسا تھا، صرف اپنے عالی نسب ہونے کی وجہ سے جنگ صلیب میں اس کو یہ سرداری ملی تھی، ورنہ وہ ایک نوعمر آدمی تھا جسے کسی قسم کا فوجی تجربہ نہ تھا اور نہ سرداری اور افسری کی اس میں کوئی قابلیت تھی۔ (مصنف)

فرانسیسی انگریزی اور جرمانی مبارزانِ صلیب کو اس کا خیال بہت غیر واضح تھا کہ اس معرکہ میں آگے کیا پیش آنے والا ہے، انھیں یقین تھا کہ ترکوں کے بادشاہ نے جس کا نام تک وہ نہ جانتے تھے تمام دنیا کے مسلمانوں کو جن میں مشرقی و مغربی ایران اور مصر کے مسلمان شامل ہیں عیسائیوں کی مخالفت پر جمع کر رکھا ہے اور ترکوں کا یہ سلطان اور اس کی فوجیں قسطنطنیہ سے آگے کہیں چھپی بیٹھی ہیں، اور اب ان عیسائی بہادروں کو اس کی بے قراری تھی کہ جلد ترکوں کے بادشاہ سے مقابلہ ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے پہنچتے پہنچتے وہ بھاگ جائے کیونکہ اس بادشاہ کو مارنے کے بعد جلد یروشلم کی طرف بڑھنا ہے۔

بادشاہ سکس مند جو اوروں سے کسی قدر زیادہ سمجھ رکھتا تھا کہتا تھا کہ ''گھبرایئے نہیں بغیر لڑائی لڑے یہاں سے جانا ممکن نہیں''۔ سکس مند نے درحقیقت یہ بات سچ کہی تھی۔

صلیبی فوجیں دریائے طونہ (ڈانیوب) کے کنارے کنارے جا رہی تھیں کہ وینس والوں کے جہاز دریا کے دہانے کی طرف سے آتے ہوئے ملے ان جہازوں کے لوگ بھی فوجوں کیساتھ ہو گئے، یہاں تک عیسائیوں کے حق میں کل باتیں اچھی رہیں، ترکوں کے چھوٹے چھوٹے فوجی دستے جو دور دور کے مقامات پر پہرہ دیتے تھے انہوں نے مجبور ہو کر ان عیسائی مجاہدوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، عیسائیوں نے یہاں بہت لوگوں کو قتل کیا اور اس کا مطلق خیال نہیں کیا کہ جن کو قتل کرتے ہیں وہ قوم کے سرب اور مذہب کے عیسائی ہیں۔ غرض چلتے چلتے ایک پُر فضا موقع دیکھ کر نیکوپولس کے محاصرے کے لئے لشکر اتارا اور یہاں دریافت ہوا کہ سلطان بایزید کا ایک بڑا لشکر اُن سے لڑنے آ رہا ہے۔

پہلے مجاہدانِ صلیب کو اس کا یقین ہی نہ آیا تھا کہ سلطان کو ان کے مقابلے میں آنے کی ہمت ہو سکتی ہے، مگر جب بادشاہ ہنگاریہ نے سمجھایا کہ سلطان کے بڑھنے کی خبر صحیح ہے تو کچھ کچھ سمجھ میں آیا اب لڑائی کے لئے صف آرائی شروع کی بادشاہ ہنگاریہ سکس مند نے جو ترکوں کی قوت سے آگاہ تھا یہ صلاح دی کہ فرانسیسی اور جرمانی شہسوار لشکر کے عقب میں رہیں اور مسلمانوں کے پہلے حملے کا زور ہنگاریہ، ولاشیہ اور کروٹ کی فوجوں کو برداشت کرنے دیں۔

اس صلاح پر امرائے مجاہدین برانگیختہ ہوئے اور اس سوال پر کہ کون آگے رہے اور کون پیچھے رہے ایسی سخت تکرار شروع ہوئی کہ بایزید کی فوج قراول ادھر اُدھر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنے کے لئے موقع پر آن پہنچی، فرانسیسی اور جرمانی امرائے فوج کو یہ گمان ہوا کہ سکس مند ان کو لڑائی میں بیکار رکھ کر فتح کا سہرا اپنے سر بندھوانا چاہتا ہے، آخر کار ارتوائے کے فلپ نے جو فرانس کا رئیس الشرطہ تھا چلا کر کہا۔

ہنگاریہ کا بادشاہ چاہتا ہے کہ آج کی عزت اور ناموری اُسے ہی حاصل رہے، جس کا جی چاہے اس کی خواہش سے اتفاق کرے، لیکن میں ہرگز اتفاق نہ کروں گا''۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا علم بلند کیا اور ایک نعرہ لگا کر کہ ''مجاہدو! خدا اور سینٹ جارج کا نام لے کر آگے بڑھو''۔ اپنی فوج کو ساتھ لئے چل پڑا۔

ارتوائے کے فلپ کی زبان سے اس نعرے کا بلند ہونا تھا کہ جس قدر صلیبی افسر وہاں موجود تھے اس کے ساتھ ہو لئے اور ان کے جوش پوش سواروں نے جن ترکوں اور سربیوں کو اب تک راہ میں قید کیا تھا اُن سب کو قتل کر ڈالا، اور قتل کرنے کے بعد اپنے اپنے افسروں کے پیچھے اس لڑائی کے لئے کوچ کرنے لگے، ان کے برچھوں کے سروں پر بیرق اڑتے تھے، مرکبوں پر لوہے کے خاردار جھیم پڑے تھے اور اب دشمن پر حملہ کرنے کے لئے گھوڑے سرپٹ اڑے، یورپ کے شہزادوں اور یورپ کے شہسواروں اور بہادروں نے سلطان بایزید کے فوجی دستوں کو جو بڑے لشکر سے علیحدہ ہو کر لڑنے کو نکلے تھے پراگندہ کر دیا، اور ایک بلندی کی طرف چلے جس پر راستہ نکال کر دور تک چڑھنا پڑا، یہاں (ایک پل پر) پہنچ کر ترکوں کے پیدل تیرانداز جس قدر ملے انھیں قتل کر دیا، اور پھر اپنی صفیں درست کر کے ترکی رسالوں سے لڑنے کو تیار ہو گئے، یہ ترکی رسالے اب لڑائی کے لئے سامنے آ گئے تھے۔

بایزید کے ایسے رسالوں کو جو ہلکے ہتھیار رکھتے تھے صلیبی مجاہدوں نے مار کر پیچھے ہٹا دیا اور جب ان رسالوں کی صفیں ٹوٹیں تو ان پر بڑی دلیری سے سخت دھاوا کیا، مگر اس دھاوے ہی کی بدولت لڑائی بھی ہار گئے۔

اب تک عیسائیوں نے جن کا مقابلہ کیا تھا وہ ترکی فوجِ قراول کی پہلی تین صفیں

تھیں۔

جس وقت صلیبی شہسوار اس معرکے میں تھک کر دوسرے پل تک پہنچے تو دیکھا کہ ترکوں کا بڑا اور اصلی لشکر صف باندھے سامنے کھڑا ہے، تعداد ساٹھ ہزار ہے، ینگ چری فوج کے سفید عمامے اور سواروں کے زرہ پوش رسالے نصف دائرہ کی شکل میں آراستہ ہیں، ترکوں نے عیسائیوں کے جواب میں دھاوا نہیں کیا، وہ سمجھتے تھے کہ ایسا کرنے میں جانوں کو مفت کھونا ہے، دور ہی سے تیر برسا کر مسیحی شہسواروں کے گھوڑوں کو گرانا شروع کیا، جب گھوڑے زخمی ہو کر گرے تو ان کے سوار پیدل ہو گئے مگر یہ اتنی بھاری زرہ پہنے تھے کہ پیادہ ہو کر لڑنا مشکل تھا، بھاری زرہ لڑنے میں مخل ہوتی تھی، اس پر بھی بعض صلیبی مبارز بڑی جوانمردی سے لڑے اور پیشتر اس کے کہ ان کے بہت سے گھوڑے زخمی ہو کر گریں پشت دکھا کر میدان سے فرار ہوئے۔

لیکن جب ترکی فوجوں نے صلیبیوں کو گھیر لیا اور صلیبیوں نے دیکھا کہ ان کی معاون فوجیں بھی اس وقت ان سے بہت دور ہیں تو پھر ان مسیحی شہسواروں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس اثنا میں سکس مند نے اپنی فوجوں کو مقابلے کے لئے تیار رکھا تھا، سکس مند کچھ دور آگے بڑھا بھی تھا کہ ان مجنون صلیبیوں سے جنھیں آخر کار ہتھیار ڈالنے پڑے تھے قریب ہو جائے لیکن ان کی مدد نہ کر سکا، یا تو خوف سے پیچھے ہی رہا یا مجاہدین صلیب کا یلغار ترکوں پر ایسا شدید تھا کہ ان کو مدد پہنچانا غیر ضروری سمجھا، بہر کیف یہ دونوں مسئلے ایسے تھے جن پر بعد کو بڑے زور شور سے بحثیں ہوتی رہیں۔

یہ یقینی ہے کہ صلیبیوں کی پسپائی نے لڑائی ایسی ہاتھ سے کھوئی کہ فتح کی مطلق امید نہ رہی، تھکے ہارے زخمی خون میں آلودہ سواروں کا فرار اور ان کے تعاقب میں ترکوں کا دھاوا اس بلا کا تھا کہ اہل صلیب کی پیدل فوجوں کی بھی ہمت فرار ہوئی صلیبی شہسواروں کے دائیں اور بائیں ولاشیا کی عیسائی فوجیں تھیں مگر یہ بھی اوروں کا حال دیکھ کر جان بچانے کو پیچھے ہٹیں۔

سکس مند کے ہنگاری اور ایلکٹور کے باویری بڑی ہمت سے لڑائی پر جمے رہے

لیکن سکس مند خود اور اس کے ہمراہی سردار بہت جلد گھوڑے بھگاتے ہوئے دریائے طونہ (ڈانیوب) پر آئے کہ وینس والوں کے جہازوں میں جا کر ترکوں سے پناہ لیں۔

جن صلیبی سپاہیوں کو ترکوں نے گرفتار کیا تھا سلطان بایزید ایسا نہیں تھا کہ ان کو رہا کر دیتا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ترکی کے قیدیوں کو قتل کیا تھا اور بایزید کو طرح طرح کے نقصان پہنچائے تھے جنگہائے صلیب کا مشہور مورخ فرائیسورٹ بہت ہی افسوس اور رنج کے ساتھ لکھتا ہے کہ!

"اس کے بعد اہل صلیب برہنہ صرف قمیصیں پہنے ہوئے بایزید کے سامنے پیش کئے گئے، تھوڑی دیر تک سلطان ان کو دیکھتا رہا، پھر ان کی طرف سے منہ پھیر کر ان کے قتل کا اشارہ کیا اور اب ترک سپاہی ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے ان کو باہر لائے اور بڑی بے رحمی سے ان صلیبیوں کے ٹکڑے اڑا دیئے"۔

دس ہزار صلیبی لڑنے والے اس طرح سے قتل کئے گئے، بایزید نے اپنے امرائے دربار کی صلاح سے ۲۴ عیسائی سرداروں کو اس غرض سے قید میں رکھا کہ زرفدیہ ادا ہونے پر رہا کر دیئے جائیں گے، ان بدقسمت قیدیوں میں بادشاہ فرانس کا پوتا ارل نیورز اور فرانس کا بوچی کاٹ بھی تھا، ترکوں نے دو دو ہزار دینار طلائی ارل نیورز اور اس کے ساتھیوں کے لئے سربہا طلب کیا[1]، یہ رقم گو ترکوں کے نزدیک بالکل واجبی تھی مگر وہ اتنی تھی جس نے یورپ کے خزانے خالی کر دیئے، آخر کار روپیہ ادا کیا گیا اور قیدی رہا ہوئے، مؤرخ فرائیسورٹ لکھتا ہے کہ سلطان بایزید جب ان قیدیوں کو رہا کرنے لگا تو اس نے ان کے سامنے ایک تقریر کی اور ان سے کہا کہ نیا لشکر تیار کر کے پھر ہم سے لڑنے آؤ کیونکہ "میں لڑائی میں بڑے بڑے کام کر سکتا ہوں اور عیسائیوں کے ملکوں میں اور زیادہ فتوحات حاصل کرنے کا قصد رکھتا ہوں، بایزید کے یہ الفاظ ارل نیورز اور اس کے ساتھیوں نے اچھی طرح سنے اور

---

[1] قیدیوں کی رہائی کے لئے روپیہ فراہم کرنے میں یورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور خاص کر فرانس میں سخت پریشانی ہوئی اور اس کی وجہ سے رعایا میں بھی اندر ہی اندر بہت بددلی پیدا ہوگئی، پہلے افسوس اور غم تھا پھر غصے اور بے اطمینانی نے دلوں میں جگہ کی، اور بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اسی روپیہ کی بدولت شدید سیاسی ہنگامے برپا ہوگئے۔ (مصنف)

جب تک زندہ رہے کبھی ان کو نہ بھولے"۔

لیکن صرف بہادر بوچی کاٹ جواب فرانس کا مارشل تھا ترکوں سے دوبارہ لڑنے آیا، اس طرح اخیر صلیبی لڑائی عیسائیوں کے حق میں نقصان کیساتھ خاتمے کو پہنچی، اس حال زار پر یورپ کی ریاستوں میں جس قدر نوحہ گری ہوئی اسی قدر مایوسی اور حرمان قسطنطنیہ پر بھی چھا گیا، ایک بار اُمید بندھ کر کہ مدد آن پہنچی ہے پھر اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب غارت ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی۔

جنگ نیکوپولس ۱۳۹۶ء میں ہوئی اس سے پہلے ہی بایزید ایلدرم قسطنطنیہ کا محاصرہ کر کے یونان کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے میں مصروف ہو گیا تھا، مگر مارشل بوچی کاٹ پانچ سو زرہ پوش شہسوار اور چند جنگی کشتیاں لیکر آیا جس سے قسطنطنیہ کے عیسائیوں کو خفیف مدت کے لئے پھر ڈھارس بندھ گئی۔

ایشیائے کوچک ترکوں کی سلطنت کا نصف حصہ تھا، اس میں اور یورپ کے ترکی صوبوں میں سمندر حائل تھا، پس یہ بات غور کرنے کی ہے کہ اس زمانہ میں وینس اور جنیوا کے جہازی بیڑے اگر چاہتے تو ترکوں پر کامیابی کے ساتھ حملہ کر کے قسطنطنیہ کو بچا لیتے، وینس اور جنیوا والوں کو صرف آبنائے بوسفورس پر قبضہ کرنا ہوتا، مگر یہ کام انہوں نے نہیں کیا۔

ایشیا کی تجارت پر قبضہ کرنے کے لئے وینس اور جنیوا میں لڑائیاں ٹھنی تھیں، ایک دوسرے کو معذور و محتاج بنانا چاہتا تھا، سلطان بایزید جو بڑا دانا اور ہوشیار مدبر تھا دونوں سے خط و کتابت رکھتا تھا، ایشیا کی تجارت کا دانہ ڈال کر دونوں کو پکڑنا چاہتا تھا، وینس اور جنیوا دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر تحائف بایزید کو نذر میں پیش کرتے تھے، پاپائے رومہ نے ایک مرتبہ پھر ان دونوں ریاستوں سے درخواست کی کہ قسطنطنیہ کو ترکوں سے بچائیں مگر کسی نے اس کی درخواست کو نہ سنا، یورپ کے والیانِ ریاست جو صلیبی جنگ سے زندہ بچے تھے وہ یورپ پہنچ کر آپس کی خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے۔

اب ہمارے سامنے تاریخ کا ایک عجب عبرتناک واقعہ آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسیحی قیصروں کا شہر جو دنیا کے شہروں میں سب کا سرتاج سمجھا جاتا تھا جس کی حفاظت کے لئے صدہا عیسائی شہسوار اور یونان کے رئیسوں کی تنخواہ دار فوجیں حاضر رہتی تھیں، اب اس

درجہ محتاج اور تہی دست اور اس کے باشندے باوجودیکہ عالیشان محلوں اور عمارتوں میں بستے تھے فاقہ کشی کی مصیبت میں اس درجہ مبتلا نظر آتے ہیں کہ بوچی کاٹ کی بحری سپاہ کو جوان کی حفاظت کے لئے موجود ہے روٹی تک نہیں کھلا سکتے اور یہ سردار مجبور ہوتا ہے کہ پیٹ کی خاطر رہزنی اختیار کرے اور سامان رسد کے ترکی جہازوں کو لوٹے قسطنطنیہ اس قدر تنگ حال تھا کہ بوچی کاٹ کی بحری سپاہ کو اس کی خدمت کے معاوضہ میں ایک پیسہ تک نہ دے سکا، قسطنطنیہ کا قیصر اس وقت مانیول تھا، یہ بادشاہ اس قدر مجبور ہوا کہ پایہ تخت سے نکل کر یورپ کے دورے کو اٹھا کہ قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے سپاہ اور روپیہ کا سوال یورپ کے رئیسوں سے کرے، جب یورپ کی ریاستوں میں پہنچا ہے تو مانیول کے ساتھ جو ملازم تھے وہ ایسے پھٹے حال تھے کہ اٹلی کے ایک رئیس کو ان کے حال پر رحم آیا اور اس نے ان کے لئے ایسے کپڑے بنوا دیئے جو ایک قیصر کے ہمراہیوں کی شان کے مطابق تھے۔

قیصروں کی نسل کا یہ قیصر ہاتھ پھیلائے ایک ریاست سے دوسری ریاست میں گیا خاطر و مدارات سب نے بہت کی، بے حد ہمدردی بھی ظاہر کی مگر مدد کسی نے نہ کی، آخری مرتبہ یورپ والوں نے اپنے مذہب کی حمایت میں ترکوں پر ایسے مجنونانہ طریقے سے حملہ کیا تھا کہ اب مذہب کے لئے لڑنے کا جوش ان میں بالکل ٹھنڈا ہو گیا تھا، یورپ کے تاجدار تجارت کے قضیوں اور سیاسی حد بندیوں میں جو اس زمانہ میں فی الواقع ضروری کام تھے بالکل منہمک تھے، کلیسا کی طرف سے سفارش میں فرمان جاری ہوتے تھے قیصر مانیول بذات خود ایک ایک کے دربار میں جا کر مدد کا خواستگار ہوتا تھا، مگر سب فضول ولا حاصل تھا۔

قیصر مانیول اب بالکل دل شکستہ ہو گیا، قسطنطنیہ کے لوگ محاصرے کے زمانے میں فصیلوں پر چڑھ کر دوسری طرف اُتر جاتے کہ ترکوں سے پیٹ کو ٹکڑا مانگیں، جب یہ نوبت پہنچی تو بوچی کاٹ بھی قسطنطنیہ کو خیر باد کہہ کر وہاں سے روانہ ہوا، اور قیصر مانیول کا بھتیجا جو اس وقت قسطنطنیہ میں موجود تھا شہر کو ترکوں کے حوالے کرنے کے لئے شرائط طے کرنے لگا، مگر بخت و اتفاق دیکھئے کہ اس جان بلب اور مبتلائے جنگ شہر کو پھر کچھ دنوں کے لئے امان نصیب ہو گیا۔

یہ حالت تھی کہ بالکل خلاف توقع اور اُمید مشرق سے تاتاری نمودار ہوئے،

ایشیائے کوچک میں سلطان بایزید کے شہر سیواس کو حملہ کر کے فتح کیا اور فتح کرتے ہی وہاں سے کسی طرف غائب ہو گئے، بایزید گھبرایا، قسطنطنیہ کا حصار اٹھا لیا اور عجلت سے ایشیائے کوچک میں آیا۔

اب یورپ میں جس قدر ترکی فوجیں تھیں ان سب کو ہتھیار اٹھانے کا حکم ہوا اور وہ جہازوں پر سوار ہو ایشیا میں آئیں، اور قسطنطنیہ کے حاکم شہر نے بایزید سے عہد کیا کہ اگر تیمور پر اس نے فتح پائی تو قسطنطنیہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

باب ۲۹

بایزید اور تیمور کا مقابلہ

۱۴۰۲ء کا موسم بہار شروع ہے، مشرقی یورپ کے فاتح بایزید نے ایشیا کے کشورستان تیمور سے مقابلے کے لئے لشکر جمع کیا ہے، کسوبا اور نیکوپولس کی آزمودہ کار فوجیں یورپ سے چل کر بروصہ میں آنی شروع ہو گئی ہیں، بروصہ عثمانی ترکوں کا دارالسلطنت بحر مارمورا کے ساحل سے قریب ہے، یہاں اناطولیہ کی فوجیں حاضر ہیں اور بادشاہ سرب ''پیٹر لازرس'' کے زرہ دار رسالے آ کر اُن میں شامل ہو گئے ہیں، مؤرخ لکھتا ہے کہ ان رسالوں کے سوار فولاد اور لوہے کا لباس اتنا پہنے تھے کہ آنکھوں کے سوا اور سب چیزیں چھپی ہوئی تھیں[1] بروصہ ہی میں یونان اور ولاشیہ (بالیس) کی یورپین فوجیں سلطان بایزید کی مدد کے لئے حاضر ہوئیں جو حال ہی میں اُن کا بادشاہ ہوا تھا، غرض ترکی لشکر کا شمار ایک لاکھ بیس ہزار سے لے کر ڈھائی لاکھ کے درمیان کوئی عدد تھا۔

سلطان بایزید کی فوجیں تمام عمر سے فتوحات حاصل کرنے کی خوگر تھیں، سواروں کے رسالے اور ینگ چری فوجیں ہمیشہ ہتھیار لگائے لڑائی کے لئے تیار رہتی تھیں، ان میں فوجی قواعد بہت سخت ہیں اور ہر ایک پیدل اور سوار سلطان کا حکم اس طرح مانتا تھا جیسے غلام

[1] ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۴۲۷۔۴۲۸۔

''..........آزانجلہ وقنبل میمنہ پسر برلاس افرنجی (پیٹر لازرس) کہ برادر زن بایزید بود با بست ہزار سوار از لشکر افرنج تعین نمود، وایشان مجموع ظاہر خود را موافق باطن تاریک ساختہ سیاہ پوشیدہ بودند و عادت ایشان در لبس جبا چنانست کہ از سر تا قدم بفولاد و آہن می پوشند بغیر از چشم عصو دیگر پیدا نیست و بندہائے آن را بر پشت پائے بہم پیوستہ قفل می زنند و تا آن قفل باز نمی کنند جبا و خود از ایشان جدا نمی شود''۔ (مترجم)

اپنے آقا کا حکم مانتا ہو، سلطان بایزید کو بھی اپنی فتح اور کامیابی کا پورا یقین تھا، چنانچہ انتظار کا زمانہ خوب جشن اور طوئی میں گزرا۔

تیمور اور تیمور کا لشکر حرکت میں آ چکا تھا، تیمور کی آمد سن کر ترک بہت خوش ہوئے انھیں اپنی پیدل فوج پر بڑا ناز اور بھروسہ تھا، اور یہ پیدل فوج حقیقت میں دشمن کو دفع کرنے میں ہمیشہ نہایت کامیاب ثابت ہوئی تھی، ایشیائے کوچک کا زیادہ تر حصہ ایسا ہے جس کی زمین میں نشیب و فراز زیادہ ہیں اور جابجا جنگل کھڑے ہیں، پیدل فوجیں ایسی زمین کو اپنے حق میں بڑی جیت سمجھتی ہیں، سیواس سے مغرب کی طرف صرف ایک سڑک آئی تھی، ترک سمجھتے تھے کہ بس اسی سڑک پر تیمور سے مقابلہ ہو جائے گا۔

مشرق کی سمت میں انکوریہ تک سلطان بایزید اپنا لشکر آہستہ رفتار سے لے گیا، اور انکوریہ کے میدان میں آ کر لشکر گاہ قائم کیا اور پھر یہاں سے آگے بڑھ کر دریائے ہیلس (یولغون سوئی) کو عبور کر کے اونچی نیچی پہاڑی زمین میں جا پہنچا، یہاں ترکی قراولوں نے آ کر خبر دی کہ تاتاری اس وقت بایزید سے آگے ساٹھ میل کے فاصلے سے سیواس میں ہیں، بایزید نے یہ خبر سن کر اپنی فوجوں کو جہاں تک آئی تھیں وہیں ٹھہرا دیا، اور اچھا سا موقع دیکھ کر ان کو لڑائی کے لئے صف آراء کیا اور تیمور کا انتظار کرنے لگا۔

انتظار تین دن یا ایک ہفتہ تک گیا، ترکی قراول سیواس کے کچھ لوگوں کو پکڑ کر سلطان بایزید کے سامنے لائے، انہوں نے خبریں بڑی وحشت ناک سنائیں بیان کیا کہ اس وقت تاتاری فوج کے چند دستے شہر سیواس میں مقیم ہیں لیکن خود تیمور اور اس کا باقی لشکر مدت ہوئی سیواس سے ترکون کی جانب روانہ ہو چکا ہے۔ لیکن سیواس اور ترکی لشکر کے درمیان تیمور کا کہیں پتہ نہ تھا، ترکی قراول تمام پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں گھوڑے دوڑاتے پھرے اور آخر میں یہی جواب لائے کہ ''ہم کو تو تاتاریوں کا کہیں نشان تک نظر نہیں آیا، تاتاری اپنے ہاتھیوں سمیت کہیں غائب ہو گئے ہیں۔

اس کیفیت نے ترکوں کو سخت حیرت اور پریشانی میں ڈالا، ترکوں کی فوجیں جس مقام پر اس وقت تھیں اس کا نقشہ یہ ہے کہ دریائے ہیلس (یولغون سوئی)[1] شمال مشرق سے

[1] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۱۷

اپنے منبع سے بہتا ہوا سیواس پہنچا ہے اور اس شہر کے قریب اس نے اپنا رخ جنوب کی طرف بدلا ہے اور دور تک جنوب میں بہہ کر ایک بڑا چکر کاٹ کر شمال کی طرف لہراتا ہوا انکوریہ کے قریب سے گزر کر بحر اسود میں جا گرا ہے جنوب سے شمال کی طرف رخ بدلنے میں جو بڑا چکر اس دریا کو لگانا پڑا ہے اس کے اندر کے رخ چکر کے وسط میں پہاڑی زمین پر ترکوں کی فوجیں مقیم ہیں اور بایزید نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ جب تک تیمور کی قرار واقعی خبر نہ معلوم ہو جائے گی کہ کہاں ہے اُس وقت تک اس مقام سے اپنی فوجوں کو نہ ہٹائے گا۔[1]

آٹھویں دن صبح ہوتے ہی بایزید کو خبر لگی کہ تاتاریوں کے ایک دستہ قراول نے جو تیمور کے ایک سردار کی سرکردگی میں تھا ترکی فوج قراول پر جس کا تعلق ترکوں کے میمنہ سے تھا اور لشکر سے وہ دور نکل گیا تھا حملہ کیا ہے اور چند ترکوں کو گرفتار کر کے تاتاری واپس ہو گئے ہیں، اب سلطان بایزید کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ تیمور ترکی لشکر کے جنوب میں پہنچ گیا ہے چنانچہ ترکوں نے اب جنوب کی طرف بڑھنا شروع کیا، دو دن میں ترک دریائے ہیلس تک پہنچے مگر وہاں دیکھا تو تاتاریوں کا پتہ نہ تھا، بایزید نے سواروں کے کئی دستے اپنے فرزند سلیمان کی سرکردگی میں جو بڑا لائق سپہ سالار تھا دریافتِ حال کے لئے دریا پار روانہ کئے۔

سلیمان روانگی کے بعد ہی بہت جلد یہ خبر لے کر باپ کے پاس آیا کہ تیمور تو اس وقت ہم سے بالکل بچ کر نہایت تیزی سے انکوریہ کی طرف جا رہا ہے۔

یہ خبر سن کر بایزید چونکا، لشکر کو ساتھ لئے جلد دریائے ہیلس عبور کر کے اُسی رستے چلا جو تاتاری انکوریہ کی طرف راستہ درست کرتے ہوئے گئے تھے، انکوریہ کو بایزید اپنے لشکر کا صدر مقام پہلے ہی بنا چکا تھا۔

تیمور نے جو چال اس وقت چلی تھی وہ بہت صاف اور ہوشیاری کی تھی، سیواس کے مغرب میں زمین کی کیفیت معلوم کر کے کہ وہ بہت اونچی نیچی ہے سوار فوجوں کے کوچ کے لئے اُسے مناسب نہ سمجھا، اور اب بجائے مغرب کی طرف بڑھنے کے وہ جنوب کی طرف دریائے ہیلس کے کنارے کنارے اس طرح چلا کہ اپنے اور ترکوں کے درمیان دریا

[1] سلطان بایزید اور امیر تیمور کی لڑائی کا حال ظفر نامے کی دوسری جلد میں صفحہ ۴۱۶ سے شروع ہوتا ہے (مترجم)

کو حائل رکھا، یا یوں سمجھئے کہ دریا نے جنوب سے شمال کی طرف بڑھنے میں جو بڑا چکر کاٹا تھا اس چکر کے باہر باہر تیمور جا رہا تھا اور چکر کے اندر تقریباً اس کے وسط میں بایزید تیمور کے اس حال سے بے خبر منتظر تھا کہ تیمور سیواس کی طرف سے آتا ہوگا۔

یہ زمانہ وہ تھا کہ اناج کی فصلیں تیار کھڑی تھیں، فقط کاٹنے کی دیر تھی، گھوڑوں کے لئے گھاس چارہ بھی بکثرت میسر تھا، تیمور نے اپنے لشکر سے کچھ فوج ایک امیر کے سپرد کر کے حکم دیا کہ ترکوں سے جا بھڑے، یہی تاتاری فوج تھی جسے دیکھ کر اور جس سے دو دو ہاتھ چلنے کے بعد سلیمان پسر بایزید نے باپ کے پاس آ کر تاتاریوں کی خبر دی تھی کہ وہ انکوریہ کی طرف جا رہے ہیں، تیمور اس فوج کو روانہ کرنے کے بعد مع اپنے لشکر کے ایک موضع میں جس کا نام کوچ حصار تھا مقیم ہو گیا تھا، اسی زمانہ قیام میں ایک موقع پر اپنے پوتوں اور فوجی سرداروں کو فنونِ حرب کے دقائق پر درس دیتے دیتے کہنے لگا کہ

> ''دو طریقے ہیں جن پر ہم اس وقت کاربند ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ یہیں قیام رکھ کر اپنے گھوڑوں کو آرام دیں اور جب ترک سامنے آئیں تو ان کا مقابلہ کریں، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ترکوں کے ملک میں ان کے ملک کو غارت کرتے ہوئے بڑھتے چلے جائیں اور اس طرح ترک مجبور ہو کر ہمارے تعاقب میں چل پڑیں، ترکوں کے لشکر میں زیادہ تر پیدل فوجیں ہیں اور جب اس طرح کا دور دراز سفر ان ترکی فوجوں کو کرنا پڑے گا تو وہ بالکل خستہ و ماندہ ہو جائیں گی۔[1] کچھ تامل کے بعد کہا کہ دوسری رائے ہم پسند کرتے ہیں اور اسی پر عمل کریں گے''۔

[1] ''و چون روز شد حضرت صاحبقران تعلیم و ارشاد شاہزادگان و امرا را با ایشان صورت مشورت فرمود کہ دراین مقام دو رائے است یکے آنکہ ہمیں جا توقف کنیم کہ تا زمان رسید مخالف مردم و چہار پایان استراحت نمودہ کوفتگی راہ ہندزند و دیگر آنکہ بمیان مملکتِ باغی در آئیم و غارت کنان میرویم و ایلغار بہر جانب می فرسیم تا او راز عقب با تعجیل بباید راند و لشکرش کہ بسیار پیادہ اند ویران شوند و بعد از تنبیہ بر دقائق جہانگیری رائے ثانی اختیار فرمود و از آنجا کوچ کردہ روان شد''۔ ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۴۱۸۔

موضع کوچ حصار سے تیمور نے اپنی فوجوں کا رخ بدلا، کچھ فوج جو بہت طاقتور تھی اُسے موضع میں چھوڑا، اور دو امیروں کی سرکردگی میں چند رسالے سواروں کے آگے روانہ کئے اور ان کے ساتھ پیدل فوج بھی کر دی تاکہ لشکر کے قیام کے لئے راہ میں جو جو مقام تجویز کرتے جائیں وہاں کنویں کھودتے چلیں اور رسالوں کے سوار گھوڑوں سے اتر کر اناج کی فصلیں جس قدر ملیں انھیں کاٹ کر ساتھ لیں تاکہ لشکر کے کام آئے۔

اب تیمور کا لشکر کوچ حصار سے جو دریائے ہیلس سے کچھ ہٹا ہوا تھا انکوریہ کی طرف چلا، راہ میں جو زمین آئی وہ زیادہ صاف تھی اور پانی بھی ضرورت کے لئے کافی ملتا گیا، اس کے علاوہ دریافت ہوا کہ انکوریہ کے قریب ہی سلطان بایزید کا تیار کیا ہوا لشکرگاہ راستے میں آئے گا، یہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی، تیمور نے جلد جلد کوچ کرنا شروع کیا، انکوریہ کوچ حصار سے سو میل تھا، یہ سو میل تین دن میں طے کر لئے۔

انکوریہ پہنچ کر تیمور نے جیبہ و بکتر[1] جو اخیر عمر میں بہت کم پہنا کرتا تھا، پہنا، اور شہر انکوریہ کو ملاحظہ کرنے کے لئے نکلا، باہر باہر کئی چکر لگائے، شہر کے اندر ترکی فوجیں محافظت شہر کے لئے موجود تھیں، اب تیمور نے انکوریہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا، اور خود بایزید کے بنائے ہوئے لشکرگاہ کو دیکھنے چلا گیا، لشکرگاہ آج کل خالی پڑا تھا، بایزید نے جن ترکوں کو اس کی پاسبانی پر چھوڑا تھا وہ سب وہاں سے چلتے ہوئے تھے۔

انکوریہ کا شہر ایک وسیع میدان کے مرکز میں واقع تھا، تیمور نے اب یہ فیصلہ کیا کہ سلطان بایزید نے اپنے لشکر کے قیام کے لئے جو لشکرگاہ تیار کیا ہے وہ تاتاری فوجوں کے اترنے کے لئے ایسا ہی اچھا ہے جیسے کوئی دوسری جگہ ہو سکتی ہے، پس تیمور نے اپنی فوجیں اسی چھاؤنی کے خیموں میں ٹھہرا دیں جو ترکوں نے اپنے لئے نصب کئے تھے، تاتاری فوجوں نے تیمور کے حکم سے اُس چھوٹے سے دریا کے پانی کو بھی روک دیا جو انکوریہ کے شہر میں سے ہوتا ہوا گزرتا تھا، شہر کی طرف پانی بند کر کے دریا کا گزر لشکرگاہ کی پشت سے کر دیا[2] جہاں تاتاری فوجیں جا اتری تھیں۔

[1] ''جیبہ پوشیدہ دیسال کردہ................'' ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۴۱۷۔

[2] ظفرنامہ جلد دوم صفحات ۴۲۰۔۴۲۱۔

ترکی فوجیں جواب تاتاریوں کا پیچھا کیے آ رہی تھیں ان کے لئے اس دریا کے علاوہ دوسرا ذریعہ پانی حاصل کرنے کا صرف ایک چشمہ تھا، اس چشمہ کو تیمور کے حکم سے پہلے ہی بند اور اس کے پانی کو غلیظ کر دیا گیا تھا[1]، تیمور کی سپاہ انکوریہ کی فصیلوں کو توڑنے کا سامان کر رہی تھی مگر توڑنے نہ پائی تھی کہ قراولوں نے سلطان بایزید کے قریب آ جانے کی خبر دی اور کہا کہ انکوریہ پہنچنے میں اب صرف بارہ میل بایزید کو اور چلنا ہے۔

تیمور نے اس خبر کو سنتے ہی شہر پر حملہ روک دیا، بلکہ جو تاتاری حملہ کر کے ایک برج پر چڑھ گئے تھے ان کو بھی نیچے بلوالیا، رات کو تیمور نے اپنی فوجوں کو لشکر گاہ میں جس کے گرد خندقیں کھدی تھیں مقیم رکھا اور ہر جگہ آگ خوب روشن کرادی، تاتاری رسالے تمام میدان میں رات بھر پہرے اور گشت پر رہے، مگر ترک صبح ہونے سے پہلے نمودار نہ ہوئے۔

ترکی فوجوں کو مسلسل منزلیں طے کرتے ہوئے اب ایک ہفتہ ہو گیا تھا، راستے میں پانی اور غلہ بہت کم دستیاب ہوا تھا، کیونکہ تاتاریوں نے پہلے ہی کھیتیوں سے اناج کاٹ لیا تھا، اور پانی کا چشمہ غلیظ کر دیا تھا، ترکی فوجیں تھکی ہوئی پیاس اور میدان کی گرمی سے پریشان تھیں، یہاں پہنچیں تو دیکھا کہ اپنی ہی چھاؤنی میں دشمن کی فوجیں اتری ہوئی ہیں، اور سامان رسد ان کے پاس بخوبی موجود ہے، سب سے بڑی مشکل یہ ہوئی کہ پانی جب تک چھاؤنی کی پشت پر نہ جاؤ ملتا نہ تھا، اور سوائے یہاں کے اور کہیں پانی میسر نہ تھا، اور یہاں دشمن کا قبضہ تھا، غرض ترکوں کے لئے اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ تیمور پر حملہ کریں۔

صبح دس بجے جب کہ دھوپ تیز ہو چکی تھی ترک بڑی دلیری اور ہمت سے آگے بڑھے، اور یہ جلادت و شجاعت ان کی وہی تھی جس نے بسا اوقات ان کو دنیا میں ناقابل تسخیر ٹھہرایا تھا، جانبین کی فوجیں جو ایک دوسرے کے مقابل آئیں، ان کی صفیں طول میں پندرہ میل میدان میں آراستہ تھیں، تاتاریوں کی فوج کا ایک بازو دریا کے کنارے تھا اور دوسرا اتنی دور تھا کہ نظر نہ آ سکتا تھا، مگر یہ بازو ایک بلندی (تل)[2] پر ختم ہوتا تھا جس کے گرد ایک

[1] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۲۰۔

[2] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۳۵۔

حصار تھا، مؤرخ لکھتا ہے کہ ترک کوس و طبل اور سنج بجاتے ہوئے آگے بڑھے تھے، اور تاتاری فوجیں بالکل خاموش اپنی جگہ کھڑی تھیں۔

تیمور اخیر وقت تک گھوڑے پر سوار نہ ہوا، کل لڑائی اس کے امراء کی سپرد تھی، خود تیمور کے ساتھ سواروں کے چالیس دستوں سے زیادہ نہ تھے، پیدل فوج رسالوں کے پیچھے تھی، قول یعنی قلب لشکر کی فوجوں پر تیمور کا پوتا امیر زادہ محمد سلطان افسر تھا اس کے پاس سمرقند کی فوجیں اور اسّی قشوں مع ان کے افسروں کے تھے، ان فوجوں میں زیادہ تر لوگ مشرقی اور وسطی ایشیا کے تھے، ہاتھیوں کے غول بھی ساتھ تھے، ان کے جسیم خود ان کی موٹی کھالیں تھیں جن پر طرح طرح کے رنگوں میں نقش و نگار بنے تھے ان جسیم جانوروں سے حربی فوائد اتنے متصور نہ تھے جس قدر کہ اخلاقی اثر پہنچانا مقصود تھا۔[1]

بایزید کے فرزند سلیمان نے جس قدر اسپ سوار فوج اس کے ساتھ تھی اس سے تاتاریوں کے میمنہ (برنغار) پر جو قول سے دور تھا یلغار کیا، سلیمان خود اس رسالے کے آگے تھا، جس میں ایشیائے کوچک کے سوار تھے، تاتاریوں نے اس دھاوے کا جواب تیروں اور نفط سے کیا، ترکوں کے ہزارہا گھوڑے اور پیدل سپاہی خاک اور دھوئیں میں تیروں سے زخمی اور نفط سے جل کر زمین پر گرنے لگے۔

ترکوں میں ابتری پڑی ہی تھی کہ تاتاریوں کے برنغار کی فوج اوّل نے ترکوں پر دھاوا کیا، اور برنغار کی باقی فوجوں کو امیر نور الدین جو تیمور کے قابل ترین امیروں میں تھا ساتھ لے کر ترکوں پر بڑھا۔

تاتاریوں نے پہلے ہی ہلّے میں ترکوں کا بڑھنا روک کر اپنا حملہ شروع کیا، امیر نور الدین نے سلیمان پسر بایزید کی فوجوں کو ایسا بے ترتیب کر دیا کہ اُن میں سے بعض فوجیں میدان سے ہٹ گئیں، بایزید نے ایشیائے کوچک کے متوطن تاتاریوں کی بھی ایک فوج تیار کی تھی لیکن لڑائی کے وقت جب اس فوج کے لوگوں نے دیکھا کہ انہی کے قبیلوں

[1] وچند زنجیر پیل شکوہ مند کوہ مانند کہ از بقیہ غنائم ہندوستان بہ اردوئے ظفر مکان بودند ہمہ را جیم انداختہ وہ باسباب جنگ مکمل ساختہ و بر بالائے ہر یکے کمانداران حکم انداز و نفط اندازان آتش بار جنگ را آمادہ گشتہ مقدم بر صفوف عساکر گردوں مآثر بترتیب باز داشتند"۔ ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۲۶۔

کے سردار تیمور کی فوج میں موجود ہیں اور ترکوں میں اب انتشار پیدا ہو چلا ہے تو انہوں نے اس موقع کو بہتر سمجھ کر ترکوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔

تاتاری لشکر کے برنغار سے تو امیر نورالدین نے بڑھ کر ترکوں کا کام تمام کیا ہی تھا، اب تاتاری جرنغار سے اسپ سوار فوج تین صفوں میں آراستہ ترکوں کی طرف بڑھی اس نے ترکی سپاہ کے دستوں کو جو میدان میں متفرق طور پر جمے تھے، پراگندہ کیا اور ترکوں کی سوار فوج کو جس کے گھوڑے اچھے نہ تھے مغلوب کر لیا، تاتاری رسالے ترکوں کے رسالوں کو مارتے مارتے اتنی دور نکل گئے کہ تیمور اب ان کو دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔

یہ موقع تھا کہ امیر زادہ محمد سلطان جو قول کی سرداری پر تھا گھوڑا دوڑاتا ہوا دادا کے پاس آیا، گھوڑے سے اتر دو زانو ہو عرض کیا کہ بایزید کی پیادہ فوج پر جو بکثرت میدان میں موجود ہے یکلخت حملہ کرنے کی اجازت دیجائے، تیمور نے اس کی اجازت نہیں دی۔

بلکہ محمد سلطان کو حکم دیا[1] کہ سمرقند کے قشونوں اور بہادروں کی ایک جماعت کو جو تاتاریوں میں نہایت دلاور مشہور تھی ساتھ لے کر لشکر کے جرنغار کو کمک پہنچائے جس کے رسالے دشمن پر حملہ کرتے ہوئے دور نکل گئے ہیں۔

اتنا سنتے ہی اس بڈھے فاتح کے چہیتے پوتے نے اپنا سرخ علم بلند کیا اور تیمور کے بہترین دلاوروں کو ساتھ لے کر میدان میں گھوڑے ہوا کر دیئے، اور فوراً تاتاری جرنغار پر کمک پہنچائی جہاں لڑائی بڑے زور کی ہو رہی تھی، یہاں ترکوں کی طرف سے ایک سمت سرب کے عیسائی سوار سر سے پاؤں تک لوہے اور فولاد میں غرق پہاڑ کی طرح بے حس و حرکت کھڑے تھے، تاتاری ان پر حملہ کرتے تھے اور وہ فولادی لباس پہنے جان بچانے کی کشمکش میں تھے[2]، پہاڑی پر ہر جگہ یورپ کی قوی ہیکل پیدل فوجیں پھیلی ہوئی تھیں، اسی

---

[1] ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۴۳۱، ۴۳۲۔

[2] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۳۲۔ ''دِلاوران افرنج نیز در مقابلہ دست تہور بمدافعہ و مقاتلہ برکشادہ کوششہاے مردانہ میمودند چند نوبت از طرفین غلبہ کردہ یکدیگر را براندند و آخر الامر ظفر پیشگاہ لشکر منصور غالب آمدہ دمار از روزگار پسر برلاس افرنجی (یعنی پیٹر لازرس باشاہ سرویہ) و سپاہ او کہ برنغار لشکر مخالف بشکوہ ایشان آراستہ بود برآوردند و پیادہ بسیار در زیر دست و پائے اسپان لگدکوب بلاشدہ عرضہ فنا گشتند''۔

معرکہ میں سرب کا بادشاہ پیٹر لازرس مارا گیا اور امیر زادہ محمد سلطان کو بھی ایسا زخم پہنچا کہ گھوڑے سے اتر پڑا، بہرکیف بایزید خان کے برنغار کا تاتاریوں نے قلع قمع کر دیا۔

اب بایزید اپنی کثیر پیدل فوج کے ساتھ تنہا رہ گیا، اس فوج کے لئے کہیں خندقیں پناہ لینے کے لئے موجود نہ تھیں، تاتاری سواروں نے دائیں بائیں ہر طرف سے ترکی پیدلوں پر حملہ شروع کیا، تیمور نے اس وقت تاتاری لشکر کے قول کی سرداری خود اختیار کر لی، اور بایزید کی پیدل فوجوں کی طرف چلا۔

عثمانی ترکوں کی سب سے زیادہ بہادر اور شاندار فوج نے جس کا نام ینگ چری تھا اب تک ایک ہاتھ بھی تلوار کا نہ چلایا تھا، کیونکہ یہ پہلے ہی سے ایک جگہ ایسی معرض ہلاکت میں کھڑی تھی کہ وہاں سے زندہ بچ کر نکلنے کی قطعی اُمید نہ تھی، سلطان بایزید بھی دل میں کہہ رہا تھا کہ ایشیا کے اس زبردست شطرنج باز کی چالوں کا جواب دینا ممکن نہیں، ترکی فوجیں جو پیچھے تھیں یہ دیکھ کر کہ ابھی راہ فرار کھلی ہے میدان سے بھاگیں، باقی فوجیں تاتاریوں کی یلغار سے عاجز ہو کر دور جہاں جگہ ملی جا کھڑی ہوئیں، تاتاریوں کے ہاتھی بھی ترکی فوجوں میں سے گزرے ان دیو صورت جانوروں کی پشت پر برجوں کی شکل کے ہودرج میں نفط انداز بیٹھے ترکوں پر آگ برساتے تھے، اور اس جلتے میدان میں خاک کے بادل اٹھ رہے تھے اور شور سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے، خستہ و کوفتہ ترک اپنی جانیں دے رہے تھے، بہت سے ایسے تھے کہ بھاگتے بھاگتے بیہوش ہو کر گرتے تھے اور مر جاتے تھے۔[1]

سلطان بایزید ایک ہزار فوج ینگ چری کے ساتھ ایک پہاڑی پر تاتاریوں سے تیسرے پہر تک لڑتا رہا، ہاتھ میں تبر تھا اور اپنے دلاوروں کو ساتھ لئے دشمن سے مقابلہ کرتا تھا، فوج ینگ چری کا یہ حال تھا کہ جس طرح واٹرلو کی لڑائی میں نپولین کے بہادر جنھیں ''اولڈ گارڈ'' کہا جاتا تھا اپنی جگہ سے اس وقت بھی نہ ہلے تھے جب کہ تمام فرانسیسی لشکر نے فراریوں کے ایک انبوہ کی شکل اختیار کر لی تھی، اسی طرح بایزید کی یہ فوج خاصہ بھی جہاں تھی وہیں کٹ کر مر گئی نہ قدم کو جنبش ہوئی اور نہ ہاتھ سے تلوار چھوٹی۔

---

[1] وامیر شیخ نورالدین و امیر برندق داد مردی و مردانگی دادہ پیادگان میسرہ مخالف را از بالائے کوہ بہ نشیب خطر واندوہ راندند...............''ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۳۳۔

جب شام ہوگئی تو بایزید گھوڑے پر سوار چند بہادروں کو ساتھ لئے اس کوشش میں ہوا کہ تاتاریوں کی فوجوں میں سے رستہ کاٹ کر لڑتا ہوا میدان سے نکل جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا مگر تاتاریوں نے تعاقب کیا، سلطان کے ہمراہیوں کو تیروں سے ہلاک کیا، بایزید کے گھوڑے کے بھی ایک تیر ایسا لگا کہ وہ گر گیا، تاتاریوں نے فوراً دوڑ کر سلطان بایزید کو گرفتار کرلیا، اور اس کی مشکیں کس کر تیمور کے خیمے میں لائے۔

قصہ مشہور ہے کہ تیمور اس وقت اپنے سراپردہ میں بیٹھا امیرزادہ شاہ رخ سے شطرنج کھیل رہا تھا جس وقت اس نے بایزید کو دیکھا کہ مصیبت میں بھی چہرے پر ایک شان برستی ہے تو اٹھا اور دروازے تک آیا، اس وقت تیمور کے چہرے پر کسی قدر تبسم تھا۔

بایزید سے شجاعت اور تمکنت رخصت نہیں ہوئی تھی، چلا کر کہا "جو خدا کا مارا ہو اس پر ہنسنا اچھا نہیں"۔

تیمور نے آہستگی سے جواب دیا، میں اس بات پر ہنستا تھا کہ اس کارساز بے ہمتا کی کارسازی کو دیکھو جس نے اس دنیا کی حکومت کس کو دی ہے؟ ایک مجھ جیسے لنگڑے کو اور دوسرے تم جیسے اندھے[1] کو" اس کے بعد تیمور نے بہت متانت سے کہا "سب جانتے ہیں کہ اگر تم غالب ہوتے تو میرا اور میرے ساتھیوں کا کیا درجہ کرتے"۔ [2]

سلطان بایزید نے اس کا کچھ جواب نہ دیا، تیمور نے فوراً حکم دیا کہ بایزید کی مشکیں کھول دی جائیں اور پھر تیمور نے بایزید کو مسند پر اپنے پہلو میں بٹھایا[3]، مگر اس مسن فاتح کو یہی منظور ہوا کہ ترکوں کے اس سلطان معظم کو اپنی نظر بندی میں رکھے مگر اس کے

---

[1] سلطان بایزید کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی۔ (مترجم)

[2] "با این ہمہ ہمگنان را معلوم است کہ اگر حال برعکس بودے و این قدرت و استیلاء کہ حضرت عزت مرا ارزانی داشتہ ترا دست دادہ بودے بر من و لشکر میں این زمان چہا گذشتے اما بشکرانہ نصرت و فیروزی کہ از عنایت و رحمت حق مرا روزی شدہ در بارہ تو مردم تو جز نکوئی نہ خواہم کرد خاطر، آسودہ دار" ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۳۹۔

[3] "چوں اولیائے دولت قیصر روم را دست بستہ ہنگام خفتن بدرگاہ عالم پناہ آوردن و چون بغیر ملاقی استعسار ریافت مورد اور را بہ اعزاز و اکرام تلقی فرمودہ نزدیک خود بہ نشاند"۔ ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۳۸۔

ساتھ ہمیشہ اخلاق سے پیش آیا،[1] بایزید نے تیمور سے درخواست کی کہ اس کے دو بیٹوں (موسیٰ اور مصطفیٰ) کو تلاش کرایا جائے، تیمور نے فوراً تواچیوں کو تلاش کا حکم دیا، دو میں سے صرف ایک یعنی موسیٰ ملا جسے تیمور کے سامنے حاضر کر دیا گیا، حضرت صاحبقران نے اُسے خلعت دیا اور باپ کے پاس بھیج دیا[2]، سلطان بایزید کے دوسرے لڑکے مصطفیٰ کا پتہ نہ چلا، بعد کو معلوم ہوا کہ وہ لڑائی میں مارا گیا تھا، بایزید کے باقی جس قدر فرزند لڑائی میں شریک ہوئے تھے، میدان جنگ سے فرار ہو چکے تھے۔

تیمور کی فوجیں بقیہ ترکوں کے تعاقب میں ہر طرف دوڑتی ہوئی سمندر تک گئیں، جب امیر شیخ نورالدین نے بروصہ فتح کرلیا جو عثمانی ترکوں کا دارالسلطنت تھا تو اس نے سلطان بایزید کے اموال اور خزائن اور اس کی کنیزوں کو جو تعداد اور حسن دونوں میں بڑا درجہ رکھتی تھیں امیر تیمور کی خدمت میں بھیجا، تیمور کا مؤرخ لکھتا ہے کہ یہ کنیزیں رقص و سرود میں یکتائے وقت تھیں اور اب جس وقت تاتاری بارگاہ امیر میں تمام اطراف سے مال غنیمت لے کر حاضر ہوئے اور جشن و طوئی کا سامان ہوا تو اس سامان میں یورپ کی شرابیں اور یورپ کی عورتیں بھی تھیں۔

اس جشن فتح میں بایزید ایلدرم بھی بلایا گیا، مجبوراً شریک ہونا پڑا، تیمور نے اسے اپنے قریب بٹھایا اور حکم دیا کہ سلطان کا لباس قیصری جو بروصہ کے مال غنیمت میں آیا ہے

---

[1] یہ مشہور قصہ کہ بایزید کو تیمور نے ایک لوہے کے پنجرے میں بند کر دیا تھا اور ایک وحشی جانور کی طرح اسے تمام لشکر میں گشت کرایا تھا شاعر مالو نے اپنے افسانے میں بیان کیا ہے، اس افسانہ کا نام "تمرلنگ اعظم" ہے، اس قصہ کی ابتدا ابن عرب شاہ کے بیان سے ہوئی ہے جو تیمور کے عہد نویس مؤرخوں میں تھا، اس نے صرف اتنا لکھا تھا کہ "ابن عثمان صیاد کے پھندے میں پھنس گیا، اور ایک طائر کی طرح قفس میں بند ہوگیا"۔ ہربرٹ ایڈمزگبن نے اس کی شرح یہ کی کہ جس قفس میں بایزید بند کیا گیا تھا غالباً وہ سلاخوں والی کوئی گاڑی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ گرفتاری کے تھوڑے ہی دنوں بعد بایزید بیمار ہوگیا تھا، اس حالت میں ممکن ہے کہ اسے محفہ میں بٹھانا پڑا ہو، بایزید جب بیمار ہوا تو تیمور نے اپنے خاص طبیبوں کو اس کے معالجے کے لئے بھیجا، اور بہت لطف اور مکرمت کے ساتھ اس سے پیش آتا رہا، اتنا ضرور ہوا کہ جب اس فتح کی خوشی میں جشن کیا تو بایزید کو بھی اس میں شریک ہونے پر مجبور کیا۔ (مصنف)

[2] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۴۰۔

حاضر کیا جائے لباس حاضر کیا گیا، بایزید نے بادل ناخواستہ تاج مرصع اپنے سر پر اور عصائے زرنگار جو اس کی فتوحات کا نشان تھا اپنے سامنے رکھا۔

جب لباس قیصری پہن چکا تو اب خود اُسی کے توشہ خانہ کی شرابیں جنھیں وہ پیا کرتا تھا اس کے سامنے لائی گئیں لیکن ایلدرم نے ایک قطرہ بھی ان کا نہ پیا اور دیکھتا رہا کہ اسی کے حرم کی کنیزیں بے نقاب ہو کر نئے فاتحوں کو مسرور و محظوظ کر رہی ہیں۔ [1]

انہی حسین عورتوں میں ایک طرف اس نے اپنی چاہتی بیوی دسپینہ کو بھی دیکھا جو بادشاہ سرب کی بہن تھی، یہ بادشاہِ سرب (پٹیر لازرس) اسی جنگ میں کام آ چکا تھا، اس وقت زندہ نہ تھا، دسپینہ عیسائی تھی اور بایزید اس کو اس قدر چاہتا تھا کہ مسلمان ہونے پر اُسے مجبور نہ کر سکتا تھا۔ [2]

بایزید ایلدرم اس جشن میں بالکل ساکت اور خاموش بیٹھا رہا، عود کے بخور میں سے اُن مہ جبینوں کو دیکھتا تھا جو کبھی اس کا پہلو گرم کیا کرتی تھیں، یہ وہ عورتیں تھیں جنہیں کنیزان جنگ میں سے خاص طور پر اپنے عیش و نشاط کے لئے اس نے منتخب کیا تھا، ان میں

---

[1] یہ تخصیص کہ خاص ایلدرم کی کنیزیں فاتحوں کو مسرور کرتی تھیں پڑھنے میں نہیں آئی، ظفر نامہ کی عبارت یہ ہے۔ ''ساقیان ماہ رخسار شیرین گفتار بادہائے تلخ خوشگوار دادہ و معنیان خوش آواز نغمہ پرداز زمان بہجت و اہتزاز بہ ادائے این سرود بر کشادہ..................'' ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۵۰، اس کے بعد بھی ایک مجلس انس منعقد ہوئی تھی جس کے حالات اسی جلد میں صفحات ۴۵۹ اور ۴۶۰ پر بیان ہوئے ہیں۔ (مترجم)

[2] ''و مکرمت حضرت صاحبقران زن ایلدرم بایزید دستینہ دختر برلاس افرانجی با دختر و سائر متعلقانش پیش شوہر فرستاد، و از میامن اخلاق خرد دین پرور آن عورت کہ تا غایت درخانہ قیصر بکفر گذرانیدہ بود بشرف اسلام استسعاد فت'' ظفر نامہ جلد دوم ۴۵۸۔ (ظفر نامہ میں دسپینہ کو دستینہ اور پٹیر لازرس بادشاہ سرویا کو پسر برلاس افرنجی لکھا ہے، دسپینہ پٹیر لازرس کی بہن تھی، دختر لکھنا غلطی ہے، ظفر نامہ کی جلد دوم صفحہ ۴۵۲ پر بیان ہوا ہے کہ ایلدرم کی بیوی اور دو بیٹوں کو بروصہ سے قریب ایک موضع میں جس کا نام نیکی شہر تھا امیر نور الدین نے گرفتار کر کے تیمور کے پاس بھیج دیا تھا، جس دختر کا اوپر کی عبارت میں ذکر ہے غالباً وہ انہی دو لڑکیوں میں ہوگی، انہی میں سے ایک سے امیرزادہ ابوبکر نے حضرت صاحبقران سے اجازت لیکر عقد نکاح کیا تھا دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۵۶) یہ خیال کہ دسپینہ جو بایزید کی بیوی تھی کنیزوں اور لونڈیوں میں بیٹھی تھی لغو ہے، بایزید کو تیمور نے اپنے قریب بٹھایا تھا یہ کس طرح ممکن تھا کہ اس کی بیوی کو وہ گانے بجانے والی عورتوں میں بٹھاتا، مصنف کو ایشیائی عورتوں اور مردوں کی مجلسوں کا حال معلوم نہیں ہے، یورپ کے رنگ پر لکھ رہا ہے۔ (مترجم)

بعض مہوشانِ ارمن تھیں جن کی زلفیں سیاہ تھیں، بعض حسینانِ چرکس تھیں جن کے بال زرتار کے لچھے معلوم ہوتے تھے، روس کی فربہ مگر ملیح صورتیں اور یونان کی آہو چشم پریاں بھی انہی میں تھیں سوائے اس موقع کے انہوں نے کبھی حرم سے باہر قدم نہ نکالا تھا۔

ایشیا کے تاجدار اس وقت بایزید کا حال دیکھ رہے تھے، کسی کو تعجب تھا کوئی ہنستا اور دل میں خوش ہوتا تھا، کوئی بایزید کا باوجود اس حال زار کے بھی روادار نہ تھا، مقتضائے فطرت تھا کہ اس وقت بایزید کو اپنے وہ خطوط یاد آتے ہوں جو ایک سال پہلے اس نے امیر تیمور کو لکھے تھے، اس خیال سے غصہ اور رنج سے دل پھکا ہو جاتا ہوگا مگر ضبط و پندار اس غصے اور رنج کو ظاہر نہ ہونے دیتا ہوگا، اس جشن و ضیافت میں بایزید دسترخوان پر بیٹھا مگر ایک لقمہ تک اٹھا کر نہ کھایا۔ [1]

کیا تیمور اس وقت تجاہل عارفانہ کر رہا تھا، شاید معزول قیصر کو قیصری لباس میں دیکھ کر محض حیرت کرتا ہو، کیا واقعی تیمور اس خیال میں تھا کہ اس وقت اس معزز قیدی کی وہ فی الواقع عزت افزائی کر رہا ہے، یا یہ کہ یہ جشن و ضیافت محض اس نیت سے ہے کہ بایزید کی تحقیر و تذلیل کی جائے، **واقعہ حقیقت میں کیا تھا** اس کا حال کسی کو نہیں معلوم، خود بایزید کی حالت بھی اس وقت ایسی نہ تھی کہ جو کچھ پیش آ رہا تھا اس کی کچھ پرواہ کرتا، روم اور توران کے مطرب و مغنی فتح کے شادیانے گا رہے تھے، مگر بایزید ایلدرم کے کانوں میں ابھی تک لڑائی کے نقارے اور نفیر اور برغو کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

اس پر بھی عصائے زرنگار کی گرفت بایزید کے ہاتھ میں مضبوط تھی، گو اس کے بھاری جسم پر تکلیف اور غصہ سے ایک رعشہ تھا، لیکن جس وقت تیمور نے اپنی خلوت میں بایزید کی گانے والیوں کو بلا کر فرمائش کی کہ ترکوں کی عاشقانہ چیزیں سناؤ تو بایزید کو ضبط نہ رہا، اٹھ کر دروازے کی طرف چلا۔

حاضرین مجلس نے اُسے روکا نہیں، دو تاتاری امیر فوراً دوڑے اور اس کے بازوؤں کو سہارا دیتے ہوئے چلے، اس طرح بایزید سر نیچا کئے اس مجلسِ انس سے رخصت ہوا۔

---

[1] لیکن مولانا شرف الدین علی یزدی لکھتے ہیں کہ حضرت صاحبقران بایزید کو جشن اور ضیافت میں اس لئے مدعو کیا کرتے تھے کہ بایزید نے جہاں امیر کا قہر و عتاب دیکھا تھا وہاں اس کی مہربانیاں اور نوازشیں بھی دیکھ لے، دیکھو ظفر نامہ صفحہ ۴۵۸۔

کچھ دنوں بعد تیمور نے حکم دیا کہ دسپینہ بایزید کے پاس اس اطلاع کے ساتھ بھیجی جائے کہ ہم ایلدرم بایزید کو اس کی چاہیتی بیوی واپس کرتے ہیں۔[1]

غرض اس طرح ایلدرم گرجتا بادل اٹھا اور محو ہو گیا، عیش و عشرت کی زندگی اور اس لڑائی کی بلائے بے درماں نے اس کی طاقت سلب کر لی تھی، غرور ٹوٹ چکا تھا، چند ماہ کے بعد انتقال کیا۔[2]

---

[1] اس اطلاع کا ذکر میں نے کہیں نہیں پڑھا اور نہ کہیں یہ بات پڑھنے میں آئی کہ ایلدرم نے اپنے کسی خط میں تیمور کی چاہیتی بیوی کو بے عزت کرنے کا قصد ظاہر کیا تھا جس کے جواب میں اب تیمور ایک طنز آمیز جملے کے ساتھ دسپینہ کو واپس کرتا۔ (مترجم)

[2] پنجشنبہ کے دن چودھویں شعبان ۸۰۵ ہجری کو بایزید کا آق شہر (ایشیائے کوچک) میں مرض ضیق النفس اور خناق میں انتقال ہوا، دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۸۹۔

باب ۳۰

تیمور یورپ کے دروازے پر

تاتاریوں سے ایک ہی جنگ میں ترک ایسے منہزم ہوئے کہ پھر لڑنے کا دم نہ رہا، عثمانی ترکوں کا دار السلطنت انکوریہ تیمور نے فتح کر لیا، بروصہ (برسا) اور نیقیہ (ازنیق) کو تاتاریوں نے یکلخت حملہ کر کے تسخیر کیا اور ترک بھاگ بھاگ کر جزیرہ نمائے ایشیا کے ساحلوں پر ہر سمت میں جمع ہونے لگے، کشتیاں جیسی کچھ ملیں خواہ ماہی گیروں کی ہوئیں خواہ امیروں کی سیر و تفریح کی اُن میں سوار ہو کر ساحل پر چل کر جزیروں میں اُتر گئے، اہل یونان اور اہل جنیوا میں جو لوگ جہازوں کے مالک تھے انہوں نے سلطان بایزید کی فوجوں کو ایشیا کے ساحل سے یورپ پہنچا دیا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے ترکوں کو جو اُن پر تشدد کیا کرتے تھے کیوں خطرے سے نکال کر امن کی جگہ پہنچا دیا، اس سوال کا جواب معلوم نہیں، غالباً ترکوں نے عیسائیوں کو جہازوں کا کرایہ دیا ہوگا، یا ممکن ہے کہ یونانیوں نے اسی میں سیاسی مصلحت دیکھی ہو کہ جو قوم صاحب شوکت ہیں ان کو اپنے اوپر مہربان رکھنا چاہیے، یونانیوں کے گماشتوں نے تیمور سے بھی روپے اور جہازوں سے مدد دینے کا وعدہ اس شرط سے کیا تھا کہ تیمور سلطان بایزید سے اور آگے بڑھ کر لڑنے جائے، لیکن تیمور یونانیوں کی اس دوگونہ کارروائی سے ناراض ہو گیا بالخصوص اس وقت جبکہ انہوں نے تاتاری لشکر کو ترکوں کے تعاقب میں سمندر پار اپنے جہازوں میں بٹھا کر لے جانے سے انکار کیا۔

ایک مہینے میں یہ حالت ہو گئی کہ نہ کوئی مسلح ترک ایشیائے کوچک میں اور نہ کوئی تاتاری یورپ میں نظر آتا تھا، سمرقند کے سوار گھوڑے دوڑاتے ساحل تک آئے اور ادھر ہی

کے کنارے سے انہوں نے قسطنطنیہ کے چمکتے ہوئے سنہری برجوں کو دیکھا اور پھر جنوب کا رُخ کر کے پُرانے شہر ترجہ کے شکستہ آثار پر سے جو ہزارہا برس سے زمین میں دبے پڑے تھے گھوڑے دوڑاتے ہوئے گزر گئے یہی وہ قدیم شہر تھا جہاں کبھی ہیلن اپنا دربار کیا کرتی تھی، کچھ دنوں بعد ان تاتاریوں کو ازمیر (سمرنا) کا پتہ چل گیا، ازمیر عیسائی مجاہدانِ صلیب کا مرکز تھا، یہاں فرسانِ یوحنا کا مشہور قلعہ تھا اور یہ قلعہ اس درجہ مضبوط تھا کہ ایک زمانے میں سلطان بایزید نے چھ برس تک اس کا محاصرہ جاری رکھا تھا مگر اس پر بھی وہ فتح نہ ہوسکا تھا، یہ زمانہ جاڑے کا تھا، مینہ خوب برستے تھے، لیکن تیمور نے جب سنا کہ ازمیر میں نصرانیوں کا قلعہ ایسا ہے کہ بایزید سے چھ برس کے محاصرے میں بھی فتح نہ ہوسکا تھا تو خود اُسے دیکھنے گیا۔

قلعہ ازمیر سمندر کی ایک خلیج کے کنارے بلندی پر واقع تھا، تیمور کی فوجیں جس وقت[1] وہاں پہنچیں تو شنت یوحنا کے نصرانی شہسواروں نے قلعہ کو تاتاریوں کے حوالے کرنے سے انکار کیا تیمور نے محاصرہ شروع کر دیا، تاتاری فوجوں نے خلیج میں آ کر لکڑی کے بلند پیل پائے قائم کر کے اوران پر تختے پاٹ کر ایک پل سا بنا دیا جس پر تیر اندازوں اور نفط اندازوں نے بیٹھ کر قلعہ پر تیر اور نفط کے گولے برسائے، اور اسی پل کی آڑ میں دیواروں کے نیچے نقب چیوں نے اپنا کام شروع کیا[2]، خلیج کا دہانہ سمندر کی طرف تنگ تھا، تیمور نے حکم دیا کہ اس دہانے کو پتھروں کے انبار سے پاٹ دیا جائے تاکہ خلیج کی کشتیاں سمندر کی طرف نہ نکل سکیں اس خوف سے کہ کہیں خلیج سے جہازوں کا رستہ بند نہ ہو جائے یورپین عیسائیوں کے لئے دو ہفتے کافی[3] تھے کہ وہ سب کے سب قلعہ سے نیچے اتر کر

---

[1] روز شنبہ ششم جمادی الاوّل ۸۰۵ ہجری ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۷۲۔

[2] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۷۳۔

[3] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۷۷، ۴۷۸۔

از میر خراب گشت ازمیر تیمور موید جہان گیر
دآن قلعہ کہ ہیچ شاہ نفکند برکنگرہ اش کمند تسخیر
در جنگ ہفت سال قیصر نہ نشاد بران غبار تغیر
بگرفتن و کندنش زبنیاد این شہ بد و ہفتہ یافت میسر
این است کمال کا مگاری بازوے قوی و حسن تدبیر''

لڑتے بھڑتے خلیج کی طرف جائیں اور وہاں اپنے جہازوں میں بیٹھ جائیں، عیسائی جو جہازوں تک پہنچے ان کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی، شہر ازمیر کے مفتوح باشندے بھی چاہتے تھے کہ انہی جہازوں میں سوار ہو کر وہ بھی بھاگیں لیکن شنت یوحنا کے شہسواروں نے کبھی تلواروں سے اور کبھی کشتیوں کے چپو مار مار کر ان لوگوں کو جہازوں سے دور رکھا، دوسرے دن جزیرۂ رودس سے عیسائیوں کا ایک بیڑا آ گیا۔

جس وقت فرسانِ یوحنا کے جہاز ساحل کے سامنے سے گزرنے لگے، تاتاری اس وقت قلعہ ازمیر پر پہنچ چکے تھے، جہازوں کو دیکھتے ہی تاتاریوں نے اُن کی سلامی ایک عجب انداز سے اتاری، اور یہ اس طرح کہ عرّادوں اور منجنیقوں میں پتھروں کی جگہ صلیبی سپاہیوں کے کٹے ہوئے سر رکھ کر عیسائیوں کے جہازوں پر تاک تاک کر مارے[1] غرض عیسائیوں کے جہاز عیسائیوں کو لے کر چلے اور تاتاریوں نے بھی ازمیر سے کوچ کیا، دو اونچے اونچے منارے عیسائیوں کے کٹے ہوئے سروں کے بنا کر اپنی نشانی پیچھے چھوڑ گئے۔

ایشیائے کوچک کو جس وقت ترک خالی کرنے لگے تو قرایوسف اور سلطان احمد جلائر جو تاتاریوں کے خوف سے مدت کے بھاگے بھاگے پھرتے تھے مختلف راہیں اختیار کر کے اس ملک سے نکل گئے، بادشاہ بغداد سلطان احمد جلائر نے سلاطین مصر کے دربار میں پناہ لی اور قرایوسف عراقِ عرب چلا گیا، اس کے حق میں صحرائے عرب بمقابلہ شاہی درباروں کے زیادہ محفوظ مقام ثابت ہوا، تاتاریوں کی فوج کشی کا نشانہ اب مصر کا ملک ہونے والا تھا لیکن سلطانِ مصر نے فوراً اطاعت نامہ لکھ بھیجا اور خراج ادا کرنے کا وعدہ کیا، اور تیمور کے نام کا خطبہ مصر کی مسجدوں میں شروع کرا دیا اور سلطان احمد جلائر کو جو مصر میں پناہ لینے گیا تھا نظر بند کر دیا۔

یورپ کے بادشاہوں کا رنگ اس زمانے میں کچھ عجیب تھا بے حد متجسس اور حیرت زدہ تھے، دل میں خوش بھی تھے اور خوف بھی کچھ کم نہ رکھتے تھے، یورپ کی دہلیز پر

---

[1] ''اشارت علیہ صدور یافت کہ از سرہائے گبران کہ بہ تیغ از تن جدا شدہ چندے بکمان رعد سوائے کشتی انداز ندور عدانداز ان سرے چند بجانب ایشان انداختند............''
ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۷۷ (مترجم)

ایسے طوفانِ عظیم کے اٹھنے سے حواس باختہ بھی تھے اور حیرت سے حیرت اس پر کرتے تھے کہ جس ملک میں ترکوں کو حکومت کرتے ہوئے ایک صدی گزری تھی وہاں یہ نوبت ہوئی کہ مشرق سے ایک تاتاری فاتح آیا اور ان کے بادشاہ بایزید اور اُس کی فوجوں کا کہیں نام ونشان نہ رہا۔

انگلستان کے بادشاہ ہنری چہارم نے امیر تیمور کو بڑی بے تکلفی کی ادا میں مبارکباد دی۔ چارلس ششم بادشاہِ فرانس نے اسقفِ سلطانیہ یوحنا کو جو امیر تیمور کے پاس سے سفارت لایا تھا، فوراً دربار میں مدعو کیا اور اُسے بہت سے خطوط اور تحائف دے کر تیمور کے پاس واپس بھیجا۔

قیصر قسطنطنیہ مانیول جواب تک یورپ میں سرگرداں و پریشان پھر رہا تھا خوش ہوتا ہوا قسطنطنیہ واپس آیا اور ایک اطاعت نامہ مع وعدۂ خراج حضرت صاحبقران کی خدمت میں روانہ کیا، گذشتہ قیصرانِ اعظم کے اس تہی دست نام لیوا کو امیر تیمور گورگان ایسا سرپرست اور مربی ملا کہ یورپ کے بادشاہوں میں سے بھی کوئی بادشاہ نہ ملا تھا۔

لیکن یہ بات اسپین والوں کو نصیب ہوئی کہ امیر تیمور سے واقعی ارتباط پیدا کریں، تھوڑا زمانہ ہوا تھا کہ ہنری سوم بادشاہ قشتالیہ نے دو بڑے فوجی مبصروں کو مشرق کی طرف اس غرض سے روانہ کیا تھا کہ وہ ترکوں کی سیاسی تدبیروں اور ان کی قوت کا صحیح اندازہ کر کے اطلاع دیں، ان مبصروں میں ایک پیلایودی سوتومیور اور دوسرا فرنندو دی پلازیلوس تھا، یہ دونوں ایشیائے کوچک میں پھرتے پھراتے تیمور کے لشکر میں ٹھیک اس وقت پہنچے جب کہ تاتاری انکوریہ کی فتح میں مصروف تھے، یہ لڑائی انہوں نے بچشمِ خود دیکھی، امیر تیمور نے دونوں کو اپنے دربار میں بلایا، اور دو عیسائی عورتیں ان کو بطور تحفے کے عنایت کیں، یہ عورتیں بایزید کے اسیروں میں سے تھیں، مؤرخ نے ایک کا نام انجلینو لکھا ہے، یہ حسن میں مشہور تھی اور رئیس ہنگاریہ جون کی بیٹی تھی، دوسری عورت یونان کی رہنے والی تھی جس کا نام ماریہ (مریم) تھا ان اسپینی سفیروں کے ہمراہ تیمور نے اپنا ایک سفیر بھی قشتالیہ روانہ کیا۔

اس اخلاق ومکرمت کے بدلے میں شاہ قشتالیہ نے یہ کیا کہ جس وقت تاتاری سفیر کو رخصت کرنے لگا تو تعظیماً اپنے دربار کے تین سفیر تیمور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تاتاری سفیر کے ساتھ کر دیئے، ان اسپینی سفیروں میں سب کا سردار بڑا نیک

مرد ردی دی گونزالیزوی کلاویجو تھا۔

کلاویجو تاتاری سفیر اور اسپینی سفیروں کے ساتھ مئی ۱۴۰۳ء میں بندرگاہ شنت ماریۃ الغرب سے جہاز میں سوار ہوا، لیکن جب قسطنطنیہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ تاتاری اپنے ملک کو چلے گئے ہیں، کلاویجو اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق تاتاریوں کو ڈھونڈتا ہوا آگے چلا یہاں تک کہ سمرقند پہنچ گیا۔

تیمور نے یورپ میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی، آبنائے بوسفورس کو عبور کرنے کیلئے اس کے واسطے راستہ بند تھا، لیکن اگر چاہتا تو بحر اسود کے کنارے خشکی کا راستہ طے کر کے قسطنطنیہ پہنچ جاتا، چنانچہ چند سال ہوئے تھے کہ وہ خشکی کی راہ سے اسی طریقہ سے قرم (کرائمیا) تک گیا تھا، مگر اصلی سبب نہ جانے کا یہ ہوا کہ یورپ میں داخل ہونے کے لئے کوئی چیز ترغیب دینے والی نہ تھی۔ فوج کے لوگ سمرقند واپس جانا چاہتے تھے، اس کے علاوہ بایزید کے شہروں سے مال غنیمت بکثرت حاصل ہوا تھا، اس مال میں علاوہ اور بیش قیمت چیزوں کے شہر بروصہ کے چاندی کے کواڑ تھے جن پر سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کی تصویریں بنی تھیں، ماسوا ان کے بیزنطیہ کا کتب خانہ تھا جو پہلے بایزید کے ہاتھ لگا تھا اور اب ان سب چیزوں کو لے کر سمرقند جانا تیمور کے لئے ضرور تھا۔

کچھ زمانہ تک امیر تیمور سیاسی کاروبار میں مصروف رہا، خراج کی ادائی کا انتظام، ترکی صوبہ جات مفتوحہ میں نئے حاکموں اور والیوں کا تقرر، دول غیر کی سفارتوں کی سماعت وغیرہ انجام دیتا رہا، اس اثنا میں بایزید ایلدرم کا انتقال ہوگیا، تیمور اس وقت ایک دوسرے دور دراز ملک کو فتح کرنے کی فکر میں تھا۔

اسی زمانہ میں تیمور کو ایک ایسا صدمہ پہنچا جس کا پہلے سے گمان تک نہ تھا، تکلیف اور درد میں یہ صدمہ سب سے بڑھا ہوا تھا، امیر زادہ محمد سلطان کو انکوریہ میں جو زخم پہنچا تھا، اس کا اثر ابھی تک چلا جاتا تھا، چند شتر سوار ایک روز حاضر ہوئے اور تیمور سے عرض کیا کہ شہزادے کی حالت نازک ہے[1]۔ تیمور اتنا سنتے ہی پوتے کو دیکھنے فوراً چل پڑا، اور عربی

[1] ظفر نامہ جلد دوم ۳۸۸ صفحات ۴۹۰، ۴۹۱، دوشنبہ ۱۸ شعبان ۸۰۵ ہجری کو امیر زادہ محمد سلطان پسر جہانگیر تیمور کا ایک مقام پر جو ایشیائے کوچک میں قراحصار سے تین منزل تھا انتقال ہوا، ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۹۲۔

اطبائے حاذق کو شہزادے کے علاج کا حکم دیا، لیکن جب تیمور امیر زادہ محمد سلطان کے لشکر میں پہنچا تو مریض کی زبان بند ہو چکی تھی اور موت بالکل قریب تھی، یہ موقع تھا کہ تیمور نے کورگہ بجانے کا حکم اس غرض سے دیا کہ تمام فوجیں جمع ہو کر سمرقند کے قصد سے روانہ ہو جائیں۔

تیمور کے فرزندوں میں سے دو پہلے ہی ہمیشہ کو مفارقت کر چکے تھے، ان میں سب سے پہلے بڑے فرزند جہانگیر نے پھر عمر شیخ نے انتقال کیا تھا، میران شاہ دیوانہ اور نالائق ثابت ہو چکا تھا، غرض چار بیٹوں میں یہ سمجھئے کہ اب صرف ایک فرزند شاہ رُخ باقی تھا جو اس وقت میانہ عمری کے درجہ میں تھا، شاہ رُخ جنگ و پیکار کا زیادہ شائق نہ تھا، اس وقت تیمور جس کو سب سے زیادہ چاہتا تھا وہ یہی پوتا امیر زادہ محمد سلطان تھا جس کا اس زمانے میں انتقال ہوا اور جو بڑا دلیر اور شجاع تھا اور لشکر اس کی پرستش کیا کرتا تھا۔

اس نوجوان شہزادے نے اقبال و نصرت کی حالت میں دنیا کو خیر باد کہا، جنازہ تیار کیا گیا اور جن فوجوں کو یہ مرحوم سمرقند سے ساتھ لے کر آیا تھا، ہی فوجیں اب اپنے سردار کی لاش کو لے کر سمرقند چلیں، رنگین پرچموں کی جگہ اب سیاہ عَلَم فوج کے ساتھ تھے، مرحوم کی والدہ خانزادہ نے بیٹے کے جنازے پر ماتم کیا، اس کا تو تیمور نے زیادہ خیال نہ کیا لیکن جب مرحوم کے شیر خوار بچے سامنے لائے گئے تو سخت صدمہ ہوا[1] اور کئی دن تک اپنے خیمے میں تنہا رہا، باہر نہ نکلا۔

اس وقت امیر تیمور گورگان کو بھی جیسا کہ بڑھاپے میں ہر شخص محسوس کرتا ہے معلوم ہوا کہ دنیا میں اپنے سے بھی بڑھ کر کوئی قوت موجود ہے اور وہ قوت ایسی ہے جس نے اس کے بہترین کارگزاروں کو اس سے جدا کر دیا، تیمور کے شروع زمانے کے بڑے بڑے امراء آج اپنی قبروں میں بے خبر سو رہے تھے منصف مزاج اور عادل حاجی شیخ سیف الدین اور وفادار و جان نثار جاکو برلاس تو پہلے ہی گزر چکے تھے اب یہ امیر زادہ سلطان تیمور کے فرزند رشید جہانگیر کا لخت جگر بھی دادا سے ہمیشہ کو رخصت ہوا، اور وہ وفاکیش اور نمک حلال امیر

۱ دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۵۰۷۔

بھی جس کا نام آق بوغا تھا اور جسے خدمات کے صلہ میں ہرات کی حکومت دی گئی تھی باقی نہ تھا مگر اپنے فرزندوں کو شاہی لشکر میں شامل کر کے آقا کی خدمت کے لئے چھوڑ گیا تھا۔

اب ان پرانے عدم رفتہ رفیقوں کی جگہ نورالدین اور شاہ ملک تھے، لڑائی میں یہ بڑے درجے کے سردار تھے لیکن حالت امن میں ملکوں پر لیاقت سے حکومت کرنی نہ جانتے تھے ملّا اور مشائخ ارباب علم و دانش بھی بارگاہِ امیر میں دعاخوانی اور تعزیت کے لئے آئے[1]، تیمور پوتے کی لاش کے ہمراہ ان بزرگوں کی دعاؤں کو بھی ساتھ لیتا ہوا سمرقند روانہ ہوا۔ اب راتوں کو عجیب عجیب خواب دیکھنے سے تیمور کی نیند خراب ہونے لگی، اکثر خانانِ چنگیزی خواب میں نظر آتے تھے، یہ وہ لوگ تھے جو دشت شامود (گوبی) سے اپنے بڑے بڑے لشکر لے کر ملک خطا (چین) میں پہنچے تھے۔

جس زمانے میں بغداد[2] اور شہروں کو جنھیں غارت کیا تھا تیمور نے از سر نو تعمیر کرنے کا حکم دیا تو طبیعت کا حال اس وقت یہ ہو گیا تھا، کہ جس چیز کا خیال آ جاتا تھا پھر وہ ذہن سے نکلتا نہ تھا، چنانچہ جس وقت خراسان کی حکومت شاہ رُخ اور ہندوستان کی حکومت اپنے پوتے محمد سلطان کے بھائی کو تفویض کر چکا تو گوبی (دشت شامو) کا تصور بندھا اور وہ قصے یاد آئے جو کبھی شہر سبز سے نکل کر ہرن کے شکار میں سنے تھے۔

اور اب اس خیال کو ذہن میں پکا کر ایک نئی جنگ کا نقشہ دماغ سے پیدا کیا، اور دشتِ گوبی میں لشکر پہنچانے کا قصد مصمم کر لیا اور یہ عزم بھی کر لیا کہ گوبی میں لشکر لیجا کر اور دیوار چین سے پار ہو کر جو کسی زمانے میں ملک خطا کی حفاظت کے لئے بنائی گئی تھی ایک وسیع سلطنت پر قبضہ کرے گا،[3] اور فقط یہی ایک سلطنت دنیا کے پردے پر ایسی رہ گئی ہے جو اس کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

کسی سردار یا امیر پر اس قصد کو ظاہر نہ کیا، جاڑے کا زمانہ تھا اس لئے مجبور ہو کر جس قدر لشکر تبریز[4] کی چھاؤنی میں تھا اُسے وہیں رہنے دیا، لڑائیوں سے جو انتظام درہم

۱ ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۵۱۱۔
۲ دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۵۱۷۔
۳ ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۵۶۷۔۵۶۸
۴ دیکھو تعلیقہ نمبر ۱۲۔۱۳

برہم ہوا تھا ہوا تھا اس کی درستی کے لئے تبریز میں قیام کیا لیکن بہار کے آتے ہی جب زمین پر سبزہ نمودار ہونا شروع ہوا تو مشرق کی طرف سمرقند کے قصد سے مع لشکر اور امرائے دربار کے روانہ ہو گیا۔ [1]

اگست کے مہینے میں سمرقند آ کر باغِ دلکشا میں ٹھہرا، جامع مسجد جو نئی بن کر ختم ہوئی تھی اُسے دیکھنے گیا اور میر تعمیر پر ناراض ہوا کہ اندر کے دالانوں کو کیوں زیادہ وسیع نہیں کیا گیا۔[2] اُن وزیروں کے کام کو دیکھا جن کو اپنی عدم موجودگی میں حکومت کا کام سپرد کر گیا تھا کسی کو انعام دیا، کسی کو دار پر چڑھایا، حقیقت یہ ہے کہ دل کی وہ قوت حیرت انگیز ہو گی جس نے اس بڑھاپے کے جسم کو زندہ کر رکھا تھا، مرحوم امیرزادہ محمد سلطان کے لئے ایک مقبرہ تیار کرایا۔ عمارت سنگ رخام کی تھی اور اس پر گنبد سونے کا تھا[3]، اب ایک بار پھر حکم کا تازیانہ بلند ہوا اور تازیانے کے بلند ہوتے ہی ایک عالی شان محل اور باغ نمودار ہو گیا، اس محل کی عمارت میں سنگ سیاہ اور سنگ سفید کے ساتھ عاج اور آبنوس بھی کام میں لایا گیا، اور چھت چاندی کے ستونوں پر قائم کی تھی۔[4]

تیمور کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی کہ اب اس کا کیا وقت ہے، دو برس سے بصارت کم ہوتی جاتی تھی، آنکھوں کے پپوٹے ایسے گرے رہتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا سو رہا ہے، عمر اس وقت ایک کم ستر کی ہو چکی تھی اور یہ بھی جانتا تھا کہ اب خاتمہ قریب ہے۔

فرمان ہوا کہ دو ماہ تک جشن وطوی جاری رکھا جائے[5]، اور کوئی کسی سے یہ نہ پوچھے کہ یہ جشن کس تقریب میں کیا گیا ہے۔

اس جشن میں بیس مختلف سلطنتوں کے سفیر سمرقند میں حاضر ہوئے، ان میں مغلوں کے بھیجے ہوئے سفیر بھی تھے، یہ مغل اس زمانے میں ملکِ خطا سے نکال دیئے گئے

---

[1] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۵۹۰۔

[2] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۵۹۷۔

[3] ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۵۹۶۔۵۹۷۔

[4] اس باغ اور محل کی تعمیر کا حال ظفر نامہ کی جلد دوم کے صفحہ ۵۹۹ پر بیان ہوا ہے۔

[5] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۶۰۰ سے اس جشن وطوی اور شہزادوں کی شادیوں کے حالات شروع ہوتے ہیں۔

تھے، تیمور نے اُن کے سفیروں سے دیر تک باتیں کیں۔[1]

اتنا وقت بھی ملا کہ شاہ قشتالیہ کے سفیر ردی دی کلاویجو کو شرف حضوری بخشا جائے۔

کلاویجو سفارت لئے قسطنطنیہ سے سمرقند آیا تھا، اس ملاقات کا ذکر کلاویجو نے اس طرح کیا ہے۔

> ''دوشنبہ کے دن آٹھویں ستمبر کو سفیر[2] اس باغ سے باہر آئے جہاں وہ ٹھہرائے گئے تھے اور اب وہ شہر سمرقند کو چلے، جس وقت وہاں پہنچے تو گھوڑوں سے اُتر کر ایک قصر کے باغ میں داخل ہوئے، یہاں دو سرداران کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ جو تحائف تمہارے ساتھ ہوں وہ یہاں دیدو، پس سفیروں نے تحائف اُن سرداروں کے سپرد کئے، تا کہ وہ لوگ نہایت ادب سے تیمور کی حضور میں انہیں پیش کر دیں، سلطان (مصر) کے سفیروں نے بھی ایسا ہی کیا''۔

اس باغ کے دروازے کی عمارت بہت بلند اور عریض تھی، اور کاشی کاری سے آراستہ تھی، یہ کام نیلے اور سنہری رنگوں میں تھا، یہاں کثرت سے دربان موجود تھے، ہر ایک کے ہاتھ میں بلم تھا، سفیر آگے بڑھ کر اس مقام پر آئے جہاں چھ ہاتھی کھڑے تھے، ان کی پشت پر جنگی ہودج تھے اور ان میں آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد شاہی خدمتگاروں نے سفیروں کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اُن کو آگے بڑھایا، تاتاری سفیر جسے تیمور نے بادشاہ قشتالیہ کے پاس بھیجا تھا قشتالی سفیروں کے ساتھ تھا، اور تاتاری اپنے سفیر کو دیکھ کر ہنستے تھے کیونکہ وہ قشتالیہ کے لوگوں کا لباس پہنے تھا۔

''اب سفیروں کو ایک بڈھے سردار کے سامنے لائے جو پہلو کے ایک کمرہ میں

---

[1] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۵۹۸، ایلچیاں افرنج سمرقند جلد دوم صفحہ ۶۳۳ ایلچیاں افرنج رخصت کئے گئے۔

[2] کلاویجو اپنی نسبت اور اپنے ساتھیوں کی نسبت سفیر کا لفظ لکھتا ہے اور تیمور کو فقط امیر لکھتا ہے، یہاں جس سلطان کا نام اس نے بیان کیا ہے وہ سلطانِ مصر ہے، یہ عبارت کسی قدر خلاصہ کر کے لکھی گئی ہے اور کلیمنٹ مارکھم کے ترجمہ سے ماخوذ ہے جسے ہکلوٹ سوسائیٹی نے شائع کیا ہے۔ (مصنف)

بیٹھا تھا، سفیروں نے اسے بہت ادب سے سلام کیا، اس کے بعد یہ لوگ چند چھوٹے چھوٹے لڑکوں کے سامنے لائے گئے، یہ امیر تیمور کے پوتے نواسے تھے، یہاں سفیروں سے وہ خطوط مانگے گئے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے، لڑکے کئی تھے، ان میں سے ایک کو یہ خطوط دیئے گئے خطوں کو لے کر فوراً اندر امیر کے پاس گیا، امیر نے حکم دیا کہ سفیر سامنے بلائے جائیں"۔

"امیر ایک عالیشان محل کے دروازے کے سامنے دالان میں بیٹھا تھا نشست زمین پر تھی، سامنے ایک حوض میں فوارہ چھوٹ رہا تھا اور اس کا پانی بہت اونچا اڑتا تھا، امیر تیمور زرنگار مسند پر سرخ تکئے لگائے بیٹھا تھا، لباس ریشمی تھا، اور سر پر ایک سفید اونچی کلاہ تھی، اس کلاہ کے اوپر ایک چوڑا اور لمبا یاقوت نصب تھا، اور اس یاقوت کے گرد جواہرات جڑے تھے"۔

سفیروں نے امیر کو دیکھتے ہی بہت جھک کر سلام کیا، زمین پر گھٹنے ٹیکے اور سینہ پر ہاتھ رکھے، اس کے بعد اٹھ کر آگے بڑھے خدمت گار جو سفیروں کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اُن کو یہاں تک لائے تھے انہوں نے اب اپنے ہاتھ نکال لئے اور سفیروں کو آگے بڑھنے دیا۔ امیر کے دائیں بائیں شہزادے کھڑے تھے، ان میں سے نورالدین نے اب سفیروں کا ہاتھ پکڑا اور ان کو امیر کے قریب لے گیا تاکہ امیر ان کو اچھی طرح دیکھ سکے، کیونکہ ضعیفی کی وجہ سے بصارت خراب ہوگئی تھی۔

امیر نے سفیروں کی طرف اپنا ہاتھ دست بوسی کے لئے نہیں بڑھایا، لیکن اُس نے بادشاہ (قشتالیہ) کا مزاج پوچھا۔ "کہو ہمارا فرزند بادشاہ قشتالیہ کیسا ہے، خوش و تندرست ہے"۔

تب وہ ان سرداروں کی طرف متوجہ ہوا جو اس کے قریب حاضر تھے ان میں سابق شہنشاہ تاتار توقتمش کا ایک بیٹا اور سابق خان سمرقند[1] کے کئی عزیز تھے، اُن کی طرف مخاطب

---

[1] سابق خان سمرقند سے مراد خانِ جتہ ہے جسے تیمور نے معزول کر دیا تھا، کلاویجو کو ایشیا کے حالات سے بہت کچھ صحیح واقفیت حاصل ہوگئی تھی، مغربی یورپ کا یہی ایک شخص ہے جو انیسویں صدی عیسوی سے پہلے سمرقند پہنچا تھا، اور انیسویں صدی کا زمانہ وہ ہے جب کہ بہت سے محل جنہیں تیمور نے اس خیال سے تعمیر کرایا تھا کہ وہ ابدالآباد تک سلامت رہیں گے موسم کی سختی اور زلزلوں سے شکستہ حال ہو گئے تھے۔ دیکھو تعلیقہ ۱۳، اور تعلیقہ ۱۴۔ (مصنف)

ہو کر کہا "دیکھو یہ ہمارے فرزند بادشاہ اسپین کے سفیر ہیں جو قوم افرنجہ میں سب سے بڑا بادشاہ ہے، اور دنیا کے دوسرے سرے پر رہتا ہے"۔

اتنا کہہ کر امیر نے اپنے پوتے کے ہاتھ سے خط لیا اور اُسے کھولا، اور کہا کہ ہم ابھی اس خط کو سننا چاہتے ہیں، اب سفیروں کو ایک کمرے میں لے گئے جو اس مقام سے جہاں امیر بیٹھا تھا دائیں ہاتھ کو تھا، شہزادے سفیروں کا بازو پکڑے انہیں اس کمرے تک لائے اور اس ایلچی کے بعد انہیں بٹھایا جسے شہنشاہِ خطا نے امیر کے پاس بھیجا تھا۔

جس وقت امیر نے دیکھا کہ افرنجہ کے سفیروں کو چین کے ایلچی کے بعد بٹھایا گیا ہے تو حکم دیا کہ ان کو چین کے ایلچی سے اوّل بٹھایا جائے کیونکہ یہ سفیر بادشاہ اسپین کے پاس سے آئے ہیں جو ہمارا فرزند اور دوست ہے اور خطا کا ایلچی ایسے شخص کے پاس سے آیا ہے جو چور ہے اور بُرا آدمی ہے"۔

باب ۳۱

برفیلی دُنیا

پیرانہ سال تاتاری فاتح امیر تیمور گورگان نے ایک شہر اپنے خیال کے موافق ہر اعتبار سے کامل تعمیر کر دیا اور یہ شہر ایسا تھا کہ چاہے اُسے چھاؤنی کہیے چاہے شہر چاہے باغ، اور اسی شہر میں اب اس نے بڑی شان اور اہتمام سے جشن اور ضیافتوں کے جلسے کیے اور ان دومہینوں میں جس وقت پاییز کا دھندلا آفتاب سمرقند کے نیلگوں پہاڑوں کے پیچھے چھپتا تھا تو تمام سمرقند ایک عالم جنات معلوم ہوتا تھا۔

کلاویجو کو تو سمرقند ایسا ہی معلوم ہوا، اُس نے مکانوں کے صحنوں کو پھولوں اور پھلوں سے بھرا دیکھا، راستوں کے کنارے عالیشان محل اور سڑکوں پر تخت رواں اور ہنڈولے جواہرات سے جگ مگ کرتے ادھر سے اُدھر جاتے نظر آئے، ہنڈولوں میں گانے والیاں اور ان کے ساتھ بانسریاں بجانے والے بھی ہوتے، اور کچھ شیر اور گوسپند بھی ہمراہ ہوتے، مگر یہ جانور نہ ہوتے تھے۔ سمرقند کے پوستین سازوں نے اپنا کمال دکھایا تھا، خوبصورت لڑکیوں کو جانوروں کے پوستین پہنا کر یہ تماشے نکالے تھے، ایک قصر میں کلاویجو کا گزر ہوا جس کی رفعت جامع مسجد کے میناروں سے بھی زیادہ تھی، مگر یہ قصر کپڑے کا تھا جسے سمرقند کے پارچہ بافوں اور خیمہ دوزوں نے تیار کیا تھا، کلاویجو نے ہاتھیوں کی لڑائی بھی یہیں دیکھی اور تاتاری شہزادوں کو ہندوستان اور دست شامو سے امیر تیمور کے لئے تحائف لئے ہوئے سمرقند میں حاضر ہوتے دیکھا۔

کلاویجو کہتا ہے کہ ان چیزوں کو کوئی شخص بغیر غور سے دیکھے اور ان کے قریب سے آہستہ گزرے بیان نہیں کر سکتا۔

اور اب یکا یک سفیر رخصت کئے گئے، جشن کا زمانہ بھی ختم ہوا۔ [1]

امیر تیمور نے شہزادگان اور امراء کی مجلس قورلتائی منعقد کی اور فرمایا کہ "ہم نے تمام ایشیاء کو سوائے چین (خطائی) کے فتح کر لیا ہے، ہم نے ایسے بڑے بڑے بادشاہوں کو سرنگوں کیا ہے کہ ہمارے کام دنیا میں ہمیشہ یادگار رہیں گے، تم نے بہت سی لڑائیوں میں ہمارا ساتھ دیا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمہیں فتح نہ ہوئی ہو، چین ہمارا شکار ہے، اس کو تسخیر کرنے کے لئے کسی بڑے زور اور قوت کی ضرورت نہیں بس اب تم سب ملک چین کو ہمارے ساتھ چلو"۔ [2]

تیمور نے حاضرین کے سامنے یہ تقریر کی ارادہ پختہ کیا اور عزم کی قوت سے بھاری آواز گونجنے لگی، یہ تیمور کی آخری لشکر کشی تھی، اور ایسی لشکر کشی تھی جس میں تیمور کا قصد تھا کہ اپنے بزرگوں کی مرز بوم اور دیوار چین سے گزرتا ہوا چین میں پہنچے، اور اب وہ لشکر اور لشکر کے امراء جنھیں لڑائیوں سے مہلت پائے ہوئے ابھی تین مہینے سے زیادہ نہ گذرے تھے یک زبان ہو کر بولے "رایات نصرت آیات بلند کئے جائیں"۔

سمرقند میں اس قدر لاؤ لشکر جمع ہوا کہ اس سے زیادہ کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی، دو لاکھ سپاہ مختلف قشونوں میں تقسیم ہو کر اُن چھاؤنیوں کی طرف حرکت میں آئی جو چین کی سڑک کے کنارے تھیں، جاڑا شروع تھا، "بام دنیا" (تاغ وبیش) پر برف باری کے بند ہونے کا انتظار کرنا ضروری تھا، مگر تیمور کو اتنا صبر کہاں تھا کہ جاڑا ختم کر کے موسم بہار کے آنے کا انتظار کرتا۔

لشکر کے میمنہ کو خلیل سلطان کے سپرد کر کے شمال کی طرف روانہ کیا اور لشکر کے قول کو جسے مرحوم امیر زادہ محمد سلطان اپنے ساتھ لیکر نکلا کرتا تھا تیمور خود لیکر چلا، فوجوں کے ساتھ گاڑیوں کی وہ کثرت تھی کہ لکڑی کا ایک پورا شہر حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا تھا، ان گاڑیوں میں رسد کا سامان تھا جو فوجوں کو اپنے ساتھ رکھنا ضروری تھا، اور تیمور کو ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا کہ سپاہ کیلئے کسی چیز کی کمی نہ ہو۔

---

۱ ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۶۳۳۔

۲ مقابلہ کرو ظفر نامہ جلد دوم کے صفحہ ۶۳۰ سے جہاں تیمور کی تقریر بیان ہوئی ہے۔ (مترجم)

لشکر نے سمرقند کا دریا یعنی آب زرافشان عبور کیا، تیمور گھوڑے پر سوار تھا، پہلو بدل کر شہر کی طرف دیکھا، مگر نظر اتنی نہ رہی تھی کہ اس کے برج و مینار نظر آتے۔

یہ نومبر کا مہینہ تھا اور جاڑا بہت زور پر تھا، جب سمرقند سے آگے ایک پہاڑی درے میں جس کا نام بعد میں ''بندامیر'' ہو گیا دوسری طرف نکلے تو برف گرنی شروع ہوئی، شمال کے ملکوں سے سرد ہوائیں اُٹھ کر میدانوں میں شدت سے تند و تیز چلنے لگیں جب گھرے کہر اور ابر غلیظ نے ہوا کو تاریک کیا تو فوجیں خیموں میں ٹھہر گئیں۔

جب پھر نکل کر آگے بڑھیں تو تمام دنیا برف سے سفید نظر آئی دریاؤں اور ندیوں کا پانی جم گیا تھا۔ سڑکوں پر برف کے تودے لگے تھے، آدمی اور گھوڑے سردی سے مرنے شروع ہوئے مگر تیمور کو کوئی چیز کیا واپس کر سکتی تھی۔

لیکن امیرزادہ خلیل سلطان نے برف سے محفوظ رہنے کے لئے تاشکنت[1] کے قریب اپنے لشکر کو پھونس کے مکانوں میں اتار دیا تھا، تیمور نے ان مکانوں میں بھی قیام کرنا پسند نہیں کیا اور کہہ دیا کہ ہم اترار تک سفر برابر جاری رکھیں گے اور اپنے پوتے خلیل سلطان سے کہا کہ جس وقت راستے صاف ہو جائیں تو وہ بھی اپنی سپاہ کو بڑے لشکر کے ساتھ اترار لے آئے، اترار تیمور کی سب سے زیادہ شمالی سرحد کا مشہور شہر اور قلعہ تھا۔

امیر تیمور کے ہمراہیوں کو اس سفر میں برف پر نمدے کے خیمے نصب کرنے اور برف کو کچل کر راستے ہموار کرنے پڑے تا کہ گاڑیاں اور اونٹوں کی قطاریں جو سفید زمین پر ایک سیاہ خط سا معلوم ہوتی تھی، آگے بڑھ سکیں، سیر دریا آج کل یخ بستہ تھا، تین گز دبیز برف اس کی سطح پر جمی تھی، اور اسی برف کی سطح سے تیمور اور اس کے ساتھ کے لشکر نے دریا عبور کیا۔

اور اب جاڑے نے اپنا پورا زور دکھایا، سردی بڑی بیرحمی سے ہر چیز کو غارت کئے دیتی تھی، برف باری، ژالہ باری، تیز ہواؤں اور بارش کی انتہا نہ رہی تھی، ترچھے سورج کی زرد روشنی یخ کی سطح پر چمکتی تھی، کئی سال ہوئے تھے کہ سیر اوردہ پر فوج کشی کے وقت بھی ایسی

---

[1] دیکھو لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی صفحات ۴۸۰۔۴۸۲، تاش کنت یا تاشکند کا نام بعد کو شاش ہوا، ایرانیوں نے اُسے چاچ کہا اس تاشکنت کے معنی پتھر کے شہر کے ہیں، اسی نام سے یہ شہر آج کل روسی ترکستان کا دارالحکومت ہے۔ (مترجم)

ہی برف سے سابقہ ہوا تھا، لیکن اُس مرتبہ یہ نہ ہوا تھا کہ سفر برابر جاری رکھا گیا ہو، بہر کیف دن میں رستہ صاف کرتے ہوئے چین کی شمالی شاہراہ پر اترار کی سمت میں راستہ طے کرنا صرف چند میل ممکن ہوتا تھا۔

تیمور کے رایت اور علم پہاڑی درّوں اور تاریک گھاٹیوں میں سے آہستہ آہستہ گزرے۔ یہ درّے اور گھاٹیاں غبار اور کہر کی وجہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں کے مقابلے میں اور بھی زیادہ زمین میں دھنسی نظر آتی تھیں، تمام لشکر آہستہ آہستہ جیسے کوئی بھاری بوجھ والا جانور سنبھل سنبھل کر قدم رکھتا ہو پہاڑوں اور غاروں میں سے نکل کر کھلے میدان میں آیا اور اب اترار کی شہر پناہ نظر آنے لگی، یہ مقام جاڑے سے پناہ لینے کا تھا۔

یہاں تیمور کچھ آرام لے سکتا تھا، ارادہ کیا کہ بہار کے شروع ہوتے ہی سردی میں ذرا سی تخفیف ہونے پر آگے بڑھے گا۔

اور اس حکم کے مطابق مارچ ۱۴۰۵ء کا آنا تھا کہ لشکر اٹھا اور چلا، پرچم اور پھریرے اڑنے لگے، کورگھ کی صدا بلند ہوئی، فوجوں نے میدان میں معائنہ کے لئے صفیں باندھیں، ہزارہ جات کے افسروں نے اپنے اپنے نقارچیوں کو جمع کیا کہ رات گزرنے پر نفیر و سنج بجا کر صبح کی سلامی اُتاریں، نفیر کی آواز بلند ہوئی، کوس اور نقارے گرجنے لگے، لاکھوں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بھی اس شور میں شامل تھی۔

یہ سلامی تو بے شک تھی مگر ان کی تھی جو دنیا سے چل بسے تھے، اترار میں تیمور کا انتقال ہو گیا، لشکر حکم کے مطابق شمال کی سڑک سے حرکت میں آیا شاہی علم کے سایہ میں خنگ اوغلن تیمور کا مرکب تیار کھڑا ہے، مگر کوئی اس پر سوار نہیں۔

تیمور حالت نزع میں ہے، اس وقت کی ایک جھلک اس کا مؤرخ اس طرح دکھاتا ہے کہ قلعہ اترار کی چوبی فصیلوں کے باہر امراء نوئینان اور افسران فوج ہر درجے اور مرتبے کے برف پر کھڑے ہیں، اندر قصر کے ایک کمرے میں سرائے ملک خانم مع اپنی خواصوں کے بیٹھی ہیں، انہوں نے سمرقند میں علالت کی خبر سنی تھی، بہت تیزی سے سفر کر کے اترار میں پہنچ گئی ہیں۔

جس کمرے میں تیمور صاحب فراش ہے اس کے باہر حفاظ اور موالی ختم قرآن

میں مشغول ہیں کئی ہفتے سے قرآن خوانی اور دعائیں مانگنے کا سلسلہ جاری ہے، مگر مشیت میں کس کو چارہ ہے، طبیب خاص (مولانا فضل اللہ تبریزی) جواب دے چکے ہیں، ''مرض علاج سے باہر ہے، وقت قریب ہے''۔

تیمور بستر پر دراز ہے، تکیے اِدھر اُدھر لگے ہیں، منہ پر جھریاں ہیں، سفید بالوں میں چہرہ کا رنگ زرد ہے، اس حال میں اپنے امراء کو وصیتیں کر رہا ہے کہ

''شجاعت و مردانگی کے ساتھ ہمیشہ تلوار کے قبضے پر ہاتھ رہے، آپس میں اتفاق و یکجہتی رکھنا، کیونکہ نااتفاقی میں تباہی ہے ملک خطا کی فوج کشی کو ملتوی نہ کرنا''۔

سرہانے انگیٹھیاں روشن ہیں اور آواز اتنی نحیف ہوگئی ہے کہ چہرے کے قریب کان لے جانے سے سنائی دیتی ہے، اسی حال میں کہا۔

''کپڑے نہ پھاڑنا، دیوانوں کی طرح نہ بھاگتے پھرنا، کیونکہ ایسی باتوں سے پریشانی اور بدنظمی پیدا ہوتی ہے''۔

امیر نورالدین اور شاہ ملک کو قریب بلایا اور کسی قدر زور سے کہا کہ

''جہانگیر کے فرزند پیر محمد کو میں اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں اُسے سمرقند میں رہنا ہوگا، تمام لشکر اور معاملات دیوانی پر اُسے پورے اختیارات ہوں گے، میرا حکم ہے کہ تم سب اپنی تمام عمر اس کی متابعت اور تائید میں صرف کرنا اُسے تمام دور دراز کے ممالک محروسہ اور سمرقند پر حکومت کرنی ہوگی، اگر تم نے اس کی مطاوعت نہ کی تو پھر اس کا نتیجہ تشویش و نزاع ہوگا''۔

اعاظم امراء میں سے ہر ایک نے قسم کھائی کہ وصیت کے مطابق اُن کا عمل ہوگا، اور عرض کیا کہ اپنے اور پوتوں کو بھی طلب فرمالیں تاکہ یہ احکام وہ بھی اپنے کانوں سے سنیں۔

اس جملے کو سنتے ہی برہمی اور اضطراب کی جو حالت تذبذب و تاخیر کے خیال سے طاری ہوا کرتی تھی وہی چہرے پر فوراً پیدا ہوئی اور کہا ''بس یہ آخری دربار ہے، خدا کو یونہی

منظور تھا''۔

اس کے تھوڑی دیر بعد اپنے ہی دل سے مخاطب ہو کر کہا''۔اس وقت اور کوئی تمنا بجز اس کے نہ تھی کہ شاہ رخ کو ایک مرتبہ اور دیکھ لیتا مگر یہ ناممکن ہے''۔

یہ ناممکن کا لفظ غالباً تمام عمر میں آج ہی پہلی دفعہ تیمور کی زبان پر آیا تھا، جس فولاد کی طبیعت نے زندگی کی راہ اس طرح طے کی ہو جیسے کوئی سنگلاخ زمین پر ہل چلاتا نکل جائے آج اس نے زندگی کے خاتمہ کو بھی بلا عذر و شکایت تسلیم کیا۔

(میاں شام دخفتن بروفق حدیث من کان اٰخر کلامہ لا الٰہ الّا اللّٰہ دخل الجنّہ

زبان ترجمان جان و جنان ساختہ کلمۂ توحید را چند نوبت ادا فرمود و روح را بداعی یاایّتھا النّفس المطمئنۃ ارجعیؔ الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃً تسلیم نمود، اِنّا لِلّٰہِ و اِنّآ اِلیہِ راجعون)[1]

حاضرین میں سے بعض امراء رونے لگے اور اندر سے عورتوں کے ماتم کی آواز آئی، اب ملّا اور مشائخ قرآن پڑھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

---

[1] ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۶۶۱ ـ شب چہارشنبہ ۱۷ شعبان سن ۸۰۷ ہجری کو تیمور کا انتقال شہر اترار میں ہوا۔

باب ۳۲

اس جدوجہد کا انجام

وہ ہاتھ جس نے ایک ایک ملک فتح کر کے اور ان سب کو ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کی تھی اب کچھ نہ کر سکتا تھا اور وہ عزم جس نے ایک شہنشاہی شہر تعمیر و آباد کیا تھا اب تاتاریوں کو کسی بات پر نہ اُبھار سکتا تھا۔

تاتار کے امراء کو جو نقصان اس وقت پہنچا وہ ایک شہنشاہ کے مرنے سے زیادہ تھا، یہ وہ شہنشاہ تھا جس نے ان کی قوت کو بے قیاس ترقی دی تھی، ہمیشہ ان کی ہدایت اور راہنمائی کرتا رہا تھا اور حکومت کی باگیں بھی ہمیشہ اپنے ہی ہاتھ میں رکھی تھیں، اُس کے عہد میں تاتاری تقریباً نصف جہان کے مالک ہو گئے ان امراء میں اس وقت بہت سے اُن بہادروں کے فرزند تھے جنھوں نے شروع زمانے میں تیمور کی بڑی بڑی خدمتیں کی تھیں، بہت سے اُن کے پوتے تھے، اور ان سب نے پچاس برس سے سوائے تیمور کے حکم و عزم کے اور کسی کے حکم و عزم کو نہ جانا تھا۔

اس زمانے میں بہت سی غیر قومیں اور نسلیں تیمور کے لشکر میں بھرتی ہو کر اس کے پایۂ تخت میں آباد ہو چکی تھیں یہاں ترک اور ایرانی، افغانی و شامی اور سیر اوردہ کے مغل موجود تھے، لیکن ابھی تک یہ سب اچھی طرح آمیز ہو کر ایک ایسی نئی قوم جسے تن واحد کہا جا سکے نہ بنے تھے۔

سپاہ اور اہل سمرقند کے دلوں میں تیمور کی عزت اور عظمت بے حد تھی اور اس کے مرنے کا انھیں اتنا صدمہ تھا کہ اس کی وصیتوں پر عمل کرنے کے سوا اور کوئی خیال اس وقت ان کے ذہن میں نہ تھا، اگر تیمور کے ورثا میں سے آج اس کا پوتا پیر محمد پسر جہانگیر دادا سے

اتنی دور ہندوستان میں نہ ہوتا (کیونکہ ہندوستان سے اترار آنا اور پھر اترار سے سمرقند جانا ایک بڑی دُور دراز مسافت تھی) اور شاہ رخ تیمور کا سب سے لائق فرزند خراسان کی نظم حکومت میں ہمہ تن مصروف نہ ہوتا اور تیمور کے امراء بالکل آنکھیں بند کر کے آقا کا حکم بجا لانے میں چین پر فوج کشی کے ارادے میں مستقل نہ ہوتے تو تیمور کی سلطنت کا سالم و بسیط رکھا جانا ممکن تھا۔

لیکن سلطنت کی جو باگیں تیمور کے ہاتھ سے چھوٹی تھیں کسی انسان کی قدرت میں نہ تھا کہ انھیں اٹھا کر اپنے ہاتھ میں سنبھال سکتا۔ اترار میں اکابر امراء نے تا حد امکان سلطنت کی مجموعی حیثیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کی، ایک مجلس منعقد کی اور اس میں یہ رائے قرار پائی کہ تیمور کی موت کو مشتہر نہ کیا جائے اور تیمور کے پوتوں میں سے کسی کو لشکر کی سپاہ سالاری دے کر چین کی طرف بڑھایا جائے، ان امراء کو اس کا یقین تھا کہ اگر لشکر دیوار چین تک پہنچ گیا تو چینی ہرگز باور نہ کریں گے کہ تیمور اس وقت زندہ نہیں ہے، چین کو فتح کر لینے کا انہیں پورا یقین تھا۔

تیمور کا جنازہ ایک بڑی فوجی جمعیت کے ہمراہ سمرقند روانہ کیا گیا، اور اس جمعیت کا سردار امیرزادہ الغ بیگ شاہ رخ کا فرزند رشید تھا، سمرقند میں بیگمات شاہی جنازے کی منتظر تھیں، امیرزادہ پیر محمد کے پاس قاصد بڑی تیزی اور عجلت سے روانہ کئے گئے اور تیمور کے واقعے کی اطلاع مجبور ہو کر دور دراز صوبہ جات کے حکام اور خاندان شاہی کے ارکان کو دی گئی۔

لیکن اب ایسا ہوا کہ چین کو جو بڑا لشکر کوچ کر رہا تھا وہ چلتے چلتے دفعتہً رکا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اسی لشکر کے ہراول برنغار کے امراء نے امیرزادہ میران شاہ کے فرزند خلیل سلطان سے بیعت اطاعت کر کے سمرقند کے تخت پر اس کو بٹھانے کا مصمم ارادہ کر لیا اور ہراول جرنغار کا امیرِ فوج (یعنی سلطان حسن تیمور کا نواسا) اپنی سپاہ کو برطرف کر کے سمرقند چلا آیا۔

اس پریشانی میں بڑے امراء نے جن میں امیر نورالدین اور اس کے ساتھی تھے پھر ایک مجلس کی، یہ کس طرح ممکن تھا کہ گھر میں پھوٹ پڑی ہو اور فوجیں پردیس لڑنے

جائیں، غرض چین جانے والی فوجیں واپس آئیں اور بہت تیز قدم چل کر اس جماعت سے آملیں جو تیمور کا جنازہ لئے جارہی تھی۔

جب یہ جماعت سمرقند پہنچی تو شہر کا دروازہ اندر سے بند ملا[1]، حالانکہ ملکہ سرائے ملک خانم جنازے کے ہمراہ تھیں اور تیمور کے جواہرات کا صندوقچہ، علم ورایت اور بڑا نقارہ بھی ساتھ تھا، مگر حاکم سمرقند نے خلیل سلطان سے شہر اس کے سپرد کرنے کا وعدہ کر لیا تھا، اور امراء کو لکھ بھیجا تھا کہ جب تک امیرزادہ پیر محمد آئے یہ ضروری امر ہے کہ تخت سمرقند پر کسی امیرزادے کو بٹھا دیا جائے۔

لیکن سمرقند میں جو امیرزادہ سب سے پہلے داخل ہوا وہ نوجوان خلیل سلطان، شادی ملک کا عاشق تھا، خلیل سلطان کی ماں خانزادہ نے پہلے ہی سے بہت سے اکابر اور شرفائے قوم کو ملا رکھا تھا، یہ لوگ خلیل کے ہوا خواہ بن گئے تھے، اہل سمرقند حیران تھے کہ اب کیا کریں، تیمور کا انتقال اس کی سلطنت کی سرحد سے بھی کچھ باہر ہوا تھا، امیر کے آخری احکام انہوں نے سنے نہ تھے، خلاصہ یہ کہ خلیل سلطان تخت پر بٹھا دیا گیا اور اس کو شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا۔

امیر نورالدین نے (بخارا سے) جو خط[2] بھیجا سمرقند بھیجا اس کے ایک ایک لفظ سے

---

[1] یہاں مصنف نے مضمون ناتمام رکھا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب امراء اور سرائے ملک خانم تیمور کا جنازہ لئے اترار سے سمرقند روانہ ہوئے تو راستہ میں اطلاع ملی کہ امیرزادہ خلیل سلطان سمرقند کے تخت پر بیٹھنے کے لئے روانہ ہوگیا ہے، اس وقت یہ رائے قرار پائی کہ بعض امراء بخارا چلے جائیں اور بعض جنازہ کے ساتھ بدستور سمرقند جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا لیکن جب ملکہ سرائے، ملک خانم اور ان کے ساتھ کی جماعت جنازہ لئے شہر سمرقند پہنچی تو شام کا وقت تھا حاکم شہر ارغون شاہ نے شہر کا دروازہ نہ کھولا، مجبوراً ملکہ سرائے ملک خانم نے دروازۂ شہر کے قریب چہار باغ میں رات گزاری دوسرے دن صبح کو دروازہ کھلا اور اسی دن مرقد امیرزادہ محمد سلطان کے قریب امیر تیمور گورگان کا جنازہ دفن کر دیا گیا، یہ واقعہ ۲۲ شعبان ۸۰۷ ہجری (شب دوشنبہ) کا ہے، دیکھو حبیب السیر حصہ سیم جلد سیم صفحہ ۸۴ نیز ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۶۷۴۔۶۷۵ (مترجم)

[2] امیر نورالدین اور ملک شاہ نے یہ سن کر کہ خلیل تخت سمرقند پر بیٹھ گیا ہے اور امراء نے تیمور کی وصیت کے خلاف عمل کیا ہے ''حضرات عالیات'' یعنی بیگمات شاہی کو یہ خط لکھا تھا، دیکھو ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۶۹۷۔۶۹۹۔

رنج اور افسوس ظاہر ہوتا ہے، اس نے لکھا کہ

''ہمارا دل اس صدمے سے پارہ پارہ ہے، کیونکہ تاجوران عالم میں سے اس تاجور نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی ہے، جو سارے جہان کی روح وروان تھا، اور افسوس ہے کہ جاہل نوعمروں نے جنہیں حضرت صاحبقران نے ادنیٰ حالت سے مراتب اعلیٰ پر پہنچایا تھا، اب باغی ہو گئے ہیں، حضرت صاحبقران کے احسان انہوں نے بھلا دیئے، اس کے احکام انہوں نے نہیں مانے اور اپنی قسمیں انہوں نے توڑ دیں، جب مصیبت ایسی سخت ہو تو ہم اپنا رنج کیونکر پوشیدہ رکھ سکتے ہیں، جس شہنشاہ نے شاہوں کو اپنے در کا گدا بنا دیا ہو اور جس نے فی الواقع فاتح کا لقب حاصل کیا ہو اس کے مرتے ہی اس کے حکموں سے سرتابی کی گئی، غلام اپنے آقاؤں اور محسنوں کے دشمن ہو گئے، اُن کا ایمان کیا ہوا، اگر پتھر بھی دل رکھتا ہوتا تو غم کرتا اور افسوس کرتا[1]، کیوں ایسے محسن کش بدبختوں کو سزا دینے کے لئے آسمان سے پتھر نہیں گرتے؟''۔

''رہے ہم تو ہم اپنے آقا کے حکموں کو کبھی نہ بھولیں گے اور اس کی وصیت پر ہمارا عمل رہے گا اور اس کے نوجوان پوتوں کی ہم اطاعت کریں گے''۔

امراء نے پھر مشورہ کیا اور بہ اتفاق رائے سراپردہ امیر کے قریب آئے جہاں علم شاہی نصب تھا یہاں آکر تیمور گورگان کا نقارہ انہوں نے توڑ ڈالا، کیونکہ انھیں گوارا نہ تھا کہ جو نقارہ ہمیشہ آقا کی فتح کا ڈنکا بجاتا تھا اب کسی دوسرے کی فتح کا مژدہ سنائے۔

خلیل سلطان نے تخت سمرقند پر بیٹھ کر پہلا کام یہ کیا کہ شادی ملک سے سرِ دربار شادی کی، یہ شہزادہ اب تک اس عورت کے عشق میں دیوانہ ہو رہا تھا۔

---

[1] ''اگر کوہ سنگین دل را شعور بودے زار زار بنالیدے''۔ ظفرنامہ جلد دوم صفحہ ۶۹۹۔

خلیل سلطان نوعمر تھا اور اس نوعمری کی وجہ سے وہ حکومت کرنے کے قابل نہ تھا جب دولتِ بیکراں پر قبضہ ہوا تو دولت کا نشہ چڑھا، ایران کی حسینہ شادی ملک نے طبیعت پر بالکل قابو پا رکھا تھا، رات دن جشن پر جشن ہونے لگے، اپنی ملکہ کی شان میں قصیدے لکھنے بیٹھ گیا، اور سمرقند کے خزانوں کا منہ کھول دیا، کچھ دنوں اس شان وتجمل اور بے دریغ اسراف نے رعایا کو اس کا گرویدہ رکھا اور بہت سے ہوا خواہ بھی پیدا کر دیئے، پرانے وفادار امراء کو برطرف کر کے ان کی جگہ اپنی پسند اور طبیعت کے ایرانی اور درباری مقرر کئے، اور وہی شادی ملک جسے حضرت سرائے ملک خانم نے قتل ہونے سے بچایا تھا اب اس بیوہ ملکہ کے ذلیل وخوار کرنے کے درپے ہوگئی، سمرقند کے باغوں میں بڑی دھوم کے جلسے ہونے لگے، زمین پر جواہرات بچھا کر چھوڑ دیئے جاتے کہ جس کا جی چاہے لوٹے، فواروں سے پانی کی جگہ شراب کی دھاریں اڑنے لگیں۔

خلیل نمرود بنا ہوا تھا، شادی ملک بھی ایک ایک سے اپنا بدلہ نکال رہی تھی، غرض یہ سمجھئے کہ دونوں کی نامعقول حرکتوں سے خانہ جنگی برپا ہوگئی۔

امیرزادہ پیر محمد ہندوستان سے چل کر وقت پر آیا، مگر خلیل کے لشکر نے اسے شکست دے دی اور اب جلد جلد انقلاب پر انقلاب شروع ہوا، امرائے اعظم نے لشکر کے اس حصے کو ساتھ لے کر جو ابھی تک ان کا وفادار تھا سمرقند پر چڑھائی کی، خلیل کو شکست دے کر قید میں ڈالا اور شادی ملک کو سب کے سامنے قتل کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ سلطنت تیمور کے ساتھ رخصت ہو چکی تھی، اس کو سالم رکھنے کی اب کسی سے امید نہ ہو سکتی تھی۔

جب مصیبتیں زیادہ ہوئیں اور بے پروائی نے دور ہو کر طبیعت میں کچھ جنبش پیدا کی تو جری وشجاع امیرزادہ شاہ رخ خراسان سے اٹھ کر سمرقند آیا اور شہر پر قبضہ کیا اس کے بعد ماوراءالنہر اس کے تصرف میں رہا سمرقند جس کی بہت کچھ دولت لٹ چکی تھی اس کی حکومت شاہ رُخ نے اپنے فرزند شہزادہ الغ بیگ کے سپرد کی، اور اب ان دونوں باپ بیٹوں نے ہندوستان سے عراق تک تیمور کی سلطنت کو برقرار رکھا۔

شاہ رخ اور الغ بیگ دونوں عافیت پسند بادشاہ تھے دونوں علم دوست اور ہنر پرور

تھے، تیمور کی فطرت کا وہ پہلو جس سے لڑائی کے قہر وغضب میں شہروں اور عمارتوں کو مسمار کرنے کے بعد از سرنو ان کی تعمیر کا حکم دیا جاتا تھا ان دونوں کی طبیعت میں موجود تھا لڑائی سے جہاں تک ممکن ہوتا بچتے لیکن اگر کوئی ان پر حملہ کرتا تو پرانے آزمودہ کار امرائے لشکر سے مشورہ کر کے نہایت ہوشیاری سے دشمن کا مقابلہ کرتے ان کے شہر سلطنتوں کے عزل و نصب کے طوفان میں انسان کے لئے پناہ کی جگہ سمجھے جاتے تھے۔

شاہ رخ اور الغ بیگ کی بادشاہی نے ایک بڑے شاندار عہد کی بنا ڈالی، سمرقند کے چوک (ریگستان) میں نئی نئی عمارتیں تیار ہوئیں، تاتاری بادشاہوں کے زیر سایہ ایران کے شاعروں نے پرورش پائی، روما کے نصرانی قیصروں سے نسبت دی جائے تو شاہ رخ اپنے وقت کا اگسٹس اور الغ بیگ مارکوس اور یلیوس تھا، الغ بیگ علم ہیئت جغرافیے اور شاعری میں کمال رکھتا تھا، سمرقند کا مشہور رصد خانہ اسی نے بنوایا، تحصیل علوم اور مطالعۂ کتب میں ہمیشہ مصروف رہتا، یہ تاتاری بادشاہ "تیموری" مشہور تھے اور چین کے فرمانروا خاندان منگ کے ہم زمانہ تھے یہ دونوں بادشاہ بڑے روشن ضمیر اور عالی حوصلہ گزرے ہیں۔

ان دونوں کی لیاقت اور قابلیت نے تیمور کی زندگی کے آدھے ارمان پورے کر دیئے کیونکہ سمرقند اب براعظم ایشیا کا رومۃ الکبریٰ ہوگیا، مگر وہ دور اور سب سے علیحدہ واقع تھا تیمور کی وفات کے بعد جو ہنگامے برپا ہوئے انہوں نے تجارت کی ایسی راہیں جو ایک برّاعظم سے دوسرے براعظم آتی تھیں بند کر دیں، اور ایک مرتبہ پھر ایشیا کا زیادہ تر حصہ یورپ سے بالکل جدا ہوگیا، اور یہ زمانہ ۱۴۰۵ء سے شروع ہو کر اس وقت ختم ہوا جبکہ پرتگال اور انگلستان کے لوگوں نے سمندر سے تجارت کی راہیں نکالیں، یورپ کے کسی مارکو پولو نے سمرقند میں قدم نہیں رکھا تھا، تبت کے شہر لاسہ کی طرح سمرقند بھی یورپ کی پہنچ سے باہر رہا اور یہی حال مدت تک جاری رہا، انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں البتہ ایک روسی لشکر سمرقند تک پہنچا، اور یورپ کے بڑے بڑے سائنس دان تحقیق وتلاش کے شوق میں دوڑ پڑے، ان لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ بیزنطیہ کے کتب خانے کی تلاش ہوئی جو تیمور بروصہ سے اپنے ساتھ سمرقند لے گیا تھا، مگر یہ تلاش بیکار ثابت ہوئی۔

زمانے کے مرور، موسموں کی سختی، برودت وحرارت کی شدت اور زلزلوں نے

"ریگستان" (چوک سمرقند) اور شہر کے اس حصے کو جس کا نام "بی بی خانم" تھا کھنڈر کر دیا، سمرقند کی شہر پناہ جسے تیمور سمجھتا تھا کہ تا ابد قائم رہے گی سال بسال بوسیدہ ہو کر ٹوٹتی گئی، اب تک یہ حال ہے کہ دنیا کے گشت لگانے والوں میں "سالانہ جہان گرد" تو کجا کوئی ایسا شخص بھی جس کو واقعی سیاحت کا شوق ہو شاذ و نادر ہی "ریگستان" سمرقند میں وارد ہوتا ہے یہ وہ عالیشان چوک ہے جسے لارڈ کرزن نے دنیا کی شریف ترین عمارت لکھا ہے، مگر زمانے نے اس شکستہ حالی میں بھی اس کے ویرانے کو عہد ماضی کا ایک حسن لازوال دے رکھا ہے۔

دولت تاتار کے زمانہ عروج کا علم ادب یورپ کی زبانوں میں ابھی تک ترجمہ نہیں ہوا اس لئے اہل مغرب کو اس سے پوری واقفیت نہیں ہے لیکن شاہ رُخ اور الغ بیگ کے پڑپوتے دنیا کو اپنی ایک نئی شان دکھا گئے، سمرقند سے اٹھے اور جنوب کی طرف بڑھے، ہندوستان میں داخل ہوئے اور وہاں اُس شاہی خاندان کے بانی ہو گئے جو دولت مغلیہ کے نام سے مشہور ہے۔

چنگیز خان کے کارناموں کی طرح تیمور کی فتوحات نے بھی بلاد مغرب کے سیاسی حالات میں ایسا انقلاب پیدا کیا جس سے یورپ کے دن پھر گئے۔

تیمور نے ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں تجارت کی راہیں جو سو برس سے بند پڑی تھیں پھر کھول دیں، تجارت کا مرکز پہلے بغداد تھا، جو یورپ سے دور پڑتا تھا، تیمور نے تبریز کو تجارت کا صدر مقام بنا دیا جو یورپ سے قریب تھا، تیمور کی وفات کے بعد جو فساد برپا ہوئے انہوں نے ایشیائے عظمیٰ کی تجارت کو جو خشکی کے راستوں سے ہوتی تھی کم کر دیا جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یورپ سے کولمبس اور وسکوڈی گاما سمندر سے ایشیا کا راستہ نکالنے پر کمربستہ ہو گئے تھے۔

تیمور نے مغلوں کی سلطنتِ قپچاق یعنی سیر اوردہ کو غارت کر دیا اس واقعہ نے روسیوں کو موقع دیا کہ مغلوں کے پنجے سے نکل کر ایک آزاد قوم بن جائیں، ایران میں آلِ مظفر کا خاتمہ تیمور کے ہاتھوں ہوا، اس خاتمہ کے دو سو برس بعد شاہ عباس کے زمانے میں ایران نے ایک عظیم الشان سلطنت کی صورت اختیار کی، عثمانی ترکوں کو شکست دیکر تیمور نے انھیں پراگندہ کیا تھا، باوجود اس کے یورپ اس وقت ایسا کمزور تھا کہ ترکوں سے اپنے

تعلقات قطع نہ کر سکا، عثمانی ترک پھر سنبھلے اور پھر انہوں نے اپنی پہلی سی قوت حاصل کر لی، چنانچہ ۱۴۵۳ء میں انہوں نے قسطنطنیہ فتح کر لیا۔

باقی سلاطین میں جو مغلوب ہوئے تھے سلطانِ مصر نے پیمانِ اطاعت بہت جلد فراموش کیا اور وہ عجیب جوڑا یعنی قرا یوسف اور سلطان احمد جلائر جو تیمور کی زد سے بچنے کو ہمیشہ اِدھر اُدھر اڑتا پھرتا تھا پھر عراقِ عرب میں جا اترا، یہاں ان دونوں میں ایک تازہ نزاع پیدا ہوا۔

تیمور کے شمالی لشکر میں جو لوگ مغلوں اور تاتاریوں کی نسل کے تھے وہ شیخ نور الدین اور دوسرے امراء کے تحت میں آ کر شمال کی زمینوں اور سرحد کے قلعوں میں جا کر آباد ہو گئے جہاں آج ان کی اولاد قرغز اور قلماق کے نام سے مشہور ہے اور ان برجوں اور قلعوں کے نیچے جنھیں تیمور نے بنوایا تھا اپنی بھیڑوں اور گھوڑوں کے گلے چراتی ہے۔

تیمور کے مرنے سے اس قوم کے لوگوں کو جو سر پر لوہے کے خود رکھتے تھے اور مبارزانِ توران کہلائے جاتے تھے جنوبی ملکوں کے اہل دستار یعنی شائستہ اقوام ایران سے جدا کر دیا۔

علماء اور مشائخ کی امیدیں پوری نہ ہوئیں، تیمور کے مرتے ہی یہ خیال مٹ گیا کہ تمام دنیا ایک ہی بادشاہی کے زیر نگیں ہو گی جو خلیفہ کہلائے گا۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ تیمور کی فتوحات کی بنا پر وہ بھی اپنے اختیارات کا قصر بلند کریں گے، مگر انھیں معلوم ہو گیا کہ تیمور کی کشورستانی نے اسلامی حکومتوں کو ان کی بیخ و بنیاد تک ہلا ڈالا ہے، تیمور نے کبھی اپنے جنگی منصوبوں کے قائم کرنے میں علماء کے دباؤ کو نہیں مانا، اور اخیر عمر میں تو ظاہر تھا کہ ملکی معاملات میں وہ ان کی رائے نہ سنتا تھا۔

ایران کی نئی سلطنت جو شیعہ مذہب رکھتی تھی عثمانی ترکوں سے جو سنی تھے ہمیشہ دست و گریباں رہی، تیمور کی اولاد یعنی ہندوستان کے مغل بادشاہ بھی تیمور کی طرح سنی المذہب تھے، مگر یہ نام کے مسلمان تھے، غیر مذہبوں کے روادار تھے، مصر میں خلیفہ تھا مگر وہ

۱؎ اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک جو مسلمان غیر مذہب کا روادار ہو وہ برائے نام مسلمان ہوتا ہے، کیسا غلط خیال ہے، ہندوستان کے تیموری بادشاہوں کو برائے نام مسلمان کہنا درست نہیں ہے۔ (مترجم)

خلفائے بغداد کی ایک بگڑی ہوئی تصویر تھا، غالباً اب یہ امر انسان کی طاقت سے باہر ہے کہ کوئی شخص مختلف قوموں اور نسلوں کے مسلمانوں کو متحد کر کے سیاسی اعتبار سے قوم واحد بنا دے۔

تیمور کے بعد کسی متنفس نے تمام دنیا پر مسلط ہونے کی کوشش نہیں کی، تیمور نے وہی کر دکھایا جو اسکندر مقدونیہ نے کیا تھا، اور اسکندر بھی ایران کے شہنشاہ کیرش (خسرو) کے بعد اسی طرح نمودار ہوا تھا جس طرح چنگیز خان کے بعد تیمور ظاہر ہوا تھا، فاتحانِ عالم میں تیمور سب سے آخر فاتح تھا، اب یہ اُمید نہیں کی جاسکتی کہ کوئی دوسرا شخص اس کی مثل تلوار کے زور سے اتنی قوت حاصل کر سکے گا۔

ایشیا میں جہاں جایئے گا یہی سنیئے گا کہ دنیا کو تین آدمیوں نے فتح کیا تھا ایک اسکندر دوسرا چنگیز خان اور تیسرا تیمور۔

اگر کبھی سمرقند جانا ہوا تو وہاں قلعہ کے نزدیک بہت سے درختوں کی چوٹیوں سے اونچا ایک گنبد آپ کو نظر آئے گا، اس گنبد پر بعض بعض جگہ اب تک فیروزی رنگ کی کاشی کاری اچھی حالت میں نظر آتی ہے اور آفتاب کی روشنی سے یہ روغنی کام چمک رہا ہے، دیواروں پر جابجا گولیوں کے نشان ہیں، روسیوں نے ان دیواروں کو اپنی ریفلوں کا نشانہ بنایا تھا، سوائے ایک محراب کے جو ابھی سلامت ہے باقی کل محرابیں ٹوٹ کر گر چکی ہیں۔

رواق میں تین بڈھے خادم ایک قالین پر بیٹھے ملیں گے، اگر آپ کہیں گے تو ان میں سے ایک خادم اٹھ کر شمع روشن کریگا اور آپ کو اندر کے ایک کمرے میں لے جائے گا جہاں سنگ مرمر کے جالیدار روشندانوں سے خفیف سی روشنی آ رہی ہے۔

اب سامنے سنگ سفید کی جالیوں کے ایک کٹہرے میں قبروں کے دو تعویذ نظر آئیں گے ایک سفید ہے اور دوسرا سبزی مائل سیاہ، سفید تعویذ کے نیچے کوئی بڑے بزرگ میر سید جو تیمور کے دوست تھے دفن ہیں، سیاہ تعویذ جو اس سفید تعویذ سے کچھ آگے ہے سنگ یشب کا ہے اور مغلوں کی ایک ملکہ نے اسے یہاں نصب کرایا تھا، اس کے نیچے امیر تیمور گورگان دفن ہیں۔

اگر آپ اس خادم سے جس کے سر پر سفید دستار ہے اور اس کے جبہ میں جگہ جگہ

پیوند لگے ہیں دریافت کریں گے کہ تیمور کون تھا تو وہ کچھ سوچنے لگے گا، اس کی پتلی پتلی انگلیاں کانپیں گی جس سے شمع کی لو بھی لرزنے لگے گی، اور غور کے بعد غالباً وہ یہ جواب دیگا۔

''اس کا'' ''ترا'' ہونا تو مجھے معلوم نہیں میری پیدائش سے بلکہ میرے باپ کی پیدائش سے بھی وہ پہلے گزرا ہے، اس کو بہت زمانہ ہوا مگر اس میں کلام نہیں کہ وہ امیر تھا''۔

باب۳۲

تعلیقات

(۱)

ترتیبِ لشکر اور اربابِ دانش

لڑائیوں کے لئے تیمور ہمیشہ سفر میں رہتا تھا، دربار کا ایک حصہ بھی ہمیشہ ساتھ ہوتا تھا ابن عرب شاہ لکھتا ہے کہ حالت سفر میں اکثر رات کے وقت امیر تیمور کوئی کتاب بالخصوص تاریخ کی کوئی کتاب پڑھوا کر سنا کرتا تھا، سیر اور دہ سے لڑائی کے لئے جس وقت گیا ہے اس وقت شہزادیوں میں سے ایک شہزادی بھی ہمراہ تھی ہندوستان پر جب فوج کشی کی اور دہلی کے بادشاہ محمود تغلق کی فوجوں سے بالخصوص ہاتھیوں کی صفوں سے مقابلہ ہونے کو ہوا تو تیمور کی فوجوں میں ایک قسم کا ہراس پیدا ہوا، مولانا شرف الدین لکھتے ہیں کہ

> ''حضرت صاحبقران کی سپاہ کو ہندوستان کے لشکر کا تو کچھ خوف نہ تھا لیکن ہاتھی انہوں نے پہلے دیکھے نہ تھے، سب کو یہ خیال بندھا تھا کہ ان جانوروں پر تبر و شمشیر کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور لڑائی میں وہ سوار اور گھوڑے کو سونڈ میں پکڑ کر دور پھینک دیتے ہیں، غرض جس وقت فوجی افسروں کے لئے ان کے مقامات مقرر کئے جانے لگے تو حضرت صاحبقران نے علماء سے جو ہمراہ تھے دریافت کیا کہ وہ لڑائی میں کس جگہ رہنا پسند کریں گے''۔

ان صاحبوں میں کئی بزرگوں نے جو ہاتھیوں کا حال سن چکے تھے جواب دیا:

> ''اگر امیر اجازت دے گا تو ہم عورتوں اور خاتونوں (خواتین) میں رہنا پسند کریں گے''۔[۱] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

تیمور کو معلوم ہو گیا تھا کہ لشکر کے لوگ ہاتھیوں سے ڈرتے ہیں اس لئے اس کا خاص انتظام کیا، لشکر گاہ کے بیچ میں خندق کھدوائی اور خندق سے ادھر کو چپّر وغیرہ کھڑے کر کے ایک دیوار قائم کی اور اس کے آگے زمین میں جگہ جگہ سلاخیں نصب کرائیں اور سلاخوں کے سروں پر تین تین نوکوں کے آہنی خار لگائے گئے اور ان کے پیچھے بہت سے بھینسوں کی ایک قطار گردن سے گردن بندھی کھڑی کی گئی اور بھینسوں کے سینگوں میں گھاس پھوس، درختوں کی ٹہنیاں اٹکا دی گئیں تا کہ وقت پر ان میں آگ لگا دی جائے لیکن یہ تمام پیش بندیاں فضول ثابت ہوئیں، کسی چیز کو کام میں لانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ [2]

---

[1] دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۱۰۰۔۱۰۱۔ محمود تغلق کی فوج تیمور کی فوج سے زیادہ تھی مگر تیمور کی سپاہ اسے خاطر میں نہ لاتی تھی اور اس کی نظر میں ہندوستانی فوج کی کوئی وقعت نہ تھی، تا پیلان را دیگر نہ دیدہ واز افواہ دانستہ شنیدہ کہ ہیکل شان از صلابت بحیثیتے است کہ تیر و شمشیر بر آن کارگر نیست۔۔۔ و ہنگام کارزار بخرطوم اسپ را با سوار از زمین در بایند و بہوا بر اندازند، واز سماع این مبالغہ۔۔۔ دغدغہ نجا طر بعضے لشکریاں راہ یافتہ بود چنانچہ در وقت تعیین مواضع سرداران و اعیان حضرت صاحبقران از جمعے علمائے رفیع مقدار کہ ملازم رکاب ہمایوں آثار بودند مثل۔۔۔
بزبان اشفاق سوال فرمود کہ جائے شما کجا خواہد بود ایشان از دہشت آن سخناں کہ شنیدہ بودند بہ جواب مبادرت نمودند کہ۔
"جائے بندگان در آن محل کہ خواتین و عورات باشند"۔

[2] ظفر نامہ جلد دوم صفحات ۱۰۱۔۱۰۲ میں بیان ہوا ہے کہ "حضرت صاحبقران آن دغدغہ از لشکریاں تفرس نمود برائے اطمینان خواطر شرائط حزم مرعی داشتہ فرمان داد کہ از چیزہا پیش صف لشکر حصارے سازند و در پیش آن بحفر خندق قیام نمایند و در پیش خندق گاؤمیشان را پہلوئے ہم داشتہ گردن و پایہائے ایشان را بچرم گاو برہم بندند و خارہائے خسک بزرگ از آہن ساختہ بودن و تعیین رفتہ کہ پیادگان آن را نگاہ دارند و چون پیلان حملہ آورند، در راہ ایشان افشانند"۔

(۲)

یورپ اور ایشیا کی کمانیں

یورپ کے لوگوں نے بالعموم سمجھ رکھا ہے کہ ایشیا کے سوار تیرانداز ایسی چھوٹی اور ہلکی کمانیں استعمال کرتے تھے کہ اُن کا تیر یورپ کے وزنی زرہ بکتر پر کچھ اثر نہ کر سکتا تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ ترک، تاتار اور مغل سب بڑی اور چھوٹی دونوں قسم کی کمانیں کام میں لایا کرتے تھے۔

تیمور کے زمانے اور چنگیز خان کے ابتدائی عہد میں سوار دونوں قسم کی کمانیں اپنے ساتھ رکھتے تھے، بڑی کمان گھوڑے سے اتر کر تیر لگانے کے لئے ہوتی تھی اور چھوٹی کمان سے اس وقت تیراندازی کرتے تھے جب کہ گھوڑے پر سوار ہو کر دھاوا کیا جاتا تھا، یا جس وقت دشمن بالکل ہی قریب ہوتا تھا، تیر کمان اُن کا سب سے پسندیدہ ہتھیار تھا، اور سوائے ایسے موقعوں کے جبکہ بالکل ہی گھمسان ہو جائے سوار اور پیدل بالکل خلط ملط ہوں تیر کمان کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، اس زمانے کی یورپ کی تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ ایشیا والوں کی تیراندازی کیسی سخت اور ہولناک ہوتی تھی ان تاریخوں میں بیان ہوا ہے کہ ایشیا والوں کے تیر اس بلا کے ہوتے تھے کہ عیسائی اور عیسائیوں کے گھوڑے (دست بدست) لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

تاتاریوں کے پاس تیر بھی مختلف طول اور وزن کے ہوتے تھے، اور ان تیروں کے پھل بھی کئی قسم کے تھے، بعض پھل ایسے تیز بیان ہوئے ہیں جو لوہے کو چھید دیتے تھے، بعض ایسے ہوتے تھے کہ اُن میں نفط یا کوئی اور آتشگیر چیز بھر کر دشمن کی طرف کمان میں رکھ

کر چھوڑتے تھے، راقم الحروف کی نظر سے پیکنگ (خان بالغ) میں شاہان منچو کے زمانے کی سو یا دو سو برس کی پرانی کمانیں گزری ہیں یہ اُن امیدواروں کا امتحان لینے کے لئے رکھی تھیں جو پیکنگ کی فوج خاصہ میں داخلہ چاہتے تھے، یہ کمانیں ۱۲ درجے قوت کی تھیں یعنی ان کے کھینچنے میں اتنی قوت صرف کرنی پڑتی تھی جو ۱۵۶ پونڈ وزن کے اٹھانے میں درکار ہوتی ہے، ان کمانوں کی لمبائی پانچ فٹ تھی اور وہ بہت بھاری تھیں۔

زیادہ سے زیادہ فاصلے پر جو تیر کسی کا ابھی تک گیا ہے وہ ۱۷۹۵ء میں ترکی سفارت کے ایک افسر کا تھا، یہ تیر جس فاصلے تک گیا تھا اس کا طول ۴۶۷ یا ۴۸۲ گز بتایا گیا ہے، چند سال ہوئے کہ حال کے ایک تیر انداز کا تیر بھی تقریباً اتنی ہی دور گیا تھا، مگر تیر جس کمان سے چھوڑا گیا تھا وہ ترکی کمان تھی۔

دشمن پر آگ اور پتھر برسانے کے عرّادے اور منجنیق ایسے ہوتے تھے جن کے پرزے علیحدہ ہو سکتے تھے اور بار برداری کے جانوروں پر رکھ کر تارتاری اور مغلی فوجیں انھیں اپنے ساتھ لیکر چلا کرتی تھیں، تاتاریوں اور مغلوں کے یہ آلات حرب یورپ والوں سے بہتر ہوتے تھے، اس کے علاوہ فوجی قواعد کی سخت پابندی لڑائیوں کے داؤ پیچ سے عمر بھر کی واقفیت پھر فوجی افسروں کی لیاقت وکیاست ان سب باتوں نے مغلوں اور تاتاریوں کو یورپ والوں سے کہیں آگے بڑھا دیا تھا، بالخصوص یورپ کے اُن لوگوں سے جو تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی میں گزرے تھے، ان کی فوجوں میں اس وقت مختلف قسم کے آدمی ہوتے تھے اور ان کے سردار اور افسر بھی ناقص ہوتے تھے یہی وجہ تھی کہ یورپ کی فوجیں جب کبھی مغلوں اور تاتاریوں کے مقابلہ میں آئیں یورپ کے حق میں ایک مسلسل تباہی کے سوا کچھ نتیجہ نہ نکلا عیسائی سپاہی کی ہمت و جوانمردی میں کلام نہ تھا، لیکن وہ عادۃً لڑائی پر جانا ایسا سمجھتا تھا جیسے کھیل اور ورزش کے عام جلسے میں شریک ہونے جا رہا ہے، بڑے اطمینان خاطر سے میدان رزم میں پہنچتا تھا، اور وہاں خیمہ گاہ تیار کر کے بہت آرام اور سہولت سے جنگ کی تیاری کرتا تھا، تلوار ور، سے لڑ کر گھنٹہ بھر میں لڑائی کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو معلوم ہو جاتا تھا، لیکن آتشبار آلوں کا اہتمام شب خون کی تیاریاں، تعاقب کی تدبیریں جو بھاگنے والے لشکر کی کسی چیز کو سلامت نہ رہنے دیتی تھیں ان تمام چیزوں کو یورپ کا سپاہی بڑا

سمجھ کر اُن سے ڈرتا تھا، اکثر وہ میدان جنگ میں یا حالت فرار میں مرتا تھا، تلوار یا تیر چلانے کا موقع تک اُسے نصیب نہ ہوتا تھا، اس کے فوجی سردار لڑائی کی چالوں سے ناواقف ہوتے تھے، اور بعض وقت ایسا ہوتا تھا کہ یہ افسر لڑائی ہارنے پر اپنی فوجوں کا ساتھ چھوڑ دیتے تھے اور سپاہیوں سے بے پرواہ ہو جاتے تھے کہ جس طرح چاہے وہ اپنی جانیں بچائیں پہلی مثال جس میں فوج کے سردار لڑائی کی ترکیبوں سے ناواقف تھے ہنگاریہ کے بادشاہ بیلا کی ہے جو ۱۳۴۱ء میں لڑا تھا اور دوسری مثال بادشاہ وتیوت (وی ٹولڈ) کی ہے جو لیتھوانیہ کا بادشاہ تھا اور ۱۳۹۹ء میں تاتاریوں سے لڑا تھا۔ [1]

۱۲۲۱ء سے جبکہ چنگیز خان کے فوجی افسروں نے روسیوں کو شکست فاش دی اور لوئی بادشاہ فرانس کو مملوک مصر کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا اُس وقت تک کہ یورپ کی فوجوں کو نیکوپولس کے سامنے سلطان بایزید خان نے شکست دی ایشیا یورپ پر ہمیشہ فتحمند رہا، بعض مستثنیٰ مثالیں بھی تھیں مثلاً (اسپین کے) قطلونی جو پیشہ ور سپاہی تھے اور تجربہ کار افسروں کی سرکردگی میں لڑا کرتے تھے قسطنطنیہ کے باہر ۱۳۰۹ء میں فتحیاب ہوئے یا اسپین میں عیسائیوں نے عربوں کو شکست دی۔

جس زمانے میں یورپ کو ان آفات کا سامنا ہوا وہاں کی سپاہ کا سب سے کارگر ہتھیار "کروس بو" یعنی "کندے دار کمان" تھی، تاتاری اور مغل اس قسم کی کمان کی قوت کو مانتے تھے، اس قسم کی کمان سے وینس اور جنیوا کی سپاہ نے صرف محاصروں میں کام لیا، شروع زمانے کی صلیبی لڑائیوں میں یعنی ۱۳۰۰ء سے ۱۴۵۰ء تک انگریزوں کے ہاتھ میں بہت بااثر ثابت ہوئی۔

راقم سے پوچھا گیا کہ اُس زمانے کا انگریز تیر انداز تاتاری سوار تیر انداز کے مقابلہ میں کیسا رہتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انگریز اور تاتاری کسی باقاعدہ جنگ میں تو مقابلہ پر آئے نہ تھے، صرف قیاس سے کہہ سکتے ہیں کہ مقابلہ کا نتیجہ کیا ہوتا، انگریزی لمبی کمان کے تیر کا پلہ اتنا ہی تھا جتنا کہ تاتاری کمان کے تیر کا تھا، یعنی دو سو یا تین سو گز تک اُس کا تیر مہلک ہوتا تھا، انگریز تیر انداز بھی تاتاری تیر انداز کی طرح جلد تیر چلاتا تھا، تارتاری

[1] دیکھو تعلیقہ نمبر ۵۔

فرانسیسی سواروں کی طرح فولاد کا لباس پہنے نہ ہوتے تھے، اور یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ تاتاری سوار کبھی انگریزی سپاہ پر ایسی حماقت سے دھاوا نہ کرتے جیسی حماقت سے فرانسیسی سواروں نے انگریزی سپاہ پر کیا تھا۔

ذاتی شجاعت کی مثالوں سے قطع نظر کر کے اور اس بات کا لحاظ کر کے کہ انگریز اچھے تیرانداز تھے تاتاریوں کے مقابلے میں انگریز جرمانی سواروں یا شنت یوحنا کے شہسواروں سے بہتر نہ رہتے[1] تاتاریوں کے سامان آتش اندازی کے مقابلے میں اور اس شدید یلغار کے مقابلے میں جو تاتاری دشمن کے دائیں بائیں بازو اور عقب پر کیا کرتے تھے انگلستان کا بلیک پرنس[2] بھی ایسا ہی مجبور و معذور رہتا جیسے کہ اس کے یورپین بھائی مجبور و معذور رہ چکے تھے۔

---

1. جرمن کے سوار اور شنت یوحنا کے شہسوار سب تاتاریوں سے ہارے تھے۔ (مترجم)
2. بادشاہ انگلستان ایڈورڈ سوم کے ولی عہد کا لقب بلیک پرنس تھا، شجاعت اور جوانمردی میں مشہور تھا۔ (مترجم)

(۳)

آتش فگن آلات

یہ بات ثابت ہے کہ تیموری فوجیں کئی قسم کے آتش بار آلے کام میں لاتی تھیں لیکن اس زمانے کی تاریخوں میں اِن آلوں کی پوری کیفیت بیان نہیں ہوئی، ترجموں میں صرف ''آگ کی ہنڈیاں'' لکھا ہے۔

یہ ہمیں معلوم ہے کہ تیمور کے زمانے سے کئی سو برس پہلے چین کے لوگ لڑائی میں بارود سے کام لیتے تھے، لوگ بالعموم نہیں سمجھتے کہ چینی بارود کے رعدی عمل یعنی آگ پاتے ہی تڑاقے کیساتھ اُس کے پھٹنے کی قوت اور فعل سے واقف تھے، اس کے متعلق کئی جگہ بحث بھی پڑھنے میں آئی ہے، لیکن ۱۲۳۲ء میں جب مغلوں نے چین میں کائی فونگ کا محاصرہ کیا ہے تو اس کے حال میں تحلیل کیمیائی کا چینی عالم لکھتا ہے۔

> ''چونکہ مغلوں نے اپنے لئے زمین میں گڑھے کھود لئے تھے تاکہ تیروں سے اور ایسی چیزوں سے جو اُن پر پھینکی جائیں وہ محفوظ رہیں اس لئے ہم نے یہ ترکیب نکالی کہ اپنے آتش انگیز آلوں کو جنہیں جن تائن لی کہتے تھے لوہے میں باندھ کر اُن موقعوں پر پہنچایا جہاں مغلوں کے نقبچی اپنا کام کرتے تھے، وہاں پہنچتے ہی یہ آلے پھٹے اور ان کے پھٹتے ہی آدمی اور ان کے چپّر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے''۔

چینیوں کے ان آلوں سے مغلوں نے بھی کسی قدر کام لیا تھا، ۱۲۲۰ء میں جب چنگیز خان نے مغربی ملکوں پر چڑھائی کی تو اس کے ہمراہ چینی آتش اندازوں کی ایک فوج

تھی اور اس فوج کے پاس آگ پھینکنے کے آلے تھے جن کو ہو یاؤ کہتے تھے، تیمور کے تاتاری بھی ان آلات سے خوب واقف تھے اور نہ صرف ان سے بلکہ نفط کا استعمال جس طرح عرب اور ایرانی کرتے تھے اس کا بھی بخوبی علم رکھتے تھے۔

عربوں نے صلیبی لڑائیوں میں بہت سے آتشیں آلوں سے کام لیا، مثلاً ایک گرز یا خدنگ ہوتا تھا جس کے سرے پر شیشے کا ایک گولہ ہوتا تھا، اس گولے میں نفط بھر کر ایک شتابہ اس میں لگا دیتے تھے، پھر جب اس گرز یا خدنگ کو نشانہ باندھ کر پھینکتے تھے، تو دشمن کی زرہ پر شیشے کا گولہ ٹوٹتا تھا اور جلتا ہوا نفط اس کے سارے جسم پر دوڑ جاتا تھا، منجنیقوں اور عرادوں سے مٹی کے کوزے نفط یا یونانی آتشگیر مسالوں سے بھر کر دشمن پر مارتے تھے اور ان چیزوں کا استعمال اکثر قلعوں کے محاصرے کے وقت کیا جاتا تھا۔

ایک محاصرے کے حال میں ایک بڑا ہی ہولناک قصہ بیان ہوا ہے، یہاں صلیبی مجاہدوں نے قلعے کی دیواروں کے پاس لکڑی کے مینار قائم کئے تھے، عربوں نے اپنی منجنیقوں سے ایک قسم کے گولے پھینکنے شروع کئے جو میناروں پر لگتے ہی پھٹتے تھے، اور ان میں سے ایک رقیق مادہ نکل کر لکڑیوں کو بھگو دیتا تھا، عیسائی مجاہد عربوں کی اس حرکت پر ہنستے تھے، مگر عربوں نے اپنا عمل جاری رکھا حتیٰ کہ میناروں کی لکڑیاں بالکل تر ہو گئیں، اس کے بعد قلعہ کی دیوار سے ایک جلتی ہوئی مشعل آئی اور مینار سے لگتے ہی دفعتہً ایسی آگ لگی کہ عیسائی اور ان کے منارے سب جل کر بھسم ہو گئے یہ رقیق مادہ نفط تھا۔

---

(۴)

انکوریہ

دنیا کے ایک زبردست سپاہی کے کارناموں کو یاد کرتے وقت یہ بات جتا دینی شرط انصاف ہے کہ تیمور کی فتح انکوریہ کے حالات لکھنے میں یورپ کے مؤرخوں نے سلطان بایزید خان کی جانب داری کی ہے، ان مؤرخوں نے زیادہ تر اقتباس عثمانی ترکوں اور یونانیوں کی تحریروں سے کیا ہے، اصلی اور حقیقی ماخذوں یا تاتاری ماخذوں سے شاذونادر ہی کچھ لیا ہے، فتح انکوریہ کے حالات بالعموم فون ہامر کے بیان سے نقل کئے ہیں جسے پروفیسر کریسی نے اپنی مشہور تالیف ''دنیا کی پندرہ قطعی لڑائیوں'' میں درج کیا تھا، فون ہامر کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

''تیمور کے جاسوس عثمانی ترکوں کے لشکر میں پہنچ گئے اور انہوں نے متعدد ایشیائیوں کو جو تاتاری نسل کے تھے سمجھایا کہ تیمور کے خلاف اُن کو ہرگز نہ لڑنا چاہیے کیونکہ تیمور ان تمام تاتاریوں کا سردار ہے جن کا کام لڑنا ہے .... بایزید خان صرف ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر تیمور سے لڑنے چلا تھا حالانکہ تیمور کی فوج تعداد اور دیگر اعتبار سے بایزید کی فوج سے کہیں اعلیٰ تھی، تیمور کی فوجیں سیواس کے قریب لشکر ڈالے تھیں، اور تیمور نے لشکر کا تعبیہ اس طور پر کیا کہ لڑائی ایسے مقام پر ہو جو اس کی فوج سوارہ کے حق میں سودمند ثابت ہو اور جہاں وہ اپنی فوج کی کثیر تعداد سے بھی پورا نفع اٹھا سکے، تیمور بڑی ہوشیاری اور تعجیل سے قیساریہ اور قیر شہر سے اپنی فوج کو اس طرح نکالتا ہوا آگے بڑھا کہ راستے میں بایزید سے مقابلہ نہ ہو اور اس طریقے سے جسے پہلے سے سوچ رکھا تھا انکوریہ کے شہر اور

میدان تک پہنچ گیا سلطان بایزید دشمن کو انگورہ سے ہٹانے کے لئے فوجیں لے کر دوڑا...... تیمور کی فوجوں کی تعداد گو بہت تھی لیکن لڑائی کے لئے جس قدر پیش بندیاں ضروری تھیں وہ سب تیمور نے کر لی تھیں......... بایزید خان....... معلوم ہوتا تھا کہ آج سپہ سالاری کا فن جسے معمولاً وہ بہت عمدہ طریقہ سے انجام دیا کرتا تھا بالکل بھول گیا ہے، پہلے اس نے تیمور کے لشکر کے شمال میں اپنی فوجیں مقیم کیں اور پھر یہ دکھانے کے لئے کہ دشمن کی کوئی وقعت اُس کے دل میں نہیں ہے اپنا تمام لشکر قریب کے ایک کوہستان میں لے گیا اور وہاں اُسے صید و شکار میں مصروف کیا، لیکن بدقسمتی سے جس زمین پر اس نے یہ آخری شکار کھیلا تھا وہاں پانی نام کو نہ تھا........ پانچ ہزار عثمانی ترک تکان اور پیاس سے مر گئے، اس بڑی غلطی کے بعد بایزید دشمن کی طرف چلا، اب معلوم ہوا کہ جو لشکر گاہ اپنی فوج کے لئے تیار کیا تھا وہ تاتاریوں کے قبضے میں ہے دریا وہ بھی مختصر تھا، صرف ایک تھا جہاں ترک اپنی پیاس بجھا سکتے تھے لیکن معلوم ہوا کہ تیمور کے حکم سے اب اُس کے بہاؤ کا رُخ بدل دیا گیا ہے اور ترکوں کے لئے اس کا پانی بند ہو گیا ہے۔

بایزید اب مجبور ہوا کہ تیمور سے جنگ کرے، بیان ہوا ہے کہ مغلوں (تاتاریوں) کا لشکر شمار میں آٹھ لاکھ تھا، بہر کیف بایزید کے لشکر سے وہ بہت زیادہ تھا اور صرف تعداد ہی میں زیادہ نہ تھا بلکہ لڑائی کے ساز و سامان میں سپاہ کے جوش حمیت اور سرداروں کی جنگی قابلیت میں بھی مغلوں (تاتاریوں) کا پلہ بھاری تھا۔

فون ہامر اور پروفیسر کریسی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایشیا کے بعض بادشاہ تاتاریوں کی مثال کی پیروی کر کے تیمور سے جا ملے تھے، بایزید کی طرف سے صرف سربی اور ینگ چری فوجوں نے مقابلہ اچھی طرح کیا اور مغلوں (تاتاریوں) کی سخت اور بار بار شدید یلغاروں کا جواب دیا۔

لین پول نے اپنی کتاب "ترکی" میں اوپر کے بیانات کو نقل کر دیا ہے، اور ذیل کی عبارت اپنی طرف سے لکھی ہے۔

"ایک طرف تھکے اور پیاسے آدمی تعداد میں کم اور اپنے سردار سے بیزار تھے، دوسری طرف ایک لشکر جرار تھا جو ایک اچھے مقام پر جما ہوا تھا، اس کے افسران فوج بڑے

قابل تھے، کوئی احتیاط ایسی نہ تھی جس کا لحاظ انہوں نے نہ کر لیا ہو، تعداد، عمدہ قواعد، جسمانی حالت غرض ہر اعتبار سے تیمور کی فوج بہتر تھی، ینگ جری فوج اور اہلِ سرویا کی شجاعت اور بہادری تیمور کی فوج کے سامنے کچھ نہ کر سکی نتیجہ یہ ہوا کہ بایزید کو قطعی شکست ہوگئی"۔

خاص لڑائی کے حالات میں لین پول نے پرانے مصنف نولز کی عبارتیں نقل کی ہیں یہ مصنف وہی ہے جس نے ۱۶۰۳ء میں اپنی کتاب لکھی تھی۔

اس بیان کی ابتدا کہ ترکی سپاہ کو ترتیب جنگ سے نکال کر بایزید ایک خشک اور بے آب زمین میں شکار کھیلنے لے گیا تھا ترکی مؤرخوں سے ہوئی ہے جو سب بعد کے زمانے کے مصنف ہیں اور جن کا منشا یہ تھا کہ اپنے سلطان کی شکست کی کوئی وجہ (جس میں مجبوری ظاہر ہوتی ہو) بیان کریں، لیکن کسی ہمعصر شہادت سے یہ بیان پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا اور فہم عامہ بھی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ اگر بایزید ایسا احمق اور مجنون تھا بھی کہ اس قسم کی حرکت کرتا تو تیمور کب ایسا احمق تھا کہ موقع کو ہاتھ سے جانے دیتا اور بایزید کی واپسی کا انتظار کرتا، تعجب ہوتا ہے کہ فون ہامر، کریسی اور اسٹینلی لین پول جیسے لائق مصنف اس صید و شکار کے حیرت انگیز قصے کو باور کرتے ہیں۔

رہا یہ امر کہ بایزید کی تاتاری فوجیں عین وقت پر بایزید سے علیحدہ ہوگئی تھیں، کوئی شہادت تاتاریوں کی تاریخ سے اس کی نہیں ملتی کہ تیمور نے بایزید کے تاتاری افسران فوج سے کسی طرح کی سازش کر لی تھی، اتنا البتہ ضرور بیان ہوا ہے کہ قرا تاتار کے چند قبیلے اپنے وطن سے علیحدہ ہو کر ایشیائے کوچک میں جا کر آباد ہو گئے تھے اور ان کو ترکی فوجوں میں داخل کر لیا گیا تھا، غالباً یہ قرا تاتار لڑائی کے وقت بایزید کے لشکر میں موجود تھے، ان کی تعداد قلیل تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ ان سے اور تیمور سے جو کچھ گفتگو ہوئی تھی وہ لڑائی کے بعد ہوئی تھی، اور لڑائی کے بعد تیمور ان کو جبراً اپنے ہمراہ سمرقند واپس لے گیا تھا۔ [1]

یہ بیان کہ تیمور کی فوج آٹھ لاکھ تھی خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے، اتنی بڑی تعداد کے لشکر کو تو ایشیائے کوچک میں کھانے پینے کو بھی مشکل سے مل سکتا تھا، یہ کہنا کہ اتنی بڑی فوج کو تیمور لڑائی کے لئے نقل و حرکت میں لایا، سمجھ میں نہیں آتا، اور عثمانی ترکوں کے بیان

1 دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۵۰۱، ۵۰۴۔

سے صاف ظاہر ہے کہ بایزید نے تیمور کے لشکر کو اس وقت تک نہیں دیکھا تھا جب تک کہ وہ اس کے سامنے نہ آ گیا، اس کے علاوہ کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ تیمور نے کسی ایک مقام پر دو لاکھ سے زیادہ فوج جمع کی ہو، تاتاری مؤرخوں نے کبھی کبھی اپنی فوجوں کی تعداد بیان کی ہے، مثلاً ایران سے آخری لڑائیوں میں فوج کی تعداد ۷۰۰۰۰ تھی، اسی طرح ہندوستان جو فوج گئی تھی وہ ۹۰۰۰۰ تھی اور دو لاکھ فوج چین کی فتح کے لئے جمع کی گئی تھی۔

تیمور ایشیائے کوچک پر اس وقت بڑھا ہے کہ اس سے پہلے چار برس سے مسلسل لڑائیوں میں مصروف تھا، امیرزادہ محمد سلطان کے ہمرکاب ہو جانے پر کچھ فوجیں سمرقند میں چھوڑنی پڑی تھیں، پھر کچھ فوجیں اس غرض سے بھی درکار تھیں کہ اتنی بڑی وسیع سلطنت میں راستوں کی حفاظت کریں، ایک بڑا لشکر تبریز میں تھا اور بہت سی فوج شام میں گئی ہوئی تھی، جنگ انکوریہ میں امراء اور افسران فوج کی فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس لڑائی میں تیمور کی فوج ۸۰۰۰۰ سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار تک شمار میں تھی۔

اس سے الٹا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان بایزید کی فوج تیمور کی فوج سے زیادہ تھی، اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ امر بہت مشتبہ ہو جاتا کہ لڑائی کے شروع میں تیمور مدافعانہ حیثیت اختیار کرنی گوارا کر لیتا، کیونکہ مؤرخ نولیس لکھتا ہے کہ ترک تاتاریوں پر بڑھے اور ان کی صف ہلال کی شکل میں تھی، اگر یہ بیان درست ہے تو پھر بایزید کی کثرتِ فوج سے خیال ہوتا ہے کہ اس کے لشکر کے دونوں بازو اتنی دور تک پھیلے ہوں گے کہ تیمور کا لشکر ان کے بیچ میں آ گیا ہوگا۔

ہربرٹ ایڈمز گبنز کہتا ہے کہ اس تاتاری طوفان سے بایزید صحیح سلامت نکل آتا اگر بایزید وہی بایزید ہوتا جو نیکوپولس کی لڑائی کے وقت تھا، تاتاریوں کی فوج کشی کے مقابلے میں فائدے کی صورتیں سب اُسے حاصل تھیں، مگر ناکام رہا، اس کی وجہ یہ تھی کہ بایزید کے قوائے جسمانی و دماغی جو اعلیٰ درجے کے نہ سہی مگر اپنے وقت کے مشاہیر سے کم نہ تھے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے سے خراب ہو گئے تھے۔

اگر انکوریہ پر فتح ہو جاتی اور قسطنطنیہ پر بھی قبضہ ہو جاتا جس میں کچھ باقی نہ تھا تو

---

۱ دیکھو ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۵۰۱-۵۰۴

پھر سلطان بایزید ایلدرم تاریخ کے صفحوں پر پندرہویں صدی کے سب سے بڑے اور نامور فاتح کی شکل میں ظاہر ہوتا، گویا پرانے زمانے کا پہلا نپولین وہی ہوتا، یہ صاف ظاہر ہے کہ سپہ سالاری میں تیمور نے بایزید کو مات کر دیا، تیمور کی عمر اس وقت ستر برس کے قریب تھی اور سمرقند سے دو ہزار میل کی مسافت طے کر کے سلطنت ترک کے مرکز میں بایزید سے لڑا تھا تاتاریوں کی تاریخ میں انکوریہ کی لڑائی ایک چھوٹی لڑائی سمجھی گئی ہے جس کو برائے چندے کچھ امتیاز حاصل ہو گیا تھا، اور خود بایزید سپہ سالاری میں توقتمش سے کم درجے کا مانا گیا ہے۔

کلاویجو نے جو کسی کا طرفدار نہیں ہے انکوریہ کی لڑائی کو اپنے طرز خاص میں اس طرح بیان کیا ہے۔ [1]

"جس وقت بایزید ترک کو معلوم ہوا کہ امیر تیمور اس کے ملک میں آ گیا ہے تو وہ اپنا لشکر لے کر ایک بڑے مضبوط قلعے پر پہنچا جس کا نام انکوریہ تھا، جس وقت تیمور کو بایزید کی اس نقل و حرکت کی جو بڑی ہوشیاری پر دلالت کرتی تھی خبر پہنچی تو تیمور جس سڑک سے آ رہا تھا اس پر سے ہٹ گیا اور اپنا لشکر ایک اونچے پہاڑ کی طرف لے گیا جس وقت بایزید نے سنا کہ تیمور جس سڑک سے آ رہا تھا اس کو چھوڑ کر دوسری طرف چلا گیا ہے تو وہ سمجھا کہ تیمور بھاگ گیا اس لئے وہ تیمور کے پیچھے جس قدر تیزی سے چلنا ممکن تھا چلا"۔

امیر تیمور پہاڑوں میں آٹھ دن گشت کر کے میدان میں آیا اور انکوریہ کے قلعہ پر پہنچا جہاں بایزید اپنا کل ساز و سامان چھوڑ گیا تھا، تیمور نے یہ سامان اپنے قبضے میں کیا جس وقت بایزید کو اس کی خبر ہوئی تو وہ جس قدر جلد ممکن تھا انکوریہ واپس آیا مگر جب وہاں پہنچا تو اس کی سپاہ بالکل تھک گئی تھی۔

---

۱ کلاویجو نے اس لڑائی کا حال دو اسپینی سفیروں سے سنا تھا جو لڑائی کے موقع پر موجود تھے، دیکھو "عثمانی ترکوں کی تاریخ" مصنفہ پروفیسر کریسی اور کتاب "ترکی" مصنفہ اسٹینلی لین پول اور کتاب "عثمانی سلطنت کی بنیاد" مصنفہ ہربرٹ ایڈمز گبنز، نیز کلاویجو کا سفرنامہ، اور مولانا شرف الدین اور ابن عرب شاہ کی تصانیف (مصنف)

امیر تیمور نے یہ نقل و حرکت اس لئے کی تھی کہ بایزید کی فوجیں بے ترتیب ہو جائیں، دونوں لڑے اور بایزید قید ہو گیا۔ [۲]

---

[۲] دیکھو اس کتاب کا انیسواں باب۔

(۵)

بادشاہ لیتھوانیہ وتیوت اور تاتاری

مغربی یورپ کی سپاہ کو نیکوپولس پر بایزید سے شکست کھائے ہوئے تین برس سے کچھ کم ہوئے تھے کہ مشرقی یورپ کا مقابلہ تاتاریوں سے ایک عجیب اتفاق سے پیش آیا، یہ واقعہ ۱۳۹۹ء کا ہے۔

وتیوت[۱] (ویٹولد) لیتھوانیہ کے دیوانے بادشاہ نے پولستان (پولینڈ) کے بادشاہ سے رسم اتحاد قائم کر کے اپنا لشکر جنوبی روس میں پہنچایا، اور کیف اور سمولنسک پر قبضہ کر لیا، اس قبضہ کی وجہ سے تاتاریوں سے مقابلہ ہو گیا، یہ زمانہ وہ تھا کہ تیمور کی آخری لڑائی توقتمش سے ہو چکی تھی اور توقتمش پناہ کے لئے وتیوت کے پاس اس کے عیسائی لشکر میں بھاگ کر چلا آیا تھا، اور اس اثنا میں تیمور روس سے باہر نکل چکا تھا۔

دریائے دولگہ (آتل) کے علاقے اور اس سے متصل کے ہموار ملک میں تیمور کا قبضہ ہو چکا تھا، اس علاقے اور ملک کی حکومت تیمور نے دو تاتاری امراء کے سپرد کر دی تھی جنہوں نے توقتمش کے مقابلے میں تیمور کی مدد کی تھی، ان امراء میں ایک ایدکو قبیلہ نوغائی کا سردار تھا اور دوسرا ایدکو کا سرپرست ایک خان تھا جس کا نام تمور قتلق تھا، ان دونوں امراء نے وتیوت بادشاہ لیتھوانیہ کو اس مضمون کا پیغام بھیجا کہ توقتمش کو ان کے سپرد کر دیا جائے، یہ سن کر وتیوت کو جو بادشاہ پولستان (پولینڈ) کا قریب کا عزیز اور ماسکو کے بادشاہ کا خسر ہوتا تھا یہ شوق پیدا ہوا کہ خان تاتار کے مقابلے میں ایک جنگ صلیب برپا کرنی چاہیے، پولستانی

---

[۱] وتیوت اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت یورپ میں سب سے زبردست بادشاہ تھا۔ (مصنف)

تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویتوت اس خیال میں تھا کہ وہ تیمور بادشاہ سمرقند سے لڑنے چلا ہے، بہرحال لیتھوانیہ کے شرفاء اور پولستان کے اتحادیوں اور پانچ سو ٹیوٹن شہسواروں کو ساتھ لے کر ویتوت لڑنے کے لئے روانہ ہوگیا۔

تیمور قتلق خان کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے ویتوت کے پاس قاصد کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ ''میں نے آپ کے ملک پر کبھی فوج کشی نہیں کی پھر آپ مجھ سے کیوں لڑنے اٹھے ہیں''۔

ویتوت نے جواب بھیجا کہ ''خدا نے مجھے دنیا کا مالک بنایا ہے، تجھے دو باتوں میں سے ایک بات قبول کرنی ہوگی یا تو میرا فرزند و باجگزار بن یا میری غلامی قبول کر''۔ اس جواب کے ساتھ ویتوت نے یہ حکم بھی بھیجا کہ تاتاری سکہ مضروب کرنے میں تیمور قتلق کو لیتھوانیہ کا نشان اپنے سکوں پر نقش کرنا ہوگا۔

تیمور قتلق خان یہ جواب اور حکم سن کر سخت برہم ہوا جس وقت اُس کا اور ویتوت کا لشکر میدان میں ایک دوسرے کے مقابل آیا تو خان نے بہت سے تحائف ویتوت کو بھیجے، اور جب تک اس کا مسن سردار ایدکو نوغائی اپنا سپاہ ساتھ لئے میدان میں نہ پہنچ لیا لڑائی میں توقف کیا، ایدکو عیسائیوں کی اس قسم کی شرائط کب منظور ہوسکتی تھیں، اُس نے ویتوت سے ملاقات کی درخواست کی، چنانچہ ایک دریا کے کنارے دونوں کی ملاقات ہوئی۔

امیر ایدکو نے جس کی طبیعت میں کسی قدر تمسخر بھی تھا، ویتوت سے کہا کہ ''اے بادشاہ ہمارے خان کی یہ سعادت مندی تھی کہ آپ کو اس نے اپنا باپ مان لیا، کیونکہ آپ اس سے عمر میں بڑے ہیں لیکن چونکہ آپ کی عمر مجھ سے کم ہے اس لئے آپ مجھے اپنا باپ مانیں اور میری تصویر لیتھوانیہ کے سکوں پر نقش کرائیں''۔

ویتوت یہ سن کر بہت خشمناک اپنے خیمہ گاہ کو واپس آیا، کراکو کے رئیس نے اُسے بہت سمجھایا کہ لڑائی کے معاملہ میں پہلے اچھی طرح غور کر لیجئے، لڑنا درست نہیں معلوم ہوتا، لیکن بادشاہ ویتوت نے ایک نہ سنی لیتھوانیہ کے مغرور شہسواروں نے رئیس کراکو پر اعتراض شروع کئے کہ ''اگر تمہیں موت کا ڈر ہے تو ہمارے کام میں کیوں مخل ہوتے ہو، ہم تو خدا کی راہ میں ثواب کمانے اٹھے ہیں''۔

غرض ویتوت اور لیتھوانیہ کے شہسواروں کے سامنے کسی کی بات نہ چلی اور عیسائی لشکر نے تاتاریوں پر حملہ کر ہی دیا، عیسائیوں کے پاس کچھ بڑی اور کچھ چھوٹی توپیں تھیں اور وہ سمجھتے تھے کہ ان آلات جنگ سے وہ تاتاریوں کی صفیں بہت آسانی سے توڑ دیں گے لیکن یہ بھدی توپیں تاتاری سواروں پر جن کے دستے کھلے میدان میں لمحے لمحے میں اپنی جگہ بدل لیتے تھے کیا اثر کرسکتی تھیں، غرض جب تیمور قتلق خان نے حملہ کیا تو ویتوت کی فوج جس کی صفیں بہت ہی پاس پاس اور گنجان تھیں بہت جلد بے ترتیب ہوگئیں اس بے ترتیبی کے بعد ان میں فوراً بھاگڑ پڑی اور بادشاہ ویتوت بھی شرفائے لیتھوانیہ کے ساتھ جو زندہ بچے تھے اور لڑائی سے پہلے بہت شیخیاں بگھارتے تھے بے تحاشا بھاگا، اور اس فرار میں ویتوت اپنا دو تہائی سے زیادہ لشکر مرا ہوا میدان میں چھوڑ گیا، جو عیسائی اس جنگ میں مارے گئے ان میں کراکو کا رئیس اور سمولنسک اور گالیشیہ کے باشندے تھے، تاتاریوں نے عیسائیوں کا تعاقب کیا اور غضب کا تعاقب کیا دریائے نیپر تک پیچھا کرتے چلے آئے، کیف کے باشندوں نے تاتاریوں کو خراج دینا منظور کیا، اور تاتاریوں نے جب تک ویتوت کی قلمرو کو پولستان تک غارت نہ کرلیا وہ اپنی جگہ واپس نہ آئے۔

یورپ کے مؤرخوں نے اس لڑائی کو نظر انداز کیا ہے، لیکن یورپ کی ترقی میں اس لڑائی نے کچھ تبدیلیاں ضرور پیدا کیں، پولستان اور لیتھوانیہ کی شکست سے روسیوں کے سب سے بڑے دشمنوں کا کام تمام ہوگیا، روسی لیتھوانیہ اور پولینڈ سے اتنا ڈرتے تھے کہ تاتاریوں سے بھی نہ ڈرتے تھے، ویتوت نے اب جھلا کر پروشا اور جرمنی کے شہسواروں پر حملہ کیا اور بادشاہ پولستان کی مدد سے ان کی قوت کو بالکل غارت کردیا۔

---

(۶)

لڑائی کے دو اساتذہ

سر پرسی سائیکس تیمور کی نسبت لکھتے ہیں کہ "تیمور نے جو کام کئے وہ ایشیا کے فاتحوں میں کسی دوسرے سے تاریخی زمانے میں عمل میں نہیں آئے اس لئے جو شہرت تیمور کو حاصل ہوئی اُس کا مستحق کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا تیمور نے جو کچھ حاصل کیا وہ اس حد کے قریب پہنچا ہوا نظر آتا ہے، جسے انسان کی قدرت سے بالاتر کہا جاتا ہے۔

تیمور اور چنگیز خان دونوں جنگ آوری میں ایسی قابلیت رکھتے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انسان نہ تھے بلکہ انسان سے بالاتر کوئی چیز تھے، سیزر کی لڑائیوں اور حنا بعل کی فوج کشیوں کی یا نپولین کی حربی تدبیروں کی جو الہامی معلوم ہوتی تھیں ہم تعریف کیا کرتے ہیں، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایشیا کے یہ دو فاتح مع اسکندر مقدونی کے فن حرب میں تمام دنیا میں کامل ترین نفوس تھے، جو لڑائیاں وہ لڑے ممکن ہے کہ ویسی ہی لڑائیاں ایک چھوٹے پیمانے اور چھوٹے قطع ارض پر دوسرے بھی لڑے ہوں، لیکن لڑائیوں کا یہ پھیلاؤ کہ تمام روئے زمین پر حاوی ہو جائے سوائے ان کے کسی کو نصیب نہ ہوا۔

چنگیز خان اب تک ایک راز سربستہ ہے اور تیمور کی بھی بہت سی قابلیتیں ایسی ہیں جو ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آئی ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا چنگیز خان نے تمام دنیا فتح کرنے کے لئے کوئی باقاعدہ نقشہ اپنے فکر رسا کی مدد سے سوچ لیا تھا، یا وہ محض ایک وحشی تھا جس میں لڑنے کا مادہ قدرت نے ودیعت کر دیا تھا ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ وہ عاقل تھا اور ایسی عقل رکھتا تھا جو اس دنیا کے حق میں جس میں ہم پیدا ہوئے ہیں ایک بلا ثابت ہوئی

اسی طرح تیمور کے زبردست کارناموں کا اندازہ کرنے میں غور و فکر کرتے ہیں، لیکن کامیابی کا جو راز تیمور کو معلوم تھا باوجود کوشش کے ہمیں اُس کا پتہ نہیں چلتا۔

اسکندر کو ہم اچھی طرح سمجھتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ وہ مقدونیہ کے بادشاہ فلپ کا فرزند تھا اور ایک لشکر جرار اس کو ورثہ میں پہنچا تھا، جب فتح کرنے اٹھا تو ایران کی سلطنت کو جو پہلے سے قائم تھی تباہ کر کے آگے وسیع ملکوں پر بڑھا اور مسلط ہو گیا، لیکن اسکندر ہم سے (یعنی یورپ کے لوگوں سے) قریب تھا اور ان دونوں ایشیا کے فاتحوں میں اور ہم میں ایک فاصلۂ دراز کا پردہ اور ایک دوسری دنیا سے ناواقفیت کا نقص حائل ہے۔

پھر بھی بعض باتیں ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں، اسکندر کی طرح تیمور اور چنگیز خان دونوں میں جفاکشی اور آگے بڑھنے کا شوق اور اس شوق کی قوت جسے کوئی روک نہ سکتا تھا بے انتہا موجود تھی، اس کے بعد پھر کوئی مشابہت ان دونوں میں نہیں رہتی۔

چنگیز خان میں صبر تھا، تیمور میں تیزی اور غضب بھرا ہوا تھا، شروع زمانے کے بعد چنگیز خان اپنے مستقر حکومت میں بیٹھا لڑائیوں کے لئے ہدایت کیا کرتا تھا، لیکن امیر سمرقند بالعموم میدان کارزار میں بذاتِ خود موجود ہوتا تھا، چنگیز خان کی حضور میں دشت گوبی کے خانہ بدوش قبائل اور دور دراز کے فوجی امراء لڑائیوں کو درستی سے انجام دینے کے ذمہ دار ہوتے تھے، مگر تیمور لڑائیوں کی کل ذمہ داریاں اپنے اوپر لے لیتا تھا۔

کیا چنگیز خان کی محض یہ ایک عملی تدبیر تھی یا چنگیز خان کے ملازم آقا کی خدمت بہتر طریقے پر کرنی چاہتے تھے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چنگیز خان کے وزراء اور امرائے لشکر زیادہ لائق اور قابل تھے، اس کے چینی وزیر اور چار بڑے جنگ آور امراء یعنی سپوتائی (سوبدائی) چپی نویان (جبہ نویان) بیان اور مہولی (منقولی) میں لڑائیوں کو انجام دینے کی لیاقت ضرورت سے زیادہ تھی چنگیز خان کی وفات کے بعد اس کے پس ماندگان نے اس کی سلطنت کو اور ترقی دی تیمور کے امراء مثلاً امیر حاجی سیف الدین جاکو برلاس، شیخ علی بہادر اور باقی اور تیمور کے لئے اس قسم کے نتائج پیدا نہ کر سکے۔

تیرھویں صدی کے مغلوں میں ایک غیر معمولی قابلیت لڑائی میں سرداری کرنے کی تھی، جس طرح شہد کی مکھیاں مل کر کام کرتی ہیں اسی طرح مغلوں کی سپاہ لڑائی میں مل کر

کام کرتی تھی، اور جس کسی کے ذمہ جس قدر کام ہوتا تھا وہ اسے کامل طور پر انجام دیتا تھا لیکن پندرھویں صدی عیسوی کی تاتاری فوجیں حنا بعل قرطاجنی کی سپاہ کی طرح پورے طور پر باہم آمیز ہو کر یک جان نہیں ہوئی تھیں تیمور کی عدم موجودگی میں ان فوجوں کی لیاقت آدھی رہ جاتی تھی چنگیز خان کے لشکر ایک دوسرے سے دور دراز کا فاصلہ رکھتے تھے، مگر باوجود اس بُعد مسافت کے حکم ہوتے ہی فوراً ترتیبِ جنگ میں آجاتے تھے لیکن تیمور جس وقت دیکھتا تھا کہ مقابلہ دشمن صعب سے ہے تو صرف ایک لشکر لے کر اُس کے مقابلے میں چل پڑتا تھا۔

چنگیز خان میں حیرت انگیز قابلیت تعبیۂ سپاہ اور لشکر کو حرکت میں لانے کی تھی لڑائی جب سوچتا تھا تو جتنی دور دور کی باتیں ہوتی تھیں سب تفصیل کے ساتھ ذہن میں آجاتی تھیں، ہفتوں تک اپنے سپہ سالاروں کو پاس بٹھائے امورِ جنگ پر بحث کرتا تھا، لڑائی کی تدبیروں میں بے انتہا ماہر تھا، جب لڑنا ضروری نہ ہوتا تو لڑائی سے بچتا، لیکن جب لڑتا تو دشمن کے منہ کو غارت کر کے سردارِ مخالف کو فنا کر دیتا، اس کی نقل و حرکت کا علم پہلے سے کسی کو مطلق نہ ہو سکتا تھا اس لئے مخالف بے انتہا خائف رہتا تھا، اور جب لڑ کر نکل جاتا تھا تو میدان میں کشتوں کی تعداد ہیبت ناک ہوتی تھی۔

جو خوف و ہراس مغلوں کی آمد پر مخلوق میں ہوتا تھا اس کا اندازہ کرنا ہماری قوت سے باہر ہے، بیان ہوا ہے کہ ایک شہر فتح کرنے کے بعد ایک مغل سپاہی نے بیس قیدیوں کو قتل کرنے کے لئے ایک جگہ جمع کیا، اس کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ تلوار لانی بھول گیا ہے، فوراً قیدیوں کو حکم دیا کہ تم سب یہیں ٹھہرے رہو، ہم اپنی تلوار ڈھونڈ کر لے آئیں، قیدی سب جہاں تھے وہیں رہے، سوائے ایک شخص کے اور یہ شخص وہی تھا جس نے یہ واقعہ سنایا۔

تیمور کے تاتاری اور قسم کے لوگ تھے، آق بوغا کا واقعہ جس نے چالیس ایرانیوں پر تنہا حملہ کیا تھا صرف ایک ہی مثال نہ تھی تیمور کے آدمی سمجھتے تھے کہ کوئی ان کو مغلوب نہیں کر سکتا، تیمور کی قابلیت کو سب سے فائق سمجھ کر قضا و قدر کے برابر سمجھتے تھے۔

جنگ کے لئے تیاری کرنے میں تیمور بھی چنگیز خان کی طرح محتاط تھا، لیکن جنگ

کی تدبیروں میں تیمور ہوشیاری اور سیاست میں وہ درجہ نہ رکھتا تھا جو چنگیز خان نے پایا تھا، چنگیز خان مشکلات سے بچتا تھا، تیمور ہر مشکل کا مقابلہ کرتا تھا اور اس پر غالب آتا تھا، چنگیز خان سے یہ بن نہ پڑتا لشکر کو پیچھے چھوڑ صرف تھوڑی سی جمعیت کو ساتھ لے گھوڑا دوڑاتا ہوا بغداد میں داخل ہو جاتا یا بے دریغ قلعۂ قرشی کی دیوار پر جا چڑھتا۔

چین میں چنگیز خان نے پہلے چھوٹے چھوٹے متفرق صوبے غارت کئے، پھر اس خون وخرابے اور بدنظمی میں جو خود پیدا کی تھی اپنی فوجوں کا انتظام کیا اور پوری سلطنت فتح کر لی، تیمور دشمن کو موقع دیتا تھا کہ وہ ایک ہی مقام پر اپنی پوری قوت مجتمع کر لے جب ایسا ہو لیتا تھا تو لڑنے بڑھتا تھا، چنانچہ آخری عمر کی تمام لڑائیوں میں اسی طرح کامیاب ہوا نپولین کی طرح تیمور بھی تمام باتوں کو سوچ کر اور ان کے لئے تیار ہو کر کوچ کرتا تھا، اور صرف اپنی قابلیت پر بھروسہ کرتا تھا، کہ دشمن کی قوت توڑنے کے لئے ٹھیک بات ٹھیک وقت پر انجام دینے کا بندوبست کر لیا ہے، کوئی مسئلہ ایسا نہ ہوتا تھا جو اُسے متردد کرتا۔

ہمیں نہیں معلوم کہ چنگیز خان نے اُمور جنگ میں ایسی غائر نظر کیونکر پیدا کی تھی، اور صحرا میں فوجی انتظام کو اس نے کیونکر درجۂ کمال تک پہنچایا تھا، اسی طرح تیمور کا رازِ کشور کشائی بھی اب تک ہمارے لئے ایک بن بوجھی پہیلی ہے۔ [1]

---

[1] چنگیز خان اور تیمور کی لڑائیوں میں جو مقابلہ کیا گیا ہے اس کے لئے مطالعہ کیجئے ہیرلڈ لیمب کی کتاب ''چنگیز خان شہنشاہ ابنائے آدم'' مطبوعہ ۱۹۲۷ء۔

(۷)

یورپ کے شاعر اور تیمور

یورپ کی دہلیز پر تیمور کا دفعتہً ظاہر ہونا اور پھر دفعتہً مع لاؤ لشکر شان وسطوت کے غائب ہو جانا ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے یورپ کے شاعروں کے تخیل کو بھڑ کا دیا، ٹمرلین یا ٹمبرلین ایک افسانہ بن گیا، یونانیوں اور ترکوں کی غلط کہانیوں سے اس کا ایک خیالی مرقع بھی تیار کرلیا گیا۔

شروع زمانے کی کتابوں میں تیمور کا ذکر ''ٹمرلین دشمنِ باجزیٹ'' کی صورت میں آیا ہے، عثمانی سلطان بایزید کا نام سولھویں صدی عیسوی کے باشندگان جرمانیہ ''باجزیٹ'' کیا کرتے تھے، اور جس زمانے میں تیمور زندہ تھا تو وہ ''چام ٹاٹاری'' کے نام سے بھی پکارا گیا تھا، اور اس کا نسب ستھیا کے چرواہوں کی نسل سے بیان کیا جاتا تھا، اس ستھیا کے لفظ میں قدیم یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے، مگر ان باتوں پر اس قدر ہنسی نہیں آتی جس قدر کہ بعد کی یورپی تاریخوں پر آتی ہے مدت تک یورپ کے مصنف تیمور کا ذکر ترکوں کے ضمن میں کرتے رہے اور اس کو ایک مضمون ''ناتولیہ'' کی تسخیر اور شاہان مصر اور یروشلم اور بابل سے متعلق سمجھتے تھے۔

ادبی عہد ایلزبتھ کے شروع زمانے میں شاعر کراسٹوفر مارلو کو بھی تیمور کا اس سے زیادہ حال جو اوپر بیان ہوا معلوم نہ تھا، اس شاعر کو تیمور ایک ایسی طاقت اور قوت کی مجسم تصویر معلوم ہوا جو کسی سے مغلوب ہونا نہ جانتی تھیں، مشرق سے یورپ ناواقف تھا مگر مشرق کی تمام شان وشوکت مارلو کو تیمور ہی میں نظر آنے لگی اور شاعر نے اپنے اس تخیل کو بڑی

بلاغت اور فصاحت سے ادا کر کے انگریزی نثر میں سب سے پہلا ناٹک لکھا جس کا نام ''تمبر لین اعظم'' رکھا یہ کتاب محض شاعر کے تصور کا نتیجہ ہے اور اس کی بنیاد یونانی دنیا کی پرانی تاریخوں کے سوا اور کسی چیز پر نہیں رکھی گئی۔ [۱]

مارلو کا افسانہ ''تمبر لین'' جو ۱۵۸۶ء میں لکھا گیا ایسا ہے جسے انگریزی ادب میں ایک غیر فانی تصنیف کہنا زیبا ہوگا مگر کتاب میں یہ وصف محض اس انگریزی شاعر کے جوشِ طبیعت اور زورِ کلام سے پیدا ہوا ہے، قصہ کا تمبر لین اصلی تیمور گورگان سے صرف دو چیزوں میں مشابہت رکھتا ہے، ایک ارادے کی استواری میں جسے جنبش نہیں ہے، دوسرے ذوق اجلال وعظمت میں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف کو بھی انہی دو چیزوں سے عشق تھا، یہ ظاہر ہے کہ اسپینی سفیر کلاویجو کا سفرنامہ جس میں تیمور کے کچھ حالات اضافہ بھی کیے گئے تھے اور جو اس شکل میں ۱۵۸۲ء میں شائع ہوا تھا مارلو کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔

اس سفرنامے کے شائع ہونے کے بعد تیمور کا ذکر یورپ کی تاریخوں میں اکثر آنے لگا مگر اصلی صورت کا ابھی ذکر نہ تھا بگڑی ہوئی تصویر دکھائی جاتی تھی۔

لیون کلاویوس (Leun Clavius) نے ۱۵۸۸ء میں اور پیرونڈ نیوس (Perondinus) نے ۱۶۰۰ء میں تیمور کا ذکر اپنی تصانیف میں کیا، ژین دی بک (Jean de Bek) نے ایک غیر معروف شخص ''الہازن'' (الحسین) کا فرضی تذکرہ ۱۵۹۵ء میں لکھا، رچرڈ نولز (Richard Knolles) نے اپنی تصنیف ''تاریخ ترک'' میں جو ۱۶۰۳ء میں کئی جلدوں میں شائع ہوئی تیمور کا حال شامل کیا، ابتدا زمانہ میں تیمور کے جس قدر حالات لکھے گئے وہ پرچاز، ہز پلگرمز (Purchas,his Pilgrims)

---

[۱] مارلو کے اس ناٹک میں کسی صحیح اور مستند واقعہ کو تلاش کرنا عبث ہے، سوائے تیمور اور بایزید کے کوئی شخص اس ناٹک میں ایسا نہیں جو تاریخی اصلیت رکھتا ہو، صرف ایک نام ایسا ہے جس میں واقعی مشرقی آواز موجود ہے اور وہ ''یوسم کاسین'' ہے برگیرون نے اپنی کتاب ''تاریخ ساراسین'' (۱۶۵۳ء) میں ایک شخص یوسم کسن کا ذکر کیا ہے جو تیمور کی ملازمت میں تھا یہ غالباً ''ترکمانان سفید میش'' کا کوئی شخص تھا، شاعر مارلو نے اماسیہ اور سوریا کے بادشاہوں کا ذکر کیا ہے، سوریا سے غالباً مراد سیریا (شام) ہے، اماسیہ اور سیریا ملکی صوبے ضرور تھے لیکن ان کے بادشاہ کسی تاریخ میں مذکور نہیں دیکھے ایک شخص اذرن حسین ترکمانان آق قویونلو کا سردار ضرور تاریخ میں بیان ہوا ہے جس نے ایک یونانی شہزادی سے شادی کی تھی، لیکن وہ تیمور سے دو پشتوں کے بعد گزرا ہے۔ (مصنف)

(مطبوعہ ۱۶۲۵ء) میں جمع کر دیئے گئے ہیں، میگنوں (Magnon) نے ۱۶۴۷ء میں ایک بڑی عجیب و غریب کتاب ''تیمور اعظم و بایزید'' (Le Grand Tamerlau et Bayazet) کے نام سے لکھی تھی، ۱۶۳۴ء میں برگیرون (Bergeron) نے (Voyages en Tartarie) ''اسفار تاتار'' ایک کتاب لکھی، اس میں تاتاریوں اور مسلمانوں کے اکثر حالات کسی قدر صحیح لکھے، غرض اب علم پیدا ہونے کی ابتدا ہوگئی اور اس میں ترقی اس صورت سے ہوئی کہ ۱۶۵۸ء میں واٹیر (Vattier) نے پیرس میں احمد ابن عرب شاہ کی کتاب عجائب المقدور کا ترجمہ شائع کیا۔

یورپ کے افسانوں میں جو تصور تیمور کی کھینچی گئی اس کا ایک عکس شاعر ملٹن کے شیطان میں نظر آتا ہے، بڑے بڑے صور و نفیر پھونک کر ملائکہ کی فوجوں کو لڑائی میں بلایا جاتا ہے، رایت اور علم بلند ہوتے ہیں، فرشتے جو راندہ درگاہ ہو کر ظلمت کی مخلوق ہو گئے ہیں بہشت کے دروازوں پر تومان اور قشوں آراستہ کرتے ہیں، ان منظروں کے علاوہ اس زمانے کے سامان جاہ و حشم جو مشرق کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے جس طرح ملٹن کی مشہور نظم ''جنت گم شدہ''[1] (Paradiae Lost) میں آئے ہیں اسی طرح تیمور کے افسانوں میں بھی بیان ہوئے ہیں، ایک مدت تک ''تمرلین'' یورپ کے علم ادب میں مشرق کے ایک مطلق العنان بادشاہ کا اعلیٰ ترین نمونہ ظاہر کیا گیا، اور پھر اعلیٰ نمونہ ''مغل اعظم'' کی صورت میں دکھایا

---

[1] سترہویں صدی عیسوی میں انگلستان کے مشہور و معروف لاطینی ادیب اور شاعر نے آخری عمر میں جبکہ بینائی جاتی رہی تھی ایک نظم ''جنت گم شد'' کے نام سے لکھی، اس نظم کا مضمون یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے فرزند مسیح کو ظاہر کر کے اس عالم کو تعمیر کرنے کی خدمت اس کے سپرد کی تھی تو بعض فرشتوں نے بہت برا مانا، عالم کو پیدا کرنا ایک بڑی ممتاز خدمت تھی اور اس کو انجام دینا یہ فرشتے اپنا استحقاق سمجھتے تھے، خدا کے اس فعل کو انہوں نے مسیح کی بے جا طرفداری سمجھا اور باغی ہوگئے، خدا اور خدا کے وفادار ملائکہ سے جنگ و پیکار میں مصروف ہوئے، اس حرکت پر خدا کا غضب اُن پر نازل ہوا، عرش کا فرش پھٹ گیا اور یہ باغی فرشتے راندہ درگاہ ہو کر آگ اور ظلمت کے طبقہ لامتناہی میں جس کے وسط میں یہ عالم مسیح کے ہاتھوں قائم ہونے والا تھا گرا دیئے گئے، ان باغی فرشتوں کا سردار ایک بڑا عالی منصب فرشتہ تھا جس کا نام بعد کو شیطان ہوا۔

اس اثنا میں مسیح نے نظام شمسی قائم کر کے اس کرۂ ارض کو پیدا کیا اور خدا کے حکم سے آدم اور آدم سے حوا پیدا ہو کر باغ عدن میں آرام سے رہنے لگے۔

شیطان کو جب معلوم ہوا کہ ایک نئی چیز پیدا کی گئی ہے جو خدا کی پسندیدہ اور اس کے فرزند کی بنائی

گیا، اور جس وقت فرانس میں والٹیر کا زمانہ آیا تو چین کے شہنشاہ کو بیان کرنے میں بھی یہی انداز اختیار کیا گیا، اور اب تیمور نے وہی جگہ لی جو پہلے ''ملک تاتار کے خان اعظم'' کو ملی تھی، اور اس خان تاتار کی عظمت یورپ کے ذہن میں مارکو پولو نے پیدا کی تھی، مگر ان سب باتوں کو اصلی تاریخ یا اصلی آدمیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔

جس وقت تک اٹھارویں صدی کی ابتدا میں پیتے دل کرواہ (Petis de la Corex) نے مولانا شرف الدین علی یزدی کی بڑی تصنیف ظفر نامے کا ترجمہ نہیں کیا تیمور کے حالات کی نسبت صحیح علم پیدا نہ ہو سکا۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہوئی ہے، تو اس کی تخریب کے درپے ہوا ظلمت کے طبقے سے کسی طرح رستہ ڈھونڈتا کرۂ ارض پر آ کر باغ عدن میں جا اترا اور یہاں حضرت حوا کو بہکا کر یہ نتیجہ پیدا کیا کہ آدم اور حوا دونوں باغ عدن سے نکال دیئے گے، اس حالتِ زار کو دیکھ کر مسیح ان کے شفیع بنے اور دنیا میں پیدا ہو کر نسل آدم کی نجات کے لئے مصلوب ہو کر آسمان پر چلے گئے، یہ نظم انگریزی ادب کا ایک جادو اور طلسم ہے بیان میں وہ قوت اور عظمت ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ایک ادیب نے اس نظم کی نسبت لکھا ہے کہ ''ملٹن نگینہ پر نقش نہیں بناتا تھا بلکہ سر بفلک پہاڑوں کی پیشانی پر مصوری کرتا تھا''۔ اس کی تصویریں اتنی عظیم ہوتی ہیں کہ انسان کے تصور کی حدود سے نکل جاتی ہیں۔ (مترجم)

(۸)

''مونگل'' (مغل)

ایشیا سے باہر کے مصنفوں نے ''مونگل'' کے لفظ کو اس قدر مختلف معنی پہنائے ہیں کہ شروع زمانے کے حالات کی طرف رجوع کر کے اس کے اصلی مفہوم کو سمجھنے کی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے۔

ابتداء میں ''مونگل'' ''مون کو'' یا ''منگ کو'' تھا جس کے معنی ''جوانمرد'' یا ''روپہلی'' قوم کے تھے، اس قوم کی اصل تنگوسی اور قدیم ترکوں سے تھی، تنگوسی سائبیریا کلان کے اصلی قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا، بجز اس تعلق کے کہ ''منگ کو'' نے چین کا ملک فتح کیا اور کوئی تعلق اس کو اپنے زمانے کے چینیوں سے نہ تھا۔

منگ کو خانہ بدوش تھے، بلند قامت، قوی الجثہ نوشت و خواند سے قطعی معرا، گلوں پر گزر اوقات چراگاہوں کی تلاش میں بادیہ گرد، سب بالکل صحرائی تھے، دشت گوبی اور شمال کی ہموار زمینیں ان کا مسکن یا جولانگاہ تھیں، اور یہ وہی قوم تھی جسے یونان کے مؤرخ ہیروڈوٹس نے ''ستھین'' لکھا ہے جو ہون اور آلان قوموں کے عمزاد تھے، اور ہونی اور آلانی وہ قومیں تھیں جنہوں نے مغرب کی طرف یورش کر کے یورپ کو ماتم کدہ بنا دیا تھا، یہ لوگ اس زمانے میں بھی گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے اور ان میں کے جو لوگ اب باقی ہیں وہ بھی مرکب سوار ہیں۔

چین کے باشندے مدت ہوئی کہ منگلوؤں کو ''ہی انگ نو'' کہتے تھے یا بھوتوں پریتوں پر اُن کے نام رکھ چھوڑتے تھے، چینیوں نے ان کو اپنے ملک سے باہر رکھنے کے لئے

چین کی سرحد پر ایک بڑی دیوار بنائی تھی، اور یہ دیوار اسی طرح بنائی تھی جیسے قصہ مشہور ہے کہ اسکندر مقدونی نے اس سے کچھ زمانے پہلے ''پورٹی کیسپی'' Portae Caspiae والی دیوار وحشیوں کو اپنی حدود سلطنت سے باہر رکھنے کے لئے بنوائی تھی، ایشیا کی ارض مرتفع کے رہنے والے منگلوؤں کو جو گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے، گوشت کھاتے اور دودھ پیتے تھے اور خانہ بدوش رہتے تھے، ہیروڈوٹس نے ''ستھین'' بتایا ہے، رومانی مصنفوں نے جو بعد کو آئے انھیں ہون لکھا، اور چینیوں نے اُنھیں ''ہی انگ نو'' کہا، یہ تمام الفاظ ایک ہی نسل کے لئے مستعمل ہوئے ہیں۔

''ہی انگ نو'' کے معنی بحیثیت مجموعی تمام خانہ بدوش قوموں کے ہیں، یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ''ہی انگ نو'' کوئی ایسی جماعت قوموں کی تھی جو باہم منتظم و متحد تھی، کیونکہ یہ قومیں ہمیشہ آپس میں لڑتی رہتی تھیں، ۱۱۶۲ء میں چنگیز خان کے زمانے میں اس مجموعہ اقوام یعنی ''ہی انگ نو'' میں بیسیوں قومیں شامل تھیں، مثلاً مشرق سے مغرب کی سمت میں لیجئے تو منچو کے آباؤ اجداد تاتاری مونگل (مغل)، کریت (قریت)، جلیر اور ایغور سب کا شمار ''ہی انگ نو'' ہی میں تھا، چنگیز خان نے جو ''مونگل'' کا سردار تھا باقی قوموں پر غلبہ حاصل کیا اور ان قوموں سے سلطنت مونگل یا مغل کا قلب و صدر پیدا کر دیا۔

چنگیز خان مغلوں کی سلطنت کا بانی تھا، تمام مغل اس کے سب سے پہلے متبعین میں تھے، پھر خانہ بدوش قومیں مجموعی طور پر ایسی قومیں تھیں جن کو چنگیز خان نے سب سے پہلے اپنا مطیع بنایا، ان کی مدد سے چین فتح کر کے وہاں اپنا عمل دخل کیا، پھر ان خانہ بدوش قوموں اور چینیوں کی مدد سے وسط ایشیا کے ترکوں کو مغلوب کیا، اور اس کے بعد باقی دنیا کے ایک بڑے حصے کو فتح کر لیا۔

پس ''مونگل'' یا ''منگل'' (یا مغل) کے معنی آج کل دو مفہوموں میں سے کسی ایک مفہوم کے ہیں، وہ دو مفہوم یہ ہیں ''مونگل'' (یا مغل) اُسے کہتے ہیں جو مونگل کی سلطنت عظمیٰ کا جس کا وجود بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں تھا باشندہ ہو، یا اصلی قوم ''مونگل'' کی اولاد سے ہو، ہم نے اس آخری معنوں میں مونگل (مغل) کا لفظ استعمال کیا ہے۔[1]

---

[1] اس بحث کو پورے طور پر مطالعہ کرنے کے لئے دیکھو ای، ایچ۔ پارکر E.H.Parker کی کتاب ''تاتاریوں کے ایک ہزار برس'' نیز ''چین کی تاریخ قدیم'' مؤلف فریڈرخ ہرتھ Fredriech Hirth نیز ابوالغازی بہادر خان کی ''تاریخ و نسب تاتار'' (کیمبرج میڈی ایول ہسٹری جلد چہارم)۔ مصنف۔

(۹)

تاتار

لفظ تاتار میں مونگل (مغل) سے بھی زیادہ مختلف چیزوں کی آمیزش کر دی گئی ہے، شروع میں تاتار ایک مختصر سی خانہ بدوش قوم کا نام تھا، یہ قوم مونگل خاص کے مسکن سے مشرق میں رہتی تھی، اور مونگل سے بہت مشابہ تھی، ہمیں یہ نہیں معلوم کہ لفظ تاتار کی اصل کسی پرانے سردار قبیلہ تاتور کے نام سے ہے، یا چینی اصطلاح ''تا۔تا'' اس کا ماخذ ہے۔ [1]

تاتار ایک ایسی خانہ بدوش قوم تھی جو چینیوں سے بہ نسبت اور غیر قوموں کے سب سے زیادہ قریب بودوباش رکھتی تھی، اس لئے چینیوں نے تمام خانہ بدوش قوموں کا نام تاتار رکھ دیا، یہ نام برقرار رہا اور چینی اب تک اس کا تلفظ تاتار ہی کرتے ہیں، اس نام کو ایسا استحکام ہوا کہ یورپ کے مورخوں نے اس کو جملہ اقوامِ خانہ بدوش کے لئے استعمال کیا، باوجودیکہ شروع کے یورپین جو تیرہویں صدی عیسوی میں تاتاری سلطنت میں پہنچے تھے ان کو مغلوں نے آگاہ بھی کیا کہ جب مغلوں کا تذکرہ کرنا ہو تو انھیں تاتار نہ کہا جائے کیونکہ تاتار تو وہ قوم ہے جسے مغلوں نے فتح کیا ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ بارہویں

[1] آجکل کے محققوں کا میلان خاطر یہ ہے کہ لفظ تاتار کو اس کی اصلی صورت تاتار پر پھر قائم کر دیا جائے، دلیل اس کے لئے یہ پیش کی جاتی ہے کہ لفظ تار جو ایک بامعنی لفظ ہے جب اس کی تکریر کر کے تار تار کہتے ہیں تو اس کے معنی میں زیادہ زور پیدا ہو جاتا ہے چینیوں کی زبان سے چونکہ ''ر'' کا حرف ہر جگہ صاف ادا نہیں ہوتا تھا اس لئے وہ تار تار کو تاتار کہتے تھے شروع زمانے کے یورپین سیاحوں نے بھی ہمیشہ تارتار لکھا ہے، بجانب دیگر عربی اور فارسی مؤرخوں نے کبھی تارتار نہیں لکھا اور آج کل کے تاتاری بھی اس کا تلفظ اس طرح نہیں کرتے، تار جو مادہ ہے اس کے معنی پھرنے والے اور اٹھنے والے کے ہیں، یا ممکن ہے یہ مادہ تیر یا تور ہو جو توران اور ترکی میں پایا جاتا ہے، مگر یہ امر مشتبہ ہے۔ (مصنف)

صدی عیسوی کے برطانیہ میں نارمن لوگ اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ ان کو سیکسن کہا جائے، (کیونکہ نارمن نے سیکسن کو فتح کیا تھا)۔

مغلوں سے مغلوب ہو کر ۱۲۰۰ء کے بعد تاریخی مقاصد کے لئے تاتار مفقود ہو جاتے ہیں، اور مغلوں کی سلطنت کے مسلح لوگوں میں مل جل کر ان میں کوئی خاص تمیز نہیں رہتی۔

ایشیائی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ ایک شے کو اس شے کے نام سے زیادہ باوقعت سمجھے، یورپین مؤرخوں کے نزدیک چنگیز خان مغلوں کا شہنشاہ تھا لیکن چنگیز خان کی رعایا اس کو خاقان یعنی خان اعظم تمام دنیا کا سمجھتی تھی، چنگیز خان کا نام زبان پر لانا بے ادبی سمجھا جاتا تھا، اصل چیز جو اس کے پاس تھی وہ سلطنت تھی، نام کوئی چیز نہ تھا، مغل اور تاتار خاص کر اس زمانے میں کتابت نہ جانتے تھے، غیر ملکوں کے لوگ ان کے ہاں کاتب کی خدمت پر رہتے تھے، اور تحریر کی زبان تقریر کی زبان سے مختلف تھی، مغلوں کی طرف سے جو تحریریں یورپ میں آئیں اُن میں کاتبوں نے خاقان کے نام اس طرح لکھے، (۱) جگہ خالی چھوڑ دی (۲) زمین پر خدا کا نائب (۳) عالم کا فرمانروا۔ (۴) کل نوع بشر کا شہنشاہ۔ ''مغل'' کا لفظ کہیں استعمال نہیں کیا گیا، مارکوپولو جب سیاحت سے واپس آیا تو تارتار یا تارتری کا لفظ اپنے ساتھ لایا۔

ان کے ماسوا اور حالات سے ہم لاعلم ہیں، روسیوں نے جنھیں سب سے پہلے اور بہت مدت تک ان خانہ بدوش فاتحوں سے واسطہ رہا، شروع سے تاتار کا لفظ استعمال کیا اور اب تک یہی لفظ بولتے ہیں، مصنف ہوورتھ کا خیال ہے کہ مغلوں کی سرکردگی میں پہلا لشکر جو روس کو فتح کرنے اٹھا اس کے قراول میں تاتاریوں کی فوج تھی، روسیوں سے تعلق ہونے پر یورپ والوں نے بھی تاتار کا لفظ بولنا اختیار کر لیا، اور چین کا نام ختائی (خطائی) ''کیتھے'' بھی انھیں جب ہی معلوم ہوا، کیتھے (خطائی) کا لفظ بعد کو متروک ہو گیا، لیکن جب مغلوں کی ماتحتی میں خانہ بدوش قوموں نے دنیا میں گشت لگانا شروع کیا تو ان قوموں کا نام تاتار لیا گیا اور اب تک یہی نام لیا جاتا ہے، اس کو بدلنے کا وقت اب نہیں رہا۔

برلاس کے قبیلے یعنی تیمور کے آباؤ اجداد کے قبیلے کو اصلی تاتاریوں سے جو جھیل

بیار کے کنارے اور، اور مقامات میں شکار کھیلا کرتے تھے کوئی واسطہ نہ تھا، برلاس کے آدمی جس قدر یکسانی اُن لوگوں سے رکھتے تھے جنھیں ہم قدیم ترک کہتے ہیں اور کسی سے نہ رکھتے تھے۔

لیکن برلاس کے آدمیوں کے لئے بھی ہمارے پاس تاتار سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہے، مولانا شرف الدین علی یزدی نے بھی یہی لفظ برتا ہے، اور میر خوند اور خوند امیر بھی یہی لکھتے ہیں۔

ابو الغازی خان نے بھی برلاس کو تاتار لکھا ہے اور ایرانی اور عرب مصنفین نے جو بعد کو آئے تاتار اور ترک دونوں لفظ استعمال کئے ہیں۔ آج کل کے محققوں میں سر ہنری ہوورتھ اور ایڈورڈ، جی، براؤن نے بھی تاتار لکھا ہے لیکن لیون کاہون اور آرمینیوس وامبرے نے بہت وثوق کیساتھ برلاس کو ترک کہنا صحیح سمجھا ہے، اس کی وجہ انھی کو معلوم ہے۔

اس کتاب میں ہم نے تاتار کا لفظ استعمال کیا ہے نسلی یا تاریخی حیثیت سے نہیں، بلکہ اس خیال سے کہ اور لفظوں سے یہ لفظ تیمور کی قوم والوں کو بیان کرنے کے لئے بہتر معلوم ہوا بہر کیف اصل مطلب انسان سے ہے، نام کوئی چیز نہیں ہے جتہ (چغتائیہ) اور سیر آوردہ (قبچاق) کو ہم نے مغل لکھا ہے کیونکہ اب تک یہ قومیں خانانِ مغل کی اولاد کے زیر فرمان چلی آتی ہیں۔ [1]

---

[1] زیادہ حالات کے لئے دیکھو ہوورتھ جلد دوم، نیز کتاب ''وسط ایشیا کے ترک'' مصنف M. A. Czaplicka (ایم۔ اے زاپلیکا) اسلامی خاندانہائے شاہی'' مصنف لین پول، نیز (کزنائٹ زوف) P. Kuznietzoff کی کتاب وسط ایشیا کے تمدن اور السنہ'' نیز وہ مضامین دیکھے جائیں جو ایس، ڈبلیو کوئیلے S. W. Koee کے لکھے ہوئے جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے نئے سلسلے کی جلد ۱۴ میں درج ہوئے ہیں۔ (مصنف)

(۱۰)

ترک

سالہا سال سے علمائے لسانیات و انسانیات واثریات نے اور ایسے ارباب سیاست نے جو مسئلہ ''ہمہ ترک'' کے حامی ہیں ترک کے لفظ کو فٹ بال بنا رکھا ہے اور اتنی گرد اڑائی ہے کہ گرد کا فٹ بال سے اور فٹ بال کا گرد سے تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

قصے اور روایتیں بکثرت ہیں، ایک کہانی بھیڑیئے کی مادہ والی ہے، دوسری متبرک روایت ترک بن یافث کی ہے، تیسرا قصہ یہ ہے کہ وسط ایشیا میں ایک بڑی شائستہ سلطنت تھی جو فلزات کی صنعت اور گھوڑوں کی پرورش میں یدطولیٰ رکھتی تھی، غرض یہ سب افسانے بہت دلچسپ ہیں مگر کوئی بھی ایسا نہیں جو ازاول تا آخر باور کیا جا سکے، بیان اس حد تک ہوا ہے کہ قسطنطنیہ کے نشانِ ہلال کی جگہ اب یہ تحریک شروع ہوئی ہے کہ بھیڑیئے کا سر سونے کا بنا کر سلطنت کا نشان قرار دیا جائے، مگر ظاہر یہی ہوتا ہے، کہ سنہ عیسوی کی پانچویں صدی سے پہلے ترکوں کا حال کچھ بھی کسی کو معلوم نہ تھا۔

پانچویں صدی عیسوی کے بعد البتہ ''ہی انگ نو'' کے مجموعہ اقوام سے ایک قوم جدا ہو کر ''جبل الذہب'' (کوہ التائی) میں جو چین اور گوبی کے بیچ میں تھا آباد ہو گئی، اس قوم کے خاندانوں کو اسینہ کہتے تھے، کبھی کبھی وہ ترک بھی کہے جاتے تھے، ترک کے معنی لوہے کی ٹوپی (خود) کے ہیں یا تو اس خود پوشی کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ جہاں وہ رہتے تھے اس کے قریب ایک پہاڑ گنبد کی شکل کا تھا، انھیں ترک کہنے لگے، یہ بھی بیان ہوا ہے کہ چینی ترک کو تاؤ کی کہتے تھے کیونکہ ''ر'' کا تلفظ چینیوں سے ہوتا نہ تھا لیکن تاؤ کے معنی چینی زبان میں

ناپاک کتے کے ہیں اور غیر ممالک کے کتوں کو جس کی شہادت اکثر یورپین بخوبی دے سکتے
ہیں چین کے لوگ اب تک تاؤ کہتے ہیں، یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ چینیوں نے کبھی یہ لفظ
خانہ بدوش اسینہ کو اپنی نسبت کہتے سنا تھا، اور نہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چین کے لوگ اسینہ کو
گالیاں دیا کرتے تھے۔

بہرکیف یورپ کے محققوں نے چین کی تاریخی کتابوں سے زیادہ تر استفادہ کر
کے اسینہ کے قرابتدار قبیلوں کو اسی نسلی نام یعنی ترک سے موسوم کر دیا اور ''ہی انگ نو'' قوموں
کے مجموعے سے جو قبیلے مشرق کی طرف آباد تھے ان میں ایغور اور جلیر کو بھی ترک ہی کا نام
دے دیا گیا، مغرب کی طرف ہمارے دوست قرلوق، قنقلی، قراقلماق، قبچاق[1] تھے جن سے
سیر اوردہ کی افتاد ہوئی، یہ بھی ترک کہلائے گئے۔

یہ لوگ ترک اس وجہ سے کہلائے گئے کہ وہ سب ایک ہی سی زبان بولتے تھے
جسے اب ترکی کہتے ہیں لیکن یہ قسطنطنیہ کی ترکی زبان نہ تھی، شروع میں اس شہر کی بعض بولیاں
مغلوں کی بولیوں سے بہت مشابہ تھیں۔

غرض اس طرح سے یورپ کے مصنفوں نے ترک کا نام اپنی تصنیفوں میں رائج
کر لیا۔ جس نام کو ایک چھوٹے سے قبیلے کے لئے صحیح تسلیم کیا تھا اس کو متعدد بڑے بڑے
قبیلوں پر عائد کر دیا، یہ بات ایسی تھی جس پر لیتھوانیہ کے بادشاہ کا ایک قصہ یاد آتا ہے، یہ
بادشاہ جس وقت عیسائی ہوا تو اس نے اپنی قوم والوں کو بھی ایک ایک گروہ میں نامزد کر کے
اصطباغ کیلئے طلب کیا، جب اصطباغ شروع ہوا تو ایک گروہ کو پیٹر اور دوسرے گروہ کو پال
کا نام دے دیا۔

بہرصورت ترک خشکی کی سمت میں چین کی سرحد پر موجود تھے، گوشت خور تھے،
ریشم کے کپڑے پہنتے تھے اور دودھ پیتے تھے، ان میں جو جوانمرد ہوتے تھے ان کو بہاتور
(بہادر) کہتے تھے، شہزادیاں خاتون کہلاتی تھیں، اور بادشاہوں کا لقب خاقان ہوتا تھا،
کمانیں ان کے پاس سینگھ کی ہوتی تھیں اور ان کے تیروں سے زہ سے چھٹنے کے بعد ایک

1۔ قرلوق = برفستان کے رہنے والے، قنقلی = اونچی گاڑی، قراقلماق = کالی ٹوپی، قبچاق = صحرائی۔

مسلسل آواز پیدا ہوتی تھی، اور اُن کا جھنڈا ''دغ طوغ'' کہلاتا تھا، یعنی اس پر بھیڑیئے کا
سر بنا ہوتا تھا اور یہ سونے کا ہوتا تھا، اور یہ جھنڈا الن خاقان (یعنی گرگ خاقان) کا نشان ہوتا
تھا، صرف بادشاہ ہی اس قسم کا رایت رکھ سکتا تھا، اور صرف اسی کو یہ حق حاصل تھا، کہ دن بھر
میں پانچ مرتبہ اپنا نقارہ بجوائے، ان خاقانوں میں ہم تیمور کے بزرگوں کو بھی دیکھتے ہیں۔

یہ حالت ساتویں صدی عیسوی میں تھی جبکہ مغل چمڑا پہنتے تھے، مچھلی اور اور
جانوروں کا گوشت اور ناپاک چیزیں کھاتے تھے، یہ اس وقت بھی سیبر یعنی شمالی ملک میں
رہتے تھے جسے اب ہم سائبیریا کہتے ہیں، اس کے بعد کے واقعات بہت پیچیدہ شکل رکھتے
ہیں یہ بڑے بڑے قبیلے جن میں سوائے زبان کے جسے ہم ''ٹرکش'' کہتے ہیں اور کوئی بات
ایک سی نہ تھی بہت سی وجوہ سے جن میں زیادہ تر لڑائی بڑا سبب تھی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر
آگے بڑھتے رہے، (یہ ''ٹرکش'' زبان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بگڑی ہوئی سنسکرت کے حروف
میں یا سریانی کتابت میں لکھی بھی جاتی تھی)۔

ان قبیلوں نے نقل مکان کیا اور مغرب کی طرف جا کر دور دور تک پھیل گئے، وسط
ایشیا کی وسیع زمین پر مختلف سلطنتیں قائم ہوئیں، قائم ہو کر مل گئیں، اور مل کر جدا جدا ہوتی
رہیں، مگر ہر حال میں ایک قسم کی نظری سیادت چین کے بادشاہ کی اُن پر قائم رہی اور اس
کے ساتھ ہی عربوں کی نئی نئی قوت نے بھی اُن کو مغلوب کرنا چاہا، یہ نام نہاد ترک بت
پرست تھے، ایغور، قرلوق اور قراختائی سب کے عروج کے دن اپنے اپنے وقت پر آئے،
پھر چنگیز خان کے مغل وارد ہوئے اور انھوں نے اُن قبیلوں کو پراگندہ کیا اور پھر اُنہی میں
سے اکثر قبائل کو اپنے اردو میں شامل کیا۔

مگر ان تمام قبیلوں نے اپنے نام برقرار رکھے، گو ان ناموں میں جب ایک قبیلہ
دوسرے قبیلے میں شریک یا شرکت کے بعد علیحدگی اختیار کرتا تھا تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں،
ان میں سے بعض مثلاً قرغیز اور قریت اب تک موجود ہیں، برلاس تمام لڑائیوں میں شریک
ہوتے تھے، ماوراء النہر میں ان کے قدم جم گئے تھے، ایک روایت مشہور ہے کہ برلاس کے
سرداروں میں سے ایک شخص خانان مغل سے ایک بڑے خان کا قراچار یعنی سپہ سالار تھا۔

اس زمانے میں (یعنی چنگیز خان کی موت کے بعد تیمور کے پیدا ہونے سے

پہلے) وہ قبیلے جنھیں مؤرخوں نے ترک کا نام دیا تھا اور جن کے پڑوسی انھیں تاتار کہا کرتے تھے برائے نام مغل کہلانے لگے تھے، لیکن اسکاٹ لینڈ کے جرگوں کی طرح یہ قبیلے بھی اپنے خاندان کا نام ہرگز نہ چھوڑتے تھے، یہ لوگ مختلف زبانوں کے حروف میں اپنی زبان لکھنے لگے تھے، اور ان میں سے اکثر قبیلے مسلمان ہو گئے تھے، جو مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ بدھ مت عقیدہ رکھتے تھے، مختلف ملکوں کی کتب تواریخ میں اُن کا تذکرہ ہوا اور تقریباً ہر جگہ وہ باعث آزار ثابت ہوئے، تیمور نے ان قبیلوں میں سے اکثر کو اپنا مطیع کر لیا۔

پس معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ترکی سلطنت یا ترکوں کی قوم فی نفسہ کبھی کوئی وجود نہ رکھتی تھی، عثانلی صحرا گرد ترکمان تھے جو کسی صاحب خاندان کی اولاد نہ تھے، انہوں نے اپنی قوت بازو سے ملک فتح کئے، یورپ میں اور مغربی ایشیا میں اکثر شادیاں کیں، ان کی زبان زیادہ تر عربی اور فارسی سے مرکب ہے، پس عثانلی کبھی ترک نہ تھے۔

شہر صور کے ولیم نے جو جنگہائے صلیب کا مؤرخ ہے اس چیستان کو ٹھیک حل کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ترک کے معنی آقا کے اور ترکمان کے معنی آوارہ گرد کے ہیں۔

عثانلیوں کو عجیب مشکل کا سامنا تھا، یورپ والے انہیں ترک کہتے تھے یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنا ترک ہونا تسلیم کریں، جس ملک کو ہماری تاریخوں میں ترکی لکھا جاتا ہے وہ اس کے رہنے والوں کے لئے ترکی نہ تھا، آج سے دس برس پہلے تک اس کا نام ''عثانلی ولایت'' تھا۔[1]

---

[1] اس بحث کو زیادہ دیکھنا ہو تو لیون کاھون اور ای۔ ایچ۔ پارکر اور ابو الغازی بہادر خان کی تصانیف دیکھو، آرمینوس وامبیرے کی کتاب ''ترک'' اور ای۔ چادانیس کی کتاب ''مغرب کے ترک'' ہربرٹ ایڈمز گبنز کی کتاب ''عثمانی سلطنت کی بنیاد'' بھی پڑھنی چاہیے۔ (مصنف)

(۱۱)

شیخ الجبل

یورپ کا مشہور سیاح مارکو پولو جس وقت ایران میں سیاحی کرتا تھا تو حسنِ صباح اور اس کے معتقدوں کے متعلق اس نے بہت سے قصے سنے تھے، یہ لوگ ''حشیشین'' کے نام سے مشہور تھے مارکو پولو نے جو کچھ حال ان کا لکھا ہے اس میں رنگ آمیزی نہیں ہے بلکہ وہ بہت کچھ اصلیت پر مبنی اور قابل ملاحظہ ہے، مارکو پولو لکھتا ہے کہ

''علاؤالدین[2] ان کی زبان میں شیخ الجبل[1] کہلاتا تھا، شیخ الجبل نے دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک وادی کو دونوں طرف سے بند کر کے اس میں ایک پر فضا باغ لگایا، یہ باغ اس قدر خوشنما تھا کہ ایسا کسی نے نہ دیکھا ہوگا، اس میں طرح طرح کے پھلوں کے درخت اور عالیشان مکانات اور محل تھے، یہ محل اس قدر پُر تکلف و پر تجمل تھے کہ بغیر دیکھے ان کی

---

[1] پہاڑی قلعوں کے فرمانروا جنہوں نے حشیشوں کے خنجر کا خوف پیدا کر کے اپنی حکومت قائم کی تھی ''شیخ الجبل'' کہلاتے تھے، یہاں متن میں جو عبارت ہم نے درج کی ہے وہ وینس کے مشہور سیاح مارکو پولو کے سفرنامے سے نقل کی ہے اور یہ سفرنامہ وہ ہے جسے یول کورڈیر نے شائع کیا تھا۔ (مصنف)

[2] فرقہ اسماعیلیہ کے ایک گروہ کی نسبت ''حشیشین'' کا ہتک آمیز لفظ یورپ کے صلیبی مجاہدوں کی ایجاد ہے اسلامی تاریخ میں اس لقب سے کوئی گروہ یاد نہیں کیا گیا، صوبہ جبال کے شہر قزوین سے شمال مغرب میں اور صوبہ رودبار کی سرحد سے ملے ہوئے پہاڑی علاقے میں تقریباً پچاس قلعے ایسے تھے جن پر اسماعیلیہ کا یہ گروہ حکومت کرتا تھا، ان کی ایک پوری ریاست قائم ہو گئی تھی جس کے آٹھ فرمانروا گزرے ہیں، ایک کا لقب شیخ الجبل ہوتا تھا، علاؤالدین جس کا یہاں ذکر آیا ہے ساتواں شیخ تھا، اس نے ۵۱۸ ہجری سے ۶۵۳ ہجری تک قلعہ الموت میں حکومت کی تھی، دیکھو اسلامک انسائیکلو پیڈیا جلد اوّل صفحات ۴۹۱، ۴۹۲، لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی انگریزی صفحات ۲۲۰۔۲۲۱۔ (مترجم)

خوشنمائی کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا، تمام عمارتوں میں سونے کا کام اور نفیس گلکاری کی گئی تھی۔

''اور یہاں نہریں تھیں جن میں شیر و شراب، شہد و آب مصفاء ہر وقت جاری رہتا تھا، اور دنیا کی حسین ترین عورتیں یہاں موجود تھیں جو ہر قسم کے ساز بجانے گانے اور ناچنے میں بڑی مشاق تھیں اور رقص ایسا کرتی تھیں کہ دیکھنے والے مسحور ہو جاتے تھے، شیخ الجبل اپنے معتقدوں کو یہ باور کرا دیتا تھا کہ یہی مقام اصلی فردوس ہے۔

''شیخ نے یہ باغ مسلمانوں کی بہشت کے نمونے پر بنوایا تھا، اور اس میں بہت سی ایسی چیزیں مہیا کی تھیں جن کا اصلی بہشت میں بھی موجود ہونا بیان کیا جاتا تھا، شراب، دودھ، شہد اور پانی کی نہریں تھیں اور حوریں تھیں جو بہشت کے رہنے والوں کو خوش کرتی تھیں ادھر کے مسلمان سمجھتے تھے کہ بہشت حقیقت میں یہی ہے۔

''لیکن سوائے ایسے شخص کے جسے شیخ الجبل ''فدائی'' بنانا چاہتا ہو یہاں کسی اور کے داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، باغ کے دروازے پر ایک قلعہ تھا، یہ ایسا مضبوط تھا کہ تمام دنیا بھی حملہ کرے تو فتح نہ ہو اور وادیِ بہشت میں جانے کا راستہ سوائے اس قلعہ کے کہیں سے نہ تھا، شیخ کے دربار میں اس کے ملک کے چند نوعمر ہر وقت حاضر رہا کرتے تھے، کہ بارہ برس کی عمر سے ۲۰ برس کی عمر تک ہوتے تھے، اور سب حربی کام سیکھنے کے شوقین ہوتے تھے، ان لڑکوں کو شیخ بہشت کے قصے سنایا کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ نوعمر اس کی بات کا ایسا ہی یقین کرنے لگیں جیسے کسی پیغمبر کی اُمت اپنے پیغمبر کا یقین کرتی ہے، رفتہ رفتہ یہ لوگ شیخ کو واقعی اپنا پیغمبر ماننے لگتے تھے، اس کے بعد شیخ اُن لوگوں کو اپنی بہشت میں لے جاتا تھا، مگر ایک وقت میں چار چھ یا دس سے زیادہ کو نہیں لے جاتا تھا، وہاں لے جانے سے پہلے وہ ان کو کوئی ایسی چیز پلا دیتا تھا کہ وہ غافل ہو جاتے تھے، غافل ہو جانے کے بعد شیخ کے حکم سے لوگ انہیں اٹھا کر بہشت میں پہنچا دیتے تھے، جب ان کی آنکھ کھلتی تھی تو دیکھتے تھے کہ بہشت میں موجود ہیں۔

''پس جب وہ جاگے اور دیکھا کہ جگہ بہت ہی پُر فضا اور خوشنما ہے تو وہ سمجھے کہ بہشت حقیقت میں یہی ہے، پھر خوبصورت عورتوں نے اُن سے خوب جی بھر کر لطف اٹھائے اور جو کچھ ان مردوں نے اُن سے چاہا وہ انہوں نے پیش کیا، یہ مرد ایسے خوش تھے کہ اپنی مرضی سے کبھی اس جگہ سے باہر نکلنا گوارا نہ کرتے تھے۔

''یہ بادشاہ جسے ہم شیخ کہتے ہیں بڑی شان و شوکت کا دربار رکھتا تھا، اور اس نے

پہاڑوں کے بے وقوف باشندوں کو یقین دلا رکھا تھا کہ وہ پیغمبر ہے اور جب اپنے کسی کام کو کسی ''حشیشی'' کو بھیجنا ہوتا تھا تو وہ حکم دیتا تھا کہ بہشت میں جو جوان لڑکے موجود ہیں ان میں سے کسی کو وہ چیز پلا کر جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے پہلے بے ہوش کیا جائے اور پھر اس حالت بے ہوشی میں اسے وہاں سے اٹھا کر شیخ کے محل میں حاضر کیا جائے۔

''غرض جب بہشت سے نکل کر ایسے آدمی کو ہوش آتا تھا تو وہ دیکھتا تھا کہ شیخ کے محل میں ہوں، بہشت میں نہیں ہوں، اس کے بعد اسے شیخ کے روبرو لاتے تھے، حشیشی شیخ کو نہایت ادب سے سلام کرتا تھا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ وہ اس وقت ایک سچے پیغمبر کے سامنے حاضر ہے، اس کے بعد شیخ اس سے پوچھتا کہ ''تم کہاں سے آئے ہو'' وہ جواب دیتا ''بہشت سے آ رہا ہوں، اور وہ بہشت بالکل ایسی ہی ہے جس کا مسلمانوں سے وعدہ ہوا ہے'' اور وہ بہشت کا حال اس طرح بیان کرتا کہ دربار میں جو لوگ حاضر ہوتے انھیں بھی بہشت میں جانے کا شوق پیدا ہو جاتا۔

''پس جب شیخ کو ضرورت ہوتی کہ کسی ملک کے بادشاہ کو ہلاک کرا دے تو وہ اس نوجوان فدائی سے کہتا کہ ''اچھا تم جاؤ اور فلاں شخص کو ہلاک کر دو، اور جب تم اُسے ہلاک کر کے واپس آ ؤ گے تو میرے فرشتے تم کو بہشت میں لے جائیں گے اور اگر تم اس کام کو انجام دینے میں مر گئے تو بھی میں اپنے فرشتوں کو بھیج کر تمہیں بہشت میں واپس پہنچوا دوں گا، شیخ ان باتوں کا اس آدمی کو یقین دلا دیتا تھا، اس لئے کوئی حکم اس کا ایسا نہ ہوتا تھا جس کے بجا لانے میں یہ آدمی کسی خطرے سے ڈرتا کیونکہ اس کی بڑی خواہش یہ ہوتی تھی کہ جس بہشت کو چھوڑ کر آیا ہے کسی طرح پھر اس میں پہنچ جائے، غرض اس طریقے سے شیخ الجبل جس کو چاہتا تھا مروا ڈالتا تھا، اور یہی وجہ تھی کہ ملکوں کے بادشاہ اس سے بے حد خوف میں رہتے تھے اور وہ شیخ کے مطیع اور باجگذار ہو جاتے تھے تاکہ شیخ ان پر مہربان رہے۔[1]

---

[1] ایشیا کے جن مشاہیر کو فدائیوں کے خنجر نے ہلاک کیا ان کی تعداد بہت تھی، اس میں مصر کا ایک خلیفہ، حلب، دمشق، اور موصل کے بادشاہ اور فرمانروا تھے، طرابلس کا عیسائی بادشاہ ریمند اور سنت سرات کا عیسائی حاکم کونریڈ بھی انہی مقتولوں میں شامل تھا گو مدت تک کونریڈ کی نسبت یہ سمجھا گیا کہ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ جو جنگ صلیب میں شریک ہوا تھا اس کا قاتل تھا، بہرحال فدائیوں سے یہ سخت غلطی ہوئی کہ انہوں نے مغلوں کے ایک شہزادے کو مار ڈالا، اس پر مغلوں نے برہم ہو کر فدائیوں کے بہت سے قلعوں کو بالکل غارت کر دیا، مغلوں کے بعد تیمور نے فدائیوں کا بالکل ہی خاتمہ کر دیا، زیادہ معلومات حاصل کرنی ہوں تو دیکھو مارکو پولو کا سفرنامہ جسے یول کورڈیر نے شائع کیا ہے، نیز اوڈرریک (Odoric) کا سفرنامہ اور جوائن ولا (Joinvilla) کی تاریخ نیز رشید الدین کی تاریخ شاہان مغلیہ ایران جسکا ترجمہ کواترمیری نے کیا ہے۔ (مصنف)

(۱۲)

تبریز کا عظیم الشان شہر

انسان جب تک اپنے تصور پر پورا زور نہ ڈالے گا ایشیا کے اس رفیع الشان شہر کی وسعت کا اندازہ کرنا غالباً مشکل ہوگا زمانہ حال میں وہ ایک شکستہ حال اور سوتا ہوا شہر معلوم ہوتا ہے، گویا ولایت آرمینیہ اور بحر خزر کے علاقے کے وسط میں دبا پڑا ہے، اس کا نام اب اتنا بھی مشہور نہیں جتنا کہ اس کے ہمسایہ شہر موصل کا ہے جس کا تذکرہ آج کل سرکاری کاغذات میں مٹی کے تیل کے حقوق کی بحث میں ہوا ہے۔

تیمور کے زمانے میں تبریز (جسے پرانے یورپ کے مؤرخوں نے بعض اوقات توریز لکھا ہے) تمام دنیا کی تجارت کا مخزن تھا، یہاں خراسان کی بڑی سڑک جنوب کی سڑک سے ملتی تھی، جو بغداد فارس سے ہوتی ہوئی خلیج فارس تک گئی تھی، جن لوگوں نے تبریز کو اس زمانے میں دیکھا تھا جب انہی کی نظر پیدا کر کے اس شہر کو دیکھا جائے گا تو اس کی پوری شان وعظمت کا اندازہ ہوگا۔

مارکو پولو لکھتا ہے، زمانہ ۱۲۷۰ء کے قریب کا ہے ''توریز (تبریز) ایک بہت بڑا اور خوشنما شہر ہے۔۔۔۔ اس کا موقع اتنا اچھا ہے کہ بغداد، ہندوستان اور گرم سیر ملکوں کا مال تجارت یہاں آتا ہے، شہر میں ارمنی، نسطوری، یعقوبی، حرجانی، ایرانی آباد ہیں، اور خاص تبریز کے باشندے ہیں جو مسلمان ہیں''۔

وینس کے محافظ خانوں کے کاغذات میں پڑھتے ہیں کہ ۱۳۴۱ء میں جنیوا کے لوگوں کا تبریز میں ایک بڑا کارخانہ تھا جس کا انتظام چوبیس تاجروں کی ایک انجمن کے سپرد تھا، اس کارخانے سے مطلب کوئی پتلی گھر نہیں ہے بلکہ ایسے گودام سے مراد ہے جہاں

تجارت کا مال جمع رہتا ہے۔

رشید الدین مشہور ایرانی مؤرخ جو ۱۳۰۰ء میں گذرا ہے لکھتا ہے کہ تبریز میں سلطان غازان خان ایلخانی کے دربار میں بڑے بڑے علمائے حکمت وہیئت، جید فاضل اور مؤرخ ہر مذہب وملت، طریقے اور فرقے کے موجود تھے، اور ولایت ختا، ہندوستان، کشمیر، تبت کے لوگ ایغور اور دیگر ترکی قوموں کے لوگ عرب اور افرنجی بھی وہاں نظر آتے تھے۔

ابن سعید اور مستوفی کی کتابیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مضافات شہر کی باہر والی فصیل کا دور ۲۵۰۰۰ قدم تھا، اور اس کی مسجدوں، مدرسوں، بیمارستانوں کی عمارتوں کے روکار کاشی کاری سے آراستہ اور مزین تھے، بلکہ اکثر عمارتیں سنگ مرمر یا سنگ آہک کی تھیں، مکانات کی تعداد ۲۰۰۰۰۰ تھی، مسافروں کے لئے سرائیں ان کے علاوہ تھیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ باشندوں کی تعداد ساڑھے بارہ لاکھ کے قریب تھی، پڑھنے میں آتا ہے کہ چالیس ہزار آدمی صرف ایک زلزلے میں مرے تھے۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ مشک اور عنبر کے بیچنے والوں کا ایک ایک بازار علیحدہ تھا، اور جب وہ جوہریوں کے بازار میں سے گزرا تو زرق برق لباس پہنے غلام تاتاری بیگمات کو جواہرات ملاحظہ کراتے تھے، جواہرات کی چمک ایسی تھی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔

فرا اودریک (Fra oderic) نے ۱۳۳۰ء میں اپنے سفرنامے میں تحریر کیا کہ ''میں آپ سے کہتا ہوں کہ تمام دنیا میں سب سے بہتر شہر تجارت کے لئے تبریز ہے، ہر شے یہاں کثرت سے دستیاب ہوتی ہے اور ہر چیز یہاں کی ایسی عجیب ہے کہ جب تک کوئی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے، سننے کا یقین نہیں آسکتا۔۔۔۔ یہاں کے عیسائی بیان کرتے ہیں کہ یہ شہر جس قدر مالگذاری کی رقم اپنے بادشاہ کو دیتا ہے وہ اس رقم سے زیادہ ہے جو فرانس کا ملک اپنے بادشاہ کو ادا کرتا ہے۔ سترہویں صدی تک شاردین (Chardin) نے اس کے باشندوں کی تعداد کا اندازہ درآنحالیکہ اس وقت کمی ہوگئی تھی ۵ لاکھ باون ہزار کیا تھا۔

تبریز سمرقند سے بڑا تھا جس کی فصیلیں مضافات سے قطع نظر کر کے دس ہزار قدم کا دور رکھتی تھیں، کلاویجو کہتا ہے کہ ارک سمرقند میں ڈیڑھ لاکھ آدمی تھے، ارک سے اس کی مراد صرف شہر سمرقند کے قلعے سے ہے۔

(۱۳)

کلاویجو اور تبریز

کلاویجو بادشاہ قشتالیہ کا وزیر تبریز سے گزرا تھا، اس نے اس شہر کے پورے حالات لکھے ہیں، تیمور کی حکومت جن شہروں پر تھی ان میں صرف چند شہر ایسے ہیں جن کے حالات صاف طور پر بیان ہوئے ہیں اور اُنہی چند شہروں میں ایک تبریز بھی ہے، اس شہر میں تیمور کا پہلا داخلہ کلاویجو کے وارد ہونے سے صرف پندرہ برس قبل کا ہے۔

کلاویجو کا بیان قابل توجہ ہے نہ صرف اس لحاظ سے کہ ایشیا کے ایک عظیم الشان شہر نے ایک یورپین کے دل پر کیا اثر پیدا کیا بلکہ اس اعتبار سے بھی کہ تیمور میں اتنی صلاحیت تھی کہ ایک بڑے شہر کو فتح کر کے اسے سلامت ہی نہیں رکھ سکتا تھا بلکہ اسے بارونق بھی بنا سکتا تھا، یورپ کی تاریخوں میں خصوصیت کے ساتھ ایک سے زیادہ عمارتوں کے نام ایسے بیان ہوئے ہیں جنھیں تیمور نے جلا کر خاک کر دیا، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کے آثار اب تک سلامت ہیں اور کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی کہ وہ کبھی جلائے گئے تھے، اس میں کلام نہیں کہ تیمور کی فوج کشی تباہی میں ہیبت ناک ہوتی تھی، مگر ہم اس بات کو یاد رکھ سکتے ہیں کہ جس شہر کے لوگ بلا مزاحمت اطاعت قبول کر لیتے تھے ان کے شہر کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچایا جاتا تھا، تقریباً ہر فتح کے بعد تیمور نے عمارات عامہ کو محفوظ رکھنے کا حکم دیا، مسجدیں، خانقاہیں آب رسانی کی تعمیرات، مدرسے، مقبرے کہیں منہدم نہیں کیے گئے، اور زیادہ تر صورتیں ایسی تھیں کہ جن شہروں یا عمارتوں کو مسمار کرایا اُن کے مسمار ہونے کے بعد انھیں از سرِ نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ ہم اکثر ایشیا کے سیّاحوں کے بیان سے معلوم کرتے ہیں کہ تیمور کے

مرنے کے بعد شہر کثرت سے آباد اور خوشحال تھے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑائی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا تھا، لیکن یورپین تاریخوں میں انہی شہروں کی صورت ہمارے سامنے جلے ہوئے کھنڈروں کی پیش کی جاتی ہے۔

اس غلط فہمی کی ایک وجہ بھی ہے، یورپ کے سیاح زیادہ تر ان ملکوں سے واقف تھے جو سمرقند سے بہت دور تھے مثلاً جنوبی روس، مغربی ایشیائے کوچک، شام کا ساحل، ایران کا سب سے زیادہ جنوبی حصہ اور ہندوستان، ان ملکوں میں نقصان کی تلافی کرنے میں تیمور کو کوئی دلچسپی نہ تھی، بلکہ یہ مقامات تو ایسے تھے کہ جو چیز یہاں کی پسند آئی اٹھا کر سمرقند پہنچا دی گئی، یہ تیمور کی ایک سیاسی مصلحت تھی کہ سرحد کو ویرانہ بنا کر مرکزِ سلطنت سے تعمیرات کا سلسلہ شروع کرے، یہی مصلحت شاہ رخ کی سلطنت کے زیب و زینت، شان و شوکت کا باعث ہوئی، یہ سلطنت ایران اور سمرقند اور اس ملک کو شامل کرتی تھی جسے آج کل افغانستان کہا جاتا ہے، ایران کے فنِ تعمیر کا عہدِ زریں شاہ رخ کی سلطنت نے پیدا کیا تھا جس نے غزنی سے لے کر تبریز تک یعنی ایک ہزار میل تک (اور یہ فاصلہ یورپ خاص کے طول کا نصف ہے) ہزار ہا عالی شان عمارتیں تیار کرا دیں، جس رقبے پر تیمور نے عمارتیں بنوائیں اس کو بھی یورپ کا نصف رقبہ سمجھنا چاہیے، اور اس رقبے میں سوائے تبریز کے باقی حصوں سے یورپ صدیوں تک ناواقف رہا۔[1]

[1] اس کتاب میں اس بات کی کہیں عمداً کوشش نہیں کی گئی ہے کہ تیمور کی طبیعت کے ظالمانہ پہلو یا غارت گری سے چشم پوشی کی جائے لیکن گذشتہ زمانے میں تیمور بار بار ہمارے سامنے اس شکل میں پیش کیا گیا کہ غارت گری میں نہایت سخت وحشی اور کٹے ہوئے سروں کا مینار چننے میں اعلیٰ درجہ کا معمار تھا، چونکہ یہ شکل اس کی بار بار پیش کی گئی ہے اس لئے اس کی اصلیت معلوم کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے، یعنی اس بات کی کوشش کرنے کو دل چاہتا ہے کہ کسی طرح معلوم تو ہو کہ واقعی وہ کیسا آدمی تھا، اس زمانے کا ایک مؤرخ مختصر طور پر تیمور کی نسبت لکھتا ہے کہ "تیمور چنگیز خان سے زیادہ سفاک اور ظالم تھا۔" اس کے ساتھ ہی مستشرق ہمیں بتاتے ہیں کہ تیموریوں میں جو شائستگی تھی وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی تھی۔
اب اس کے برعکس ایک مثال لیجئے، کتاب الف لیلیٰ کے ہم شکر گزار ہیں جس نے ہمارے دل پر یہ نقش پیدا کیا ہے کہ ہارون الرشید بڑا ہی فیاض اور اچھا بادشاہ تھا، لیکن ایشیا کی تاریخیں پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ جور و ظلم میں وہ تیمور سے کسی طرح کم نہ تھا فرق صرف اتنا خیال میں آ سکتا ہے کہ تیمور کے جور و ظلم بڑے پیمانے پر تھے اور ہارون الرشید کے چھوٹے پیمانے پر، سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ "ہارون الرشید کے نام کو ایک اتفاقی اور فوری درخشندگی جس چیز نے بخشی وہ مشرقی افسانوں کی دلفریبی تھی"۔ (مصنف)

کلاویجو کہتا ہے کہ:

''دائیں طرف کے پہاڑوں سے ایک بڑا بہتا ہوا دریا شہر کو آیا ہے، اور یہاں آ کر اس کا پانی بہت سی نہروں اور نالیوں میں تقسیم ہو کر شہر کے گلی کوچوں میں سے گزرا ہے، راستے اور سڑکیں باقاعدہ اور پاک صاف ہیں اور ان کے کنارے بڑی بڑی عمارتیں ہیں جن میں بہت سے دروازے ہیں اور ان دروازوں پر افسر نگران رہتے ہیں، یہاں بہت سی چیزیں مثلاً کپڑا، ریشم، روئی اور اور اشیاء فروخت ہوتی ہیں، اس شہر میں تجارت بکثرت ہوتی ہے۔

ایک جگہ دوکاندار خاص خاص قسم کی خوشبوئیں اور عورتوں کے لئے طرح طرح کے رنگ فروخت کرتے ہیں، یہاں عورتیں آ کر سر میں تیل اور منہ پر غازہ ملتی ہیں، یہ عورتیں راستے میں سفید برقع پہن کر چلتی ہیں چہرے پر باریک جالی گھوڑے کے بالوں کی بنی ہوئی پڑی ہوئی ہے۔

بڑی عمارتوں کو پچی کاری اور فیروزی سنہری کام سے جو یونان کا ساختہ ہے آراستہ کیا ہے۔ یہاں کے لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ عالی شان عمارتیں بڑے بڑے دولتمندوں کی بنائی ہوئی ہیں، ہر امیر آدمی کی کوشش تھی کہ دوسرے سے بہتر اور زیادہ خوشنما عمارت تیار کرائے اور اسی میں مالدار اپنی دولت صرف کرتے تھے، ان بناؤں میں ایک عالی شان محل ہے جسکے گرد چہار دیواری ہے یہ بہت ہی خوشنما اور بڑی لاگت کا محل ہے، اس میں متعدد دلان اور رواق ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان اویس نے اس عمارت کو اس روپیہ سے بنوایا تھا جو بادشاہِ بابل نے اُسے دیا تھا، اور یہ زرِ کثیر تھا۔

تبریز بڑا دولتمند شہر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تجارت کا مال جو یہاں سے گزرتا ہے اس کی مقدار کثیر ہے کہتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں یہ شہر

اب سے بھی زیادہ آباد تھا، لیکن اب بھی اس میں دو لاکھ سے زیادہ مکانات ایسے ہیں جو آباد ہیں، یہاں بہت سے بازار ہیں جن میں صاف ستھرا پکا ہوا گوشت طرح طرح کی شکل میں بکتا ہے، اور میوے بھی بکثرت فروخت ہوتے ہیں۔

اس شہر کے بازاروں اور کوچوں میں بہت سے حوض ہیں جن میں فوارے چھوٹتے رہتے ہیں گرمی کے موسم میں ان حوضوں میں برف کے ٹکڑے ڈال دیئے جاتے ہیں اور حوض کی منڈیر پر پیتل اور تانبے کے کوزے رکھے ہوتے ہیں کہ جس کا جی چاہے آئے اور برف کا پانی پیئے، تبریز کے حاکم کو داروغہ کہتے ہیں، اس حاکم نے سفیروں کا بہت عزت اور اخلاق سے خیر مقدم کیا۔

یہاں بہت سی مسجدیں بڑی شاندار اور خوشنما موجود ہیں اور حمام اس قدر اعلیٰ درجے کے ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ دنیا میں کہیں دوسری جگہ نہ ہوں گے جس وقت سفیروں نے اس شہر سے رخصت ہونا چاہا تو اُن کے لئے اور ان کے ہمراہیوں کے لئے گھوڑوں کا انتظام کر دیا گیا بادشاہِ وقت نے اسی شہر تبریز سے گھوڑوں کے ہر وقت تیار ملنے کا حکم دے رکھا ہے تاکہ جو لوگ اس کے پاس آنا چاہیں وہ شبانہ روز ڈاک بٹھا کر سفر کر سکیں۔ ڈاک کا انتظام تمام سڑک پر سمرقند تک برابر جاری ہے''۔

(۱۴)

امیر کا خیمہ و خرگاہ

کلاویجو نے امیر تیمور کے کپڑے کے محلوں میں سے ایک محل کا حال خوب بیان کیا ہے اس نے اس محل کو ایک رفیع الشان ''پاویلیوں'' یعنی سراپردہ لکھا ہے۔

''بادشاہ کا سراپردہ عرض میں سو قدم تھا، اس کے چار گوشے تھے، اور چھت گول مثل گنبد کے تھی، اور بارہ چوبوں پر قائم تھا، ہر چوب کی موٹائی اتنی تھی جتنا ایک مرد کا سینہ ہوتا ہے اور اس پر سنہری اور نیلا اور اور طرح کا رنگ پھرا تھا، جس وقت سراپردہ نصب کیا جاتا تھا تو گاڑیوں کے پہیوں کی وضع کی بڑی بڑی چرخیاں بہت سے آدمی مل کر پھراتے تھے، ہر طرف رسیاں موجود رہتی تھیں تاکہ خیمے شامیانے نصب کرنے میں اُن سے مدد ملے۔

سراپردے کی گنبد نما چھت سے ریشم کے پردے اس طرح لٹکائے جاتے ہیں کہ ان کی محرابیں سی بن جاتی ہیں، سراپردے کا عرض وطول یکساں ہوتا ہے اور باہر کے رخ سائبان ہوتے ہیں اور کم سے کم پانچ سو طنابیں کھنچی ہوئی نظر آتی ہیں، اندر ایک بڑا سرخ رنگ کا قالین جس پر زرتار کا کام تھا، بچھا تھا، چاروں گوشوں پر چار عقاب بنے تھے جو پر سمیٹے تھے، شامیانے کے باہر کا رخ ریشمی کپڑے کی سیاہ سفید اور زرد دھاریوں کا تھا۔

اس عالی شان شامیانے کے ہر گوشہ پر ایک اونچی چوب تھی جس کے اوپر کے سرے پر ایک تانبے کا گولا اور گولے کے اوپر ہلال تھا، اور گنبد نما چھت کی چوٹی پر ریشمی کپڑے کی ایک برجی بنی ہوئی تھی اور چھت کی منڈیر کنگورے دار تھی، داخلہ کے لئے ایک خاص دروازہ تھا۔ یہ سراپردہ یا شامیانہ اس قدر وسیع اور بلند تھا کہ دور سے دیکھنے والوں کو وہ ایک عالی شان سنگین قصر معلوم ہوتا تھا، اور اُسے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی اور وہ اتنی خوشنما چیز تھی کہ اُسے بیان کرنا ممکن نہیں۔

(۱۵)

عظیم گنبد

تیمور کی زندگی سے پہلے ایرانی طرز تعمیر کے گنبد نوکدار قسم کے ہوتے تھے مگر وہ اپنے قاعدے سے اوپر کو خوبصورت گولائی لیتے ہوئے نہیں اٹھتے تھے، شروع زمانے میں جو عمارتیں تیمور نے بنوائیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرز میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی گئی تھی لیکن ''بی بی خانم'' اور خود تیمور کے مقبرے میں جسے ''گورِ امیر'' کہتے ہیں خوبصورت گولائی لئے ہوئے گنبد بنائے گئے، اور اسی وضع کے گنبد ہندوستان میں مغل بادشاہوں کی عمارتوں میں بعد کو تعمیر ہوئے اور اس زمانہ کے بعد روس میں بھی ایسے ہی گنبد بنائے گئے مگر وہاں گولائی کے پھیلاؤ میں زیادتی کر دی گئی۔

کے۔ اے۔ سی کریسول نے اپنی کتاب میں جس کا نام ''ایران میں ارتقائے تعمیر گنبد کی تاریخ'' ہے لکھا ہے کہ اس قسم کے گنبد ہندوستان کے مقبروں میں تیمور کی نظر سے نہیں گزرے ہوں گے کیونکہ شمالی ہندوستان کے مقبروں میں گنبد کا یہ طرز اُس وقت تک اختیار نہیں کیا گیا تھا، گول گنبد اگر کہیں تھا تو وہ صرف دمشق میں خلفائے بنی امیہ کی بنائی ہوئی جامع مسجد میں تھا، لیکن وہ لکڑی کا تھا اور جب شہر میں آگ لگی جس سے سارا شہر جل گیا تو یہ چوبی گنبد بھی نذر آتش ہو گیا، یہ گنبد بہت بڑا اور عالی شان تھا، میدان میں دور سے نظر آتا تھا، اور تیمور نے اپنا خیمہ ایک ماہ تک ایسی جگہ نصب رکھا جہاں سے اچھی طرح نظر آتا رہے۔

یہ ممکن نہیں کہ تیمور پر اس گنبد کا اثر ہوا ہو، کیونکہ تعمیر کے حسن و قبح کو پرکھنے کا مادہ

تیمور کی طبیعت میں بہت تھا تیمور کے زمانے میں یہ گنبد اسلام کے عہد وسطیٰ کی عمارتوں میں سے تھا، زیادہ احتمال اس کا ہے کہ ہندوستان کے گنبدوں کو نہیں بلکہ اس دمشق والے گنبد کی بعض خصوصیات کو اس نے سمرقند میں نقل کرایا، اس کا ثبوت بہت کافی موجود ہے کہ فن تعمیر میں تیمور کو ایک خاص مذاق حاصل تھا، پرانی دہلی کی جامع مسجد کو دیکھ کر تیمور کے دل پر بہت اثر ہوا تھا اور اس کا ایک لکڑی کا چھوٹا سا نمونہ بھی تیار کرا کے اپنے ساتھ سمرقند لے گیا تھا۔ قطب کے مینار کی بھی اس نے بہت تعریف کی تھی اور دہلی سے کاریگر اس خیال سے ساتھ لے گیا تھا کہ سمرقند میں اسی شکل کا ایک مینار تعمیر کرائے گا، مگر یہ ارادہ پورا نہ ہوا۔

مسٹر کریسول بیان کرتے ہیں کہ مقبرۂ بی بی خانم کے گنبد کی پیمائش اور دمشق والے گنبد کی پیمائش جو جل گیا تھا ایک ہی سی ہے اور بی بی خانم کا مقبرہ پہلی عمارت ہے جو دمشق سے تیمور کی واپسی پر سمرقند میں تیار کی گئی اس کی تعمیر میں دو تین برس صرف ہوئے، اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس کے گنبد میں دمشق والے گنبد کی نقل اتاری گئی تھی جس کی مثال کہیں اور نہ تھی۔

ابن بطوطہ اس گنبد کی نسبت کہتا ہے کہ شہر آپ کسی سمت سے آئیے یہ گنبد ہر چیز سے اونچا ہوا میں معلق نظر آتا ہے۔[1]

اس دمشق والے گول گنبد کے طرز کو تیمور کی قدر شناسی نے ہمیشہ کے لئے دنیا میں محفوظ کر دیا، اور اپنی دولت بیکراں کی مدد سے اُس نے دوسرا نمونہ اس کا تیار کرا دیا اور اسی طرز پر دوسرے ملکوں میں تیمور کی اولاد نے اپنی عالی شان عمارتوں میں گنبد تعمیر کرائے ہندوستان کے مغل بادشاہ جو تیمور کی اولاد تھے اس گنبد کو ہندوستان میں لے آئے، اور یہاں سب سے پہلے اس کی شکل مقبرۂ ہمایوں بادشاہ کے گنبد میں نظر آئی اور اس کا آخری جلوہ سب سے زیادہ حسین صورت میں "تاج محل" کے روضے میں آج تک نظر آ رہا ہے۔

---

[1] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۱۴ء

(۱۶)

کھوپڑیوں کے مینار

دشمنوں کو قتل کر کے ان کے سروں کے مینار تعمیر کرنے کا طریقہ یورپ کی تاریخوں میں تیمور کے ساتھ مخصوص سمجھا گیا ہے، یہ مینار نگارستانِ خونریزی ضرور تھے مگر سخت مکروہ اور ہولناک تاریخ کے صفحوں میں بھی وہ ایسے ہی کریہہ منظر اور ہیبت خیز ظاہر کئے گئے ہیں لیکن ایسے معاملات میں تیمور کی نسبت کوئی فیصلہ آج کل کے نرم و حلیم قواعدِ تمدن کے مطابق نہیں کیا جا سکتا۔

تیمور ہی کے زمانے کو لیجئے تو دریافت ہوگا کہ شاہانِ ہرات اور ان کے علاوہ اور بادشاہوں نے بھی اپنی فتوحات کی یادگار میں ایسی عمارتیں تیار کی تھیں، تیمور میں اور ان میں فرق صرف پیمانے کا تھا، تیمور کے مینار بڑے ہوتے تھے اور ان کے چھوٹے۔

یہ ہی کیفیت قتل عام کے وقوعوں کی تھی، یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ تیمور ایسی جگہ رہتا تھا جہاں رحم دلی بزدلی کی علامت سمجھی جاتی تھی، اُس کے زمانے میں یورپ کے بادشاہ بھی رحم دلی کی طرف کچھ زیادہ متوجہ نہ تھے، انگلستان کے شہزادہ بلیک پرنس نے لیموگ کو اس طرح ذبح کیا جیسے مذبح میں بھیڑ بکریاں ذبح کی جاتی ہیں، برگنڈی کے بادشاہ چارلس نے دینانت کے مقام پر آدمیوں کو اس طرح صاف کیا جیسے بھیڑیا بھیڑوں میں گھس کر سب کا صفایا کر دیتا ہے، ایجن کورٹ میں انگریزوں نے فرانسیسی قیدیوں کو محض اس غرض سے قتل کر دیا کہ اُن سے فراغت پانے پر لڑائی کی آخری شکل بہتر ہو جاتی تھی، نیکوپولس میں انگریز جرمن اور فرانسیسی مجاہدانِ صلیب نے سربی اور ترکی قیدیوں کی لڑائی شروع کرنے سے پہلے

ہلاک کر دیا، تیمور کے قتل عام میں خصوصیت صرف اتنی تھی کہ وہ اوروں کی بہ نسبت بڑے پیمانے پر ہوتا تھا۔

کرنل سائیکس نے بہ دلائل بیان کیا ہے کہ تیمور نے قتل عام کا جہاں جہاں حکم دیا فنونِ جنگ کے اعتبار سے وہاں ایسا ہی حکم دینا قطعی ضروری اور لازمی تھا، اس خیال کی صحت بہت مشتبہ ہے لیکن یہ بات بالکل صاف نظر آتی ہے کہ اپنے زمانے کے اور بادشاہوں سے تیمور کہیں زیادہ درگزر کرنے والا شخص تھا، قصہ مشہور ہے کہ جب کسی قلعے کا محاصرہ کیا جاتا تھا تو پہلے دن امیر کے خیمہ کے سامنے جو علَم نصب ہوتا تھا اس کا پھریرا سفید ہوتا تھا کہ قلعے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اگر وہ اطاعت قبول کریں گے تو ان کی جان و مال کو سلامتی دی جائے گی، دوسرے دن پھریرے کا رنگ سرخ ہوتا تھا جس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ اب اطاعت قبول کی تو ان کے افسر اور حاکم صرف قتل کئے جائیں گے اس کے بعد پھریرے کا رنگ سیاہ ہوتا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اب سوائے مر کر دفن ہونے کے ان کے لئے کوئی بات باقی نہیں رہی، اس روایت کے لئے کوئی سند نہیں ہے لیکن جو کچھ بیان ہوا ہے وہ تیمور کی طبیعت اور مزاج کا مقتضیٰ معلوم ہوتا ہے۔

ہرات کے محاصرے میں پہلی بار رعایت اور نرمی کی گئی لیکن دوسری مرتبہ شدت سے سختی عمل میں آئی، اسی طرح بغداد پہلی مرتبہ سَر بہا ادا کر کے چھوٹ گیا، دوسری بار بالکل تباہ کر دیا گیا، پڑھنے میں آتا ہے کہ اورگنج کے شہر کو منہدم کر کے اینٹوں اور پتھروں کا ڈھیر بنا دیا، لیکن بعد کو اُسے از سرِ نو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

اگر تیمور میں وہی ظلم وسفاکی ہوتی جو چنگیز خان میں تھی تو دوبارہ محاصرے کی نوبت ہی نہ آتی، لیکن جہاں بغاوت ہوتی تھی وہاں رحم کرنا تیمور مطلق نہ جانتا تھا۔

خود تیمور کے ساتھ جو لوگ رہتے تھے ان کو تیمور کبھی ظالم نہیں معلوم ہوا، صرف اُس کے دشمن اس کو ظالم اور جفا کار سمجھتے تھے، ایشیا کے مؤرخ تیمور کے کارناموں کی شان و حشمت سے بحث کرتے ہیں، اُس کے ظلم سے بحث نہیں کرتے ان مؤرخوں میں صرف ابن عرب شاہ ایسا ہے جسے تیمور سے نفرت تھی، تیمور دوسروں کی جانیں تلف کرتا تھا مگر اپنی جان کی بھی اُسے پرواہ نہ تھی۔

(۱۷)

تیمور کی سیرت و کردار

انتہا درجے کی نفرت اور انتہا درجے کی محبت جیسی تیمور کے ساتھ ظاہر کی گئی ایسی کسی دوسرے بادشاہ کے ساتھ ظاہر نہیں ہوئی۔ تیمور کے دربار کے دو بڑے مؤرخ گزرے ہیں، ایک نے اس کو شیطان بتایا ہے دوسرے نے لکھا ہے کہ اس کی مثل کوئی عالی مقام اور عالی ظرف کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔

ابن عرب شاہ لکھتا ہے کہ وہ ایک بے رحم قاتل، مکر و فریب میں استادِ کامل اور عداوت و انتقام میں خدا کا قہر تھا۔

مولانا شرف الدین لکھتے ہیں کہ ''ہمت و شجاعت نے اس کو تمام تاتار کی شہنشاہی پر ممتاز کیا اور تمام ایشیا کو اس کے زیرنگیں کر دیا، چین کی سرحد سے یونان تک ------ جس قدر امور سلطنت پیش آئے اس نے بذات خود انجام دیئے، ایک وزیر تک نہ رکھا، جو کام اٹھایا اس میں کامیاب ہوا، سوائے ان کے جنہوں نے اس کی اطاعت نہ کی وہ ہر شخص کے حق میں فیاض و خلیق نکلا، متمردوں کو اس نے سختی سے سزا دی، عدل گستری اس کا شیوہ تھا اور اس کی سلطنت میں جس حاکم نے رعایا پر ظلم کئے وہ حاکم بغیر سزا پائے نہ رہ سکا، علم کا قدردان تھا اور اہل علم کی عزت کرتا تھا، جو بات کرنے کی ہوتی اُسے خود ہی بے خوف و خطر ہو کر سوچتا اور جو سوچتا وہی کرتا، جو لوگ اس کی خدمت کرتے تھے ان پر مہربانیاں کرتا تھا''۔

آج کل کے مصنفین میں سر پرسی سائیکس اور لیون کاہون بھی وہی رائے رکھتے ہیں جو مولانا شرف الدین رکھتے تھے، اور آرمینیوس وامبیرے کا بھی یہی خیال ہے لیکن

پروفیسر براؤن تیمور کی نسبت سرجان ملکم کی رائے نقل کرتے ہیں، اور وہ رائے یہ ہے کہ

''جس قسم کا سالارِ فوج تیمور تھا لازم تھا کہ فوج اس کی پرستش کرتی، اہل فوج کے علاوہ اور جس قدر رعایا تھی اس کی رائے کی تیمور کو پرواہ نہ تھی، اس بادشاہ کا مقصد زندگی یہ تھا کہ فاتح کی حیثیت سے شہرت حاصل کرے، اگر کسی بڑے شہر کو جلا کر خاک کر دیا ہے یا کسی ولایت کے لوگوں کو عمداً قتل کر دیا ہے تو اس کی غرض یہ ہوتی تھی کہ ایسے فعل سے عام طور پر ایک ہیبت ناک اثر ایسا پیدا ہو جائے گا کہ اس سے حصول مقصد میں آسانی ہو جائے گی۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔تیمور کو دنیا کے بڑے لڑنے والوں میں اعلیٰ ترین درجہ رکھتا تھا، لیکن بادشاہوں میں وہ بدترین بادشاہ تھا، لائق تھا، بہادر تھا، فیاض تھا، لیکن شہرت کا خواہاں، سخت گیر اور ظالم تھا، اپنی ذاتی شان وشکوہ اور حصول ناموری کے مقابلے میں وہ ہر ایک ذی حیات کی خوشی کو پرکاہ سے زیادہ نہ سمجھتا تھا، اس کی قوت اور سطوت کا قصر عالی شان کوئی بنیاد نہ رکھتا تھا، اس کی ذاتی شہرت نے اس قصر کو سلامت رکھا۔ لیکن جب مرا تو سلطنت بھی اس کے ساتھ مٹ گئی، کچھ ٹکڑے اس کے اس کی اولاد کے قبضے میں برائے چندے رہے ہندوستان میں البتہ تیموریوں کی بادشاہی کچھ مدت تک قائم رہی اور اس ملک میں (یعنی ہندوستان میں) کچھ مٹے ہوئے آثار مغلوں کی گذشتہ شان وعظمت کے پائے جاتے ہیں، تیمور میں ہم کو انسانی بزرگی کے تدریجی زوال کی مثال ملتی ہے اور ہم حیرت کرتے ہیں کہ چند صدیوں نے تیمور گورگان کی اولاد کو گھٹا کر کس درجے پر پہنچا دیا''۔[1]

---

[1] میلکم نے یہ عبارت اس وقت لکھی تھی کہ ہندوستان کے تخت پر ایک برائے نام تیموری بادشاہ موجود تھا۔ میلکم بھی پروفیسر براؤن کی طرح ایران کے ساتھ خاص دلچسپی رکھتا تھا، تیمور کی نسبت اس کا یہ قول فیصل محض اس حیثیت سے تھا کہ تیمور ایران کا فاتح تھا، اس کتاب میں کوشش اس بات کی گئی ہے کہ امیر تیمور کو اس نظر سے دیکھا جائے جس نظر سے اس کے لوگ اُسے دیکھتے تھے، قیدیوں کی آنکھوں سے جو اس سے نفرت کرتے تھے یا یورپ، ایران اور ہندوستان کے مؤرخوں کی نگاہ سے اُسے نہ دیکھا جائے۔ (مصنف)

(۱۸)

تیمور اور مذہب

یہ ظاہر ہے کہ تیمور متقی و پرہیزگار مسلمان نہ تھا، بلکہ ایسے لوگوں میں اس کا شمار تھا جو مذہب میں اپنے ہی خیال کے پیرو ہوتے ہیں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ مذہب کی نسبت حقیقت میں اس کا کیا خیال تھا، لیکن یہ امر کہ وہ مسلمان تھا اور اسلامی حمیت اور اسلام کی ترقی کا جوش اس کی طبیعت میں بھرا تھا اس قدر بار بار بیان ہوا ہے کہ ہمیں اس بیان کی تصدیق کے لئے شہادت تلاش کرنی ضروری ہے، خود تیمور کے کام سب سے بڑی شہادت ہیں۔

دوسرے مسلمان بادشاہوں کی طرح تیمور نے کوئی اسلامی لقب اختیار نہیں کیا، مثلاً جیسے ہارون نے ''الرشید'' کا لقب اختیار کیا یا کسی بادشاہ نے اپنا نام ''نور الدین'' رکھا تیمور نے یہ کچھ نہیں کیا، یہاں تک کہ اپنے فرزندوں کو بھی کوئی اسلامی لقب نہیں دیا، ایک کا نام جہانگیر رکھا دوسرے کا شاہ رخ[1] اس کے پوتوں کے نام خود اس کے رکھے ہوئے نہ تھے،

---

[1] اس قصہ کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ تیمور نے اپنے اس فرزند کا نام شطرنج کی ایک چال پر رکھا تھا، اور اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ جب وہ یہ چال چل رہا تھا تو اس وقت کسی نے فرزند کے پیدا ہونے کی خبر سنائی تھی، یہ ظاہر ہے کہ شطرنج کی دو اصطلاحوں کو جوڑ کر یہ نام بنایا گیا تھا، یعنی شہ مات کے پہلے لفظ کو ایک مہرے کے نام سے جسے آج کل رخ کہتے ہیں مرکب کر دیا تھا، اوپر کی عبارت لکھنے کے بعد تیمور کی اولاد کے شجرۂ نسب میں میں نے اسلامی لقب دیکھے جس کا پرانی تاریخوں میں مثلاً ظفر نامے میں ذکر نہیں ہے (مصنف)

(معلوم ہوتا ہے کہ متن میں اس پورے فقرے کے لکھنے میں مصنف کتاب نے کافی توجہ اور احتیاط سے کام نہیں لیا، شاہ رُخ کو چھوڑ کر باقی تینوں بیٹوں کے پورے ناموں میں اسلامی الفاظ موجود ہیں، جہانگیر کا لقب غیاث الدین تھا، میران شاہ کا لقب جلال الدین تھا اور عمر شیخ کے نام میں اسلام کے ایک بڑے بزرگ جلال بزرگ کا نام شامل تھا، پوتوں کے ناموں میں ایک نام پیر محمد تھا، یہ نام تھا لقب نہ تھا۔ (مترجم)

اُن میں البتہ اسلامی لقب نظر آتے ہیں جیسے پیر محمد وغیرہ وغیرہ۔

تیمور نے کبھی سر کے بال نہیں منڈوائے، سر پر کبھی عمامہ نہیں رکھا، اور نہ کوئی لباس ایسا پہنا جس کا اسلام نے حکم دے رکھا ہو اور اس کے تاتاریوں کو متصل ملکوں کے لوگ نیم مسلمان کہتے تھے، اور ان میں اکثر اس کو بے دین یا کافر بھی کہتے تھے، اسلام کے سچے پیشوا خلفائے مصر اور عثمانی سلاطینِ ترک تھے، یہ دونوں تیمور کو کافر اور وحشی سمجھتے تھے درآنحالیکہ تیمور وحشی نہ تھا، اور یہ دونوں اس کو ایسا دشمن جانتے تھے جس سے خوف کرنا لازم تھا، تاتاری قوم نئی نئی مسلمان ہوئی تھی، مگر پکے مسلمان ہونے سے پہلے تاتاری کورے سپاہی تھے۔

تیمور نے یورپ کے عیسائی بادشاہوں سے دوستانہ مراسم پیدا کرنے چاہے، ترکوں نے عیسائیوں کی دوستی قبول کرنے سے انکار کیا، تیمور نے مراسلات میں اپنے تئیں بادشاہِ اسلام نہیں لکھا، حالانکہ تمام مسلمان بادشاہ اپنے کو ایسا لکھتے تھے، اسلام کے مقدس مقامات مثلاً مشہد، مکے یا بیت المقدس کی طرف اُس نے کوئی توجہ نہیں کی، البتہ جب لڑائیوں پر کوچ کرتا ہوتا تو مشائخ اور بزرگانِ اسلام کے مزاروں پر حاضر ہوتا، معلوم نہیں طبیعت مجبور کرتی تھی یا اس میں کوئی سیاسی مصلحت سمجھتا تھا۔

یہ واقعہ کہ وہ نماز روزے کا پابند تھا، مذہب کے متعلق جو عمارات ہوتی تھیں ان کو محفوظ رکھتا تھا، مسجدیں اپنے طرز کے مطابق تعمیر کراتا تھا اُس سے کوئی خاص معنی پیدا نہ ہوتے تھے، کیونکہ اُس زمانے میں یورپ میں بھی لوگ روز مرہ کی زندگی قواعد کلیسا کی پابندی کے ساتھ بسر کیا کرتے تھے۔ عماراتِ عامہ میں مسجدیں، مدرسے، خانقاہیں، مقبرے ہوا کرتے تھے، ان کو اگر ڈھاتا تو مذہب کی بے حد توہین سمجھی جاتی، تیمور کی فوج کے زیادہ تر سپاہی پکے مسلمان تھے، اور تیمور اپنے کاموں میں اُن کا پاس خاطر ملحوظ رکھتا تھا۔

دو موقعوں پر اُس نے ایسا کیا تھا کہ قلعہ فتح کر کے فوج مخالف میں سے

---

[1] مصنف کے نزدیک غالباً جب تک یہ سب چیز یں نہ کی جائیں کسی مسلمان کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مسلمان ہے، تیمور کے مذہب میں ضعف دکھانے سے مصنف کی غرض یہ معلوم ہوئی ہے کہ یورپ کے ناظرین کو اس سے زیادہ دلچسپی پیدا ہو۔ (مترجم)

مسلمانوں کی جان بخشی کی اور عیسائیوں کو قتل کر دیا، اس کے یہ معنی ہو سکتے تھے کہ عیسائیوں سے اُسے تعصب تھا لیکن یہ بات نہ تھی کیونکہ اس معرکے میں عیسائیوں نے خاص کر تاتاریوں کو بہت نقصان پہنچایا تھا، اور تیمور نے ان کو قتل کر کے لوگوں کی تنبیہ کے لئے ایک مثال قائم کرنی چاہی تھی، بجانب دیگر کم سے کم تین مرتبہ، ایک مرتبہ ماسکو کے قریب، دوسری مرتبہ قسطنطنیہ اور تیسری مرتبہ ہندوستان میں ایسا موقع آیا کہ وہ غازی کا لقب اختیار کرتا، مگر ایسا نہیں کیا، گرجستان کے عیسائی اس کے راستے میں حائل ہوئے اور اُس نے انھیں پامال کر ڈالا، ازمیر (سمرنا) ایشیائے کوچک کا بڑا زبردست مقام تھا (عیسائیوں کا یہاں بہت زور تھا) تیمور بڑھا اور اسے فتح کر کے غارت کر دیا۔

صاف شہادت موجود ہے کہ سمرقند اور تبریز میں یہودیوں، نسطوری عیسائیوں اور ملکی عیسائیوں کی آبادیاں موجود تھیں اور ان کے گرجے بھی تھے، ایک مرتبہ تیمور نے عیسائیوں کے ایک بڑے اسقف کو اپنا سفیر بنا کر یورپ کی عیسائی سلطنتوں میں بھیجا، لیکن قطعی دلیل اور اس کی بنا پر فیصلہ تیمور کی نسبت وہی ہے جو اس کے مسلمان مداح و مؤرخ نے کیا ہے، اس مؤرخ نے ہر ممکن طریقے سے تیمور کو سچا اور پکا مسلمان ثابت کیا ہے، مسلمانوں میں بعض کا خیال ہے کہ تیمور سنی تھا، بعض کہتے ہیں کہ وہ شیعہ تھا، تیمور خود اپنے نام کے آگے ''بندۂ اللہ'' کے سوا اور کچھ نہیں لکھتا تھا۔

ماخذ

حکومت کے آخری زمانے میں تیمور نے اپنے دربار کے عالموں کو حکم دیا کہ روزانہ حالات و واقعات کی یادداشتیں لکھ کر تیار رکھا کریں[1]۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایغور (ترکی) اور فارسی میں یادداشتیں تیار کیں۔

اس طریقے سے جو تحریریں تیار ہوئیں انہیں تیمور نے ایک عالم کے سپرد کیا جس کا نام نظام شمس تھا اور سن ۱۴۰۰عیسوی میں وہ تیمور کے دربار میں داخل ہوا تھا۔ نظام شمس کو ہدایت ہوئی کہ اس سرمایہ معلومات سے تیمور کے عہد کی ایک تاریخ بہت سادی اور سلیس عبارت میں لکھے، چنانچہ نظام نے تیمور کی وفات سے ایک سال پہلے تالیف ختم کی اور ظفرنامے کے نام سے اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ تاریخ فارسی زبان میں لکھی گئی تھی اور اس کے صرف ایک نسخے کا ہمیں علم ہے کہ وہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے لیکن ابھی تک کسی نے اس کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔

---

1 براؤن ۱۸۳۔ بوداٹ ۲۰۰۔ بلوچیٹ ۸۸۔ مولانا شرف الدین لکھتے ہیں کہ تیمور اپنے ساتھ کاتب رکھا کرتا تھا جو واقعات قلم بند کرتے رہتے تھے۔ شرفا اور امراء سے بھی جو کسی بڑے واقعہ کے وقت موجود ہوتے تھے توقع کی جاتی تھی کہ اس واقعہ کی سرگذشت وہ محفوظ و منضبط رکھیں گے۔ غرض کاتبوں اور امراء کی یادداشتیں سب یکجا کر لی جاتی تھیں۔ اور امیر تیمور "بہت صبر سے خود ان تحریروں کو ترتیب کرتا، اور پھر اپنی موجودگی میں بطریقہ ذیل ان کی صحت کی طرف سے اپنا اطمینان کرتا۔
(خوانندہ۔ دانندہ۔ اور نویسندہ تین قسم کے لوگ حاضر رہتے۔ ان میں سے پہلے) ایک خوانندہ کسی یادداشت کو اٹھا کر پڑھتا اور پڑھنے میں وہ کسی اہم واقعہ پر پہنچتا یا کوئی تذکرہ قابل غور آ جاتا تو پڑھتے پڑھتے ٹھہر جاتا۔ اب (دانندہ یعنی) ایسے گواہ جنہوں نے اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا تھا اپنا بیان پیش کرتے۔ اس پر امیر خود واقعہ کی صحت کو جانچتا اور گواہوں کے بیان کا مقابلہ کاتبوں کی تحریروں اور امراء کی یادداشتوں سے کرتا اور نویسندوں کو خود بتاتا کہ کس طور پر اس واقعہ کو لکھیں۔ جب نویسندے لکھ لیتے تو پھر ان کے لکھے کو اس غرض سے پڑھواتا کہ کہیں کوئی بات کھٹکتی تو نہیں۔ یا کہیں کسی اضافے یا کمی کی ضرورت تو نہیں"۔ تاریخ تیمور بیگ (دیباچہ مصنف)
ظفرنامے کی جلد اول کے صفحات ۲۴۔۲۵۔۲۶ بھی ملاحظہ ہوں۔ (مترجم)

ایران کے ایک جید عالم مولانا شرف الدین علی یزدی نے ایک دوسری تاریخ لکھی، یہ بزرگ امیر تیمور کے ساتھ سفر میں رہے تھے اور آخری لڑائیوں میں بھی موجود تھے۔ یہ تاریخ بھی فارسی میں لکھی گئی اور اس کا نام بھی ظفرنامہ رکھا گیا، اس میں مولانا شرف الدین نے نظام شمس کے ظفرنامے کے کل بیانات مع تفصیل کے دوبارہ تحریر کر دیئے تھے اور تیمور کی وفات تک جس قدر حالات پیش آئے تھے اور وفات کے بعد کے کچھ واقعات لکھ کر کتاب ختم کی تھی۔ مولانا موصوف سلطان شاہ رُخ کے درباری تھے، جو کچھ لکھا اس سلطان کی سرپرستی میں لکھا۔ لیکن ان کی تالیف کو جس چیز نے بدنما کر دیا وہ یہ ہے کہ تیمور کے ہر کام کی انہوں نے تعریف کی ہے اور عبارت میں مبالغے اور تکلف کو درجہ انتہا پر پہنچا دیا ہے۔ مگر مفصل واقعات و بدائع کی دولت سے یہ تالیف مالا مال ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۴۲۵ء میں ختم ہوئی تھی، سنہ ۱۷۲۲ء میں پیتے دل کروہ (Petis de la Croix) نے اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا اور اس ترجمہ سے اس کا ترجمہ انگریزی میں ہوا جو سنہ ۱۷۲۳ء میں "تاریخ تیمور بیگ موسوم بہ تیمرلین اعظم بادشاہ تاتار و مغول" کے نام سے لندن میں شائع کیا گیا۔

مولانا شرف الدین علی یزدی کے ظفرنامے سے پیشتر سنہ ۱۴۱۲ء۔ سنہ ۱۴۱۴ء میں محمد بن فضل اللہ مستوفی کی تالیف "اصح التاریخ" لکھی گئی تھی، اس کے بعد سنہ ۱۴۲۳ء سنہ ۱۴۲۴ء میں تیمور کے ایک پوتے کے حکم سے حافظ آبرو نے "زبدہ التواریخ" لکھی، یہ بہت بڑی تالیف ہے جس کا انداز بیان بہت شستہ ہے لیکن نہ وہ ابھی تک چھپی ہے اور نہ کسی نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

ان کتابوں کے بعد احمد ابن عرب شاہ کی کتاب "عجائب المقدور فی اخبار نواب تیمور"[1] لکھی گئی۔ احمد ابن عرب شاہ سلطان احمد جلائر بادشاہ بغداد کے کاتب تھے۔ بغداد فتح کرنے پر تیمور ان کو اپنے ساتھ بغداد سے سمرقند لے آیا تھا، اس کتاب میں تیمور کو بُرا لکھا ہے اور بعض مقامات تو بالکل ہجو اور مذمت کا حکم رکھتے ہیں۔ طرز بیان جامع اور سلیس ہے۔ آخری زمانے کی لڑائیوں کے تفصیلی حالات اور تیمور کے خصائص کے متعلق مصنف کے خیالات کے لحاظ سے یہ کتاب بہت ہی قابل قدر ہے۔ اسی طرح تیمور کے بعد سمرقند کے حالات بھی اس میں خوب بیان ہوئے ہیں۔ اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں سموایل مانجر (Samel Manger) نے کیا تھا جو سنہ ۱۷۶۷ء سنہ ۱۷۷۲ء میں لیوواردی (Leovardiae) میں شائع ہوا تھا۔ فرانسیسی میں بھی اس کا ترجمہ ہے لیکن پوری توجہ کے ساتھ نہیں ہوا ہے۔ مترجم کا نام پیری واتیر (Pierre Vattier) ہے۔ سنہ ۱۶۵۵ء میں پیرس میں یہ ترجمہ شائع ہوا تھا۔

ایشیا کے مصنفوں نے جس قدر تاریخیں تیمور کی بعد کو لکھیں وہ زیادہ تر انہی چار تاریخوں پر جو اوپر بیان ہوئی بنی ہیں۔ اُن میں ایک میرخواند کی روضۃ الصفاء ہے۔ میرخواند کا انتقال سن ۱۴۹۸ء میں ہوا۔ دوسری تاریخ میرخواند کے پوتے خواندامیر کی حبیب السیر ہے۔ خواندامیر کا انتقال سنہ ۱۵۲۵ء میں ہوا۔ حبیب السیر سے تیمور کے متعلق بہت عمدہ معلومات حاصل ہوتی ہیں، خاص کر مصر و شام سے تیمور کے معاملات بہت واضح طور پر اس

---

1 کتاب عجائب المقدور فی اخبار تیمور لا فاضل الادیب شہاب الدین احمد بن محمد بن عبداللہ الدمشقی الانصاری معروف با بن عرب شاہ۔

تاریخ میں بیان ہوئے ہیں۔

ڈی ہربی لوت (D' Herbelot) نے اس تالیف کا خلاصہ اپنی کتاب "لابیلیو تھیکا اوری انتال" (La Biblictheque Orientale) میں کیا ہے جو سنہ ۱۷۸۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

مشرقی تحقیقات کے معمون میں سب سے بڑی چیستان تیمور کے "تزوک" اور "ملفوظات" ہیں جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ تیمور نے خود نہیں لکھا تھا۔ سترھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ایک شخص ابوطالب حسینی فارسی کی ایک بڑی تالیف لئے ہندوستان میں وارد ہوئے اور بیان کیا کہ یہ تالیف یعنی تزوک و ملفوظات خود امیر تیمور کے لکھے ہوئے ہیں۔ جب ان کو دیکھا گیا تو بہت صاف اور اصلی معلوم ہوئے۔ لیکن ڈیڑھ سو برس سے ان کے مستند غیر مستند ہونے کا مسئلہ متنازع فیہ چلا آتا ہے۔

مستند ہونے کے دلائل یہ ہیں:

(۱) تالیف کے متن سے اس کا مستند ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۲) جس شخص کو یہ تالیف دستیاب ہوئی کوئی وجہ نہیں کہ اس نے خود اسے لکھ کر تیمور سے منسوب کیا ہو۔

(۳) ایشیا کے عالموں نے اس وقت بھی اسے مستند مانا اور اب بھی مستند مانتے ہیں اور اس کا طرز تحریر اس قدر مختصر صاف اور شستہ ہے کہ کسی ایرانی مصنف یا ایشیا کے تاریخ نویس سے اس قدر سادگی اور صراحت ظاہر نہیں ہوتی۔

مخالف دلائل یہ ہیں:

(۱) عہد نویس مؤرخوں میں سے نظام شمس یا مولانا شرف الدین نے تزوک یا ملفوظات کا تذکرہ اپنی تاریخوں میں مطلق نہیں کیا ہے۔

(۲) اس مکان کو مان کر کہ تیمور کی وفات کے بعد دو سو برس تک یہ تالیف کہیں دبی پڑی رہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ تالیف کا صاف فارسی ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ اصل تالیف جس کا یہ ترجمہ ہے کبھی پیش نہیں کی گئی۔

یورپ میں ملفوظات اور تزوک قلمی نسخوں کی صورت میں لائے گئے اور سنہ ۱۷۸۳ء میں میجر دیوی (Major Davy) اور جوزف وائٹ (Joseph White) نے فارسی متن اور اس کا انگریزی ترجمہ اس نام سے شائع کیا۔ "سیاسی اور فوجی قوانین جنہیں تیمور اعظم نے جسے غلطی سے تمرلین کہا جاتا ہے خود اپنے قلم سے لکھا"۔ سنہ ۱۷۸۷ء میں پروفیسر لنگلس (Professor Langless) نے اس کا ترجمہ فرانسیسی میں شائع کیا۔

سنہ ۱۸۳۰ء میں میجر چارلس اسٹیوارٹ (Major Charles Stewart) نے لندن میں "مفلوظات تیموری" یا "مغل شہنشاہ تیمور کے خودنوشتہ سوانح جنہیں ابوطالب حسینی نے چغتائی ترکی زبان سے فارسی میں منتقل کیا"۔ شائع کیا۔

اُنیسویں صدی کے آخری دھم تک ان ملفوظات کا مستند ہونا بالعموم تسلیم ہوتا رہا اور ارمینیوس وامبرے (Arminies Vambery) اور لیون کاہوں (Leon Cahun) کو کبھی ان کی صحت و اصلیت

میں کلام نہ ہوا۔ لیکن اب اخیر دس سال کے محقق اس کو مستند نہیں مانتے ریو۔ (Rieu) ان کو مستند ماننے سے انکار کرتا ہے، براؤن (Browne) اور بوواٹ (Bouvat) کو ان کی اصلیت میں کلام ہے۔

کوئی نئی شہادت موافق یا مخالف ابھی تک پیش نہیں ہوئی ہے۔ لیکن یہ بعید از احتمال ہے کہ تیمور نے یہ کتاب خود لکھی ہو اور یہ امر اور بھی بعید از قیاس ہے کہ تیمور نے اگر یہ کتاب لکھی تھی تو مولانا شرف الدین یا اس زمانے کے اور مؤرخوں کو اس کا علم کیوں نہ ہوا۔ انہوں نے اس کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ تین موافق دلیلوں میں سے دو کا جواب اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ابوطالب حسینی شاہ جہان کے زمانے کا مصنف ہے اور شاہ جہان تیمور کی اولاد میں تھا اور اس نے تزوک اور ملفوظات کی مثل کتاب کو جب وہ اس کی لکھی ہوئی بتائی گئی تو بہت پسند کیا ہوگا۔ رہا کتاب کا طرز بیان تو وہ غالباً بابر کی تزوک کی نقل ہے اور بابر ہندوستان کا پہلا مغل بادشاہ شاہ جہاں کے دادا کا دادا تھا۔

تیسری دلیل کہ خود ملفوظات ہی اپنے مستند ہونے کی دلیل ہیں اس کا کوئی جواب تشفی بخش نہیں دیا گیا۔ جواب اگر دیا جا سکتا ہے تو ان اصلی تحریروں اور یادداشتوں کو دیکھ کر دیا جا سکتا ہے جو تیمور کے کاتبوں اور امراء نے تیار کی تھیں اور جن کے کچھ اجزا نظام شمس کو دیئے گئے تھے۔ مگر وہ تحریریں اور یادداشتیں ایسی گم ہوئی ہیں کہ تلاش سے بھی نہیں ملتیں۔ [1]

☆ یورپین مآخذ اور سیاح

Bergeron, Pierre, Relation des voyages en tartaie Plus un traicte des Tarares, de leur origine, maeurs, religion, conquest

---

[1] کتاب ہذا کے مصنف نے ملفوظات کا مقابلہ تزک بابری سے ارسکن کے ترجمہ کے ذریعے کیا ہے اور بعض مقامات پر دونوں کے طرز بیان کو ایک سا پایا۔ لیکن اگر ملفوظات کو آج سے دو سو برس پہلے کے ایک مصنف کی جعل سازی سمجھا جائے تو پھر ذیل کی مشکلات معلوم نہیں کیونکر حل کی جا سکتی ہیں۔ (۱) بعض باتیں ملفوظات میں مکرر آئی ہیں اور یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ لکھنے والے کو اس کا علم ہے کہ وہ ایک ہی بات کو دوبارہ لکھ رہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں سے ترجمہ کر رہا ہے یا ایسے مواد سے کام لے رہا ہے جو اس کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ (۲) ملفوظات میں صاف صاف بیان ہوا ہے کہ تیمور "ترا" یعنی اس زمانے کے شاہاں مغل کی اولاد سے نہ تھا۔ مولانا شرف الدین اپنی کتاب میں اس مضمون سے بالکل ہی گریز کر گئے ہیں۔ پس یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مصنف جو تیمور کا بڑا ستائش گر تھا وہ اپنی تصنیف میں تیمور کی نسبت ایسی بات لکھے خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اپنی تصنیف اُس کو تیمور کی اولاد میں سے ایک بادشاہ کے سامنے پیش کرنی تھی۔
اس کتاب میں ملفوظات کے مضامین کو یہ نہیں سمجھا گیا ہے کہ وہ تیمور کے لکھے ہوئے ہیں۔ بعض واقعات کی نسبت لکھا گیا ہے کہ بظاہر وہ مستند ہیں۔ (مصنف)

es, Empire, Chams, hordes. Avec un abrege de l'histoire des sarasins Paris, 1634.

یعنی تا تاری میں سفر کے حالات، نیز ایک مضمون تا تاریوں کی بابت جس میں ان کی اصل رسم و روج، مذہب، فتوحات اور سلطنت ان کے خانوں اور اردوں کا ذکر ہے مع خلاصہ تاریخ ساراسین۔ پیرس سنہ ۱۶۳۴ء (اپنے زمانے کی نہایت عمدہ کتاب ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بہت کم دستیاب ہے۔ مصنف کتاب ہذا کے مجموعہ کتب میں یہ کتاب موجود ہے اور وہ اس کی بہت ہی قدر کرتا ہے۔ اس فہرست میں نصف سے زیادہ کتابیں ایسی ہیں جو اس کتاب میں بیان ہوئی ہیں)۔

Clavijo, Ruy Gonzalez De. Narrative of the embassy of Ruy Gonzalez de Clavijo to the Court of Timur, at Samarkand, A.D. 1403-6. Translated by Clements R. Markham. Hakluyt Society, 1859.

کلاویجو۔ رائے گونزالیز ڈی۔ تذکرہ سفارت رائے گونزالیز ڈی کلاویجو بدربار تیمور در سمرقند سنہ ۱۴۰۳ء۔ ۱۴۰۶ء مترجمہ کلیمنٹس آر۔ مارکھم۔ ہیکلیوٹ سوسائٹی سنہ ۱۸۵۹ء (اسپینی وزیر کی لکھی ہوئی یہ نہایت ہی قابل قدر سرگذشت ہے۔ وزیر موصوف تیمور کے آخری زمانے میں اس کے دربار میں دور دراز کا سفر کر کے پہنچا تھا)۔

Contarini. Travels to Tana and Persia, by Josafa Barbaro and Ambrogio Contarini-Hakluyt Society 1873.

سفر تانا اور فارس۔ مصنف جوسافا باربارو اور امبرو گیو کونتارینی۔

De Sacy, Silvestre. Memoire sure une correspondance inedite de Tamerlan avec Charles VI-Memoires de l'Academie des Inscriptions et Belles Letters, Tome Sixieme. Paris, 1822.

یعنی غیر مطبوعہ مراسلات جو تیمور اور بادشاہ چارلس ششم کے درمیان ہوئے (کتبوں اور ادبیات پر ایک کتاب جلد ششم) (تلخیص خطوط و مراسلات مابین تیمور و بادشاہ فرانس۔ ڈی ساسی کا خیال ہے کہ تیمور کا خط جنگ انکوریہ کے پہلے کا لکھا ہوا ہے)۔

Froissart. Chroniques. Paris, 1835.

(مفصل حالات جنگہائے صلیب بمقابلہ ترک)۔

Haithon, John. Les Fleurs des histories de la terre d'orient compillees par frere Hayton... cousin du Roy Darmenie. Translated by Nicholas Salcon. Paris, 1475.

مشرق زمین کی منتخب کہانیاں مؤلفہ فریر ہیٹن عمزاد رائے ڈارمینی جنہیں نکولس سالیوں نے ترجمہ کیا۔ پیرس سنہ ۱۴۷۵ء (اس زمانے میں جو معاملات مشرق میں پیش آ رہے تھے اُن کا نہایت قابل قدر تذکرہ ہے)۔

Historia Tartarorum. In Mss. Leyden.

تاریخ تاتار۔ قلمی نسخہ لیدن۔

Perondino, Pietor. Magni Tamerlanis Scytharum imperatories vita. Florence, 1553.

Podesta, Baptista. De gestis Tamerlanis.

یعنی تیمور کے کارنامے۔

(یہ کتاب مثل مسبوق الذکر کتاب اہلِ یورپ کے ابتدائی خیال کے مطابق ہے اور اس میں ترکی مآخذ سے عبارتیں نقل ہوئی ہیں)

Rieu, C.P.H. Catalogue of Persian MSS. in British Museum. London, 1879-83

فہرست قلمی نسخہ جات فارسی برٹش میوزیم مرتبہ ریو۔ سی۔ پی۔ ایچ لندن سنہ ۱۸۷۹ء ۱۸۸۳ء۔
(فارسی مآخذ اور "ملفوظات تیموری" سے اس میں بحث کی گئی ہے)۔

Schilt berger, Johannes. Gefangeuschaft in der Turkey. Frankfort, 1557. Published by Hackluyt Society, 1879.

یعنی جوہانس شلت برگر کی غلامی اور سفر کے حالات۔ (ایک نوجوان جرمن کی یہ بے ڈھنگی سی داستان ہے۔ جنگ نیکو پولس میں یہ شخص قید ہو گیا تھا۔ پہلے تیمور کے فرزند کی خدمت میں رہا پھر تا تار خاں ایدکو کی ملازمت کی)۔

Seadeddin. Tajul-Twarikh. Translated by (Kollar) Seaddini annales Turcici usque ad Murad. Vienna, 1755.

سعدالدین کی تاج التواریخ جسے کولر نے ترجمہ کیا، مطبوعہ ویانا سنہ ۱۷۵۵ء۔

Severac, Jourdain Catalani. Mirabilia Descripta sequitur de Magno Tartaro. Translated by Cordier, Les Merveilles L'Asie. Paris, 1925.

Turner, T. Hudson, Unpublished Notices of the Times of Edward I and of his Relations with the Moghul Sovereigns of Persia. Arch. Journ. VIII. London, 1851.

ٹی ہڈسن ٹرنر۔ ایڈورڈ اوّل بادشاہ انگلستان کے زمانے میں چند غیر مطبوعہ حالات اور بادشاہ موصوف کے تعلقات ایران کے شاہان مغلیہ سے۔ ارکیولوجیکل جرنل جلد ۸۔ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۵۱ء۔

☆ ایشیائی مآخذ ثانیہ

Abulghazi Bahadur Khan. Historia Mongolorum et Tartarorum nunc primum tatarice edita. Kazan, 1825.

ابوالغازی بہادر خان کی کتاب تاریخ جس میں ولایت متصل بحر خزر کے خانان تا تار کے حالات ہیں اور جو تیمور کی وفات کے دو سو برس بعد ایک ازبک خان نے لکھی ہے)۔

Babar. Memoirs, translated by Leyden and Erskine. London, 1826.

تزک بابری مترجمہ لیڈن وارسکن۔

(تیمور کی اولاد میں ہندوستان کے سب سے پہلے بادشاہ بابر کے ان خودنوشتہ سوانح میں تیمور کے کاموں کا ذکر بھی جا بجا آتا ہے۔ یہ کتاب اس وجہ سے زیادہ قابل قدر ہے کہ اس میں سمرقند کے حالات اور تیمور کے بعد جو عہد زریں ادبیات کا آیا تھا اس کے حالات بخوبی ملتے ہیں)۔

Haidar, Mirza. Tarikh-i-Rashidi. Edited by E. Elias, translated

by E. Denison Ross. London, 1895.

تاریخ رشیدی مصنف حیدر مرزا۔ جسے ای الیاس نے شائع کیا اور ای ڈینیسن روس نے ترجمہ کیا۔ لندن سنہ ۱۸۹۵ء۔

(اس کتاب میں ایک مغل خاں نے اپنی ہی قوم کے تاریخی حالات لکھے ہیں۔ ترجمہ نہایت نفیس ہے)

Ibn Batuta. Travels, translated by Defremeny and Sanguinetti. Paris, 1853.

ابن بطوطہ کا سفرنامہ جس کا ترجمہ دی فریمری اور سانگوینٹی نے کیا۔ پیرس سنہ ۱۸۵۳ء

(ابن بطوطہ ایران اور ماوراء النہر میں سے اس وقت گزرا جب تیمور پیدا ہوا تھا)۔

Ibn Khaldoun. by Baron de Slane. Journal Asiatique, IV Serie, III.

ابن خلدون۔ بیرن دی سلین۔ جرنل ایشیاٹک جلد ۴۔ سلسلہ ۳ (اس میں مصر کے اس مشہور مورخ اور تیمور کی ملاقات کا ذکر ہے جو دمشق میں ہوئی تھی)۔

Ibn Khallikan. Vie des hommes illustres de l'islamisme. Published by Baron de Slane.

Khwand Amir. Histoire des khans moguls de la Transoxiana. Defremery, Paris, 1853.

خواند امیر۔ ماوراء النہر کے خانان مغل کی تاریخ۔ مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۵۳ء۔

Meynard, Barbier De, Extraitش de la Chronique Persane D'Herat. Journal Asiatique, V Serie, XVII.

باربیری دی مینارد۔ جرنل ایشیاٹک جلد پنجم سلسلہ ۷۔

Mir Al Chir Nevaii. Extraits et traduction. Journal Asiatique V Serie, VII.

☆ عام تواریخ

Bouvat, Lucien. L'Empire Mongol (2 eme phase). Paris,1927

بوواٹ۔ لیوسین۔ سلطنت مغل۔ پیرس سنہ ۱۹۲۷ء۔

(چنگیز خاں کے بعد مغلوں کی سلطنت کا خلاصہ احوال ہے)۔

Cahun, Leon. Introduction a l'histoire de l'Asie: Turcs et Mongols, des origines a 1405. Paris 1896.

کاہون لیون تاریخ ایشیا کا دیباچہ۔ ترک اور مغل اور ان کی اصل سنہ ۱۴۰۵ء تک پیرس سنہ ۱۸۹۶ء۔

(تیمور کے متعلق جو باب لکھا ہے اس میں ترکوں کو اس قدر سراہا ہے کہ مضمون بدنما ہو گیا ہے۔ مگر ایک بڑے عالم کا نقطہ نظر ہے)۔

De Guignes. Histoire generale des Huns des Turcs des Mogols. Paris, 1756.

دی گوئن۔ ہن ترک و مغل کی عام تاریخ پیرس سنہ ۱۷۵۶ء (یہ اپنے زمانے کی اس مضمون پر جامع کتاب

ہے)۔

Ferishta. A History of the Rise of the Mahommedan Power in India till the year 1612 A. D. Translated by J. Briggs. Calcutta, 1910.

فرشتہ۔ سنہ ۱۶۱۲ء تک ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کا عروج اور اس کی تاریخ۔ مترجمہ جے۔ برگز۔ کلکتہ سنہ ۱۹۱۰ء۔

(ہندوستان کے شاہی خاندانوں کی مفصل تاریخ)۔

Gibbson, Herbert Adams. The Foundation of the Ottoman Empire. New York, 1916.

ہربرٹ ایڈیمز گبنز کی کتاب عثمانی سلطنت کی بنیاد نیویارک سنہ ۱۹۱۶ء

(عثمانیوں اور بایزید کے حالات میں آج کل کے زمانے کی اچھی کتاب ہے)۔

Hammer Purgstall, J. Von. Geschichte des Osma. nischen Reiches. Vienna, 1835. Geschichteder Goldenen Horde. Buda, 1840.

(ترکوں اور خانان سیراوردہ کے حالات میں قابل قدر تصانیف ہیں۔ زیادہ تر حصر عثمانی اور بزنطینی مورخوں پر کیا گیا ہے)۔

Howorth, Sir Henry History of the Mongols. London, 1876-88.

سر ہنری ہوورتھ۔ مغلوں کی تاریخ۔ لندن سنہ ۱۸۷۶ء۔۱۸۸۸ء۔

(دوسری جلد میں خانان سیراوردہ کے مفصل حالات ہیں۔ شاہان آل مظفر اور سلطان احمد کے حالات تیسری جلد میں ہیں)۔

Lane- Poole, Stanley. The Mohammedan Dynasties. London, 1894.

اسٹینلی لین پول کی کتاب خاندانہائے اسلامی، لندن سنہ ۱۸۹۴ء

(اس کتاب میں مختلف شاہی خاندانوں کے شجرہ نسب دیئے ہیں۔ تاتاریوں کے حالات میں ہوورتھ کی کتاب سے استفادہ کیا ہے)۔

Levchine, Alexis De. Description des Hordes des Steppes des Kirghiz-Kazaks. Traduite du russe par M. Ferry de Pigny. Paris, 1841.

Makrisi. Histoire des Sultans Mamlouks de l.Egypte. Translated by M. Quatremere. Paris, 1837.

Malcolm, Sir John. History of Persia. London, 1829.

سر جان میلکم کی تاریخ ایران۔ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۲۹ء

(تیمور کے خصائص کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ (یورپین کے نزدیک) بہترین ہے)۔

Muir, Sir William. The Caliphate: Its Rise, Decline and Fall. London, 1892.

(عربوں کی سلطنت کے حالات تیمور سے پہلے کے ہیں)۔

Price. Chronological Retrospect. London, 1811-1821.
(جلد سوم حصہ اوّل میں تیمور کی لڑائیوں کے خلاصہ حالات دیئے ہیں)۔

Rambaud, Alfred. Histoire de laRussie. Paris, 1914.
(لیتھوانیا اور پولینڈ سے روس کے والیان اعظم کے تعلقات خوب بیان کئے ہیں)۔

Skrine, and Denison Ross. The Heart of Asia, a History of Russian Turkestan and the Central Asian Khanates from the earliest times. London, 1899.
(وسط ایشیا میں جو سیاسی انقلاب ہوئے ہیں ان کی یہ ایک عمدہ سرگذشت ہے)۔

Sykes, Lieut. Col. P. M. A History of Persia. London, 1915.
لیفٹیننٹ کرنل سائیکس کی تاریخ ایران۔ لندن سنہ ۱۹۱۵ء۔
(تیمور کے حالات کا خلاصہ اس زمانہ کا کیا ہوا اچھا ہے اس کے جنگی کارناموں کا بھی ذکر ہے اور اس کے زمانے کی عمارتوں کی قدردانی کی ہے)۔ [1]

Vambery, Arminius. History of Bokhara, from the earliest period down to the present. London, 1873.
وامبری کی تاریخ بخارا قدیم زمانے سے لے کر زمانہ حال تک کے حالات۔
(امیر تیمور کے حالات میں دو باب ہیں۔ مگر کچھ ناہموار سے ہیں۔ زیادہ توجہ سے نہیں لکھے گئے۔ لیکن باتوں کو صحت کے ساتھ سمجھنے کا رنگ پیدا ہے)۔

Weil, Gustav. Geschichte de Chalifen mannheim. 1846-1862.
گستاف وائل کی تاریخ خلافت۔

Wolff. Geschichte der Mongolen. Breslau, 1872.

☆ سمرقند اور آثار قدیمہ

Blanc, E. Antiquites de Smarkande. Revue des Deux Mondes, 1893.
سمرقند کے آثار قدیمہ مؤلفہ ای بلنک۔

Mausolee de Tamerlan a Samarkande. Academie des Inscriptions et Belles-Letteres, 1896, pp. 272-303.

Bouvat, Lucien. Essaisur la civilisation timouride Journal Asiatique, April-June 1926.
لوسین بووٹ کا مضمون متعلق تمدن تیموری۔ جرنل ایشیاٹک بابتہ ماہ اپریل۔ جون سنہ ۱۹۲۶ء۔
(تیموری سلطنت کے رسم و رواج اعمال و افعال کا ایک مختصر اور نہایت مفید بیان ہے)۔

Cresswell, K. A. C. The History and Evolution of the Dome in Persia.

---

[1] ان تاریخوں میں سوائے وامبری اور میلکم کے تیمور کی نسبت کم گفتگو کی ہے۔ البتہ وامبری اور میلکم نے کسی قدر مفصل بحث کی ہے۔ (مصنف)۔

کے۔ اے۔ سی کریسول کی کتاب تاریخ وارتقاء تعمیر گنبد در ایران۔

Journal Royal Asiatic Society, 1914.

Crozier. Les Monuments du Samarkande de l'epoque des Timourides. Paris, 1891.
کروزیر کی کتاب تیموریوں کے زمانے کے سمرقند کی یادگار عمارتیں۔

Curtis, William Eleroy. Turkestan: "The Heart of Asia"
کرٹس کی کتاب ''ایشیا کا دل'' ترکستان۔
New York, 1911.

Khanikoff, N. De. Samarkand. Bull. de la Soc. de Geog. 1896, V. Serie, T. XVII.

Leclerq, Jules. Les Monuments de Samarcande. Soc. Roy. Belge de Geog. Bull. XIII, 1890, VI, pp. 613-32.

Le Strange, Guy. The Lands of the Eastern Caliphate - Mesopotamia and central Asia from the Moslem Conquest to the Time of Timur. Cambridge, 1905.
لی اسٹرینج کا جغرافیہ خلافت مشرقی۔ بونامیہ۔ اور وسط ایشیا۔ اسلامی فتح سے زمانہ تیمور تک کیمبرج سنہ ۱۹۰۵ء
(نہایت ہی قابل قدر کتاب ہے۔ تیمور کی شمالی سلطنت کو چھوڑ کر اس میں تمام شہروں سڑکوں اور تجارت کے حالات ہیں۔ ایشیائی ماخذوں سے مثلاً ابطوطہ۔ مستوفی ابوالفدا او غیرہ وغیرہ سے حالات لئے گئے ہیں)۔
(اس کتاب کا ترجمہ اُردو میں جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں پروفیسر جمیل الرحمٰن صاحب ایم۔ اے کا کیا ہوا طبع ہو رہا ہے۔ (مترجم)۔

Mordowtzeff, D. In the capital of Temerlan. Pictresque Russia, 1901, I. (In Rssian).
مورڈوزف کی تالیف دارالسلطنت تیمور۔ روس کے دلکش اور پُر اثر مقامات سنہ ۱۹۰۱ء (روسی زبان میں ہے)۔

Radloff, W. W. Ancient Architectural remains in Samarkand. Mem. I. R. G. S. 1880 VI (In Russian).
ریڈلوف کی کتاب سمرقند کی پرانی عمارتوں کے بقیہ آثار (روسی زبان میں ہے)۔

Schuyler, Eugene. Turkistan, Notes of a journey in Russian Turkistan Khokand, Bukhara and Kuldja. New York, 1876.
یوجین شولر کا سفرنامہ روسی ترکستان۔ خوکند۔ بخارا اور کلجا۔ نیویارک سنہ ۱۸۷۶ء
(کھنڈروں کے حالات کے علاوہ پروفیسر شولر نے وامبری کی تاریخ پر بھی ایک بڑی موثر تقریظ کی ہے)

☆ متفرق کتابیں

Backer, Leon. L'Orient au moyen age.
لیون باکر کی کتاب مشرق بعہد وسطے۔

Barthold, W. Turkestan down to the Mongol Invasion. Oxford, 1928.

بارتھولڈ۔ ترکستان کے حالات مغلوں کی فوج کشی کے زمانے تک۔

(پروفیسر بارتھولڈ کی تصنیف ''خاندانہائے ترکستان'' سے جو روسی زبان میں ہے یہ کتاب ترجمہ کی گئی ہے۔ اس میں ایک مختصر مگر نہایت مستند بیان اُن مآخذ کا جس سے تیمور کے سوانح زندگی معلوم ہو سکتے ہیں)۔

Beazley, Charles Raymond. The Down of Modern Geography. London, 1897-1906.

بیزلی کی کتاب جغرافیہ حال کی ابتدا۔

(چودھویں اور پندرہویں صدی عیسوی میں جن سیاحوں نے ایشیا میں سیاحت کی اُن کا تذکرہ ہے اور کچھ حالات مختصر سے شہروں کے بھی ہیں)۔

Bell, M. S. The Great Central Asian Trade Route from Peking to Kashgar. Proc. R. G. S. 1890.

وسط ایشیا کا بڑا تجارتی راستہ پیکنگ سے کاشغر تک مصنفہ ایم۔ ایس۔ بیل۔

Blochet, E. Introduction a l'histoire des Mongols de Fadl Allah Rashid ed Din. Leyden, 1910.

فضل الرشید الدین کی تاریخ مغول کا دیباچہ مؤلفہ بلوچیت۔ لندن سنہ ۱۹۱۰ء

(تیمور اور شاہان منگ سے جو خط و کتابت ہوئی اُس کا مفصل تذکرہ)۔

Bretschneider, E. Notes on the mediaeval geography and history of Central & Western Asia. Journal of the North China Branch R. A. S.

برٹ شنائیڈر کی کتاب ایشیا وسطٰی اور مغربی ایشیا کا جغرافیہ اور تاریخ زمانہ وسطٰی میں جیسا تھا۔

Browne, Edward G. A History of Persian Literature under Tartar Dominion (A. D. 1265-1502)Cambridge, 1920.

تاتاریوں کی سلطنت کے زمانے کی تاریخ ادب فارسی (سنہ ۱۲۶۵ء سے سنہ ۱۵۰۲ء تک) مطبوعہ کیمبرج سنہ ۱۹۲۰ء۔

(یہ بڑی قابل قدر کتاب ہے۔ اس میں ایرانیوں اور تاتاریوں کے ادب کا موازنہ کیا گیا ہے تیمور کے متعلق بحث مختصر ہے)۔

Cahun, Leon. Formation territoriale D l'Asie Timur et le Second Empire Mongol. (L'Histoire Generale E. Lavisse and A. Rambaud).

ایشیا کی سلطنتیں۔ تیمور اور مغلوں کی دوسری سلطنت مصنفہ لیون کاہون۔

Czaplicka, M. A. the Turks in Cenral Asia, Oxford, 1918.

ایشیائے وسطٰی میں اتراک مولفہ زاپلیکا۔

(اس تصنیف میں فہرست کتب بہت جامع ہے)۔

Dubeux, Luois. Tartarie. Paris 1840.

لوی ڈوبے کی کتاب ''تاتاری'' پیرس سنہ ۱۸۴۰ء۔

Encyclopaedia Britannica, eleventh edition. (Articles on Mongols, Golden Horde, Turks, Samarkand. Henry IV of England, Baghdad, Moscow.)

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا۔ گیارھواں ایڈیشن (حسب ذیل مضامین۔ مُغل، سیر اوردہ ترک، سمرقند، ہنری چہارم بادشاہ انگلستان، بغداد، ماسکو)۔

Hellwald, Frederick von. The Russians in Central Asia. A critical examination down to the present time of the geography and history of Central Asia. (Translated by Theodore Wirgman) Lonon, 1874.

فریڈرک حون ہلوارڈ کی کتاب ''روسی وسط ایشیا میں'' وسط ایشیا کے جغرافیہ اور تاریخ پر ایک تنقیدی نظر گذشتہ سے حال تک (مترجمہ تھیوڈور ورگمان) لندن سنہ ۱۸۷۴ء۔

Holden, Edward S. The Mogul Emperors of Hindustan. New York, 1895.

ایڈورڈ ایس ہولڈن کی کتاب ''ہندوستان کے شاہان مغل'' مطبوعہ نیویارک سنہ ۱۸۹۵ء

Manouchi. The History of Tamerlane the Great,Emperor of the Mogols and Tartars. With an Account of his Coutr. london 1722.

(کم مفید ہے)

Margat. Histoire de Tamerlan, Empereur des Mogols et Conquerant de L'Asie. Paris, 1739.

Nave, Felix. Expose des guerres de Tamerlan et de Schah-Rokh dans l,Asie centrale. Bruxelles, 1860.

(یہ کتاب اس لئے قابل قدر ہے کہ اس کی بنیاد طامس مزدوفی)۔

Popowski. The Rival Powers in Central Asia. London, 1893.

وسط ایشیا میں مدمقابل قوتیں۔ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۹۳ء مؤلفہ پوپادسکی۔

Rickmers, W. Rickmer. The Duab of Turkestan. Cambridge, 1913.

رکمرز کی کتاب دوآب ترکستان۔ کیمبرج سنہ ۱۹۱۳ء۔

(تیمور کے ملک کے طبعی حالات)۔

Schlumberger, G. L. Byzance et Croisades, Paris, 1927.

جی۔ ایل۔ شلم برگر کی کتاب بیزنطیہ اور جنگہائے صلیب مطبوعہ پیرس سنہ ۱۹۲۷ء

(اس کتاب کے دو باب ایسے ہیں جن میں قیصر مانیول کی پریشان گردی کا حال کہ یورپ کے بادشاہوں کے پاس کہاں کہاں طلب امداد میں گیا اور اس کی عدم موجودگی میں قسطنطنیہ کو ترکوں سے محفوظ رکھنے کے حالات بہت مکمل طریقے پر اور نئے انداز سے بیان کئے گئے ہیں)۔

Stein, Sir Marcus. Serinda, Oxford, 1921.

Archaeology of Central Asia and Western China.

سر مارکوس اسٹائن کی کتاب ایشیا وسطی اور مغربی چین کی اثریات۔ آکسفورڈ سنہ ۱۹۲۱ء۔

Yule, Sir Henry. Cathay and the Way Thither.
Hakluyt Society: 2nd Series, Nos. 33, 37, 38 & 41.

ملک ختا اور وہاں جانے کا راستہ۔ مؤلفہ سر ہنری یول مطبوعہ ہیکلوٹ سوسائٹی دوسرا سلسلہ۔ شمار ۳۳۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۴۱۔

(پرانے سیاحوں کے سفر اور راستوں سے اچھی بحث کی گئی ہے)

Zimine, L. Details of the death of Timur. (protocols and Communications of the Archaeological Society of Turkestan, VIII year).

ایل زمینی کی کتاب "تیمور کی موت کے تفصیلی حالات"۔
(مجلس اثریات ترکستان کے روزنامچے اور مراسلات سال ہشتم)

(خاص خاص مضامین کن کن کتابوں میں آئے ہیں۔ بووٹ کی کتاب میں حالات تیمور کے ایرانی ماخذ سے بحث کی گئی ہے۔ زاپلیکا کی کتاب میں ترکوں اور تاریوں کی ابتدائی تاریخ، سمرقند کے آثار قدیمہ بیان ہوئے ہیں۔ گبنز میں عثمانیوں کی جنگ اور یورپ میں ان کے قبضے سے بحث کی ہے۔ نقشوں کے لئے لی اسٹرینج کی کتاب نہایت عمدہ ہے۔ ہوورتھ کی جلد اوّل ایک عام نقشہ تیمور سے قبل کے زمانے کا دیا ہوا ہے۔ اور مرزا حیدر کی کتاب اس زمانہ کا ایک بہت اچھا نقشہ ایشیائی وسطی کا موجود ہے)۔